رجسٹرڈ نمبر اے (۲۷۱)

خاتون

جلد | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء | نمبر ۳

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے - ایل - ایل - بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار عبداللطیف پرنٹر
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

شیخ عبداللہ بی اے سلمہ نے علیگڑہ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۲ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں۔ اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہوتا کہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈہ ہونی چاہیے۔

بیگمات بھوپال

رسالہ خاتون میں اکثر مشہور خواتین کے حالات شایع ہو چکے۔ ہندوستان کی بیسیوں نامور عورتوں کی سوانح عمریاں لکھی گئیں لیکن ابتک بیگمات بھوپال کی تاریخ نہیں چھاپی گئی حالانکہ انکے روشن کارنامے نگاہوں کے سامنے ہیں۔

میں عرصہ سے یہ چاہتا تھا کہ ان عالیشان بیگمات کے حالات لکھوں۔ لیکن پھر یہ سوچتا تھا کہ یہ کام کسی بھوپال ہی کے اہل قلم سے ہو تو بہتر ہی۔ عربی میں مثل ہے کہ صاحب البیت ادری بمافیہ۔ گھر والے ہی گھر کا حال خوب جانتے ہیں۔ وہیں کا کوئی شخص اسکو اچھی طرح لکھ سکتا ہی۔ اسی خیال سے بعض احباب کو اس طرف متوجہ بھی کیا لیکن اُنھوں نے اُلٹا مجھی پر یہ بوجھ ڈالا۔

میں نے چونکہ مشہور خواتین اسلام کا سلسلہ شروع کر رکھا ہی جس میں ان بیگمات کا بھی شامل کرنا ضروری تھا اسلیے خود ہی لکھنے کے لیے آمادہ ہونا پڑا۔ لیکن انکے حالات

لکھنے سے پہلے نہایت اختصار کے ساتھ ریاست بھوپال کی سرسری تاریخ بھی بیان کر دینی ضروری ہے تاکہ واقعات ترتیب پاکر صحیح طور پر ذہن نشین ہوں۔

ریاست بھوپال کے بانی سردار دوست محمد خاں ہیں جو ایک افغانی قبیلہ میرازی خیل میں سے تھے اور تیراہ کے باشندے تھے۔ وہ ۱۱۲۰ھ میں بہادر شاہ کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ یہاں مختلف مقامات پر ملازمت کرتے ہوئے منگل گڈھ[1] کی رانی کی نوکری کی۔

سردار موصوف چونکہ بہادری اور جانبازی میں یکتائے روزگار تھے اسلیے رانی نے ان کی بڑی عزت کی اور اپنا موتھ بولا بیٹا بنایا۔ کچھ زمانے کے بعد جب وہ مری تو ان کو بھی اس کے ترکہ سے کسی قدر مال و زیور ملا۔ یہ وہاں سے بیرسیہ میں آرہے۔

بیرسیہ اس زمانہ میں دہلی کے ایک رئیس تاج محمد خاں کی جاگیر میں تھا۔ چونکہ سلطنت مغلیہ کمزور ہوگئی تھی جا بجا ملک میں لوٹ مار اور غارت گری ہوتی تھی۔ بالخصوص کوہستانی مقامات میں جہاں پہاڑوں اور جنگلوں کی وجہ سے ڈاکوں کو نہایت عمدہ موقعے حاصل تھے۔ تاخت و تاراج کا بازار بہت گرم تھا۔ تاج محمد خاں کے کارندوں کے جگر ڈاکوں کی شورش سے خون ہورہے تھے۔

سردار دوست محمد خاں نے ان کو پریشان دیکھ کر اپنی اولوالعزمی سے پرگنہ بیرسیہ کا تیس ہزار روپیے سالانہ پر ٹھیکہ لے لیا۔ اور اپنے عزیزوں اور ہمقوموں کو جمع کر کے ڈاکوں کا استیصال کرنا شروع کیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ بہت سے ملحقہ پرگنے اپنے قبضہ میں کر لیے۔

ان کی روز افزوں ترقی دیکھ کر مالوہ کے صوبہ دار دیا بہادر نے اجین سے ان پر لشکرکشی کی مگر سردار موصوف نے اس کی کثیر التعداد فوج کو اپنی تھوڑی سی جمعیت سے شکست فاش

---

[1] ریاست بھوپال کے پرگنہ بیرسیہ میں ایک گاؤں کا نام

دی اور اُسکا تمام ساز و سامان اور توپخانہ چھین لیا۔ جس سے اُن کی طاقت اور شہرت بہت بڑھ گئی۔

اسی زمانہ میں گنور کے راجہ کو اسکے بھائیوں نے زہر دیکر مار ڈالا۔ اس کی بیوی رانی کملاپتی نے سردار دوست محمد خاں کے پاس اپنا دردناک قصہ کہلا بھیجا اور قاتلوں کے انتقام کی ملتجی ہوئی۔ سردار موصوف نے پہونچکر اسکے شوہر کے قاتلوں کا علاقہ چھین لیا۔ رانی کملاپتی نے بھی ان کو اپنی ریاست کا مختار کر دیا۔ اسکے مرنے کے بعد گنور کا قلعہ اور علاقہ بھی انکے ملک مفتوحہ میں شامل ہوگیا۔ اب وہ ایک بڑی ریاست کے مالک اور مقتدر رئیس شمار ہونے لگے۔

پہلے ان کا قیام اسلام نگر میں تھا جو بھوپال سے تین کوس کے فاصلہ پر ہی۔ انھوں نے موجودہ شہر بھوپال[1] کو جو تالاب کے کنارے پہاڑی پر ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اپنا دارالریاست قرار دیا اور نہایت مبارک ساعت میں یعنی عین حج اکبر کے دن ۱۱۴۰ھ میں ایک سنگین قلعہ کی بنیاد

---

[1] یہ گاؤں راجہ بھوج والی دھار نگری نے آباد کیا تھا۔ اور اسکا نام اپنے نام پر بھوج پال رکھا تھا۔ کثرت استعمال سے بھوپال ہوگیا۔

کہتے ہیں کہ راجہ بھوج جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمعصر ہی ایک مسلمان بزرگ عبداللہ چنگال کے ہاتھ پر جو اس زمانہ میں مکے یا مدینے سے تشریف لائے تھے اسلام لایا تھا۔ اگرچہ یہ واقعہ کسی تاریخ میں نہیں ہی لیکن عبداللہ چنگال کے مزار پر جو دھار میں ہی ایک قصیدہ فارسی زبان میں لکھا ہی اسکے چند اشعار سے اس کی تصدیق ہوتی ہی۔ وہ اشعار یہ ہیں

چو وقت آمد کہ خورشید حقیقت — شود طالع دریں یلدائے دیجور
رسید ایں شیر مرد از مرکز دیں — دریں دیر کہن با جمع جمہور
بزد برہم تماثیل و بتاں را — مصلے ساختہ آں معبد زور
چو رائے بھوج دیدش از فراست — مسلماں گشت با اہل ہمہ سور
بنور شرع روشن گشت ایں شہر — رسوم شرک شد معدوم و مدحور

رکھی اور اردگرد فصیل کھچوائی۔

سنہ ۱۱۵۳ھ میں جب سردار دوست محمد خاں نے انتقال کیا تو نظام الملک آصف جاہ والی حیدرآباد دکن سے جو جاتے وقت سردار موصوف کے بڑے بیٹے یار محمد خاں کو اپنے ہمراہ دکن لیتے گئے تھے۔ نوابی کا خطاب۔ خلعت اور ماہی مراتب دے کر بھوپال کو رخصت کیا۔

انھوں نے یہاں آکر بجائے بھوپال کے اسلام نگر ہی کو آباد کیا۔ کئی ایک پرگنے فتح کرکے اپنے مقبوضات میں شامل کیے۔ پیشوا مرہٹہ والی پونا سے بھی بھوپال کے قریب ان کا مقابلہ ہوا۔ اور اسکو شکست فاش دی۔ پندرہ سال نوابی کرنیکے بعد وفات پائی۔

نواب یار محمد خاں کے بعد سنہ ۱۱۶۷ھ میں انکے بیٹے فیض محمد خاں جنکی عمر اسوقت صرف ۱۱ سال کی تھی گدی پر بیٹھے۔ ان کی کوشش سے رائسین کا مشہور قلعہ ریاست میں شامل کیا گیا۔ اور اس کی قلعداری کی سند دربار دہلی سے انکے نام ہوئی۔

پیشوا جو نواب یار محمد خاں سے شکست کھا کر گیا تھا۔ اس نے انکے زمانہ میں انتقام لینے پر کمر باندھی۔ اور چڑہائی کی۔ بھوپال کی فوج تاب مقابلہ نہ لاسکی۔ آخر تقریباً نصف ریاست مرہٹوں کو دیکر صلح کرنی پڑی۔

سنہ ۱۲۰۹ھ میں نواب فیض محمد خاں کے مرنے کے بعد انکے چھوٹے بھائی حیات محمد خاں بجائے انکے رئیس ہوئے۔ انکے عہد میں ریاست میں خانہ جنگیاں۔ شورشیں۔ اور لڑائیاں رہیں۔ انہیں کے زمانہ میں وزیر محمد خاں جو نواب حیات محمد خاں کے چچازاد بھائی شریف محمد خاں کے بیٹے تھے ریاست کے مختار کار ہوئے۔

سنہ ۱۲۲۳ھ میں نواب حیات محمد خاں کے مرنے کے بعد انکے بیٹے نواب **غوث محمد خاں** مسند نشیں ہوئے لیکن ان کی نوابی برائے نام تھی اصل کارپرداز ریاست کے وزیر محمد خاں تھے۔

وزیر محمد خاں اُن چند افراد میں سے تھے جن کی بہادری ہندوستان کے لیے سرمایۂ ناز ہے۔ ان کے پاس ایک سرنگ گھوڑا پنکھراج نامی تھا جس کی دُم کسی لڑائی میں کٹ گئی تھی۔ وہ ان کو اس قدر عزیز تھا کہ ایک دم کے لیے بھی اسکو اپنی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔ پنڈاروں میں ان کی یہ دہاک تھی کہ جب کوئی کہدیتا تھا کہ دُم کٹے گھوڑے کا سوار آگیا تو انکے کلیجے لرز جاتے تھے۔

یہ وزیر محمد خاں ہی کا دل وجگر تھا کہ سنہ ۱۸۱۲ء میں جب مہاراجہ سیندھیا۔ اور راجہ ناگپور نے متفقہ طاقت سے ۸۲ ہزار فوج لیکر بھوپال پر چڑھائی کی تو انھوں نے رستمانہ کام کیے۔ اور اپنی کل ۱۱ ہزار فوج سے اتنی بڑی عظیم الشان جماعت کو شکست دی۔ وہ درصل اس ریاست کے لیے ایک سنگین قلعہ تھے۔

سنہ ۱۲۳۱ھ میں ان کی وفات کے بعد انکے بیٹے نواب نظر محمد خاں بھوپال کے رئیس ہوئے۔ اور نواب غوث محمد خاں کی بیٹی گوہر بیگم صاحبہ قدسیہ کے ساتھ ان کا عقد ہوا سنہ ۱۲۳۳ھ میں انکے بطن سے نواب سکندر بیگم پیدا ہوئیں۔

انکے زمانہ میں ریاست کے تعلقات سرکار انگریزی سے بہت مستحکم ہوگئے۔ کمپنی کی طرف سے جو فوج پنڈاروں کے تادیب کے لیے مامور کی گئی تھی نواب صاحب موصوف نے ۵۱ لاکھ روپیے کے زیور اور جواہرات بیچ کر جس کی بیع میں ان کو ۱۲ لاکھ کا خسارہ اُٹھانا پڑا۔ سرکار کمپنی کی مدد کی۔ اسکے صلے میں پانچ محال کی ملکیت ریاست کو عطا ہوئی۔ نیز قلعہ اسلام نگر جو مہاراجہ سیندھیا کے قبضہ میں تھا سرکار کمپنی کی مدد سے واگذاشت ہوا۔

عین جوانی کے زمانہ میں جبکہ اسلام نگر میں شکار کھیلنے گئے تھے غلطی سے بندوق سر ہو گئی جس کی گولی سر میں لگی اور وہ ہلاک ہو گئے۔

مرتے وقت نظر محمد خاں نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد گوہر بیگم صاحبہ قدسیہ ریاست کی مختار ہوں اور میری بیٹی سکندر بیگم جب بڑی ہو تو اسکا اخوان ریاست میں سے جس کے ساتھ عقد ہو وہی رئیس ہو۔ چنانچہ باتفاق ارکین ریاست و صاحب بہادر پولیٹکل ایجنٹ ۱۲۳۵ھ میں نواب گوہر بیگم صاحبہ قدسیہ مختار ریاست قرار پائیں اسوقت بیگم صاحبہ موصوفہ کی عمر اٹھارہ سال سے کچھ ہی زیادہ تھی۔

انکے وزرا اکرم محمد خاں اور حکیم شہزاد مسیح فرانسیسی نے نہایت قابلیت کے ساتھ ریاست کا انتظام کیا۔ تمام رعایا خوش حال اور ریاست سرسبز تھی۔

۱۲۵۰ھ میں سکندر بیگم صاحبہ جب سترہ سال کی ہوئیں تو ان کا عقد نواب نظر محمد خاں کے بھتیجے نواب جہانگیر محمد خاں کے ساتھ کیا گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد حسب قرارداد نواب جہانگیر محمد خاں نے ریاست کی حکومت طلب کی۔

نواب گوہر بیگم صاحبہ نے نامعلوم وجوہ سے مخالفت کی۔ اس معاملہ نے طول کھینچا اور بہت کچھ ردوکد کے بعد اتنا ہوا کہ ریاست کے کچھ مقدمات نواب صاحب کے پاس بھی آنے لگے۔

نواب صاحب کی یہ بالکل بجا خواہش تھی کہ ریاست انکے حوالے کیجائے۔ لیکن بیگم صاحبہ کی مخالفت کی وجہ سے جب انھوں نے مدعا برآری کی صورت نہ دیکھی تو دوسری تدبیر کی۔ انھوں نے ۱۲۵۲ھ میں گیارہویں شریف بڑی دہوم سے کی۔ اس میں تمام اخوان وارکان ریاست کو مدعو کیا۔ نواب گوہر بیگم اور سکندر بیگم بھی شریک ہوئیں حسن اتفاق سے سکندر جہاں بیگم صاحبہ کے کان میں کسی نے کہدیا کہ یہ سارا ساز وسامان

تمہارے اور نواب گوہر بیگم صاحبہ کے قتل کے لیے کیا گیا ہے۔ نواب صاحب کے مسلح آدمی گھات میں چھپے ہوئے بیٹھے ہیں۔ جوں ہی فاتحہ کے بعد آتشبازی شروع ہو گی تمہارے جسموں سے سر ندارد ہو جائینگے۔

یہ کیفیت سُن کر فاتحہ خوانی کے بعد ہی سکندر جہاں بیگم اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور نواب گوہر بیگم صاحبہ کو بھی اس کی خبر کی۔ اسی وقت دونوں اپنے محل میں آگئیں۔ اور فوراً نواب صاحب کے رفقاء کی گرفتاری کے لیے دوڑ بھیجی گئی۔ انکے پچاس نوکر گرفتار کر کے ریاست بدر کیے گئے۔ ریاست کے بھی بعض ملازم جن پر سازش کا شبہ ہوا نکالے گئے۔ نواب جہانگیر محمد خاں نظر بند ہو گئے اور انکے محل پر فوجی پہرہ لگا دیا گیا۔

ہوا خواہوں نے اس ناگوار واقعہ کے بعد ہر چند کوشش کی کہ مصالحت ہو جائے لیکن نہ ہو سکی۔ آخر نواب صاحب کے اعزہ اور طرفداروں نے سیہور میں ہو کر جو بھوپال سے دس کوس کے فاصلہ پر ہے لڑائی کی تیاری شروع کی۔ اور ایک دن رات کو دو گھوڑے ایک معتمد کے ذریعہ سے بھیجے۔ اس نے شہر کے کنارے وہ گھوڑے لاکر کھڑے کیے اور مخفی طور پر نواب صاحب کو اطلاع پہنچائی۔

اتفاقاً اُس رات کو ایک رئیس کے یہاں شادی کی محفل تھی جس میں اکثر لوگ شریک تھے۔ نواب صاحب نے موقع پایا۔ بھیس بدل کر محل سے نکل گئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر سیہور پہونچے۔ انھوں نے مہاجنوں اور بنیوں سے بہت سا روپیہ قرض لیکر کئی ہزار سپاہی نوکر رکھے۔ اور اس فوج کو لیکر کئی ایک پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔

صاحب پولیٹکل ایجنٹ نے بیگم صاحبہ کو لکھا کہ گو ریاست کے اندرونی معاملات میں میرا دخل نہیں ہے لیکن میں یہ دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ باہم صلح اور صفائی کر لینی چاہیے تاکہ فساد رفع ہو جائے۔ چنانچہ مصالحت کے لیے دو آدمی بیگم صاحبہ کیطرف سے اور دو آدمی نواب صاحب کی جانب سے صاحب پولیٹکل ایجنٹ کے پاس جمع ہوئے

بیگم صاحبہ کی طرف سے اصرار تھا کہ ابھی دس برس تک نواب صاحب اطاعت کریں اسکے بعد اُن کو ریاست ملیگی۔ نواب صاحب کے سفیر تین برس تک کی اطاعت تو قبول کرتے تھے لیکن دس برس پر راضی نہ ہوئے۔ آخر صلح نہ ہو سکی۔

بیگم صاحبہ نے بھی بھوپال سے راجہ خوش وقت رائے کی سرکردگی میں مقابلہ کے لیے فوج روانہ کی۔ اور مقام آشٹہ میں رودو نیاس کے کنارے لڑائی ہوئی۔ دونوں طرف سے تقریباً تین سو سوار پیادے کام آئے۔

اسی درمیان میں وائسرائے کے دربار سے پولیٹکل ایجنٹ کے نام رفع نزاع کے لیے احکامات صادر ہوئے۔ انھوں نے اپنے میر منشی کو آشٹہ بھیج کر ریاست کی فوج کو بھوپال واپس کیا۔ اور خود بھوپال آکر بیگم صاحبہ کو فہمائش کی کہ وعدہ خلافی کرنی مناسب نہیں ہی ریاست نواب صاحب کو سپرد کر دیجیے اور اپنی جان عزت اور جاگیر کا محافظ سرکار کمپنی کو سمجھیے۔

بیگم صاحبہ نے اس مشورہ کو قبول کیا۔ ان کی حین حیات تک کے لیے آٹھ سو سولہ مواضع کی جاگیر الگ کر دی گئی جس کی آمدنی کچھ ہی کم پانچ لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔

جاگیر لیکر بیگم صاحبہ خانہ نشین ہوئیں اور نواب جہانگیر محمد خاں مسند نشین ہوئے۔

نواب گوہر بیگم صاحبہ کی حکومت کا زمانہ کم و بیش اٹھارہ سال تک رہا۔ وہ اپنے دور حکومت میں بہت نیکنام اور رعایا میں ہر دلعزیز تھیں۔ خانہ نشینی کے بعد بھی وہ جبتک زندہ رہیں گورنمنٹ انکے ساتھ وہی برتاؤ کرتی رہی جو ایک والی ملک کے ساتھ کیا جاتا ہی۔ ان کو جاگیر میں دیوانی۔ فوجداری اور مال کے کل اختیارات بھی حاصل تھے۔ ان کی ذاتی سلامی کی پندرہ توپیں تھیں۔ اور دربار دہلی کے بعد کراؤن آف انڈیا کا تمغہ بھی ملکہ معظمہ نے ان کو عطا کیا تھا۔ وہ بڑی عبادت گزار اور فیاض تھیں۔

ان کی سخاوت اور نیکی ضرب المثل تھی۔ اور اسی وجہ سے بھوپال کے تمام باشندے ان کے گرویدۂ احسان تھے اور ان کو ماں باپ سے بھی بڑھ کر اپنا شفیق و مربی سمجھتے تھے۔

انھوں نے اپنی بیٹی سکندر بیگم کے ہمراہ مکہ معظمہ جاکر فریضۂ حج بھی ادا کیا۔ اور وہ اکثر اپنے محل کے حجرہ میں بیٹھی ہوئی قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔

تقوے کا یہ عالم تھا کہ خود اپنی زندگی ہی میں اپنے شوہر کے باغ میں ایک مقبرہ اپنے لیے تیار کر رکھا تھا۔ چنانچہ ۲۴ محرم ۱۲۹۹ھ کو جب انھوں نے انتقال فرمایا تو اسی مقبرہ میں دفن کی گئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۸۳ سال کی تھی۔

ان کی یادگار خاص بھوپال کی جامع مسجد ہے جو چوک میں واقع ہے۔ یہ مسجد نہایت سنگین اور بہت عالیشان ہے۔ ۱۲۴۸ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی اور ۱۲۷۳ھ میں اختتام کو پہونچی۔ اس کی تعمیر میں پانچ لاکھ ساٹھ ہزار روپیے صرف ہوئے۔ اس سے زیادہ باموقع اور پُر رونق مسجدیں کم دیکھنے میں آئینگی جس سے بانیہ کے حُسن نیت کا پتہ چلتا ہے۔

عیش باغ نامی ایک نہایت عمدہ سرسبز باغ ہے جسکے بیچ میں ایک بہت بڑی باولی اور اردگرد نہایت عمدہ عمارتیں ہیں اور ہر چہار طرف پختہ دیوار ہے بیگم صاحبہ موصوفہ کی یادگار ہے۔ لیکن سب سے اچھی یادگار اُن کی وہ ہے جو بھوپال کے باشندوں کے دلوں میں قائم ہے یعنی یہ کہ وہ بڑی نیک۔ بڑی فیض رساں اور غریبوں کی ہمدرد تھیں۔

(باقی پھر) اسلم

علیگڑھ اور مولوی ممتاز علی صاحب کی مخالفت

ماہ گذشتہ کے خاتون میں ہم نے اپنے نوٹ میں جو مولوی ممتاز علی صاحب کی مخالفت کے

متعلق لکھا تھا اس میں اس بات کو صاف طور پر ظاہر کر دیا تھا کہ ہمارے پاس مولوی صاحب کے
ان شدید حملوں کے جواب میں جو انھوں نے علیگڈھ کے مدرسۂ نسواں کالج اور یونیورسٹی
پر کیے ہیں بہت سے حضرات اور معزز خواتین نے مضامین بھیجے ہیں مگر ہم نے اپنی قدیم
پالیسی کے مطابق خاتون میں ان مضامین کو نہیں چھاپا۔ صرف ایک مضمون کے چھاپنے کا
ہم نے وعدہ کر لیا تھا کیونکہ راقمہ نے اصرار کے ساتھ یہ بھی ہم پر الزام لگایا ہی کہ ہم اپنی کمزور
پالیسی کی وجہ سے ایک قومی مدرسہ کو نقصان پہونچا رہے ہیں۔ اگر مولوی ممتاز علی صاحب
کی تحریروں کا اثر منتظمین مدرسہ کی ذات ہی تک ہوتا تو غالباً ہم ان کی تردید نہ چھاپتے
لیکن جبکہ اسکا اثر پبلک کے خیال میں مدرسہ پر بُرا پڑتا ہی تو ہم کو مجبوری سے یہ مضمون
چھاپنا پڑا۔ مگر آیندہ سے ہم اس بات کا صاف طور پر اعلان کرتے ہیں کہ ہماری
پالیسی وہی رہیگی کہ ہم حتی الوسع اپنی ناظرات کے سامنے اس قسم کے جھگڑوں کی بدنما
تصویر نہ پیش کرینگے۔

اڈیٹر

تہذیب النسواں مطبوعہ ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۱۱ئ میں ہمدرد نسواں (فی زعمہ) اڈیٹر اخبار کا
ایک مضمون میری نظر سے گزرا۔ جو علیگڈھ پارٹی سے قوم کو بدگمان کرنے والا یا بالفاظ دیگر
ناخن سے گوشت کو جُدا کرنے والا تھا۔ چونکہ اڈیٹر صاحب موصوف نے علیگڈھ کی مخالفت
کو اپنا نصب العین قرار دے رکھا ہی۔ اسلیے میں نے خیال کیا کہ قوم کو اس غلط بیانی کے
مسموم و تباہ کن اثر سے حتی الوسع بچانا میرا اوّلین فرض ہی۔ چنانچہ میں نے ۲۔ نومبر کو
سطور ذیل حوالہ قلم کرکے ان کی خدمت میں بذریعہ رجسٹری ارسال کیں۔ مگر افسوس۔
کہ اختلافی مضامین کا اندراج اصول تہذیب کے خلاف ہی۔ اسلیے میرا آرٹکل نہ چھپ سکا۔
ہاں یہ اور بات ہی کہ خوشامدانہ اور فرمائشی تحریریں آئے دن کمال احسانمندی کے ساتھ شائع
کی جاتی ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ طریق فن اخبار نویسی کے کہاں تک مطابق ہی۔

تاہم میری ناچیز آواز کا اتنا اثر تو ضرور ہوا کہ اب اُن کا لب و لہجہ بدلا نظر آتا ہی یعنی اب وہ پردۂ دوستی میں حق دشمنی ادا کرنا زیادہ موثر و کارگر خیال کرنے لگے ہیں۔

چنانچہ حال ہی میں آپنے علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کی اپنے جدید لہجہ میں خبر لی ہے اور اُس کے مہتمین کو ادنی تنخواہ یاب کارکن قرار دیا ہی۔

ہماری دعا ہی کہ مقلب القلوب مولانا کی منافرت علی گڈھ کو زائل کرکے موافقت قوم کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

یاد رکھنا چاہیے کہ

علی گڈھ ہی وہ مقام ہی جسے سرسید علیہ الرحمۃ نے قیام مدرسۃ العلوم کے لیے تمام ہندوستان پر ترجیح دی تھی۔ اس موقع پر سرسید کے چند فقرات بر سبیل اختصار نقل کرنا چاہتی ہوں جو اُنھوں نے مسلمانان علیگڈھ کے ایڈریس کے جواب میں فرمائے تھے۔

یہ سچ ہی کہ میں نے اُس قدیم۔ پُرانے اور نامی شہر (دہلی)، کو جہاں میرے بہت سے عزیزوں اور بزرگوں کی ہڈیاں ابتک پڑی ہوئی ہیں۔ اور جہاں میرے بہت سے عزیز ابتک رہتے ہیں۔ جس کی مٹی سے لوگوں نے خیال کیا تھا۔ کہ میں بنا ہوں اور اس میں میری خاک ملجائیگی۔ صرف مدرسۃ العلوم کی محبت۔ اپنی قوم کی بھلائی۔ اور رئیسان ضلع علیگڈھ و بلندشہر کی محبت و عنایت کے خیال سے چھوڑا ہی۔ اور یہاں ایک غریب مسافر کی طرح سکونت اختیار کی ہی۔

جہانتک ہوسکا۔ ہر موقع پر میں نے قومی ترقی کی تدبیروں پر غور کیا ہی سب سے اوّل یہی تدبیر سوجھی کہ قوم کے لیے قوم ہی کے ہاتھوں سے ایک مدرسۃ العلوم قائم کیا جائے۔ جس کی بنا آپ کے شہر میں اور آپکے

زیر سایہ پڑی ہے۔

(از سر سید لائف)

کاش اس ایثار سے لوگ سبق حاصل کریں۔

غرض کہ اسی مدرستہ العلوم کی بدولت علی گڈھ نہ صرف ہمارا تعلیمی مرکز ہو گیا ہے بلکہ ہماری تمام تمناؤں کا مبداؑ منتہا ہے۔ اور اب علی گڈھ و اضلاع علیگڈھ میں ایسی۔ مقتدر ذیجاہ۔ فدائے قوم جماعت پیدا ہو گئی ہے۔ جس کی نظیر یقیناً کوئی شہر پیش نہیں کر سکتا۔ اور بفضلہ تعالیٰ یہ شہر مرجع آفاق ہو گیا ہے۔

پس لازمی ہے کہ جو صدا علی گڈھ سے بلند ہو۔ اس کی گونج اطراف ہند میں پہونچے۔ چنانچہ اس قلیل عرصہ میں علیگڈھ انسٹیٹیوشن نے مسلمانان ہند کی تعلیم میں تحیر انگیز۔ معجز نما کرشمہ دکھایا ہے۔ ؎

عاقبت مقبولی کالج بدیں غایت رسید تربیت گاہ غریباں شد گزرگاہ شہاں

اور جب ہماری یونیورسٹی قائم ہو جائیگی تو (چشم بد دور) سرچشمہ تہذیب و تمدن علیگڈھ عنقریب قرطبۂ ثانی بنجائیگا۔ پس یہاں سے زیادہ کونسا مقام زنانہ تعلیم کے مرکز ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

مولوی ممتاز علی صاحب! آپ کو اچھی طرح یاد ہو گا۔ کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ۱۹۰۵ء میں آپنے ہر چند کوشش کی۔ کہ مجوزہ محمڈن گرلس سکول بجائے علیگڈھ کے لاہور میں قائم ہو۔ مگر قوم نے بالاتفاق انکار صریح کر دیا۔

اس موقع پر قوم نے جو الفاظ آپ کی شان میں استعمال کیے تھے۔ وہ بھی آپ کو بخوبی معلوم ہیں اور دوران تقریر میں آپ کو بار بار خاموش کر دیا جانا بھی یقیناً پیش نظر ہو گا۔

گستاخی معاف! آپنے لاہور میں کونسا گرل سکول قائم کر لیا جو اس قومی و

اسلامی مدرسہ کو جاری رکھ سکتے۔

قوم تہذیب فنڈ کو کیا کہہ کر روئے جو آپ کے مجوزہ اسکول کے نام سے ہزاروں کی تعداد کو پہونچ گیا تھا۔ پس یہی حشر آپکے ہاتھوں ہمارے اسکول کا ہوتا۔

تو بخویشتن چہ کردی۔ کہ بہ ماکنی نظیری   بخدا کہ۔ واجب آمد ز تو احتراز کردن

کیسے مزے کی بات ہے کہ جب یہ مدرسہ آپ کے ہاتھ میں نہ رہ سکا۔ تو آپ سرے سے مدرسہ کے قیام کے ہی مخالف ہو گئے اور مختلف اضلاع و دیار میں پرائمری سکولز قائم کراکے رہا سہا شیرازۂ قومی درہم و برہم کرنا چاہا۔ اگر خدانخواستہ تعلیم نسواں فنڈ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر معمولی الف بے تے کے مدارس میں ضائع ہو تو زمانہ تعلیم پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ تعلیم نسواں کی ضرورت اب مسلم ہو چکی ہے۔ اور جابجا لڑکیاں پرائیویٹ طور پر تعلیم پا رہی ہیں۔ اب فوراً ضرورت ہے کہ بجائے ان فضولیات کے باقاعدہ ہائی ایجوکیشن کا بندوبست ہو۔ اگر ایم اے او کالج کے اجرا کے وقت چند آپ کے ہمخیال بزرگ پیدا ہو جاتے کہ بجائے ایک کالج کے مختلف مقامات میں انگریزی کے ابتدائی مدرسے قائم کیے جائیں تو آج یہ "امید گاہ اسلام" کس طرح عالم وجود میں آتا۔

نورمل اسکول علیگڈھ ہی پر منحصر نہیں۔ بلکہ علیگڈھ کے کل کاموں سے آپ کو اختلاف رہا ہے۔ سات کروڑ مسلمانان ہند میں صرف آپ ہی وہ بزرگ ہیں جو محمڈن یونیورسٹی اور محمڈن کالج کا قیام فضول سمجھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کی رائے ہمیشہ جمہور اسلام سے علیحدہ رہتی ہے۔ چنانچہ آپ مضمون زیر بحث میں رقم طراز ہیں۔

اس طرح علیگڈھ سے اسکے کالج کے فائدوں کے عوض ملک کو دوسرے قومی کاموں کے اُٹھنے میں سخت نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ اور قومی کاموں کا

یہ مرکز دوسرے قومی کاموں کے اُٹھنے میں سخت ہارج اور ناکامی کا موجب بنتا ہے۔

ایک جگہ آپ **بانیان وسرپرستان کالج** پر یہ رکیک الزام لگاتے ہیں۔

اب ان کا دل کسی طرح گوارا نہیں کرتا۔ کہ اسلام کی بھلائی کا کوئی کام جس میں علی گڈھ کی شرکت اور اپنے نام آوری حاصل کرنے کا موقع نہ ہو۔ کسی دوسرے شہر میں ہو۔

کاش آپ بانیان وسرپرستانِ کالج پر یہ اتہام خود غرضی عائد کرتے ہوئے تامل فرماتے۔ کیونکہ اس مقدس زمرے میں ہز آنر لفٹننٹ گورنر صوبہ متحدہ۔ سرسید نواب محسن الملک۔ نواب وقار الملک۔ نواب سرفیاض علیخاں۔ ہزہائنس سر **آغاخان**۔ نظام دکن (بالقابہم) جیسے بہت سے سربرآوردہ اکابر ملک شامل ہیں اور سرپرستان کالج (کلہم اجمعین) منتخب لیڈران قوم ہیں۔ کیا ان حضرات کی شان خود غرضی سے مبرا نہیں ہے ؎

اُنھوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم دکھلائینگے اُنکو

علی الخصوص ان ناملائم الفاظ میں صاحبان ممدوح الصدر کو یاد کرنا!

جب ہمارے سب سے معزز قومی مجمع کی حالت وحیثیت یوں ٹھیکہ دار کی سی ہو جائے تو پھر کث وہ دلی اور فیاض طبعی جو قومی مدد دینے کے لیے درکار ہے کہاں باقی رہ سکتی ہے۔

آپ ہمیشہ علیگڈھ کو پنجاب کی امداد کا طعن دیا کرتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر پنجاب یا لاہور نے ایک بہترین قومی خدمت انجام دی۔ تو احسان کس پر کیا؟ بیشک اس سے مسلمانان پنجاب کی روشن دماغی۔ حبِّ قومی۔ اور ایثار نفسی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور فی الواقع پنجاب نے تمام حصص ہند ہے

زیادہ محمدن کالج کی (یا یوں کہیے کہ آپ اپنی) معاونت کی ہو اور اسی واسطے اُنھوں نے زندہ دلانِ پنجاب کا لقب پایا۔ اور صرف اسی لیے سر سید مدت العمر انکے معترف رہے۔ اب بھی لاہور کی ذی اثر جماعت مثلاً نواب فتح علی خاں صاحب خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ مولوی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار۔ ترجمان اسلام ڈاکٹر اقبال پی۔ ایچ۔ ڈی وغیرہ۔ محمدن کالج کے زبردست مدد و معاون ہیں۔ اور ہم مقر ہیں کہ ہمارا کالج انہیں جیسے شیدائیان قوم کے ایثار نفس کا نتیجہ ہی۔ جزاہم اللہ خیرا۔

اگر آپ کو علیگڈھ سے ذاتی پرخاش ہی تو مردانہ اخبارات کے ذریعہ سے اظہار خیالات کیجیے۔ تہذیب النسواں کیوں بے خبر پردہ نشین خواتین کو گمراہ کر رہا ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہی کہ جوں جوں خواتین میں روشنخیالی پیدا ہوتی جائیگی۔ وہ حق و باطل میں تمیز کرنا سیکھتی جائیں گی۔ یاد رکھیے اگر آپ کے ہاتھوں زنانہ اسکول علیگڈھ کو کچھ نقصان پہونچا تو بد نصیب خواتین کو (جنسے آپ کو دعواے ہمدردی ہے) وہ نقصان عظیم پہونچیگا۔ جس کی تلافی ناممکن ہے۔

علیگڈھ نارمل اسکول (جو نہایت معتمد و لائق و فائق ہاتھوں میں ہی) بے انتہا مفید کام کر رہا ہی اور ہم ذاتی واقفیت کی بنا پر اس مدرسہ کی نسبت اپنا دلی اطمینان ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ فی الحال یہ اُسکول مختصر پیمانے پر جاری ہی۔ لیکن جوں ہی بورڈنگ ہاوس تیار ہوا (اور وہ دن بعنایت ایزدی بہت قریب ہی) تو بیرونجات کی شریف زادیاں بھی باسایش وسہولت تمام اسکے چشمہ فیض سے سیراب ہوسکیں گی۔ آجتک جو ترقی اسکول میں توقف واقع ہوا وہ اغلبًا قلت سرمایہ کی وجہ سے۔ دوسرے یہ بھی بھولنا نہ چاہیے کہ ملک روم ایک دن میں آباد نہ ہوا تھا۔ ابھی اس مدرسہ کو جاری ہوئے کو سنے سالہا سال گزر گئے

جو کامل طور پر تعلیم یافتہ اُستانیاں پیدا کر دیتا۔ آخر ایک جاہل مطلق لڑکی کو قاعدہ سے لیکر اعلیٰ تعلیم تک پڑھا دینا بھی کچھ وقت مانگتا ہی یا نہیں؟ کیا آپ ہتیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں۔

اب۔ ایسی حالت میں۔ کہ اس کی تکمیل میں ذرا سی کسر باقی ہی اور ممکن ہی کہ اگر امدادِ قومی اور توفیق الٰہی شامل حال رہی تو یہ اسکول زنانہ کالج بنجائے۔ یہ تفرقہ انگیز مضامین کسقدر ضرر رساں اور چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانے والے ہیں۔

مولوی صاحب مکرم! ہمدردی نسواں کا مقتضٰی تو یہی تھا کہ آپ مدرسہ مذکور کو ہر طرح قلمے۔ قدمے۔ سخنے امداد فرماتے اور بحیثیت ایک محب الوطن ہونے کے اسکے سچے فدائے قوم سکرٹری کا ہاتھ بٹاتے۔ نہ کہ ان نازک قومی معاملات میں ذاتیات کو دخل دیتے ہیں۔ مولٰنا حالی کے یہ اشعار بعینہٖ ہمارے زنانہ اسکول پر صادق آتے ہیں۔

یہ دار العلم سدِّ راہ آسیب زماں ہوگا ۔۔۔ اسی دار الشفا میں بخت پیر اپنا جواں ہوگا
کسوٹی ہی یہ دار العلم اسلامی اخوت کی ۔۔۔ ہم اُس سے بدگماں ہونگے۔ جو اس سے بدگماں ہوگا

کبھی یاں آکے کچھ دیکھا بھی ہی اے نکتہ چیں یارو
بُرا کہنا گھروں میں بیٹھ کر اچھا نہیں یارو

میرا ارادہ اختصار کو مدنظر رکھنے کا تھا مگر نفس مضمون کی اہمیت نے اسے کسی قدر طویل کر دیا۔ میں امید کرتی ہوں کہ بہ تقاضائے الحق مُرٌّ اگر اس مضمون کا کوئی جملہ ناگوار خاطر ہو تو ہمارے مہربان مولوی صاحب معاف فرمائیں گے۔

اخیر میں میری مودبانہ التجا ہی کہ وہ آئندہ ایسی دل آزار تحریرات متروک کر کے خواتین کو شکر گزار فرمائیں۔ ذرا خیال تو کیجیے غریب قوم کو ایسے مضامین سے کسقدر نقصان پہنچتا ہی

مصرعہ۔ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

خاکسار۔ ایک مسلمان خاتون

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ

شرک کیا چیز ہے اور اسکے معنی کیا ہیں؟

شرک کے معنی ہیں خدا کا شریک ٹھہرانا اور اُس کے نظام آفرنیش میں کسی کو دخیل سمجھنا۔ صرف خدا کا کسی کو بیٹا کہنا یا فرشتوں وغیرہ کو اُس کے کارخانۂ قدرت میں شریک بتانا ہی شرک نہیں بلکہ اس کی دو قسمیں ہیں۔

شرک القول اور شرک الفعل۔

شرک القول اُسے کہتے ہیں کہ انسان اپنی زبان سے شرکیہ الفاظ ادا کرے۔ اور شرک الفعل اُس چیز کا نام ہے کہ انسان اپنی زبان سے تو کچھ نہ کہے مگر اسکے حرکات وسکنات سے شرک کی بو آتی ہو۔

شرک القول تو اس طرح پر معاف بھی ہو سکتا ہے کہ بلا کسی خیال کے آدمی کے موںھ سے کوئی شرکیہ جملہ نکل جائے اور اُسکا قصد نہو۔ چنانچہ نبی آخر الزماں علیہ التحیۃ کی حدیث ہے انما الاعمال با لنیّات یعنی تمام کام نیت پر منحصر ہیں۔

ناظرات بابرکات! شرک الفعل کی مثال اس طرح پر فرض کیجیے کہ حمیدہ کو خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ عزت۔ دولت۔ عیش اطمینان صرف کمی ہے تو ایک ننھی سی جان کی۔ اس موقعہ پر جو جو۔ ٹونے ٹوٹکے۔ سحر۔ جادو۔ جھاڑ پھونک اس کے گھر ہوتے ہونگے۔ وہ سب کے سب شرک ہیں۔ اور انکے خیال سے میرے رونگٹے کھڑے ہوئے جاتے ہیں۔

وہاں کبھی پیروں سے منتیں مانگی جاتی ہونگی کبھی شہیدوں سے مرادیں۔ گاہ غوث پاک کے نام کی دیگیں ہوتی ہونگی۔ گاہ زین خاں کے بکرے۔ نعوذ باللہ من شر الشیطان

ومن غضب الرحمٰن ۔ بھلا کوئی بی حمیدہ سے پوچھے کہ آیا جس خدا نے تجھ پر اتنے احسانات کیے اور اسقدر گوناگوں نعمتیں عطا کیں اسکا شکریہ یہی ہی جو تو ادا کر رہی ہے؟ اری اپنے خدا سے لایزال سے دعا کیوں نہیں کرتی کہ تیری رہی سہی تکالیف بھی مٹا دے چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہی اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبو لی ولیومنوبی (یعنی اے مسلمانو مجھی سے دعا کرو اور مجھی پر ایمان لاؤ کیونکہ جب انسان دعا کرتا ہی تو میں ہی اسے قبول کرتا ہوں)

شاید حمیدہ صفت خواتین کہہ اُٹھیں کہ جب ہماری مراد پوری نہیں ہوتی تب ہم ایسا کرتے ہیں۔ اسکا جواب خود باری تعالیٰ دیتا ہی۔

ولیبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین۔ یعنی ہم تم کو ہر چیز سے آزمائیں گے خواہ وہ خوف ہو یا بھوک۔ نقصان مالی ہو یا جانی۔ یا نقصان خورد نوشی پس جس نے اس کو صبر سے برداشت کیا اسکو بشارت دو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اے مسلمان بہن بھائیو! جب تم پر کوئی مصیبت نازل ہو تو سمجھ لو کہ ہمارا مہربان خدا ہم کو آزما رہا ہی کہ آیا یہ بندہ میری فرمانبرداری کرتا ہی یا نہیں؟ پس ایسی حالت میں اُسی کی طرف رجوع کرو اور توبہ استغفار کے بعد سچے دل سے اپنی ثابت قدمی اور اندفاع مصیبت کی دعا مانگو پھر نا ممکن ہی کہ خداوند پاک ہم پر نظر رحم نہ فرمائے اور ہماری مصیبت دور نہ کرے۔

ہمارے روز بروز تنزل کا سبب بھی یقیناً یہی ہی کہ ہم اپنے پاک اور مقدس مذہب کی طرف سے غافل نظر آتے ہیں۔ اور ہمارے افعال میں اکثر شرک اور کفر کی جھلک پائی جاتی ہی۔

شرک آہ! وہ خانہ برانداز شرک۔ جس کی نسبت پروردگار عالم اپنے کلام پاک میں صاف صاف فرما چکا ہے۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالاً بعیداہ یعنی اللہ شرک کو کبھی معاف نہیں کریگا باقی تمام گناہ بخش دیگا۔ جس شخص کے چاہے گا اور جس نے شرک کیا اللہ کے ساتھ وہ بیشک (راہِ راست سے) بہت دور بھٹک گیا۔

پس اے میرے ہمقوم بہن بھائیو! خدا کی درگاہ میں استغفار کرو اور جہانتک ہو سکے شرک سے دور رہو۔ اور یقین جانو کہ ہندوستان میں جو آئے دن نت نئے وبال نظر آتے ہیں ان کا سبب بھی شرک ہی ہے جو بدقسمتی سے اس سرزمین میں وبا کی طرح پھیل رہا ہے۔

اے مالک الملک مجھے اور میرے تمام ہم مذہب بہن بھائیوں کو اس بلائے بے درماں سے نجات بخش۔ بحق احمد مصطفےٰ محمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آمین۔

گنہگار

ا۔ ب۔ ن

بے کاری و خانہ داری

ایک نوعمر لڑکی موسم گرما میں جب باغ کو پانی دیتے دیتے تھک گئی تو وہ ایک ہوادار مکان میں چلی گئی جہاں وہ لیٹتے ہی سو گئی۔ خواب میں کیا دیکھتی ہے کہ دو عورتیں اسکے سامنے پتلیوں کی طرح نمودار ہوئیں۔ ان میں سے ایک تو خوب چست جلد بدن کی طرح جسم پر منڈھے ہوئے سرخ بادلہ کے کپڑے پہنے

ہوئے تھی جنکے حاشیوں پر زری کے انچل تپوے لگے ہوئے تھے ۔ اسکا سفید گاچ کا ٹیکہ زمین تک لٹک رہا تھا اس کی چمکیلی اور گھونگروالی زلفوں پر مصنوعی پھولوں اور پروں سے بنی ہوئی ٹوپی عجیب بہار دکھا رہی تھی ۔ اس کے ایک ہاتھ میں تاج گھر کا ٹکٹ تھا اور دوسرے میں ایک عمدہ اور زرین کپڑے کا جوڑہ جسمیں ایک خوشنما فیتے سے کام کیا ہوا تھا ۔ وہ تبسم کناں اس لڑکی کی طرف بڑھی اور ایک سُریلی آواز سے (جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس لڑکی سے واقف ہی) اس طرح مخاطب ہوئی ۔

میری پیاری میلیا ! میں ایک مہربان پری ہوں ۔ میں نے تمہاری پیدائش سے لیکر ابتک نگہبانی کی ہو ۔ اور نہایت ہی خوشی سے تمہارے بے مثال حسن و جمال کو بڑھتے ہوئے دیکھا ہی اور اب وہ اس درجہ تک بڑھ گیا ہی کہ میں تمہارے ساتھ بڑی خوشی سے بہناپا کر سکتی ہوں ۔ دیکھو میں تمہارے سیلیے یہ کیا لائی ہوں ۔ لو اس خوشنما پوشاک اور ٹکٹ کے ذریعے تم میرے خوبصورت محل کی بے اندازہ خوشیوں میں آزادانہ شریک ہوسکتی ہو ۔ تم میرے ساتھ اپنے ایام زندگی ابدی خوشی اور رنگی میں صرف کروگی ۔ ایک خوبصورت تتلی کی مانند جو ایک پھول سے دوسرے پھول پر اُڑتی پھرتی ہی تمہارا یہی کام ہوگا ۔ کہ خوشی خوشی ایک مقام سے دوسرے مقام میں اُچھلتی کودتی پھرو ۔ اور ثنا خواں تماشائیوں کے روبرو اپنے جوہر اور خوبیاں ظاہر کرو ۔ میرے رشک ارم محل میں نہ تو کسی بات کی ممانعت ہی اور نہ کوئی کام کرنا پڑتا ہے بس وہاں خوشی اور زندہ دلی ہی زندہ دلی ہو ۔ اے میری پیاری آؤ تاکہ میں پوشاک تمہیں پہناؤں جسے پہن کر تم طلسماتی پری بنجاؤ گی اور پھر قدم اُٹھائے میرے ساتھ چلی چلنا ۔

میلیا اس کے دام محبت میں پھنس گئی اور چاہا کہ اس مدعو کرنے والی پری کی درخواست

منظور کروں۔ مگر یکایک اسکے دل میں خیال آیا کہ اسکا نام تو دریافت کر لینا چاہیے۔
پرسش کے بعد اُس نے بتایا کہ میرا نام آرام پری ہے۔

اس کے بعد دوسری پتلی بڑہی۔ یہ سرتاپا سفید لباس سے ملبس تھی۔ اور صاف بالوں پر سپید ہی سادی ٹوپی پہنے ہوئے تھی۔ اسکا تمام بدن بالکل صاف ستھرا اور بیداغ تھا۔ اس کی آنکھوں سے سنجیدگی اور آسودگی ٹپکتی تھی اور اسکے چہرے سے مستقل مزاجی اور صداقت نمایاں تھی۔ اپنے ایک ہاتھ میں ہلکی ہلکی چھڑی لیے ہوئے تھی۔ اور دوسرے میں ایک ٹوکری۔ اس کی پیٹی میں ایک مقراض تاگا۔ سوئی اور وہ اوزار جو مستورات کے کام آتے ہیں موجود تھے۔ ایک کنجیوں کا گچھا بھی ایک طرف لٹک رہا تھا۔ وہ اس دوشیزہ خوابیدہ سے مخاطب ہوئی۔

میلیا! میں وہ پری ہوں جسنے تمام عمر تمہاری والدہ ماجدہ کی رفاقت کی اور اب تم کو بھی اپنے سایۂ عاطفت میں لینا چاہتی ہوں۔ میرے پاس کوئی ایسی فریفتگی میرے مخالف کی طرح نہیں ہے۔ جس سے میں تمہیں اپنی طرف مائل کروں۔ اگر تم میری پیروی کروگی تو تمام وقت کھیل کود میں صرف کرنے کے بدلے تم کو علی الصباح اٹھنا ہوگا۔ اور تمام دن مختلف کاروبار کرنے ہونگے۔ ان میں سے بعض تو مشکل ہی ہونگے اور بعض محنت طلب۔ اور ان میں کچھ نہ کچھ بدنی یا قلبی محنت بھی درکار ہوگی۔ تم کو پاکیزہ لباس پہننا ہوگا۔ تمام دن گھر میں رہنا پڑے گا۔ اور تم کو ہر وقت اپنے حسن کی ترقی کے خیال میں رہنے کی جگہ اسکے برعکس کارآمد بننے کی کوشش کرنی پڑے گی۔ لیکن ان تمام کاموں کے عوض۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ تمہیں ایسی روحانی خوشی حاصل ہوگی کہ وہ سب کے سب جنسے تمہاری واقفیت ہے تمہاری عزت اور تعریف کرینگے۔ اگرچہ تمہارے ننھے سے دل کو میری درخواست میری مخالف سے کم درجہ کی معلوم ہوتی ہو۔ لیکن یقین کرو کہ یہ اس سے ہزار درجہ

بہتر ہی۔ اس کے علاوہ اُس نے وہ وعدے کیے ہیں جو اس کی طاقت سے
بالکل باہر ہیں۔ آرام کی طاقت سے کہیں دور ہی کہ وہ ابدی خوشی اور راحت بخشے
وہ خوشی جو وہ دیتی ہی حباب کی طرح بہت جلد زائل ہوجاتی ہی اور اس کے بعد
کمزوری اور نفرت اپنا غلبہ کرتی ہی۔ وہ بھیس بدلے ہوئے ہے اور یہ خوبصورت
چہرہ جو اُب دیکھتی ہو حقیقت میں اسکا اصلی چہرہ نہیں ہے۔ رہا میری بابت۔ سو
میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میری ہر دلعزیزی ہرگز کم نہوگی بلکہ ترقی کرتی جائیگی۔
اور تم دن بدن خوشی و خرمی حاصل کرتی رہوگی۔ گو اسوقت تم مجھے سنجیدہ دیکھتی ہو
لیکن کام کے وقت تم مجھے گاتے بھی سُنوگی اور جب کام ختم ہوجائے گا تو میں
ناچونگی بھی۔

بس اب میں اس بارے میں کافی بیان کرچکی ہوں اب وقت آگیا ہی کہ تم جس
طریقہ پر چلنا چاہو اسکو پسند کرو اور اُسی انتخاب پر تمہاری زندگی کا دارومدار رہے گا
اگر تم میرا نام دریافت کرنا چاہتی ہو تو سُنو خانہ داری پری میرا نام ہی۔

میلیا نے گو اس بیان کو سردمہری سے سُنا مگر خوب غور اور توجہ سے سُنا۔ وہ
اسکے طریقہ سے خوف زدہ ہوگئی تھی تاہم پہلی پتلی کی طرف دیکھنے سے نہ رُک سکی۔
وہ ابتک اپنے جادو بھرے تحائف اس طریقہ سے پیش کیے جاتی تھی کہ میلیا نے
اس کی درخواست کو رد کرنا ناممکن خیال کیا۔

اتنے میں لڑکی کی خوش نصیبی سے پری کے چہرے کی نقاب ہوا سے اُڑگئی
میلیا نے بجائے ایک خندہ پیشانی اور بشاش چہرے کے ایک کمزور اور زردی مائل
چہرہ دیکھا۔ جسپر ہوائیاں اُڑرہی تھیں۔

یہ دیکھکر وہ نہایت ہی خوف زدہ ہوگئی اور اس کی طرف سے مونھ پھیر کر
لاپروائی سے دوسری سنجیدہ اور صادق رفیقہ کے ہاتھ میں اپنا

ہاتھ رنگ دیا۔

(نقل از کتاب)

خاکسار ا۔ ب۔ ن

آہِ مظلوماں

بنت نذر الباقر صاحبہ کے مذکورۂ بالا نام کے قصے پر ہم جنوری نمبر خاتون میں ریویو لکھ چکے ہیں۔ مگر اس قصہ کی خوبی نے ہماری لائقہ و فاضلہ بہن بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ کو بھی مائل کیا کہ وہ اسپر ریویو لکھیں۔ چنانچہ اسکو بھی ہم اپنے رسالہ میں درج کرتے ہیں۔

یہ ریویو نہیں ہے بلکہ ہم اسکو فرقۂ نسواں کی حقوق کی حمایت سمجھتے ہیں اور ہم خوش ہیں کہ اس مضمون پر خود مستورات قلم اٹھانے لگی ہیں۔ دنیا کا یہ اصول ہے کہ جب تک کوئی فرقہ اپنے حقوق خود طلب نہیں کریگا اور اس کی حفاظت کی کوشش نہ کریگا اسوقت تک وہ اپنے حق سے محروم رہے گا۔ ہم نے حقوق نسواں کی حمایت کا جو بیڑا اُٹھایا ہے اس میں خود روشنخیال بیویوں کو ہماری مدد کرنی چاہیے۔ پھر انشاءاللہ امید ہے کہ ہم کامیاب ہونگے۔

اڈیٹر

قصے کے پیرایہ میں یہ ایک مختصر و عبرت خیز لب لباب ہے اُن شرمناک جذبات اور دردناک بدسلوکیوں کا جو ہندوستان کی عورتوں کو ناانصاف و ناخداترس مردوں کے ہاتھ سے سوکناپے کی صورت میں تادمِ مرگ بھگتنا پڑتا ہے پھر کس طرح کہ۔ موزے کا گھاؤ، بیوی جانے یا پاؤں۔ اندر اندر ہی تپ دق اور اختلاج قلب جیسے مزمن امراض نے کام تمام کردیا۔ جاں سوز آہیں گھٹ

گھُٹ کر دل و جگر اور تمام اعضاے رئیسہ کے لیے چھرے اور گولیاں بن گئیں۔ سوزش دردنی نے جلا جلا۔ اور گھلا گھُلا کر یبوست و حرارت کا پُتلا بنا دیا۔ مگر موُنھ سے اُف نہیں نکلتی۔ یاس و ناامیدی اور بے وفائی کے خاتمہ کن اثر نے آنکھ کا آنسو تک خشک کر دیا۔ لیکن زبان سے مُہر اور تمام اگلا پچھلا معاف ہو رہا ہی۔ اور بچوں سے بے اعتنائی نہ کرنے کی وصیت کی جا رہی ہی۔ جو اُسی ناحق شناس کی تو نسل ہیں۔

اللہ اکبر اے عورت! کیا تیرا سا حوصلہ کوئی دکھا سکتا ہی؟ استغفر اللہ! کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا!! جسمانی بزرگی اور رہے۔ اور اخلاقی و روحانی طاقت و جبروت اور!!!

ہوتے مردان دلاور ہیں بسیرت ممتاز　　ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

پُرانے تعلیم یافتہ یا جُہلا کو تو چھوڑو۔ کہ وہ تو ایک طرح معذور بھی ہیں۔ کہ آنکھوں سے یہی دیکھا۔ کانوں سے یہی سُنا۔ خود اسی اُدھیڑبن اور قطع برید میں عمر بھر لگے رہے۔ اب آخری وقت میں کیا خاک .. .. ہونگے۔ رونا تو اُن کا ہی جو تعلیم یافتہ ہو کر افعال ناشائستہ و حرکات قبیحہ کے مرتکب ہوں۔

بعض ایسی بھی مثالیں سُننے میں آئی ہیں۔ اور دیکھی گئی ہیں۔ کہ پہلی بیوی (جسکا شاید پہلا ہونا ہی سو جرموں کا ایک جرم ہی) بدقسمتی سے ناخواندہ ہی۔ یا ناخواندہ نہیں ہی تو اُن کی طرح سے ون۔ ٹو۔ تھری۔ فور نہیں ہی۔ اگر وہ بھی ہی تو ہائے کمبخت اعتدال و متانت کی پتلی۔ تیتری کی طرح ہوا میں نہیں اُڑتی۔ اب دوسری کی فکر پڑی۔ لوگوں کا موُنھ بند کرنے کو اُڑا دیا کہ پہلی جاہل ہی۔ یا ایک تعلیم یافتہ کو اپنے پورے ہمرنگ کی تلاش ہی۔ جو ملے نہ ملے جائے یہی تعلیم یافتگی یہ ترقی و مہذب بدمعاشی نہیں ہی تو کیا ہی!

میں حیران ہوں کہ ایسے لوگ شرعی آڑ تو لیتے ہیں مگر علی علیہ السلام کے طرز عمل کو نہیں دیکھتے۔ جسکا وجود قرآن شریف کی تفسیر تھا۔ جسکا ہر قول و فعل شارع برحق کا منشا و مال تھا۔ کیا وہ عادل نہ تھے؟ پھر وہ کونسا عدل تھا جسکی ناقابل عہدہ برا شان نے خاتون قیامت کی زندگی میں آپ کو دوسری شادی کی جرأت نہ ہونے دی۔ حضرت علی تو اُس شرط کا حق پورا نہ کر سکے۔ ما و شما مسلمان کر سکتے ہیں!

پُرانے ہوں یا نئے بات یہ ہی کہ مذہبی و اخلاقی تعلیم عجیب چیز ہے۔ انہیں قدیم و جدید تعلیم یافتہ وُں میں ایسے بھی ہیں جن کی خانگی زندگی قابل نمونہ و باعث فخر ہی جن کی بیویاں پلک اُٹھا اُٹھا کر راج کر رہی ہیں۔ اور لطف یہ ہی کہ بہت سی اُن میں سے الف کے نام بے نہیں جانتیں۔ مگر شریف الطبع و حوصلہ مند شوہروں کی آنکھ پر میل تک نہیں۔

چونکہ آہ مظلوماں کا موٹو عورتوں کے حقوق کی جائز حمایت اور مصرف مسلم یونیورسٹی کی امداد ہی اس لیے میں اسکو فرقۂ بے زبان کی ڈھکی چھپی مصیبتوں کے انکشاف کا دیباچہ اور قومی ہمدردی کی قابل تقلید مثال خیال کرتی ہوں۔ میں مس نذر الباقر کے اس قصہ کو فن قصہ نگاری کی تنقیدی نظر سے دیکھنا موصوفہ کے اعلیٰ اغراض تصنیف کی ہتک سمجھتی ہوں۔ وہ رینالڈس و شرر وغیرہ کا ہمپایہ بننا نہیں چاہتیں۔ خدا ان کو ہندوستان کی اسلامی دنیا میں اپنی بے سخن بہنوں کی حمایت میں وہی فتح نصیب کرے۔ جو اولیور کرومویل کو انگلستان کی پولیٹکل دنیا میں اپنے ہمجنسوں کے حقوق حاصل کرنے میں دی۔

انصاف پرست مردوں کو اس قصہ کا جوش کے ساتھ خیر مقدم کرنا چاہیے تاکہ مہذب دنیا میں بدگمانی نہو کہ اپنے ہم صورتوں کی قلعی کھلنے سے بچتے اور بگڑتے

ہیں۔ اور ناعاقبت اندیشوں نے جو آپا دھاپی مچا رکھی ہے سچے دل سے اس کی اصلاح نہیں چاہتے۔ ہمارا دوست وہی ہے جو ہمارا عیب ہمارے مونھ پر کہے۔

راقمہ

مس نصیر الدین حیدر تیموریہ

دنیا پرستی اور ہمارا فرض

اے انسان نادان اگر تجھ میں خود دنیا کے بھیدوں کے معلوم کرنے کا مادہ نہیں ہے تو اوروں کی طرف دیکھ کر ہی عبرت پکڑ۔ اے صاحب ہوش یہ دنیا چند روزہ ہے۔ اس میں دل لگانا عبث ہے۔ اپنے آپ کو تو ملک عدم کا ایک مسافر سمجھ اور دنیا کو ایک سرائے تصور کر کہ عدم سے صرف چند روز کے واسطے اس سرائے میں آیا ہے اور ہمیشہ اپنے واپس جانے کی یاد دل میں رکھ۔ سفر کے واسطے اچھا اچھا توشہ تیار کر۔ یہاں سے جانے کے بعد تیری نیکیاں سب کی زبان پر ہوں تاکہ تیرے دوست تجکو نیکی سے یاد کریں۔

ہائے میں اپنے دل میں یہی پیچ و تاب کھاتی ہوں کہ ہم لوگوں کو سوا اسے پیٹ بھرنے کے اچھا کھانے کے اچھا پہننے کے یا ایک دوسرے سے بڑھ چڑھکر رہنے کے اور کوئی فکر دنیا میں نہیں ہے۔ غرضکہ سوا اپنی بھلائی کے اور کوئی فکر ہم کو نہیں ہے۔ ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اپنی بہتری کے واسطے کرتے ہیں۔ کیا ہم کو لازم نہیں ہے کہ ہم اپنے اور بھائی بہنوں کی بہتری کی جانب بھی توجہ کریں۔

آہ آہ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ آخر مرنا ہے۔ خدا جانے وہ کونسا دن آجائے کہ اُس بادشاہ ذی جاہ کی طلبی آجائے۔

ہم کو چاہیے کہ ہم اُس عالی وقار کی طلبی سے پیشتر اپنا سب بندوبست

کر رکھیں۔ کم سے کم ہم کوئی ایسا قومی کام کر جائیں جو ہمارے بعد ہم کو کوئی نیکی سے نام سے یاد کرے۔ اللہ بس باقی ہوس

راقمہ خاکسار

بدر النسا بیگم۔ از لودہیانہ

سُنسان مملکت یا اُجڑی ہوئی سلطنت

دنیا فانی ہے دنیا کی ہر چیز کے لیے زوال لازمی ہے۔ فلک پیر کی نیرنگیاں زمانے کے انقلابات مشہور ہیں۔ انسان اگر چشم غور سے صفحۂ دنیا کا مطالعہ کرے تو یہ سراسر عبرت کی جگہ ہے۔

زمانے کی نیرنگیاں بھی عجیب ہیں آج زمانہ ایک کے موافق ہے کل مخالف آج عروج ہے کل زوال۔ آج آبادی ہے کل ویرانی۔ آہ کیسے کیسے ذی عزت نامور مشہور بادشاہ جن کے رہنے کے لیے عالیشان محل، جن کی حفاظت کے لیے ہزاروں بندگان خدا ہر وقت حاضر رہا کرتے تھے انقلاب زمانے کے ہاتھوں ایسے محتاج بیکس ہوگئے کہ تن ڈھانکنے کو چھتڑا اور پیٹ بھرنے کو ٹکڑا تک نصیب نہ تھا۔ کیسی کیسی بڑی سلطنتیں کیسے کیسے عظیم الشان ملک، لاکھوں بستیاں ہزاروں شہر انقلاب زمانے کے ہاتھوں ایسے تباہ برباد ویران سُنسان ہوگئے کہ آج اُن کا کوئی نشان ہی نہ رہا اور اُن کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔

منجملہ اُنکے ایک سلطنت بیجانگر ہے۔ ابھی بہت تھوڑا زمانہ گذرا ہے کہ یہ چھوٹا سا قریہ (بیجانگر) ایک عظیم الشان وسیع سلطنت کا پایہ تخت تھا جسمیں ڈہائی تین صدی تک ہندوؤں نے نہایت کامیابی کے ساتھ بادشاہت کی

جس کی آبادی کروڑوں اور فوج لاکھوں کی تعداد میں اور بے حساب اَن گنت دولت تھی۔

سلطنت بیجانگر ایک ایسی وسیع عظیم الشان سلطنت تھی۔ جس کی دولت و وسعت کا اندازہ اس وقت کے لوگ ہرگز کر نہیں کر سکتے۔ اور نہ اس سلطنت کے گزشتہ حالات کو یقین کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس کی عظمت و جبروت کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ یہ سلطنت دنیا کی عظیم الشان چیدہ سلطنتوں میں شمار کی جاتی تھی۔ تمام ہندوستان بلکہ یورپ میں اس کی دھاک تھی اور دُور دُور سے لوگ اس سلطنت میں آتے تھے اور یہاں کی دولت و عظمت کو نہایت حیرت و تعجب کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

افسوس ہے کہ ایسی عظیم الشان سلطنت انقلاب زمانہ کے ہاتھوں ایسی تباہ و برباد ہوئی کہ آج دنیا میں اسکا نشان ہی نہ رہا۔ عبرت کا مقام ہے کہ ایسی بڑی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اور سوائے چند ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں کے کچھ باقی نہ رہا۔ یہانتک کہ اب یہ سلطنت "ہمپی کے کھنڈر" کے نام سے موسوم ہے۔ اور شہر بیجانگر جو اس وسیع سلطنت کا پایۂ تخت اور اپنی رونق آبادی دولت کے لحاظ سے بلا مبالغہ ایک لاثانی بے نظیر شہر تھا۔ جس کی سر بفلک عمارتیں اس سلطنت کی دولت و ثروت کا پتہ دے رہی تھیں آج ایک ویران چھوٹے سے قریے بلکہ صرف چند ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں کی صورت میں نمودار ہے۔

افسوس! سنگ دل زمانے نے اس بارونق شہر کو صرف چند کسانوں کا مسکن بنا دیا۔ وہ شہر جس کی گھما گھمی اور رونق سے انسان حیران رہ جاتا تھا آج اُس کی یہ حالت ہے کہ دن کو جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ نہ وہ رونق نہ وہ

جنگل بھل ٹوٹی پھوٹی عمارتیں مجسم عبرت بنی کھڑی ہیں اور زبان حال سے پکار پکار کر اپنی ویرانی پر نوحہ کرتی ہیں۔ بیکسی ان کی حالت زار پر آنسو بہاتی ہے۔ حسرت اس تباہی پر خاک اڑاتی ہے۔ ذرہ ذرہ سے عبرت ٹپک رہی ہے۔ اُلو اپنی حسرت ناک آواز سے اس حالت پر نوحہ کر رہا ہے۔

اس عظیم الشان سلطنت کو انقلاب زمانہ نے اس قدر جلد از یاد رفتہ کر دیا ہے کہ بجز ایک دو مختصر سی کتابوں کے اس سلطنت کی کوئی مستند کامل تاریخ تک نہیں ملتی۔

لیکن خوشی کی بات ہے کہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب (مددگار معتمد مالگزاری حیدرآباد دکن) فرزند رشید شمس العلما ڈاکٹر مولانا حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی نے نہایت کوشش محنت سے اس اُجڑی ہوئی از یاد رفتہ سلطنت کے کل حالات ابتدائے سلطنت سے آخر تک نہایت شرح و بسط کے ساتھ دلچسپ پیرائے میں نہایت تحقیق کے ساتھ ایک کتاب کی صورت میں بنام تاریخ بیجانگر یا ہمپی کے کھنڈر جمع کیے ہیں۔

کتاب کیا ہے گویا انقلاب زمانہ کا ایک کامل فوٹو ہے کہنے کو تو نام صرف تاریخ بیجانگر ہے لیکن کل بادشاہان دکن سلاطین ہند و بریدیہ و گلبرگہ و بیدر عادل شاہ بیجاپور و نظام شاہ احمد نگر و قطب شاہ گولکنڈہ و عماد شاہ برار و گورنران پرتگال وغیرہ کے قدیم حیرت انگیز کارنامے۔ مفصل حالات سلطنتوں کا عروج و زوال قدیم حکومت کے طریقے وغیرہ نہایت موثر دلچسپ محققانہ پیرائے میں درج ہیں۔

کتاب نہایت سیدھی سادی ہے مگر بہت دلچسپ و موثر عبرت خیز طرز پر لکھی گئی ہے۔ برمحل موزوں اشعار و قدیم قابل دید عمارات کے نقشوں نے

کتاب کی خوبی کو دوبالا کر دیا ہے۔ زبان کی شستگی طرز بیان کی سادگی محاورات کے استعمال غرضکہ کتاب کی خوبی کا اندازہ کرنے کے لیے اتنا جاننا کافی ہے کہ اسکے مصنف مولوی بشیرالدین احمد صاحب ہیں جنکے والد ماجد وخود صاحب موصوف کی انمول بے بہا کتابوں کو جو عام مقبولیت وخاص امتیاز حاصل ہے وہ علمی دنیا سے پوشیدہ نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اس سے بہتر کتاب سلطنت بیجانگر کے حالات میں ہونی ناممکن ہے کیونکہ یہ کوئی معمولی کتابوں سے واقعات نقل کر کے لکھی ہوئی کتاب نہیں۔ بلکہ مصنف ممدوح نے نہایت محنت کوشش سے خود حالات جمع کیے ہیں۔

سلطنت بیجانگر کا تعلق زیادہ تر گولکنڈہ۔ احمدنگر۔ بیجاپور۔ گلبرگہ۔ بیدر۔ ادہونی۔ بلگاؤں۔ رائچور۔ مدگل۔ گوا سے تھا اور مصنف ان میں سے اکثر مقامات پر بوجہ ملازمت سالہا سال رہ چکے ہیں۔ مدتوں بیجانگر کے کھنڈروں میں پھرتے رہے ہیں، ہر ایک چیز اپنے آنکھوں سے دیکھی ہے واقعہ کی پوری تحقیق کی۔ وہاں کے پرانے لوگوں سے دریافت کیے۔ اُن کھنڈروں کے مختلف کتبوں۔ پرانی تحریروں سے تفتیش حالات میں مدد لی۔

راجہ صاحب اناگندی (راجگان بیجانگر کے موجودہ جانشین) کے ذریعہ سے بہت سے حالات اس سلطنت کے معلوم ہوئے جو کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم ہونے ناممکن تھے۔

غرضکہ سالہا سال کی محنت اور جانفشانی کے بعد ان جابجا بکھرے ہوئے موتیوں کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ایک جگہ جمع کر کے اس بھولی ہوئی سلطنت کی یاد تین سو سال بعد لوگوں کے دلوں میں از سر نو تازہ کی ہے۔

اس کتاب کی عمدگی وخصوصیت پر نظر کرتے ہوئے کامل یقین ہے کہ پبلک

مصنف کی اس محنت اور اس قابل قدر قابل دید لاثانی کتاب کی ضرور قدر کرے گی نیز گورنمنٹ نظام کی علمدوستی مشرقی علوم کی سرپرستی حمایت کے لحاظ سے یہ توقع کرنی کچھ بیجا نہیں ہی کہ ریاست حیدرآباد دکن میں اس قابل قدر تصنیف کو خاص عزت و امتیاز حاصل ہونا چاہیے۔

نہایت عمدہ سفید ولایتی کاغذ پر ۴۳۲ صفحوں کی کتاب ہی۔ لکھائی چھپائی قابل تعریف باینمہ صفات قیمت صرف ڈہائی روپیہ جو اس کتاب کے لیے بہت کم ہی۔ مصنف ممدوح سے بمقام حیدرآباد دکن ملسکتی ہی۔ خریداری سے پبلک کو مصنف کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

آخر میں ہم مولوی بشیرالدین احمد صاحب کو اس بے بہا کتاب کی تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں کہ خداوند عالم نے اس اہم کام کو مولوی صاحب ممدوح کے ہاتھوں پورا کرواکے انہیں ایک خاص عزت سے سرفراز فرمایا جسکے سبب ہمیشہ ہمیشہ ان کا نام علمی دنیا میں چمکتا رہیگا۔ خداوند عالم ان کی تصانیف میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے۔ آمین

راقمہ
رابعہ سلطان بیگم

زنانہ حاضر جوابیاں

حضرت رابعہ کا قصہ

یہی قصہ بعینہ اگرچہ اس سے پہلے سہردردیہ بیگم صاحبہ کا لکھا ہوا خاتون میں شائع کیا جاچکا ہی لیکن اب حشمت علی صاحب نے اسی کو زنانہ حاضر جوابیوں کے ذیل میں بہیجا ہی۔ اسلیے ہم اس خیال سے کہ " ہر گلے را رنگ و بوی دیگر ہست "

اسکو شائع کرتے ہیں۔

اڈیٹر

حضرت رابعہ بصریہ نے عہد کر لیا تھا کہ اُن سے کسی قسم کا سوال کیا جاے وہ اسکا جواب قرآن کی آیتوں سے دیتی تھیں۔ اور بجز کلام الٰہی کے اور کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالتی تھیں۔

عبداللہ بن مبارک جو ایک مشہور محدث گذرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں اونٹنی پر سوار مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو جا رہا تھا۔ راستہ میں دور سے ایک سیاہی نظر پڑی۔ نزدیک جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بڑھیا ہی۔ میں نے اس سنسان بیابان میں اسکو تنہا دیکھ کر تعجب کیا۔ قریب جاکر سلام کیا۔ اُسنے کہا۔

سلام قولاً من رّب الرحیم — اللہ مہربان کی طرف سے سلام

سورہ یٰسین۔ رکوع ۴ — کہا جاتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک نے پوچھا کہ یہاں کیا کرتی ہو۔ جواب دیا۔

ومن یضلل اللہ فما لہ من ھاد ۵ — اللہ جسکا رستہ بھلا دے پھر اسکا کوئی

سورہ مومن رکوع ۴ — بتانے والا نہیں ہی

حضرت عبداللہ نے سمجھ لیا کہ یہ رستہ بھولی ہوئی ہی۔ اور پھر پوچھا کہ اب کہاں جانے کا ارادہ ہی۔ اُسنے کہا

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً — پاک ہی وہ ذات جسنے اپنے بندہ کو

من المسجد الحرام الی المسجد الاقصےٰ — ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد

سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱ — اقصےٰ تک سیر کرایا۔

حضرت عبداللہ نے جان لیا۔ کہ یہ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر اب بیت المقدس جانا چاہتی ہی۔ اور پھر پوچھا کہ اس جنگل میں تمہارا قیام کب سے ہی۔ جواب ملا۔

ثلاث لیال سویّا — تین راتیں پوری ہو چکی تھیں۔

سورۂ مریم رکوع ۱

حضرت عبداللہ نے پھر سوال کیا۔ کہ ایسے جنگل میں تمہارے پاس کھانے کو تو کچھ نہوگا۔ پھر کیسے گذارہ کیا۔ بولی۔

ھو یطعمنی ویسقین — وہی اللہ کھلاتا اور پلاتا ہے

سورۂ شعرار رکوع ۵

پھر حضرت عبداللہ دریافت کرتے ہیں۔ کہ یہاں اداے نماز کے لیے وضو کیسے کرتی ہو۔ کیونکہ یہاں جنگل میں پانی کا نام ونشان نہیں ہے۔ جواب میں کہا۔

فان لم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیبا۔ سورۂ نسار رکوع ۷ — اگر تمہیں پانی نہ ملے۔ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔

حضرت عبداللہ کے پاس کچھ کھانا تھا۔ خیال کیا۔ کہ بھوکی ہونگی انہیں کھانے کو دوں مگر وہ فرماتی ہیں۔

ثم اتموا الصیام الی اللیل — رات تک روزے کو پورا کرکے

سورۂ بقر رکوع ۲۳ — پھر کھانا کھانا چاہیے

چونکہ مہینہ رمضان کا نہیں تھا۔ حضرت عبداللہ نے وجہ دریافت کی۔ تو بولی کہ

ومن تطوع خیراً فھو خیر لہ ۵ — جو نفل کے طور سے روزہ رکھے

سورۂ بقر رکوع ۲۳ — تو اُسی کا بھلا ہے۔

پھر حضرت عبداللہ نے کہا۔ کہ ہم لوگوں کو تو سفر میں روزہ رکھنا مباح ہے۔ جواب میں بولی کہ

وان تصوموا خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون — اگر روزہ ہی رکھو تو کچھ بُرا نہیں

سورۂ بقر رکوع ۲۳ — کاش کہ تم جانتے۔

حضرت عبداللہ نے جو سوال کیا۔ اسکا جواب آیات قرآنی سے ملتا رہا۔ تو یہ گھبرائے۔ اور کہنے لگے کہ جس طرح میں آزادی کے ساتھ بات چیت کرتا ہوں۔ تم بھی ایسے کیوں نہیں کرتیں۔ ہمیں قرآن شریف کے سمجھنے میں سخت دقت ہوتی ہے اُسنے جواباً کہا۔ کہ

مایلفظ من قول الّا لدیہ رقیبٌ عتید۔ سورۂ ق رکوع ۲ — انسان کوئی بات نہیں بولتا مگر وہ فوراً لکھ لیا جاتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا اعمالنامہ قرآن ہی سے پُر ہو۔

پھر حضرت عبداللہ نے سوال کیا۔ کہ تم کس قبیلے سے ہو۔ تو جواب دیا کہ

ولا تقفُ مالیس لک بہ علم ان السمعَ والبصرَ والفؤادَ کُلّ اولئک کان عنہ مسئولا سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴ — جس بات کا تجکو علم نہیں۔ اُس کے پیچھے نہ ہولیا کر۔ کیونکہ (قیامت کے دن) کان۔ آنکھ اور دل سے جواب دہی ہوگی۔

حضرت عبداللہ اس سوال سے نادم ہوئے۔ اور معافی مانگی۔ تو اُس نے بدیں آیت جواب دیا۔

لاتثریب علیکم الیومَ یغفرُ اللہ لکم سورۂ یوسف رکوع ا — تم پر آج کچھ سرزنش نہیں۔ اللہ تم سے درگذر کرے۔

حضرت عبداللہ نے چاہا۔ کہ یہ جنگل میں بیٹھی ہیں۔ میں انہیں اونٹنی پر سوار کرکے ساتھ لے چلوں۔ جب ارادہ ظاہر کیا۔ تو بولی۔ کہ

وما تفعلو من خیرٍ یعلمہ اللہ۔ سورۂ بقر رکوع ۲۵ — جو نیکی کا کام کروگے اللہ اسے جانتا ہے۔ اور اجر دیگا۔

حضرت عبداللہ نے اونٹنی بٹھادی اور کہا آؤ۔ تو انہیں جو پردہ رکھنا منظور تھا

کہا کہ

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم	مومنیں کو چاہیے۔ کہ اپنی آنکھیں
سورۂ نور۔ رکوع ۴	نیچی رکھا کریں۔

حضرت عبداللہ نے موں٘ہ پھیرلیا۔ اور انہیں سوار ہونے کو کہا۔ جب وہ اونٹنی کے پاس آئیں اور سوار ہونے لگیں۔ تو اونٹنی بھڑکی۔ اور اُن کی چادر پھٹ گئی۔ ساتھ ہی زبان سے نکلا۔

وما اصابکم من مصیبۃٍ فبما	جو کچھ تمہیں تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ تمہارے
کسبت ایدیکم۔ سورۂ شوریٰ رکوع ۴	ہی ہاتھوں کا کمایا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ نے کہا۔ کہ اچھا ذرا ٹھہرو میں اونٹنی کی ٹانگ باندھ دوں۔ پھر سوار ہو جانا۔ بولی کہ

ففہمناھا سلیمان	جیسی کہ ہم نے حضرت سلیمان کو عقل دیدی تھی
سورۂ انبیا رکوع ۶	ویسی ہی تم کو اب سمجھ آگئی۔

حضرت عبداللہ نے اونٹنی کو باندھ دیا۔ اور انہیں سوار ہونے کے لیے اشارہ کیا۔ اب وہ اونٹنی پر سوار ہوئیں۔ اور سواری کے شکریہ میں یہ آیت پڑھی۔

سبحان الذی سخّر لنا ھذا	پاک ذات ہے وہ جس نے یہ
وما کنّا لہ مقرنین۔ وانّا	(جانور) ہمارے مسخر کیے۔ ہم تو
الیٰ ربّنا لمنقلبون۔	ان کی تسخیر کے قابل نہ تھے۔ اور
سورۂ زخرف رکوع ۱	بیشک ہمیں اپنے پروردگار کی طرف
	لوٹ کر جانا ہے۔

حضرت عبداللہ نے آگے بیٹھ کر اونٹنی کی نکیل ہاتھ میں لی اور اونٹنی کو دوڑانا اور چلانا شروع کیا۔ تو حضرت رابعہ بصری نے فرمایا۔

واقصد فی مشیک واغضض — اپنی چال میں میانہ روی کر۔ اور
من صوتک سورۂ لقمان رکوع ۲ — اپنی آواز کو نرم کر۔

حضرت عبداللہ نے اونٹنی کو آہستہ کیا۔ اور چلّانا چھوڑ کر آہستہ آہستہ بطور ترنم کچھ اشعار پڑہنا شروع کیے۔ اس پر حضرت رابعہ بصری نے ہدایت کی۔

فَاقْرَؤُا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ — جتنا قرآن آسانی سے پڑہا جائے
سورۂ مزمل رکوع ۲ — پڑہا کرو۔

حضرت عبداللہ حیران ہو کر بولے کہ اللہ پاک نے تجھے کیسی خوبی دی ہی۔ تو اُنھوں نے فرمایا۔

وما یذکّرُ الا اُولوا الالباب — اس کی قدر ذی عقل ہی جانتے
سورۂ آل عمران رکوع ۱ — ہیں۔

حضرت عبداللہ جن کے دل میں حضرت رابعہ بصری کی طرف سے بہت نیک گمان بیٹھ گیا تھا۔ اسی خیال میں مستغرق جاتے جاتے سوال کر بیٹھے کہ آپ کا شوہر بھی ہی۔ اسپر حضرت رابعہ بصری نے قدرے برہم ہو کر فرمایا۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تسئلوا — اے مومنو ایسی باتوں کی دریافت
عن اشیاءَ اِن تبدلکم تسؤکم — نہ کرو کہ اگر وہ تم کو ظاہر کر دی جائیں
سورۂ مائدہ رکوع ۱۴ — تو تم کو بُری لگیں۔

حضرت عبداللہ چُپ ہو گئے۔ اور جاتے جاتے قافلے میں پہونچے۔ پھر سوال کیا۔ کہ اس قافلہ میں آپ کا کوئی ہی۔ تو یہ فرمایا۔

المال والبنون زینة الحیوٰة الدنیا — مال اور اولاد دنیا کی زینت
سورۂ کہف رکوع ۶ — (کی چیزیں) ہیں۔

اس سے حضرت عبداللہ سمجھے کہ اسکے بیٹے قافلے میں ہونگے۔ دریافت

کیا۔ کہ اُن کا پتہ کیا ہی۔ تو فرمایا

وعلامات و بالنجم ھم یھتدون — اُن کی نشانیاں ہیں۔ وہ ستارہ کو
سورۂ نحل رکوع ۲ — دیکھ کر قافلہ کو چلاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ نے جانا کہ قافلہ کے سردار ہونگے۔ حضرت عبداللہ اونٹنی کی نکیل پکڑ کر قافلہ میں چکر لگانے لگے اور اُن کو کہا۔ کہ اپنا خیمہ پہچانو۔ حضرت رابعہ بصری اپنے بیٹوں کے نام پھر آیات قرآنی سے اس طرح ظاہر فرماتی ہیں۔

واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا — اللہ نے حضرت ابراہیم کو
سورۂ نساء رکوع ۱۳ — دوست بنایا

وکلم اللہ موسیٰ تکلیما — موسیٰ سے اللہ نے کلام کیا
سورۂ ن رکوع ۱۳

یایحییٰ خذ الکتاب بقوۃ — اے یحییٰ مضبوطی سے کتاب کو لے

حضرت عبداللہ نے سمجھ لیا کہ ابراہیم۔ موسیٰ و یحییٰ اس کے تینوں بیٹوں کے نام ہیں۔ اور ان ناموں سے آوازیں دینا شروع کیں۔ لڑکے سُن کر ان کی طرف دوڑے آئے۔ اور اپنی ماں کو اونٹنی سے اُتارا اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ حضرت رابعہ بصری نے لڑکوں سے کہا۔

آتنا غداءنا لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا۔ — ہم کو کھانا دو۔ اس سفر سے تکلیف تو ضرور ہوئی۔
سورۂ کہف رکوع ۹

لڑکوں نے کہا کہ کھانا تو موجود نہیں۔ حضرت رابعہ بصری نے پھر کچھ دیر خاموش رہ کر فرمایا۔

فابعثوا احدکم بورقکم ھذہٖ — اپنے پاس سے ایک کو اپنا یہ روپیہ

اِلی المدینۃ فلینظر ایّھا ازکی طعاماً فلیاتکم برزقٍ منہ
سورۂ کہف رکوع ۳

دیگر شہر کی طرف بھیجو۔ وہ جا کر دیکھے کہ کس کے ہاں اچھا کھانا ملسکتا ہے۔ تو اُس میں سے (بقدر ضرورت) کھانا ہمارے پاس لے آوے۔

یہ سُنتے ہی ایک لڑکا بازار کی طرف گیا۔ اور شہر سے کچھ کھانا لا کر ہمارے آگے رکھ دیا۔ پھر حضرت رابعہ بصری نے فرمایا۔

کلوا واشربوا ھنیئاً بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ
سورۂ حاقہ رکوع ۱

ایام گزشتہ میں جو تم نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ اس کے بدلے میں کھاؤ اور پیو۔

حضرت عبداللہ یہ کلام الٰہی کی باتیں سُن سُن کر ششدر رہے۔ اور اُن لڑکوں سے حال دریافت کیا۔ لڑکوں نے بتایا۔ کہ یہ ہماری والدہ ہے۔ چالیس برس گزر چکے ہیں۔ کہ یہ ہمیشہ آیات قرآنی سے ہی باتیں کرتی ہے۔ اس عرصہ میں اس کی زبان سے ایک لفظ تک غیر از کلام الٰہی نہیں نکلا۔ عام بول چال میں کلام کرنا اس وجہ سے چھوڑ دیا۔ کہ مبادا کوئی لفظ زبان سے ایسا نکل جاوے۔ جسکے بدلے میں قیامت کے دن انہیں جوابدہی کرنی پڑے۔

ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یّشاء۔ یہ اللہ پاک کی عنایت ہے۔ جسے چاہے دے یہ ایک ایسا بے عدیل واقعہ ہے۔ جس کی نظیر تیرہ سو برس سے آجتک نہیں ملی۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار۔

رقمہ
بندۂ حشمت علی سبزواری پیر

مسلم یونیورسٹی فنڈ

کس قدر سخت افسوس اور قابل شرم بات ہے کہ سنہ ۱۹۱۱ء گذر گیا۔ ملک معظم شہنشاہ ہند۔ ہندوستان تشریف لائے۔ دربار کیا۔ اور واپس تشریف لے گئے۔ لیکن ہم بدقسمت بوجہ کمی سرمایہ اپنی یونیورسٹی کا چارٹر حاصل نہ کرسکے۔ ایک سال کی طویل مہلت میں سات کروڑ مسلمانان ہندوستان سے ۳۵ لاکھ روپیہ بھی فراہم نہو سکا اس سے بڑھکر ہماری کمزوری احساس کم ہمتی اور غفلت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ تمام قوم کو تو کیا کہنا چھوٹا مونہ بڑی بات ہے۔ ہاں اپنی بہنوں سے مجھے خاص طور پر شکایت ہے۔

ملک بھر میں شور مچا کہ مسلمان خواتین بھی اپنی یونیورسٹی کے لیے علیحدہ چندہ کرنے لگی ہیں۔ زنانہ سنٹرل کمیٹی بھی علیگڈہ میں قائم ہوئی۔ مختلف مقامات پر لوکل کمیٹیاں بنیں۔ لیکن سال بھر میں ہوا کیا؟ کچھ بھی نہیں۔ ایک لاکھ نہیں۔ پچاس ہزار نہیں۔ پچیس ہزار بھی مسلمان خواتین ہند سے فراہم نہ ہو سکا۔ تنہا بیچاری عبداللہ بیگم صاحبہ سکرٹری سنٹرل کمیٹی کیا کر سکتی ہیں؟ جب تک کہ کل خاتونان ہند کوشش و محنت نہ کریں۔ اُنھوں نے جو کچھ بھی کیا ہے علیگڈہ سے کیا ہے۔ صوبہ متحدہ کے دیگر اضلاع سے بیگمات نے کچھ بھی مدد نہیں دی۔ اور اب مصیبت زدگان طرابلس کا امدادی فنڈ کھلجانے سے چند بہنیں یونیورسٹی فنڈ کے وعدے کو بے وصول کیے اُس طرف جھک پڑی ہیں۔ بیشک اُس فنڈ کی مدد کرنی بھی ہمارا فرض ہے۔ لیکن یہ کسی طرح درست نہیں کہ یونیورسٹی فنڈ سے بے پرواہی اختیار کرکے اُس کے وعدے بھی وصول نہ کیے جائیں۔

عزیز بہنوں! یہی وہ چیز ہے جس پر مسلمانان ہندوستان کی موت وحیات کا انحصار ہے

قوم کی بے توجہی سے کیسا زریں موقع حصول چارٹر کا ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ خیر اَب بھی اگر کافی محنت و عجلت سے کام لیا گیا تو وقت ہی۔ نواب وقار الملک صاحب دو بارہ قوم سے اپیل کر رہے ہیں۔ خدا مسلمانوں کو توفیق و ہمت عطا کرے۔ کہ بقیہ مطلوبہ رقم جلد فراہم کر کے اپنی یونیورسٹی کے قیام کی اجازت حاصل کر سکیں۔ اخیر دسمبر تک جن بہنوں نے چندہ وصول کر کے عنایت کیا ہی اُن کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

معزز بہن بیگم عزیز الدین احمد صاحب کوئٹہ نے ایک رسید بُک اور پُر کر کے عنایت کی ہی۔ آپ کی طرف سے فنڈ کو قابل قدر مدد ملی ہی۔ اس قومی خدمت گزاری کا خدا اجر دے گا۔

میری عزیز بہن بنت سید امداد حسین صاحب جونپور نے بھی دو کاپیاں پُر کر کے بھیجی ہیں۔ حالانکہ گزشتہ سال بہن موصوفہ پر نہایت غمگینی اور تکالیف کا گزرا۔ عزیز بھائی کی دائمی جدائی کا رنج کچھ کم نہ تھا کہ اُسپر علالتوں نے پریشان کیے رکھا۔ کچھ عرصہ خود بیمار رہیں۔ پھر جناب والد صاحب قبلہ کی ناسازی طبیعت کا فکر رہا۔ لیکن اسی حالت میں جس طرح بھی ہو سکا یہ کام بھی کیا۔

جناب ایس بی عبدالواحد صاحبہ میسور کی قابل قدر امداد کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ جنوری نمبر خاتون میں بھی آپکے چندے کا اعلان ہو چکا ہے اور اب پچاس روپیہ اور فراہم کر کے عنایت کیا ہی۔ جس میں اُن کی بھاوج صاحبہ بمبئی اور محترم مریم بی صاحبہ ہیڈ مسٹرس زنانہ اسکول میسور کی امداد شامل ہی۔

علاوہ ان کے میری پیاری چھوٹی گیتھو بائی عبا سیٹھ سلمہا نے بھی اپنے ننھے دوستوں سے اور چندہ کر کے بھیجا ہی۔ خدا علم و عمر بخشے۔

جناب بیگم سید وزیر حسن صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل لکھنؤ نے اپنا عطیہ معہ اپنی ایک بہن کے چندے کے عطا فرمایا ہی۔

افسوس کہ جن مقامات سے بوجہ کثیر التعداد سمجھدار و صاحب استطاعت بیگمات کی موجودگی کے ہمیں بڑی بڑی رقموں کی امید تھی وہاں سے سوائے مایوسی کے کچھ نہ ملا۔

فہرست چندہ حسب ذیل ہے

بذریعہ رسید ہائے نمبر ۴۰۹ لغایت ۲۹ وصول ہوئے

توسط بیگم عزیز الدین احمد صاحب کوئٹہ

بیگم مولوی نجم الدین صاحب ہیڈ ماسٹر ، صہ/

بنت ، ، ، ، ، عہ/

بیگم نصیر احمد صاحب کلرک دفتر پولیٹیکل ایجنٹ ، عہ/

بیگم اکرام اللہ خانصاحب انسپکٹر ڈاکخانجات ، عا/

بیگم سید حسین علی خانصاحب میر منشی ، صہ/

بیگم منشی شیر علی خانصاحب سررشتہ دار ، عا/

بیگم اکرام علی خانصاحب اسسٹنٹ سرجن ، صہ/

بیگم نبی بخش خانصاحب ہیڈ کلرک بندوبست ، صہ/

مہتاب بی بی اہلیہ ماسٹر ٹیلر صاحب ، عا/

بیگم اکرام الدین خانصاحب اسکول ماسٹر ، عہ/

بنت نور الاسلام خانصاحب اسسٹنٹ سرجن ، صہ/

بنت احمد الدین صاحب اسسٹنٹ انجنیر ، عا/

بنت خورد ، ، ، ، عا/

جمیلہ خانم بنت امیر علی خانصاحب مرحوم ، عہ/

آمنہ جان ، ، ، عہ/

محمودہ جان ، ، ، ، عہ/

اہلیہ الہ دین خانصاحب آبدار کوئٹہ عہ/

مائی شمسو جان ملازمہ بیگم عزیز الدین صاحب ، ۲/

مائی بصری خادمہ ، ، ، ۲/

اہلیہ محمد عمر صاحب چپڑاسی ، ۲/

اہلیہ شہاب الدین صاحب چپڑاسی جھٹ پٹ ۲/

بنت رانا محمد علی خانصاحب اسسٹنٹ سرجن

چاغی نوشکی کوئٹہ عہ/

اہلیہ محمد بخش باورچی بیگم عزیز الدین صاحب کوئٹہ ۱/

اہلیہ بھورا بھشتی جھٹ پٹ ۱/

اہلیہ الہ دیا صاحب ، ۱/

عہ بیگم عزیز الدین صاحب نے فیس منی آرڈر ضع کی

باقی ۳۷ صہ

بذریعہ رسید ہائے نمبر ۲۸۸۸ وصول ہوئے لغایت ۳۹ ۱۰/

توسط سید امداد حسین صاحب جونپور

بیگم سید علی سجاد صاحب جونپور عہ/

بیگم منشی ظہور حسین صاحب ، عا/

بنت نور الحسن صاحب ، عہ/

بیگم ابو محمد صاحب ، عا/

بیگم شاہ قدر حسین صاحب جونپور عا/
بیگم منشی وجہ الدین صاحب ״ عہ/
بیگم منشی اصغر علی صاحب ״ عہ/
بیگم منشی مدد علی صاحب ״ عہ/
بیگم مرزا نواب حسین صاحب ״ عہ/
بیگم منشی مصطفےٰ حسین صاحب ״ عہ/
بیگم قاضی غلام مصطفےٰ صاحب ״ عہ/
بیگم مولوی سید سعید صاحب محمد آباد عا/
آغا سید علی محمد شاہ صاحب جونپور عـہ
آغا سید مظہر علی شاہ صاحب دہامپور عا/
بیگم آغا سید ایوب علی شاہ صاحب تلہر عـہ/
والدہ صاحبہ سید علی حسن شاہ صاحب ״ عا/
بیگم سید عسکر علی شاہ صاحب سردھنہ عہ/
ہمشیرہ صاحبہ سید علی حسن شاہ صاحب تلہر عہ/
بھیبہ آغا عسکر علی شاہ صاحب سردھنہ عہ/
محمدی چھوٹی شہزادی خادمہ آغا عسکر علی صاحب ۱۰/
بھیبہ سید مظہر علی شاہ صاحب تلہر عہ/
بیگم سید معظم علی شاہ صاحب سردھنہ سے/
منشی غلام حیدر صاحب جونپور عا/
بذریعہ رسید بہی نمبر ۲۸۸۹ عـہ/۳ وصول ہوئے
بتوسط بنت سید امداد حسین صاحب جونپور

بنت سید امداد حسین صاحب جونپور صہ/
بسم اللہ بیگم اچھے صاحب اعظم گڑھ عہ/
شہنشاہ دُلہن حمید اللہ صاحب عرف لاڈے صاحب
مچھلی شہر .. .. .. عہ/
اہلیہ خیریت علی صاحب مچھلی شہر ۸/
جعفری بیگم بنت مرزا احمد علی صاحب
غازی پور .. .. عہ/
اہلیہ ناظر الحسن صاحب اعظم گڑھ ۸/
زوجہ منشی رام داس صاحب مچھلی شہر عہ/
زوجہ منشی بھگوان داس صاحب ״ عہ/
زوجہ منشی سہرام لال صاحب ״ ۸/
اہلیہ عبد الحی صاحب ״ ۸/
زوجہ منشی نند کنور صاحب ״ ۸/
زوجہ منشی رام سروپ صاحب ״ عہ/
زوجہ للورام صاحب ״ ۸/
زوجہ منشی پرشاد صاحب ״ ۸/
بیگم علی رضا صاحب جونپور عہ/
بیگم منشی برکت علی صاحب مچھلی شہر عہ/
زوجہ منشی کوسر دیال صاحب ״ عہ/
بیگم منشی عبد اللطیف صاحب قرق امین
مچھلی شہر .. .. .. عہ/

کوئی قانون گو صاحب نام اور مقام پڑھا
نہیں گیا .. .. عہ/
زوجہ منشی صاحب نام اور مقام پڑھا نہیں گیا عہ/
اہلیہ منشی صاحب ″ ″ ″ ۸/
عظیمن خادمہ بنت سید امداد حسین صاحب
جونپور .. .. ا/
بیگم حسین علی صاحب چنار ۶/
ایک غریب بی بی صاحبہ جونپور ا/
ایک لڑکی ″ ا/
مسٹر اظہر علی صاحب آزاد ایم اے آر ایس
تحصیلدار بھیری ضلع بریلی ۵/
بیگم علی حسن صاحب تحصیل شاہگنج قصبہ بڑا
گاؤں ضلع جونپور ۵/
بذریعہ رسید بہی نمبر ۳۲۵۵ وصول ہوئے لعہ ۱۲/
بتوسط ایس بی عبدالواحد صاحب میسور
نصیب خاتون صاحبہ میسور ۸/
زہرا بی بی اہلیہ محمد اسمعیل صاحب
رسالدار میسور ۵/
رحمن بی بی صاحبہ میسور عہ/
زہرا بی بی صاحبہ ″ ۵/
اہلیہ سلطان حسین صاحب ″ عہ/

اہلیہ مقبول شاہ صاحب میسور ۸/
اہلیہ عثمان سیٹھ صاحب ″ سے/
اہلیہ سید محمد حسین ابو المظفر صاحب ″ عا/
اہلیہ سید مصطفےٰ حسین صاحب حکیم
گورنمنٹ میسور .. .. عصہ/
اہلیہ عملدار داؤد خاں صاحب میسور عا/
اہلیہ فیض محمد خاں صاحب جمعدار ″ عہ/
حافظ بی بی صاحبہ اُستانی ″ عا/
والدہ صاحبہ سید پیر صاحب ″ ۸
اہلیہ محمد غوث صاحب ″ ۸/
حسن بی بی صاحبہ ″ ۸/
محمد الدین بی بی صاحبہ ″ ۴/
بذریعہ رسید بہی نمبر ۴۰۵۸ وصول ہوئے سنہ ۱۰/۳۰
بتوسط ایس بی عبدالواحد صاحب میسور
رحیم بی بی صاحبہ مغلانی میسور ۸/
رحیم بی بی صاحبہ ″ ۲/
اہلیہ سید عبدالعزیز صاحب روغن منڈی ″ سے/
اہلیہ ڈاکٹر محبوب علی صاحب ″ عا/
اہلیہ صدق صاحب سیٹھ ناگور ″ عا/
عزیز النساء بیگم صاحبہ معلمہ دوم ″ عہ/
حافظ بی بی صاحبہ معلمہ دوم ″ عہ/

حلیمہ بی بی صاحبہ معلمہ سوم میسور عہ/
حافظ بتول بی بی صاحبہ ” ۱۴/
والدہ صاحبہ حاجی حسین صاحب سیٹھ بمبئی ۶/
اہلیہ حاجی حسین سیٹھ صاحب بمبئی ۶/
ابراہیم ابن حاجی حسین سیٹھ صاحب ” ۱۲/
عثمان ابن حاجی اسمٰعیل سیٹھ صاحب ” ۶/
اہلیہ صالحہ محمد سیٹھ صاحب ” ۶/
اہلیہ اسحاق سیٹھ صاحب ” عہ/
بنت ابوبکر سیٹھ صاحب ” ۱۲/
بنت عبدالقادر سیٹھ صاحب ” عہ/
اہلیہ حاجی قاسم سیٹھ صاحب ” صہ/
دولت بائی صاحبہ ” ۱۴/
معرفت کے۔ بی۔ عبا سیٹھ صاحبہ سلمہا
وصول ہوا
ہاجرہ خاتون بنت محمد اسمٰعیل صاحب میسور عہ/
صفیہ بی بی بنت پیش امام صاحب ” عہ/
بنت منشی حسن علیخانصاحب ” ۶/
بنت محمد حسین صاحب جمعدار جیل ” عہ/
صالحہ بانو طالبعلم مدرسہ سرکاری ” ۸/
خاتون بی بی صاحبہ ” ۱۴/
ایس بی صاحبہ نے ۱۲/ خرچ رجسٹری

دبیمہ وغیرہ منہا کیا باقی [illegible]

مرسلہ دفتر اخبار تہذیب النسواں لاہور
بیگم صاحب علی صاحب خریداران
پھول سے ۱۴/
محمد ابراہیم حاجی پیر محمد اللہ رکھا صاحب
بمبئی .. .. صہ/
بیگم حقانی صاحبہ اہیرا صہ/
بیگم ہاشم صاحب عباسی جبل پور ۶/
زینب الہٰ بخش صاحب مکتسر عہ/
غلام عائشہ ” ” ” عہ/
الیاس الدین صاحب کرنال ۶/
زینب الہٰ بخش صاحب از طرف
احمد الدین مکتسر .. .. .. عہ/
زینب الہٰ بخش صاحب از طرف
قمرالدین صاحب مکتسر .. .. عہ/
بنت محمد حاجی صاحب .. .. .. عہ/
میزان [illegible]
۴/ فیس منی آرڈر مولوی صاحب نے
منہا کیے باقی
[illegible]

جناب بیگم شہنشاہ حسین صاحب لکھنؤ عہ

جناب بیگم سید وزیر حسن صاحب بی اے

ایل ایل بی وکیل خاقان منزل لکھنؤ عہ ر

چمپا خادمہ بیگم سید وزیر حسن صاحب لکھنؤ ۴ ر

سنبل " " " " " ۸ ر

الٰہی خانم " " " " " ۲ ر

غریب سیدانی صاحبہ لکھنؤ ۲ ر

میزان لہ ۱۵ ۱

میزان کل ماا ۲۴۲ ۱۲

میزان سابق ماللعہ ۲۱۱۹ ۴

میزان کل سا ۲۳۶۲ ۱

خاکسار۔ بنت نذر الباقر۔ کوہاٹ

اڈیٹوریل

آزادی نسواں۔ ابتک دنیا کے سامنے تعلیم نسواں وحقوق نسواں کے مسائل پیش تھے۔ مگر اب آزادی نسواں کا بھی ایک مسئلہ معرض بحث میں آرہا ہی۔

یہ انسانی سوسائٹی میں قدیم سے ایک ثابت شدہ امر ہی کہ جب کوئی طبقہ خود کسی معاملہ میں اپنے حقوق کی خواہش کرتا ہی توآخر کار اُسکو وہ حقوق مل ہی جاتے ہیں کیونکہ جو حقوق کسی فرقہ کے غصب کیے جاتے ہیں وہ زیادہ تر قدرتی وجوہات سے نہیں کیے جاتے بلکہ فرقہ غاصب بوجہ خود غرضی یا تعصبات کے غصب کرتا ہی اور جب غاصب فرقہ کو اس بات کا یقین ہوجاتا ہی کہ اسکے ذاتی اغراض بھی معرض ضبط میں ہیں۔ اور تعصبات کا پردہ اُس کی آنکھوں سے اُٹھ جاتا ہی اور حق بات اُسکو نظر آنے لگتی ہی تو وہ اپنے غاصبانہ حرکات سے باز آتا ہی۔

یہ واقعات صرف عورتوں اور مردوں ہی کے درمیان تاریخی طور پر نہیں ثابت ہوتے

بلکہ مردوں کے مختلف طبقات کے درمیان بھی ایسا ہوتا رہا ہی۔ چنانچہ یورپ میں زمیندار امرار اور اُن کے زیر دست کاشتکاروں کے درمیان قریب قریب تین صدیوں تک متواتر کش مکش جھگڑے رہے۔ آخر کار زمیندار امرار کو اپنی اونچی سطح سے اُترنا پڑا اور جن لوگوں کو وہ اپنی برابری یا پوری آزادی کے اہل نہ سمجھتے تھے مجبوراً اُن کو ایک سطح پر لانا پڑا۔ اور اب اُنکے پہلو بہ پہلو وہ بھی اپنی ملکی اور قومی ترقیوں میں سرگرم ہیں۔ اور ان میں سے کسی کو یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ کبھی ہمارے پولٹیکل حقوق میں کوئی تفاوت تھا۔

جو اعتراضات اسوقت عورتوں کے پولٹیکل حقوق یا پوری آزادی کے خلاف کیے جاتے ہیں بعینہ وہی اعتراضات کسی زمانہ میں یورپ کے مظلوم کاشتکاروں کے خلاف پیش کیے جاتے تھے۔ مگر جب تک خود اس مظلوم طبقہ کے افراد نے اپنی قسمت کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں نہ لیا اُسوقت تک یورپ کے سلاطین اور امرار اور قابو یافتہ جماعت کے تعصبات بطور ایک مذہبی عقیدہ کے اُن کے دلوں میں مضبوطی سے قائم رہے۔ آخر کار نوبت یہانتک پہونچی کہ فرانس میں عظیم الشان انقلاب ہوا۔ جس میں مساوات اور برادری کا نعرہ بلند کیا گیا۔ اور جو لوگ اسکے خلاف تھے اُن کو نیچا دیکھنا پڑا۔

فرانس کی مثال سے تمام یورپ میں یکایک انقلاب ہو گیا اور ابتدائے پیدائش انسان سے لیکر جن قواعد سوسائٹی کی جکڑبندوں میں یورپ مبتلا تھا وہ سب یکایک توڑ دیے گئے۔ اب یورپ اور بالخصوص انگلستان میں عورتوں نے اپنے پولٹیکل حقوق اور پوری آزادی کا جھنڈا بلند کیا ہی۔

سا مرد گو عورتوں سے محبت کرتے ہیں۔ بعض قابل پرستش کے خیال کرتے ہیں دنیا کی کوئی چیز ان سے عزیز رکھنا نہیں چاہتے۔ مگر اپنی پولٹیکل پالسی اور ملکی امور میں اپنے برابر بٹھانے کے روادار نہیں ہوتے۔ اس میں خود غرضی کا عنصر اسقدر حاوی

نہیں ہی جبتنا کہ تعصب کا۔

مردوں کا یہ خیال ہی کہ عورتیں بہ نسبت مردوں کے کم عقل ہوتی ہیں۔ جوان مردوں اور جوان عورتوں کا ایک جگہ بیٹھنا۔ غیر مردوں کا غیر عورتوں سے دن رات بالمشافہ گفتگو کرنا سوسائٹی کے لیے مضر ہوگا۔

مگر یورپ میں جتنے اور سوسائٹی کے طریقے اور قاعدے ہیں ان میں اس خیال کو کبھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ تھیٹروں۔ ہوٹلوں اور ناچ گھروں اور سیر و تفریح کے مقامات میں عورت و مرد بے تکلف ساتھ رہتے ہیں اور اس سے جو سخت مضرتیں سوسائٹی کو پہونچتی ہیں اُس سے بھی یورپ پورے طور پر آگاہ ہے۔ اگر عورتیں پوری اپنی پولیٹکل آزادی اور حقوق کو حاصل کر کے تمام امور میں مردوں کے برابر رائے دینے کا استحقاق حاصل کرلیں تو ہمارے نزدیک سوسائٹی کی بہت سی مضرتوں میں بجائے ترقی کے کمی ہو جائے گی۔ کیونکہ اب مرد عورتوں کو صرف اپنے دل بہلانے کا ایک آلہ خیال کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان سے محبت ہی مگر انکے دلوں میں عورتوں کی سچی عظمت اور عزت نہیں ہی۔ اور عورتیں بھی اُسوقت تک اپنے کو یہی سمجھتی ہیں کہ ہماری تمام زندگی اسی لیے ہی کہ ہم کسی طریقہ سے اپنے مردوں کا دل بہلائیں اور اُن کو خوش رکھیں۔ مگر جب ان کو پورے حقوق حاصل ہو جائیں گے تو جانبین سے یہی کوشش ہوگی کہ ہم ایک دوسرے کو خوش رکھیں اور کوئی کام ہم سے ایسا سرزد نہو جس سے فریق ثانی ہم سے ناخوش نہو جائے۔

جب تک میزان کے دونوں پلے ٹھیک ٹھیک برابر نہ ہونگے اُسوقت تک ہم کو کبھی توقع نہیں ہو سکتی کہ یورپ کی سوسائٹی کی وہ خرابیاں رفع ہونگی جو اسوقت پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ یورپ نے بلا پولیٹکل حقوق کے عورتوں کو جو آزادی دے رکھی ہی اس سے بے باکی پیدا ہوتی ہے۔ وہ خود اپنی قدر و منزلت قائم نہیں رکھ سکتیں

جب کسی شخص کو آزادی کے ساتھ حقوق نہیں دیئے جاتے تو ؤ آزادی ایسی ہے جیسے ہم اپنے عزیز پالتو پرند کو جب دل چاہتا ہی پنجرے سے باہر نکال دیتے ہیں۔ اور جب چاہتے ہیں بند کر دیتے ہیں۔

اسوقت ہم صرف یورپ کی آزادی کے متعلق لکھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کا اور بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کا مسئلہ بالکل جداگانہ ہی۔ کیونکہ ہندوستان کے فرقۂ نسواں نے ابتک اپنی حالت کے اصلاح کی طرف خود کوئی توجہ نہیں کی ہی۔ جب اس فرقہ کو اپنی حالت کی طرف کوئی توجہ ہوگی تو پھر اسکے مناسب یا نامناسب ہونے کی نسبت بھی بحثیں ہو سکتی ہیں۔

ہمیں اس بات کو اخبارات میں پڑھ کر انتہا درجہ کی خوشی ہوئی کہ چین کی عورتوں نے بھی اپنے حقوق کی نسبت دعویٰ کیا ہی۔ اور وہ بھی ذلت کے گڑھے سے نکلنے کے لیے جد و جہد کر رہی ہیں۔

رُکمنی بائی زچہ خانہ۔ بمبئی کے سیٹھ برج بھوشن داس آتمارام کی فیاضی سے اُنکے فرزند ڈاکٹر منگل داس بھیتہ کی نگرانی میں جو زچہ خانہ کھُلا ہی۔ اس کی پہلی سالانہ رپورٹ حال میں شائع ہوئی ہی۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ ۶۶ عورتوں نے اس زچہ خانہ سے فائدہ اُٹھایا۔ پہلی ششماہی میں صرف ۱۸ زچہ عورتیں اس میں آئیں۔ لیکن دوسری ششماہی میں ۴۸ کا اضافہ ہوا۔ پہلے لوگوں نے قدیم رسم و رواج کے خیال سے اس زچہ خانے پر اعتراض اُٹھایا تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ مخالفت مٹ گئی۔

ان زچہ عورتوں میں سے بعض پر عمل جراحی بھی کیا گیا جو ہر حالت میں کامیاب رہا وہ بچے زندہ اور دو مُردہ پیدا ہوئے۔ چار وفات پا گئے۔ اور دو قبل از وقت پیدا ہوئے علاوہ اسکے ۱۳۴۷ باہر کی عورتوں کا معالجہ کیا گیا۔

کمسنی کی شادی۔ لندن میں ایک ۱۰ سالہ لڑکا ایک گھڑی چرانے کے الزام میں جب عدالت میں پیش کیا گیا تو اُس نے کہا کہ مینے یہ گھڑی اسلیے چرائی تھی کہ میں بھوکا تھا۔ جب کام ملتا ہی تو میں ہفتہ وار صرف ۱۴ شلنگ کماتا ہوں جو میرے اور بیوی کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ لڑکے کے باپ نے عدالت میں کہا کہ اِسنے میری مرضی کے خلاف شادی کر لی ہی میں ۱۲ برس کی عمر تک اسکا بار اُٹھانیکے لیے رضی تھا۔ اسی طرح اس کی بیوی کا باپ بھی ۱۲ سال کی عمر تک اپنی بیٹی کی نگہداشت اور اخراجات کی ذمہ داری لیتا تھا۔ لیکن ان دونوں نے قبل از وقت ۱۰ سال کی عمر میں شادی کر لی۔ عدالت نے ترس کھایا اور اُسکو والدین کے پاس رہنے کی ترغیب دی

یہ واقعہ انگلستان میں ایسا عجیب سمجھا جاتا ہی کہ اخبارات اسپر مضامین لکھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس پادری کو کیوں نہ تنبیہ کی جائے جس نے ان کمسنوں کا نکاح پڑھ دیا۔ افسوس ہی کہ اُن کو یہ خبر نہیں کہ ہندوستان میں بہت سی شادیاں میاں بیوی کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی کر دی جاتی ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہم نے تہذیب نسواں میں اس خبر کو نہایت افسوس و صدمہ کے ساتھ پڑھا کہ صاحبزادہ عبدالصمد خانصاحب چیف سکرٹری رامپور کی بیگم صاحبہ جو مرحوم و مغفور نواب جرنیل عظیم الدین خانصاحب کی اکلوتی بیٹی تھیں عین عالم شباب میں انتقال کر گئیں۔

جرنیل عظیم الدین خانصاحب مرحوم کے بارہ تیرہ بچوں میں سے صرف یہی ایک صاحبزادی اُن کی نشانی رہگئی تھیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالے مرحومہ کو جنت اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

رجسٹرڈ نمبر اے (۲۷۱)

خاتون

جلد ۶ | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۲ء | نمبر ۴

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں اسکیم

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار عبداللطیف پرنٹر

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

شیخ عبداللہ بی اے پبلیشر نے علیگڈھ سے شائع کیا

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۲؍ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہ ہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں۔ اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں سے لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو مدد دینا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس رسالہ کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈہ ہونی چاہیے۔

نواب سکندر بیگم صاحبہ
خلد نشین

اگرچہ نواب جہانگیر محمد خاں کو ریاست مل گئی اور وہ مسند نشین ہو گئے لیکن ان کی طبیعت ان بیگمات سے صاف نہ ہوئی۔ روز بروز ناچاقی بڑہتی جاتی تھی اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہونچی کہ آخر مجبور ہو کر نواب گوہر بیگم صاحبہ مع سکندر بیگم صاحبہ کے اسلام نگر کے قلعہ میں چلی گئیں۔ اور وہیں انہوں نے رہنا شروع کیا ہے اس عالم بیکسی اور تنہائی میں مسبب الاسباب نے اُنکے رنجیدہ دلوں کی خوشی کا ایک نہایت عمدہ سامان بہم پہونچا دیا۔ یعنی ۶ جمادی الاولی ۱۲۵۴ھ میں نواب سکندر بیگم کے بطن سے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں۔

نواب جہانگیر محمد خاں ایک سپاہی منش اور فیاض آدمی تھے۔ تدبیر ملکی سے کم سروکار رکھتے تھے۔ اسکے عہد میں انتظام میں ابتری رہی۔ جس کی بدولت

ریاست چند سال کے عرصہ میں تقریباً بیس لاکھ روپیے کی قرضدار ہوگئی۔

ابھی ان کی جوانی ہی کی عمر تھی کہ وہ مرض الموت میں گرفتار ہوئے۔ سکندر بیگم صاحبہ مع شاہجہاں بیگم صاحبہ کے ان کی عیادت کے لیے اسلام نگر سے آئیں۔ اور دیکھکر پھر وہیں لوٹ گئیں۔ آخر ۱۲۶۰ھ میں نواب جہانگیر محمد خاں انتقال کر گئے۔

ان کے مرنے کے بعد حسب تجویز نواب گورنر جنرل بہادر یہ طے پایا کہ نواب مرحوم کی بیٹی نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ رئیسہ بھوپال ہوں۔ جسوقت وہ کتخدا ہونگی تو اُن کا شوہر رئیس ہوگا۔ اور اُن کی شادی کے زمانہ تک کے لیے میاں فوجدار محمد خاں نواب گوہر بیگم صاحبہ کے بھائی مختار ریاست قرار دیے گئے۔

خانصاحب موصوف کے زمانہ میں ریاست کا کاروبار اور بھی ابتر ہوگیا. خانہ جنگی اور شورش برپا ہوئی۔ اور ریاست پر تقریباً چار لاکھ روپیے کے قرضہ کا بار اور بڑھ گیا۔ بالآخر ۱۲۶۳ھ میں انسے استعفا لیکر سکندر بیگم صاحبہ کو نیابت کا خلعت عطا ہوا۔

نواب سکندر بیگم صاحبہ نے جسوقت ریاست کی باگ ہاتھ میں لی ہے اُسوقت اُس کی حالت نہایت خراب تھی۔ نہ کچھ قواعد وضوابط تھے۔ نہ انتظام کا کوئی آئین و طریقہ تھا. نہ دادخواہی کے لیے عدالتیں تھیں۔ علاوہ بریں تقریباً چوبیس لاکھ روپیہ کا قرضہ تھا جس کی وجہ سے اکثر زرخیز پرگنے ریاست کے سودخوار مہاجنوں کے قبضہ میں تھے اور ریاست کی کل آمدنی صرف گیارہ لاکھ سالانہ رہ گئی تھی۔[1]

---

[1] سراج الاقبال تاریخ بھوپال میں مولانا عباس لکھتے ہیں کہ ریاست بھوپال کی کل آمدنی چالیس لاکھ روپیہ لاکھ تھی۔ لیکن تاج الاقبال تاریخ بھوپال میں جو خود وہاں کی رئیسہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی تصنیف ہے کل سالانہ آمدنی تقریباً ستائیس لاکھ لکھی ہے۔

ارکان و اعیان ریاست زیادہ تر بہادر اور جنگجو لوگ تھے جو نہ انتظام و تدبیر ملکی سے اچھی طرح واقف تھے نہ قانون و ضابطہ کی پابندی کو پسند کرتے تھے[۱] ایسی جماعت میں پرورش پاکر نواب سکندر بیگم صاحبہ کا محض اپنی کوشش سے ریاست کو ترقی دیکر باقاعدہ اور منتظم بنا دینا اُن کی بے نظیر ذاتی قابلیت کی دلیل ہے انگریزی پیمایش کی رو سے کُل زمین ریاست بھوپال کی ۶۷۷۴ میل مربع ہے۔ سکندر بیگم صاحبہ نے تمام ریاست کو تین حصوں میں تقسیم کرکے تین ضلعے اور تینوں ضلعوں میں ۳۱ پرگنے قائم کیے۔ ہر ہر ضلع میں ناظم۔ اور ہر ہر پرگنہ میں تحصیلدار تھانہ دار عملہ وغیرہ متعین فرمائے۔

تمام ریاست کی جریب سے پیمایش کرائی۔ ہر ہر گاؤں کی حدبندی کی۔ اور وصول تحصیل کے قوانین مرتب کیے۔ گذشتہ سالوں کے ناتمام اور پراگندہ حسابوں کو صاف کیا۔ مال کے لیے اُصول اور ضابطے تیار کیے۔ دیوانی اور فوجداری کے قوانین کی الگ الگ ضخیم کتابیں لکھائیں۔ اور ریاست کو ایک منتظم اور مرتب قانون پر چلایا۔

[۱] غدر سے پیشتر کا زمانہ جبکہ انگریزی تسلط اچھی طرح نہیں ہو چکا تھا۔ بدنظمی کی وجہ سے ہندوستان میں ایک قسم کی طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ بالخصوص وسط ہند میں مرہٹوں کی دست برد اور امیر خاں وغیرہ کے رستمانہ حملوں سے ایک تہلکہ مچا ہوا تھا۔ خانان بھوپال جو ایک بہادر قبیلہ کے فرزند ہیں ان شورشوں کی وجہ سے ہمیشہ شمشیر بکف رہتے تھے۔ چنانچہ خان والا وزیر محمد خاں کی تمام عمر ہی جنگ و پیکار میں بسر ہوئی اور اطمینان سے نہ بیٹھ سکے اُس زمانہ کی ایک یادگار بھوپال میں اب تک موجود ہے یعنی گنگا کیونکہ ان لوگوں کو اکثر دور دراز مقامات تک دوڑ دھوپ کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اسلیے چھالیا اور کتھا کتر کے پاس رکھ لیتے۔ لڑائیوں اور حملوں میں بروقت ضرورت اسی کو مونھ میں ڈالکر پیاس کو تسکین دیتے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ معرکوں سے واپس آکر جب ایک دوسرے سے ملنے کے لیے جاتے تو وہی گنگا بطور تواضع کے پیش کرتے۔ یہانتک کہ اسکا عام رواج ہو گیا۔ اب ہر بھوپالی کے رومال کے پلو میں گنگے سے بھرا ہوا ایک بٹوہ اور ایک ڈبیا میں حقہ بہ ضرور ساتھ ہوتا ہے۔ چار ٹکے کی مزدوری کرنے والیاں بھی اس سے مستثنے نہیں ہیں،

اُن کو خلائق کی آسائش اور رعایا کی بہبودی کا اسقدر خیال تھا کہ اپنا عیش و آرام ترک کر کے تین چار بار تمام ریاست میں دورہ کیا۔ رعایا کی حالت خود اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اُن کی ضروریات کو سمجھا اور اُن کا بندوبست کیا۔

وہ مثل مردوں کے فنون سپہ گری اور شہسواری میں طاق تھیں۔ گھوڑوں اور ہاتھیوں پر بیٹھ کر بے پردہ اور بے نقاب دورے کرتی تھیں۔ اُن کا رُعب اور جلال ہی اُنکے لیے بہت بڑا پردہ تھا۔

ان کی اس سرگرمی۔ تن دہی اور جانفشانی سے رعایا خوش حال اور ریاست سرسبز ہو گئی۔ مالیہ میں ترقی ہوئی۔ سالانہ آمدنی گیارہ لاکھ سے چوبیس لاکھ تک پہونچ گئی۔ قرضہ تمام ادا کر دیا گیا۔ اور وہ محالات جو بطور رہن کے مہاجنوں کے پاس تھے واگذاشت ہوئے۔

انھوں نے کمال فراست اور مردم شناسی سے اپنے لیے ایک نہایت قابل۔ مدبر اور خیر خواہ وزیر تلاش کیا۔ یعنی مولوی جمال الدین خانصاحب۔ جنھوں نے بیدار مغزی اور دیانت داری کے ساتھ ریاست کی خدمت کی اور بیگم صاحبہ کے ارادوں اور اصلاحوں کی تکمیل میں سرگرم کوششیں انجام دیں۔

نواب سکندر بیگم صاحبہ سیاق و سباق اور فارسی کی نہایت اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتی تھیں۔ خط کتنا ہی شکستہ کیوں نہ ہو بے تکلف پڑھ لیتی تھیں۔ پہلے ریاست کا دفتر بھی فارسی ہی زبان میں تھا۔ جب گورنمنٹ نے ہندوستان کے دفاتر میں اُردو جاری کی تو اُنھوں نے بھی ریاست کے دفتر کو اُردو میں کر دیا۔

ریاست کے تمام پرگنوں میں رعایا کی تعلیم کے لیے اُردو اور ہندی کے مدرسے جاری کیے۔ ۱۸۶۰ء میں خاص شہر میں مدرسہ سلیمانیہ اپنی چھوٹی نواسی سلیمان جہاں بیگم کے نام سے عربی۔ فارسی۔ اُردو۔ ہندی اور انگریزی کی تعلیم

کے لیے کھولا۔ دستکاری اور صنعت و حرفت کے سکھانے کے واسطے ملکہ معظمہ آنجہانی کے نام سے وکٹوریہ مدرسہ قائم کیا۔ اس زمانہ میں مطبع کا بہت کم رواج تھا لیکن اُنھوں نے ضروریات ریاست کے لیے ایک مطبع بھی جاری کیا۔

شہر بھوپال کی یہ حالت تھی کہ نہ وہاں سڑکیں تھیں نہ روشنی کا کوئی انتظام تھا۔ تنگ تنگ گلیاں تھیں جن میں چھکڑے بھی مشکل سے گذرتے تھے۔ انھوں نے نہایت فراخ اور وسیع سڑکیں بنوائیں۔ اُن پر دورویہ لالٹینیں نصب کرائیں۔

ریاست کے صدر مقامات کو سڑکوں کے ذریعہ سے ملحق کر دیا۔ جس کی وجہ سے انتظام ملکی اور نیز اندرونی تجارت میں بہت آسانیاں ہوگئیں۔

پیشتر ریاست کی فوج کی یہ صورت تھی کہ امرار کو جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے پاس سپاہیوں کو ملازم رکھتے تھے۔ بروقت ضرورت ریاست کی خدمت انجام دیتے تھے۔

ان امیروں کی زیادہ تر یہ حالت ہوتی تھی کہ انتظام و تدبیر سے کم اور سپہگری و بہادری سے زیادہ ذوق رکھتے تھے۔ اس لیے جنگ و چپقلش پیدا ہونے کا اکثر خطرہ رہا کرتا تھا۔

بیگم صاحبہ نے اس طریقہ کو توڑ کر فوج کو تنخواہ دار ملازم قرار دیا۔ اور ماہ بماہ اُنکی تنخواہ ملنے کا بندوبست فرمایا۔ انگریزی اُصول پر اُن کو قواعد جنگ سکھانے کے لیے تربیت یافتہ دیسی افسر نوکر رکھے۔ سواروں اور پیادوں کے لیے مختلف قسم کی وردیاں مقرر کیں۔ جس سے فوج باقاعدہ اور شایستہ ہوگئی۔

اسی طرح پولیس کا بھی نظام مرتب کیا۔ اور اسکو اس قابل بنایا کہ وہ اپنے فرائض ادا کر سکے۔

الغرض وہ اپنے ان تمام کارہائے نمایاں کی وجہ سے تاریخ بھوپال میں وہی

رتبہ رکھتی ہیں جو تاریخ ہند میں اکبر اعظم کا ہی۔ ان کی ذات انکے ہمجنس فرقہ کے لیے مایۂ ناز ہی۔ اور انہیں جیسی عورتوں پر خدا کا یہ کلام صادق آسکتا ہی۔

لیس الذکر کالانثیٰ — مرد عورت جیسا نہیں ہے

خواجہ حالی تو فرماتے ہیں۔ رباعی

جس ملک کا کارخانہ دیکھو برہم — سمجھو کہ وہاں ہی کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہی مشیر دولت — یا ہی کوئی مولوی وزیر اعظم

مگر یہاں بیگم مالک دولت ہی۔ اور مولوی جمال الدین خاں وزیر اعظم ہیں۔ جنکے زہد واتقاکے قصے الٹک مشہور ہیں۔ جو باوجود کاردبار ریاست کے ملانوں کی طرح مسجد میں وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ اور پھر ملک کا کارخانہ ایسا اعلیٰ درجہ کا جس کی تمام دنیا تعریف کر رہی ہے۔ سبحان اللہ!! مصرع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

سنہ ۱۲۷۴ء میں جب غدر ہوا تو جابجا فوجیں باغی ہوگئیں۔ گوالیار واندور جو بڑی بڑی ریاستیں ہیں اور بھاری بھاری فوجیں رکھتی ہیں وہ بھی اپنی اپنی فوجوں کو بغاوت سے روکنے میں کامیاب نہوسکیں۔ لیکن نواب سکندر بیگم صاحبہ نے نہایت دانشمندی کے ساتھ اپنی ریاست کی فوج اور نیز رعایا کو اس اثر سے محفوظ رکھا۔ چھاونی سیہور کے کنٹجنٹ نے جب بغاوت کی تو فوراً اُس کی سرکوبی کے لیے بھوپال سے فوج بھیجی اور باغیوں کے ہاتھ سے چھاونی کو نہایت ہوشیاری سے بچالیا۔

انھوں نے بہت سے انگریزوں کی جانیں بچائیں۔ اور اُن کو ہر قسم کا آرام دیا انگریزی فوج کے لیے کالپی کے حدود تک غلہ اور رسد پہونچائی۔ اور ساگر۔ جھانسی اور بندھیل کھنڈ تک اپنی فوج حفاظت اور امن قائم کرنے کے لیے بھیجی۔

ان کی اس وفاداری کی گورنمنٹ نے بہت قدردانی فرمائی۔ جنوری سنہ ۱۸۶۱ء

میں بمقام جبلپور لارڈ کیننگ نے ایک دربار منعقد کیا۔ جس میں وسط ہند کے رؤسا شریک تھے
اس دربار میں لارڈ صاحب ممدوح نے نواب سکندر بیگم صاحبہ کو خطاب کر کے انکی
بہت تعریف کی۔ اور اُن کی غدر کی خدمات کا اعتراف کر کے بطور صلہ کے پرگنہ
بیرسیہ کی سند تملیک جس میں ۲۵۴ مواضع ہیں اور جو ریاست دھار کے ملک کا
حصہ تھا اور بوجہ بغاوت کے ضبط کر لیا گیا تھا اپنے دست خاص سے عطا فرمائی۔

۱۲۷۶؁ھ میں بیگم صاحبہ کی درخواست کے مطابق گورنمنٹ نے ان کی بیدار
مغزی کے سبب سے خوشنودی کے ساتھ ان کو بھوپال کی مستقل رئیسہ کر دیا۔ اور
وہ باقاعدہ مسند نشین ہوئیں۔ نواب شاہجہان بیگم نے جو اپنے باپ کی
وراثت کے لحاظ سے رئیسہ تسلیم کی جا چکی تھیں کمال سعادت مندی سے ولی عہد
رہنا منظور کیا۔

۱۲۷۸؁ھ میں لارڈ کیننگ نے پھر بمقام الہ آباد دربار منعقد فرمایا۔ اس میں بیگم صاحبہ
کو اسٹار آف انڈیا کا تمغہ اور خطاب عطا کیا گیا۔

دربار سے فارغ ہو کر بیگم صاحبہ بنارس۔ جون پور۔ فیض آباد۔ لکھنؤ۔ کانپور
آگرہ۔ متھرا۔ وغیرہ کی سیر کرتی ہوئی دہلی تشریف لائیں۔ ان تمام مقامات میں گورنمنٹ
کی طرف سے انکے اعزاز کا پورا لحاظ رکھا گیا۔

دہلی پہونچکر شاہی عمارات دیکھیں اور متبرک مقامات کی زیارت کی۔ جامع مسجد
دہلی جو غدر کے بعد اس جرم پر بند کر دی گئی تھی کہ مسلمانوں نے بھی اس میں حصہ
لیا تھا بیگم صاحبہ کی استدعا پر کھُل گئی۔ اور عام طور پر مسلمانوں کو اُس میں نماز
پڑھنے کی اجازت ملی۔

دہلی سے پھر جے پور تشریف لے گئیں۔ مہاراجہ صاحب جیپور نے شاہانہ
مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

بعدازاں اجمیر میں آکر حضرت خواجہ کی زیارت کی۔ وہاں سے قطع مراحل کرتی ہوئی بھوپال پہونچیں۔ اور خطاب ملنے کی خوشی میں ایک شاندار دعوت کا جلسہ کیا۔
۱۸۶۳ء میں جب آگرہ میں دربار ہوا تو اُس میں وفاداری اور حُسنِ انتظام کے صلے میں ایک نہایت گراں بہا خلعت بیگم صاحبہ کو عطا کیا گیا۔
نواب سکندر بیگم صاحبہ سچّی مسلمان اور مذہب کی بڑی پابند تھیں۔ جب ریاست کے انتظام سے فارغ ہوئیں اور اس طرف سے اطمینان ہوا تو اُنھوں نے خیال کیا کہ میرے اوپر حج فرض ہی اسلیے اُسکا ادا کرنا ضروری ہی۔
اس زمانہ میں ریل بھوپال سے بہت فاصلہ پر تھی یعنی قریب برہان پور کے مقام ہرگانوں میں ریلوے اسٹیشن تھا۔ پھر سمندر کا سفر نہایت خطرناک۔ کیونکہ زیادہ تر بادبانی جہاز چلتے تھے اور دخانی جہاز بھی اسقدر محفوظ نہ تھے جتنے کہ اب ہوتے ہیں۔ باوجود اسقدر سفر کی دشواریوں کے عالی ہمت بیگم نے فریضۂ حج ادا کرنیکا عزم بالجزم کرلیا۔
تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا قافلہ ساتھ لیکر جن میں اُن کی والدہ نواب گوہر بیگم صاحبہ قدسیہ اُنکے ماموں میاں فوجدار محمد خاں اور مدار المہام مولوی جمال الدین خانصاحب بھی تھے وہ بیت اللہ کو روانہ ہوئیں۔
دو جہاز بادبانی اور ایک دخانی کرایہ کرکے یہ قافلہ مکہ معظمہ میں پہونچا اور حج کے مناسک ادا کیے۔ بدّؤں کی شورش وغیرہ کی وجہ سے مدینۂ منوّرہ نہ جاسکیں صرف حج کرکے واپس آگئیں۔ وہاں ان ماں بیٹیوں نے تقریباً چار لاکھ روپیے مصارفِ خیر میں صرف کیے۔
کسی تاریخ سے یہ پتا نہیں لگتا ہی کہ آجتک ہندوستان سے کوئی والیِ ملک فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے گیا ہو۔ اسکا شرفِ اوّلیت نواب سکندر بیگم صاحبہ کو

حاصل ہوا اور باوجود عورت ہونے کے ان کی یہ خصوصیت اس قابل ہے کہ اس پر جسقدر ناز کیا جائے بجا ہے۔

بیگم صاحبہ نے سفر حج کا روزنامچہ بھی تفصیل کے ساتھ مرتب کیا۔ لیڈی صاحبہ کرنیل اسبورن صاحب پولیٹکل ایجنٹ بھوپال نے اسکو انگریزی میں ترجمہ کرکے چھپوایا ہے۔

۱۸۶۶ء میں آگرہ میں عالیشان دربار ہوا جس میں وسط ہند کے چوراسی والیان ملک شریک تھے۔ وائسرائے نے خصوصیت کے ساتھ نواب سکندر بیگم صاحبہ اور مہاراجہ سیندھیہ کے حسن انتظام اور کارگزاری کی تعریف فرمائی۔ اور دوسرے والیان ملک سے توقع ظاہر کی کہ وہ ان کی تقلید کرینگے۔

واپسی میں دہلی۔ فتح پور سیکری۔ متھرا۔ بھرت پور۔ دہولپور۔ گوالیار۔ دتیا جھانسی وغیرہ مقامات کی سیر کرتی ہوئی بھوپال میں داخل ہوئیں۔

اس سیر وسفر کے تھوڑے عرصہ کے بعد بیگم صاحبہ بیمار ہوئیں اور اکیاون سال کی عمر میں ۱۳ رجب ۱۲۸۵ھ میں عالم بقا کو رحلت فرمائی۔ باغ فرحت افزا میں جو انہیں کا تعمیر کردہ ہے دفن ہوئیں۔ بحیثیت مختار ریاست و مستقل رئیسہ کے ۲۳ سال تک اُنھوں نے فرمانروائی کی۔

بیگم صاحبہ باوجود اس شان وجلالت کے نہایت سادہ مزاج اور پابند شرع تھیں۔ اُنھوں نے وصیت کی تھی کہ میری تجہیز وتدفین میں کوئی رسم خلاف شرع نہ کی جائے۔ اور نہ قبر پر گنبد ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ قبر پر صرف سنگ مرمر کا ایک مجحر لگا دیا گیا ہے۔

انھوں نے اپنی زندگی کا بہت بڑا فرض رعایا کی بہتری اور ترقی کو سمجھا تھا۔ وہ دن رات انہیں کی بہتری کے خیالات اور افکار میں منہمک رہتی تھیں یا اسی وجہ سے

رعایا بھی ان پر قربان تھی۔ اور وہ اپنی اس خیرخواہ فرمانروا کو بیحد عزیز رکھتی تھی۔ باوجود اس ہر دلعزیزی کے اُن کا رعبُ جلال بھی بہت تھا۔

ان کو مردم شناسی کا بڑا ملکہ تھا۔ اور وہ جوہر کی بڑی قدر دان تھیں۔ اسی وجہ سے انکے عہد میں بھوپال میں جہاں علم و فن سے کمتر لوگ واقف تھے بعض بعض اچھے اچھے اہل علم و فضل آئے اور اُن کی قدر کی گئی۔

سیر و سفر میں اُنھوں نے جو عمارتیں دیکھی تھیں اُن میں سے دہلی کی جامع مسجد اُن کو بہت پسند آئی تھی۔ بالکل اسی کے نمونہ پر بھوپال میں موتی مسجد کی بنیاد ڈالی۔ تمام مسجد سنگ سُرخ کی اور اندرونی حصہ سنگ مرمر کا رکھا۔ اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ وہ انتقال کر گئیں۔ بعد میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے اسکو مکمل کرایا۔

اسلم

(باقی آیندہ)

جاپان

چودھواں باب

پریوں کی کہانیاں

تارو اور آئی ٹو اس رات جب گھر واپس ہوئے تو وہ بہت تھکے ہوئے تھے ان کا وقت اِدھر اُدھر پھرنے اور دوڑنے میں صرف ہوا تھا۔ تھوڑی دیر تک تو وہ بالکل سستاتے رہے۔ اسکے بعد اُنھوں نے اپنے چھوٹے وارنشی پیالوں میں کھانا کھایا۔ کھانا کھاچکنے کے بعد دونوں نے اپنی دادی سے فرمائش

کی کہ وہ کوئی کہانی بولے۔ دادی سنے موموٹارو کی مشہور و معروف پُرانی کہانی بولنی شروع کی۔ یہ کہانی جاپان کے بچّوں کو حد سے زیادہ پسند ہی۔ کہانی بُرہیانے یوں بیان کی۔

کسی زمانہ میں ایک دریا کے کنارے پہاڑ کے دامن میں ایک بوڑہا اور ایک بڑہیا رہتے تھے۔ ہر روز بوڑہا اپنے گھر کے لیے لکڑیاں لانے کی غرض سے جنگل کو جایا کرتا تھا اور بُڑہیا کپڑے دہونے کے لیے دریا کو جاتی تھی۔ کوئی اولاد نہونیکے باعث بُڑہیا ہمیشہ بہت مغموم اور دلگیر رہتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اگر اُسکے صرف ایک لڑکا یا ایک لڑکی ہوتی تو دنیا میں اُس سے زیادہ خوش قسمت کوئی اور نہ تھا۔

ایک روز جبکہ وہ دریا میں کپڑے دہو رہی تھی کوئی چیز اُس کی طرف بہتی ہوئی نظر آئی۔ وہ ایک ناسپاتی تھی جو قریب آنے پر بُڑہیا نے لی اور گھر لیتی آئی۔ جب وہ ناسپاتی گھر لیجا رہی تھی اُسکو کسی بچّے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے اپنے سیدھے۔ بائیں۔ اوپر۔ نیچے ہر طرف دیکھا لیکن کہیں کوئی بچہ نظر نہ آیا۔ اُس نے پھر رونے کی آواز سُنی اور اب اُس نے خیال کیا کہ وہ آواز ناسپاتی یں سے آرہی ہی۔ اُسنے فوراً ناسپاتی کے دو ٹکڑے کرڈالے اُس کی حیرت و مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جب اُسنے یہ دیکھا کہ ناسپاتی کے بیچ میں ایک شیرخوار بچہ بیٹھا ہوا ہے اُس نے بچّے کو نکال کے پالنا شروع کیا اور ناسپاتی میں سے پیدا ہونے کے باعث اُسکا نام **موموٹارو** رکھا۔

موموٹارو بڑا ہو کر ایک مضبوط اور قوی لڑکا نکلا اور سترہ برس کی عمر میں اپنی قسمت کی تلاش کے لیے چل کھڑا ہوا۔ اُس نے یہ منصوبہ کر رکھا تھا کہ وہ اُس جزیرہ پر حملہ کریگا جہاں ایک نہایت خوفناک عفریت رہتا تھا۔ بُڑہیا نے راستہ کے لیے ایک اچھا توشہ تیار کر دیا۔ چاول وغیرہ بہت سی چیزیں بانس کے پتوں میں باندہکر

دیں تاکہ رستہ بھر کام آسکیں۔ یہ سب سامان لیکر موموٹارو روانہ ہوا۔ وہ ابھی بہت دور نہ گیا ہوگا کہ اسکو ایک بھڑ ملی۔ موموٹارو سے اس بھڑ نے کہا۔

موموٹارو! اگر تم اپنے کھانوں میں سے آدھا حصہ مجکو بھی دو تو میں
تمہارے ہمراہ ہوکر عفریت پر فتح حاصل کرنے میں تمہاری مدد کرونگی

موموٹارو نے جواب میں بسروچشم کہا اور فوراً اس کو اپنے کھانے کا حصہ دار بنالیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک کیکڑا ملا اُس کے ساتھ بھی وہی شرط قرار پائی۔ پھر ایک اخروٹ اور سب سے آخر ایک چکی کے پاٹ سے ملاقات ہوئی اور اسی طرح کا راضی نامہ ان سے بھی طے ہوا۔

اس طرح اب پانچوں ساتھی عفریت کے جزیرے کی جانب روانہ ہوئے۔ جب وہ جزیرے میں داخل ہوئے تو آہستہ سے پوشیدہ طور پر عفریت کے مکان تک جا پہونچے۔ اسوقت عفریت اپنے کمرے میں موجود نہ تھا۔ لہذا ان سب نے عفریت کی غیر موجودگی میں فائدہ حاصل کرنے کی تدبیر اختیار کرنی شروع کی۔ اخروٹ نے تو اپنے تئیں چولھے کی راکھ میں چھپا لیا۔ کیکڑے نے پانی کے بھرے ہوئے برتن میں اپنے کو پوشیدہ کیا۔ بھڑ ایک تاریک کونے میں دُبک گئی۔ چکی کا پاٹ چھت پر چڑھ گیا اور موموٹارو باہر جا چھپا۔

تھوڑی دیر میں عفریت گھر واپس آیا۔ ہاتھ سینکنے کی غرض سے جب وہ چولھے کے پاس پہونچا تو اخروٹ نے فی الفور چٹک کر عفریت کے ہاتھوں پر گرم گرم چنگاریاں اُڑائیں۔ عفریت بھاگا ہوا پانی کے پاس پہونچا اور جلدی سے اپنے ہاتھ پانی میں ڈالدیئے۔ کیکڑے نے اُس کی اُنگلیاں پکڑلیں اور اس زور سے اُن کو دبایا کہ وہ مارے اذیت کے چلّانے لگا۔ اپنے ہاتھ پانی سے کھینچ کر وہ فوراً تاریک گوشہ

میں جا پڑا تا کہ وہاں کچھ امن ملے۔ لیکن بھڑ نے وہاں اس کی خوب خبر لی۔ تکلیف و درد سے پریشان ہو کر عفریت کمرے سے بھاگنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ چھت پر سے چکی کا پاٹ اُس کے سر پر گرا اور اُسکا سر پھٹ کر وہ فوراً ہی مر گیا۔ اس طرح بلا کسی تکلیف کے محض اپنے وفادار دوستوں کی مدد سے جو صرف اس کی مہربانی کے باعث اس کے ساتھ ہو گئے تھے موموٹارو نے عفریت کی ساری دولت پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اور یوں اس کی قسمت بن گئی۔

اس کہانی کے ختم ہونے پر دادی نے **جی زور** کا قصہ بیان کیا جو بچوں اور مسافروں کا سرپرست اور مصیبت زدوں کا حامی و مددگار ولی تصور کیا جاتا ہے

جاپان میں ہر کہیں رستوں پر جی زور کی شکلیں نظر آتی ہیں۔ کہیں پتھر پر اس بزرگ کی قد آدم تصویر کندہ ہوتی ہے۔ کہیں کسی چٹان میں یہ تصویر بنی ہوتی ہے اور کہیں لکڑی میں ہی اس کی شکل بنا دی جاتی ہے۔ اس کی تصویر اس طرح بنائی جاتی ہے کہ وہ ایک گرو کے لباس میں کھڑا ہوا ہے اور اس کے دائیں ہاتھ میں عصا اور بائیں ہاتھ میں زمین کا کرہ ہے۔ اس کے چہرے سے انتہا درجہ کی مہربانی اور ہمدردی برس رہی ہے اسکو کنول کے پھول پر کھڑا کیا جاتا ہے اور اسکے پاؤں کے پاس بے شمار سنگریزوں کا ایک انبار لگا رہتا ہے۔ ہر رہگذر اس پر سے گزرتا ہوا ایک سنگریزہ بطور نذر کے اُس پر چڑھاتا ہے۔

دادی نے ان بچوں کو تاکید کی کہ جب کبھی وہ جی زور کی مورت کے پاس سے ہو کر گزریں ضرور ایک سنگریزہ اس کے قدموں پر رکھ دیا کریں۔ اس نذر کے بغیر کبھی آگے نہ بڑھیں۔ اس کی وجہ اُس نے یہ بیان کی کہ جب کوئی چھوٹا بچہ مر جاتا ہے تو اُسکو دوسری دنیا میں **سوزوکاوا** نامی دریا عبور کرنا پڑتا ہے۔ اس عظیم الشان دریا کے کنارے ایک بہت شریر چڑیل رہتی ہے جو بچوں کو دریا عبور کرنے میں پکڑ لیتی ہے

اور ان کے کپڑے وغیرہ چھین کر دریا کے کنارے پتھروں وغیرہ کے انبار لگانے کے کام پر ان کو لگاتی ہے۔ جی زو ران بے بس بچوں کی مدد کرتا ہے اور جو بچہ دنیا میں جی زو کی مورت کے قدموں پر جتنے سنگریزوں کی نذر چڑھاتا ہے اُسی قدر اُس کی مصیبت و تکلیف دوسری دنیا میں کم ہو جاتی ہے۔

ماہی گیر کے لڑکے اُڑاشی ما کی کہانی نہایت مشہور اور دل پسند ہے۔

اُڑاشی ما کسی ماہی گیر کا ایک خوبصورت لڑکا تھا۔ سمندر کے پاس اسکا مکان تھا اور وہ ہر روز بلاناغہ اپنے والدین کا ہاتھ بٹانے کے لیے اپنی کشتی میں بیٹھ کر مچھلی پکڑنے کے لیے سمندر میں جایا کرتا تھا۔

ایک روز مقررہ وقت پر وہ واپس نہیں آیا۔ اُس کی ماں بہت دیر تک انتظار کرتی رہی لیکن اُڑاشی ما کی کشتی کا کہیں پتہ بھی نہ تھا۔ اسی طرح دن گزرنے لگے اور اُڑاشی ما کو مُردہ تصور کر کے اُس کے والدین نے بہت رنج کیا۔ لیکن حقیقت میں اُڑاشی ما مرا نہیں تھا۔

سمندر میں بہت دور جانے کے بعد اس کی ملاقات خدائے سمندر کی بیٹی سے ہوئی تھی اور وہ اُڑاشی ما کو اپنے ساتھ سرسبز و شاداب گرم ملک میں لے گئی تھی جہاں کبھی سردی کی تکلیف ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس مقام پر وہ دونوں بڑی ہی محبت اور مسرت و شادمانی کے ساتھ رہنے لگے۔ چند ہفتے گزرنے پر اُڑاشی ما نے شہزادی سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ اپنے گھر جا کر اپنے والدین کو دیکھ آئے۔ اُس کے الفاظ یہ تھے۔

وہ میرے لیے سخت رنج و الم میں مبتلا ہونگے اور میرا ماتم کرتے ہونگے وہ یہ سمجھنے لگے ہونگے کہ میں سمندر میں ڈوب کر ہمیشہ کے لیے اُن سے جُدا ہو گیا۔

بڑی مشکل سے آخرکار شہزادی نے جانے کی اجازت دی اور رخصت کے وقت اُڑاشی ما کو ایک ڈبیہ دیکر کہا کہ وہ اسکو ہمیشہ اپنے پاس بند رکھے۔ اُس نے تاکید کے ساتھ کہا۔

جب تک تم اسکو اپنے پاس بند رکھوگے میں بھی ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی لیکن اگر کہیں تم نے اسکو کھول دیا تو یاد رکھو کہ تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے اور میرے ساتھ اس خوش سواد دلچسپ سرزمین سے جُدا ہو جاؤگے۔

اُڑاشی ما نے ڈبیہ لے لی اور اسکو ہمیشہ اپنے پاس بند رکھنے کا حتمی وعدہ کرکے گھر روانہ ہوا۔ لیکن جب وہ اُس مقام پر پہونچا جہاں وہ رہتا تھا تو اُس جگہ آبادی کا نشان تک نہ تھا۔ اُسکا گھر اور اُسکا قصبہ سب وہاں سے غائب تھا۔ کنارے سے جب وہ آگے بڑھا تو اُسکو ایک نیا شہر نظر آیا جو اُس نے آجتک اُس جگہ نہ دیکھا تھا حقیقت بات یہ تھی کہ ہر ہفتہ اس نے جو شہزادی کے ساتھ بسر کیا تھا زمین پر ایک سو برس کے برابر تھا۔ اس لیے اسکا مکان اور اسکا گاؤں وغیرہ سیکڑوں برس پہلے ہی صفحہ ہستی سے مٹ چکا تھا اور اب اُس کی کوئی علامت بھی باقی نہ رہی تھی انتہا درجہ کی مایوسی اور پریشانی کے عالم میں اُسکو شہزادی کی تاکید کا مطلق خیال نہ رہا اور اُس نے وہ ڈبیہ کھول دی۔ ڈبیہ میں سے ایک ہلکا سا نیلے رنگ کا دُھواں نکلا اور فوراً سمندر میں چاروں طرف پھیل گیا۔ اُسی وقت اُڑاشی ما میں بھی ایک عجیب و غریب تغیر پیدا ہوا۔ ایک بہت خوبصورت نوجوان سے فوراً وہ ایک بالکل منحنی۔ تباہ حال اور معذور پیر فرتوت بن گیا اور اس کے بعد وہیں زمین پر گر کر اُس نے جان دیدی۔ شہزادی نے اس ڈبیہ میں ان دونوں کی پُرمسرت زندگی کے خوشگوار گھنٹے بند کیے تھے اور جیسے ہی وہ قید سے نکل پڑے اُڑاشی ما دوسرے آدمیو

کی طرح ہوگیا اور فوراً ایک ہی حملہ میں بڑھاپے اور موت نے اُس پر قبضہ کرلیا۔

سید خورشید علی

حیدرآباد دکن

ایک بزرگ کی اعلیٰ وپاک زندگی پر سرسری نظر

ناظرات خاتون کے دل میں غالباً اس خبر کو سُنکر مسز عبداللہ سے ہمدردی کے خیالات پیدا ہونگے کہ اُن کے والد ماجد مرزا محمد ابرہیم بیگ صاحب نے بعمر ۷۰ سالہ بمقام دہلی بتاریخ ۲۰۔ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء انتقال کیا۔

پیدائش اور موت کا کچھ ایسا سلسلہ اس دنیا میں قائم ہی جیسے کسی گذرگاہ میں انسانوں کی آمد وشد کا تانتا بندھا ہو۔ ابھی وہ شخص اس جانب سے ہم کو آتا ہوا دکھائی دیا۔ کچھ دیر ہوئی تھی کہ ہمارے برابر سے گذر کر آگے کو چلا گیا اور تھوڑی دیر میں نظروں سے غائب ہوگیا ہم بھی اُسی گذرگاہ میں انسانوں کے ریلے کے آگے ڈھلکے جارہے ہیں۔ مگر سمجھتے یہ ہیں کہ اپنی حالت تو سکون کی ہی اور دوسرے لوگ سب متحرک ہیں۔

جو صورتیں ہم کو اپنی محبت سے لپنے عمدہ رویہ اور عمدہ خیالات سے متاثر کرکے نظروں سے غائب ہوتی جاتی ہیں۔ جو زمانہ کے بحر ناپیداکنار میں سے مثل حباب کے نکل کر پھر اُسی میں چھپ جاتے ہیں اور جنکے دیکھنے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی اُنکے لیے ہم آنسو بہاتے ہیں۔ رنج کرتے ہیں۔ کئی کئی روز تک کھانا اور نیند اپنے اوپر حرام کرلیتے ہیں۔ مگر آخر کار بجز اسکے کہ وہ اثر جو ہمارے دل پر وہ چھوڑ جاتے ہیں اُس سے ہم اپنے لیے یا اپنے ہمجنسوں کے لیئے کوئی نتیجہ پیدا کریں اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مشاہیر عالم تو مثل اُن چمکدار تاروں کے ہیں جن کی شعاعیں باوجودیکہ وہ

ہم سے کروڑہا کروڑ میل کے فاصلہ پر ہیں فضائے بسیط میں سے تیر کر ہم تک پہونچتی ہیں اور ہماری آنکھوں کو اپنے نور سے منور کرتی ہیں۔ دنیا کے صلحا و حکما جو آج سے ہزاروں برس قبل ہو گزرے ہیں اُن کی زندگی کے حالات ہمارے عادات و اخلاق و خیالات کی اصلاح میں وہ کام کرتے ہیں جو کسی بڑے سے بڑے کام اُستاد سے بھی نہ ہو سکے۔ مگر ہر شخص نبوت یا ولایت یا حکمت کے اعلیٰ مدارج پر پہونچکر ایک دائمی نور کا منبع نہیں بن سکتا۔ البتہ یہ بات ہر شخص کے امکان میں ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اپنے گھر کے لیے یا اپنے اعزہ و احباب کے دائرہ کے لیے ایک روشن چراغ بنائے جس سے اُسکا گھر اور اُسکے اثر کا دائرہ روشن ہو جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود انسانوں کی اس درجہ کثرت کے لاکھوں میں سے ایک آدھ ہی کوئی نیک نفس مرد ایسا نکلتا ہے کہ جو اس شرف کا بھی مستحق ہو سکے۔

میں اپنے کو خوش قسمت خیال کرتا ہوں کہ جب سے مجکو اپنے تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر اچھی یا بُری رائے قائم کرنے کا موقع ملا ہے مجھے چند ایسے بزرگوں کی صحبت اور ملاقات اور تعلقات کی عزت حاصل رہی ہے کہ میں اُن بزرگوں کو اپنے خاندان اور احباب کے لیے روشن چراغ سے مشابہت دے سکتا ہوں۔ جناب مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب مرحوم بھی منجملہ انہیں بزرگوں کے ہیں۔ زمانہ کا رُجحان کچھ دہریت اور مادیت کی طرف زیادہ ہے۔ خود غرضی ہر جہار طرف سے ہم کو گھیرے ہوئے ہے۔ خود اپنے گریبان میں مونھ ڈالکر دیکھتے ہیں تو حسد۔ بغض۔ خود نمائی۔ خود غرضی۔ بے مروتی۔ کینہ اور طرح طرح کے خواہشات ہماری فطرت سلیم اور فراست خداداد پر ہر آن زہر کی بوندیں ٹپکاتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ہمارے سامنے کوئی نمونہ ایسا ہو کہ ہم کو اپنی ہستی کی علت و غایت کو برباد کرنے سے بچا سکے تو اس سے بڑھکر ہمارا اصلی محسن

کوئی نہیں ہے۔ کتابی۔ مذہبی اور روایتی اخلاق کا اثر کمزور ہو گیا ہے کیونکہ اُس کے معلم ہمارے سامنے اپنی زندگی کا اعلیٰ معیار اور عمدہ نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہیں اور ہم سمجھنے لگے ہیں کہ اگر واعظ کے کلام میں کوئی اصلیت ہوتی تو وہ خود ہی سب سے پہلے اپنی زبان سے نکالی ہوئی بات پر عمل کرتا۔ ایسی حالت میں جو لوگ نہایت خاموشی کے ساتھ بلا واعظ یا ریفارمر ہونے کے مدعی بننے کے مذہبی پیشواؤں اور اخلاقی معلموں کی تعلیم پر عمل کر کے اپنی زندگی کو قابل تقلید کے بناتے ہیں وہ ہماری دلی شکرگزاری کے مستحق ہیں اور اُن کی زندگی کے جو کچھ بھی واقعات ہم قلمبند کر سکیں ہم کو قلمبند کر کے اُن کا تحفظ کرنا چاہیے۔

اسی خیال کو مدنظر رکھ کر میں نے اپنے خسر مرحوم جناب مرزا صاحب کی زندگی کے چند واقعات قلمبند کر کے ہدیۂ ناظرین و ناظرات خاتون کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

اپنی شادی کے چند روز بعد میں نے مرزا صاحب مرحوم کو یہ کہتے سُنا

بھئی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص جھوٹی بات اپنی زبان سے کیسے نکال سکتا ہے۔

مجھے یہ سُنکر کچھ تعجب سا ہوا کہ یہ بات تو کوئی سمجھ سے بالاتر نہیں ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایک شخص سچ بھی بول سکتا ہے اور جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ مگر بعد کے تجربہ سے مجھے پورا یقین ہو گیا کہ مرزا صاحب مرحوم کے لیے اس بات کا سمجھنا فی الواقع دشوار تھا کہ کوئی شخص جھوٹ کیسے بول سکتا ہے۔ خود خلاف واقعہ بات تو زبان سے نکالنا درکنار وہ کسی دوسرے آدمی کی بات کو کبھی غلط نہیں سمجھتے تھے۔ نہایت سچائی کے ساتھ ہر آدمی جو کہتا تھا اُس کے متعلق ٹھیک رائے قائم کرتے تھے۔ اور اگر بعد میں یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ اُس شخص نے مجھ سے

خلاف واقعہ بات کہی ہو تو پھر مثل ایک راست باز انسان کے اپنی ناراضی کا اظہار پورا کرتے تھے۔ اور بعض لوگوں سے ملنا جلنا اور بول چال بھی بند کر دیتے تھے بلکہ یہانتک کہ اُن اشخاص کے متعلق کوئی گفتگو بھی درمیان میں نہیں آنے دیتے تھے دل آئینہ کی طرح صاف رہتا تھا۔ جب کوئی سامنے آیا اُس کے عیب وصواب اُسکو اپنے الفاظ سے یا طرز عمل سے بتا دیئے۔ مگر جب وہ سامنے سے ہٹ گیا تو کوئی عیب گیری نہیں۔ پس گوئی نہیں۔ بلکہ اگر کوئی دوسرا کسی کی بُرائی کرتا تھا تو اسکا جواب دینا تو درکنار توجہ سے سُننے تک نہ تھے۔

پابندی وضع کا گویا اُن پر خاتمہ ہوگیا۔ آجکل کے دوکاندار طبائع کے مقابل میں مجھے مرزا صاحب مرحوم کی پابندی وضع ہمیشہ حیرت میں ڈالتی تھی اور اکثر اسی خیال کی وجہ سے اپنے اور عزیزوں کے مقتجین کی بھی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔

جس دوکاندار سے یا جس شخص سے جو چیز خریدتے تھے یا جو کام بنواتے تھے اُسکو چھوڑکر دوسری جگہ ہرگز نہ جاتے تھے۔ بدری بزاز سے سالانہ ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ کا کپڑا تو ضرور ہی خریدا جاتا ہوگا اور اسی طور پر ایک سُنار سے جسکا نام میں بھول گیا ہزار دو ہزار کا سالانہ زیور بنوایا جاتا تھا۔ بعض موقعوں پر یہ بات ثابت کرکے بھی دکھائی گئی کہ بدری بہ نسبت دوسرے بزازوں کے آپ کو چیز مہنگی دیتا ہے۔ مگر فرمایا کہ کپڑے میں فرق ہوگا بدری ایسا نہیں کرسکتا اور ایک موقع پر تو صاف کہدیا کہ اگر ہمارے نام سے خرید و فروخت ہوگی تو بدری کے ہاں سے ہوگی ورنہ خود جہاں سے دل چاہے منگوا لیا کرو۔ اُن کی بات کو کوئی ٹال سکتا تھا۔ سب خاموش ہوگئے۔ یہی حال سُنار کا بھی تھا۔

حکیم بدرالدین خاں صاحب مرحوم سے بہت محبت اور دوستی تھی۔ پاس پڑوس کا معاملہ تھا اکثر شام کے وقت حکیم صاحب کے ہاں جایا کرتے تھے اور اگر اتفاق سے کسی روز نہ جاسکے تو حکیم صاحب خود تشریف لاتے تھے اور کہیں نہ جاتے تھے نہ آتے تھے۔ جب سے حکیم صاحب کا انتقال ہوگیا شام کو گھر سے نکلنا بھی موقوف ہوگیا۔

عبدالحکیم ملازم تھا۔ لنگڑا لولا بیمار تھا نہ اُس سے کوئی کام ٹھیک ہوسکتا تھا اور نہ وہ کسی قسم کا آرام پہونچانے کے قابل تھا۔ مگر ایک مرتبہ نوکر رکھ لیا اب علیحدہ کیسے کیا جائے۔ نہ علیحدہ کرنا تھا نہ کیا آخر کو وہ خود ہی اپنے کسی عزیز کے ساتھ بمبئی چلا گیا۔ پھر دوسرا ملازم رکھا جو بہت ہوشیار تھا اور کام خوب کرتا تھا۔ خوش ہو کر اُس کی تعریف فرماتے تھے مگر عبدالحکیم کی کبھی بُرائی زبان پر نہ لائے۔

اپنے فرش۔ کپڑے۔ مکان۔ جوتہ۔ قلم دوات غرضکہ ہر چیز کی صفائی کا انتہا درجہ کا خیال رہتا تھا۔ میں نے دس برس کے عرصہ میں اُن کی کسی چیز پر گرد جمی ہوئی نہ دیکھی۔ حتی کہ جس روز انتقال ہوا ہے۔ بالکل نزع کی حالت تھی۔ اشارہ سے کہا کہ چوکی پر پیشاب کے لیے لے چلو۔ چارپائی پر پڑے پڑے ہرگز پیشاب کرنا گوارا نہ کیا اور جب چوکی پر بٹھلا دیے گئے تو اُن کی نگاہ جوتی پر پڑی جس پر گرد جم رہی تھی جھینجھڑے سے خود گرد پونچھ دی۔

معاملات میں صفائی کا یہ حال تھا کہ اپنی بیٹیوں اور بیٹے کے روپیے کا کوڑی کوڑی کا حساب خود اپنے قلم سے لکھتے تھے اور ہر روز کا حساب لکھا رہتا تھا اور سب کو بتاتے رہتے تھے کہ فلاں شخص کا حساب فلاں فرد میں ہے۔ انتقال کے بعد ہر شخص نے دیکھا کہ اسکے متعلق حساب آئینہ کے طور پر لکھا رکھا ہے۔ کپڑے کا۔ زیور کا

کسی کا لینا دینا سب حساب نہایت صاف طور پر تاریخ وار تیار رکھا ہے۔ معاملات میں اور لوگ بھی صفائی پسند ہوتے ہیں مگر حسابات کے معاملہ میں بہت لوگ غفلت کرتے ہیں۔ مرزا صاحب مرحوم کی اولاد و اعزہ کے لیے اُن کا یہ طرز عمل ایک بہت بڑا سبق ہے۔

سچی قومی ہمدردی اُنکے دل میں موجزن تھی۔ قومی چندوں میں اپنی وسعت کے موافق خود بھی شریک ہوتے تھے اور دوسروں سے بھی چندہ وصول کرتے تھے۔ ڈون روپی فنڈ کے لیے بہت کوشش کرکے کئی کتابیں بھروادیں۔ سرسید کا ذکر بڑی عقیدت مندی اور شکرگزاری سے کرتے رہتے تھے۔ اکثر بیان کیا کہ اگر سرسید نہ ہوتے تو ہماری قوم بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ تہذیب الاخلاق کی شروع سے سب جلدیں محفوظ رکھتے تھے اور اُن میں سرسید کے مضامین کے مطالب خوب یاد تھے۔ نہایت روشنخیال تھے کسی مذہب یا فرقہ سے مطلقاً کچھ تعصب نہ تھا۔

اپنی اولاد سے انتہا درجہ کی محبت رکھتے تھے۔ اپنے اعزہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اگر ذرہ برابر کوئی بیمار ہو جاتا تو اُن کو بیمار سے زیادہ خود تکلیف پہونچتی تھی۔ تربیت اولاد کا بہت خیال تھا اور اپنی سب بیٹیوں کو اُستانیوں سے اور مِسوں سے تعلیم دِلائی۔ اور خود بھی بڑی محنت سے اُن کو پڑھایا۔ اپنے فرزند بشیر مرزا صاحب کو ایم اے او کالج میں تعلیم دلائی۔ اس شوق اور خیال کا سب سے اخیر میں یہ ظہور ہوا کہ میری منجھلی لڑکی خاتون جہاں کو جس کی عمر اسوقت چھ سال چھ ماہ کی ہے پانچویں پارہ تک قرآن شریف پڑھا دیا۔ اُردو کی پانچویں کتاب پڑھا رہے تھے۔ فارسی کی پہلی کتاب پڑھاتے تھے اور تحریر میں اسقدر مہارت کرادی تھی کہ وہ معمولی خطوط لکھ لیتی ہے۔ اور اپنی والدہ اور خالاؤں کے خطوط پڑھ لیتی ہے۔ تحریر بہت اچھی ہو چلی تھی۔ افسوس ہے کہ اُسکو ان بزرگ سے تعلیم و تربیت

حاصل کرنے کا پورا موقع نہ ملا۔

عام انسانی ہمدردی کی زندہ مثال تھے۔ ایک اپنے عزیز نوجوان لڑکے کی تعلیم و تربیت کا کچھ دنوں سے بہت خیال پیدا ہو گیا تھا۔ انتقال سے دو روز قبل ایک اپنے دوسرے عزیز سے قریب پون گھنٹہ تک بڑی کوشش سے آواز بلند کر کے سفارش کرتے رہے۔ اُن کا وہ وقت ایسا تھا کہ وہ بالکل بولنے کی طاقت نہ رکھتے تھے مگر جو کچھ بھی قوت باقی رہ گئی تھی اُس سے کام لیکر اسکے معاملات کی طرف توجہ دلانا اپنا فرض سمجھا۔ دوسروں کی مصیبت کے حالات سُن کر اُن کو دلی رنج اور دوسروں کی خوشی سے اُن کو دلی مسرت ہوتی تھی۔

اپنی آن کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے خودداری کو مثل ایک عمدہ لباس کے ہر وقت زیب بدن کیے رہتے تھے۔ چھوٹوں پر رعب قائم رکھتے تھے مگر ہر وقت نہایت محبت سے پیش آتے تھے۔

نماز روزہ کی سختی سے پابند تھے۔ اپنی بہتر سالہ عمر میں بھی امسال رمضان کے پورے روزے رکھے۔ بہت صبح کو اُٹھ کر قرآن شریف پڑھتے تھے اور گزشتہ تین سال میں قرآن شریف کو حفظ کرنے کی طرف توجہ کی تھی۔ سترہ پارے حفظ کر لیے تھے۔ خدا کی شان ہے کہ اس سن میں بھی اُن کا حافظہ ایسا زبردست تھا۔

اپنی زندگی کا ہر منٹ کسی نہ کسی مفید کام میں مصروف رکھتے تھے اُن کی زندگی کا یہ رنگ اُن کی اولاد کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا۔

گو ہم اس مفید زندگی کا کوئی ایسا کارنمایاں ناظرین و ناظرات کے سامنے پیش نہیں کر سکتے جو آجکل کی پبلک کو فوراً ہی اپنی طرف متوجہ کر سکے مگر روزمرہ کی زندگی کے واقعات میں سے چند جوہر چُن کر ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اور امید ہے کہ وہ بہت عمدہ سبق سکھانے والے ثابت ہونگے۔

یہ ہماری روزمرہ کی زندگی ہی ایک ایسی چیز ہی کہ جس کی درستی کے لیے انبیا دنیا میں آتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے روزمرہ کے طرز کو درست رکھنے میں کامیاب ہو تو یہ اُس کی ہستی کی سب سے بڑی کامیابی ہی۔ خدا مرحوم کو غریق رحمت کرے۔

ایک بات ہم بطور اپنے تجربہ کے ناظرین و ناظرات کے سامنے اور پیش کرتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے دیگر اوصاف کے ساتھ خوش خلق بننے کی پوری کوشش کرے۔ اولاد۔ دوست۔ اعزا وغیرہ سب اس وصف کو پسند کرتے ہیں۔ انسان کی اخیر بیماری میں جبکہ وہ بالکل بے بس ہوتا ہی اور دوسروں کو اُس کی تیمارداری میں انتہا درجہ کی مصیبت اُٹھانی پڑتی ہی اُسوقت جو چیز تیمارداروں کی مصیبت کو خوشگوار بنا سکتی ہی وہ بیمار کا اعلیٰ خُلق ہے۔

خاکسار

عبداللہ (اڈیٹر خاتون)

احکم الحاکمین! کیا فریاد مظلوماں میں کچھ اثر نہیں؟

آتا ہی وقت انصاف کا۔ نزدیک ہی یوم الحساب
مردوں کو دینا ہوگا اُن حق تلفیوں کا واں جواب

(حالی)

(۱)

ایک مختصر، مگر آراستہ، کمرے میں، خوش نما بید کی، سبز ساٹن سے منڈھی ہوئی کُرسی پر ایک نازک اندام حسین خاتون (جو سر جُھکائے کسی عمیق تفکر میں مستغرق ہی) بیٹھی ہوئی ہی۔ یکایک سر اُٹھا کر کہنے لگی "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے سرتاج کو کیونکر خوش رکھوں" یہ الفاظ ابھی دہاں ہی میں تھے کہ برق کی سی سرعت کے ساتھ ایک خیال اسکے دماغ میں آیا۔ اور وہ ہائے ستم! "مَیں نے ابتک اُنکے حکم کی تعمیل نہیں کی"

لکر لکھنے کی میز کے پاس گئی اور قلم اُٹھا کر تیزی سے یہ عبارت لکھنی شروع کی۔

پیاری صادقہ! میں نہایت دلی حزن و ملال کے ساتھ یہ اطلاع دیتی ہوں جس سے آپ کو بہت تعجب و صدمہ ہو گا کہ آج سے ہم میں اور تم میں کسی قسم کا باہمی تعلق نہ رہنا چاہیے اور نہ اس فراق نامہ کا جواب لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائیے۔ کیونکہ میں ایک مصلحت خاص سے اپنے کُل احباب سے انقطاع تعلقات چاہتی ہوں۔ صادقہ! تم نے ہمیشہ مجھ سے بے انتہا محبت کی ہے اور میری تمام حیات میں صادقہ دوست ثابت ہوئی ہو۔ جس کے معاوضہ میں میرے پاس سوائے احسان مندی کے کچھ نہیں۔ اب یہ آخری عنایت و احسان اپنی برگشتہ بخت، بیوفا حلیمہ کے ساتھ اور کرو کہ جس طرح ممکن ہو اُسے اپنے لوح دل سے حرف غلط کی طرح محو کر دو۔ فقط۔ اب (کچھ عرصہ کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے) رخصت۔ خدا حافظ

میں ہوں صادقہ تمہاری خطاوار

اے۔ ایچ۔ عبدالجبار

(۲)

امۃ الحلیم جسقدر حلیم الطبع۔ منکسر المزاج اور مطیع الفطرت لڑکی تھی سوء قسمت سے اُسے اُتنا ہی جبّار۔ مغرور اور خود سر شوہر ملا تھا۔ حلیمہ کے سرپرستوں نے ذات خاندان۔ دولت۔ تعلیم۔ صورت شکل۔ سب کچھ دیکھ کر داماد تلاش کیا تھا۔ لیکن قسمت کا کون ساتھی ہے؟ کیونکر گمان ہو سکتا تھا کہ ایسے خوشنما لفافہ میں اسقدر ردّی خط نکلے گا۔ یعنی اس گندم نما جو فروش لڑکے کے عادات و اخلاق اس قدر بست مذل ہیں۔ وہی مثل ہوئی۔ خوان بڑا خوان پوشش بڑا۔ کھول کے دیکھو تو آدھا بڑا۔ معلوم نہیں ناقدر شناس و ناسپاس عبدالجبار چاہتا کیا تھا؟ حلیمہ، بدنصیب حلیمہ، جس طرح حسن سیرت میں یگانہ تھی اسی طرح جمال صورت میں

انتخاب زمانہ، نیک مزاج، خوش سلیقہ۔ خلیق ۔ باحیا۔ دانشمند لیکن بے عیب خدا کی ذات ہی۔ چنانچہ۔ ایک عیب ۔ ایک ناقابل عفو عیب، اس میں بھی تھا یعنی اسنے گورنمنٹ ہائی سکول میں تعلیم پائی تھی۔ جس سے وہ آزاد طبع اور روشن خیال تھی ۔ اسی گناہ کبیرہ نے اسے جبار کی نظروں سے گرا دیا تھا۔ شادی کو چار سال ہونے کو آئے مگر جبار کو خدا نے اتنی توفیق نہ دی کہ کبھی اپنی حکم بردار بیوی سے حسن سلوک جائز رکھا ہو۔ لیکن حلیمہ کبھی بھول کر بھی کسی کے سامنے حرف شکوہ زبان پر نہ لائی نہ کبھی سفاک شوہر کے کسی حکم میں لیت و لعل کی۔ اُس نے اپنی تمام کوششیں اس خیال خام میں صرف کر دیں کہ جبّار کی پیشانی سے بل نکل جائیں۔ لیکن بے سود ؎

خوے بد در طبیعتے کہ نشست　　نرود تا بروزِ حشر از دست

آج جبار نے حکم دیا تھا کہ صادقہ نہایت آزاد و بیباک ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اُن سے اور تم سے کسی قسم کا تعلق رہے سُنا ہی کہ اُنھوں نے آج اپنے شوہر سے بحث کی اور اُس میں وہ جیت گئیں۔ حلیمہ کے جملہ اعزا و احبّا اس سے پیشتر علیحدہ ہو چکے تھے ۔ صرف صادقہ ہی اُس کی ہمدم و غمخوار تھی۔ یہ لڑکی اس کی ہم عمر اور کلاس فیلو سہیلی تھی۔ باہم حقیقی بہنوں جیسا تعلق تھا۔ ایک منٹ کا فراق شاق تھا۔ حُسن اتفاق سے دونوں سہیلیوں کے شوہر اعلیٰ تعلیم یافتہ گریجوایٹ تھے مگر صادقہ کا شوہر نہایت آزاد خیال نوجوان تھا اور ہماری حلیمہ نے ایک بدگمان اور تاریک خیال رفیق حیات پایا تھا سچ کہا ہے۔

فطرتاً دل ہی جو بد ہو تو کرے کیا تعلیم　　کیا معلّم کے ہے قابو میں بنانا دل کا

(محب)

اُسی دن شام کو جبّار حسب عادت چیں بابرو اندر آیا حلیمہ نے خوش مزاجی سے

خیر مقدم کیا اور کرسی پیش کی لیکن وہ لاپرواہی سے مسہری پر لیٹ گیا اور "جمیل، جمیل" کہکر آواز دی۔ جسکے جواب میں ایک حسین و جمیل بچہ نے آکر مودبانہ سلام کیا اور حلیمہ کی کرسی پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

جبّار آؤ جمیل ہمارے ساتھ لیٹ جاؤ۔ بتاؤ تم کیا کر رہے تھے۔

جمیل۔ اماں جان کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

جبّار (حقارت سے ہنسکر) سبحان اللہ! کیا کہنے ہیں اماں جان کی عمر تم سے بھی کم ہے۔

جمیل۔ وہ تو مجھے پنسل سے نقشہ کھینچنا بتا رہی تھیں۔

جبار۔ بڑے ہو کر سیکھ ہی جاؤ گے۔ انھیں اپنی علمیت جتانے کی کچھ ضرورت نہیں،

اس گفت و گو کے بعد کچھ دیر بالکل خاموشی رہی پھر جمیل نے اپنی ماں سے چپکے سے کہا" اماں جان! شاید آپ اس خط کو بھیجنا بھول گئیں۔ جاؤں سپاہی کو بلا لاؤں "، خط کا نام آہستہ سے سنکر بدگمان جبّار چونک اٹھا اور درشتی سے پوچھا

جبار۔ کیوں صاحب! یہ معاملہ کیا ہی؟ بس لوگوں سے خفیہ سلسلۂ مراسلات جاری کرنے ہی کی کسر تھی۔ لاؤ جمیل وہ خط تو مجھے دکھاؤ۔ اگر کوئی پوشیدہ بات نکلی تو میں سامان تحریر کو آگ لگا دونگا۔

جمیل نے ایک سادہ لفافہ میں بند خط لا کر دیدیا جو آج صبح صادقہ کو لکھا گیا تھا۔

جبّار (بیوی کی طرف دیکھ کر) میں خط کھول لوں؟ ...... اگر نہیں تو تمہیں خود بتانا پڑیگا کہ کس کے نام ہی؟

حلیمہ نے کچھ جواب نہ دیا لیکن اشارتاً کہدیا کہ دیکھ سکتے ہو۔

پڑھکر نہایت خفیف ہوئے۔ اور جلد بازی کا یہی نتیجہ ہوتا ہی۔ اس خفت و پشیمانی جھنجھلاہٹ اس طرح اتری۔

جبار۔ حلیمہ! مجھے تمہاری اس عادت سے نفرت ہے کہ عبارت بالکل انگلش طرز سے لکھتی ہو ان باتوں سے تمہیں کوئی میم نہ کہے گا۔ ہاں پردہ کو خیرباد کہکر بیباکانہ نامحرموں سے ہنسی مذاق کرو تو ایک بات بھی ہے ۔۔۔۔۔۔ اگر میں نگہداشت نہ کروں تو خدا معلوم کیا گل کھلے۔

یہ انعام ملا تعمیل حکم کا۔ مظلوم امۃ الحلیم کا شیشۂ دل چکنا چور ہو گیا اُس نے ایک حسرت بھری جگر دوز نگاہ جبار پر ڈالی۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس نگاہ سے پتھر کا کلیجہ بھی پانی پانی ہو جاتا مگر اس آہنی جگر پر کچھ بھی اثر نہوا۔ شعر

سامنے اُن کے میرے دل کی حقیقت کیا ہے ایک مٹی کا کھلونا ہے۔ گرا۔ ٹوٹ گیا

جبار باہر جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور حلیمہ نے دونوں ہاتھوں سے مونھ چھپاکر آنسو بہانا شروع کیا۔ " احکم الحاکمین! کیا فریاد مظلوماں میں کچھ اثر نہیں"؟

(۳)

چند روز سے جبار باہر رہنے لگا جب اندر آتا تو ہجوم مشاغل سرکار کا بہانہ کر دیتا ایک دن دو تین روز بعد ہوائی گھوڑے پر سوار آیا اور اتنا کہہ کر رخصت ہوا کہ آج ذرا مکان کی صفائی ہو اور دعوت کا بھی اہتمام کیا جائے کچھ مہمان جمع ہونگے۔ حلیمہ فوراً تعمیل ارشاد میں منہمک ہو گئی ابھی کام میں کچھ کسر باقی تھی کہ جبار خوش خوش اندر آیا اور آج خلاف معمول مہربانی و دلجوئی سے ہمکلام ہوا بیوی غریب باغ باغ ہو گئی کہ شاید نالۂ نیم شبی نے اثر کیا۔

جبار۔" حلیمہ! تم آج بہت مصروف ہو۔ چہرے سے آثار تکان ظاہر ہوتے ہیں ماشاء اللہ انتظام خانہ داری میں تو لاثانی ہو۔"

بیوی نے حیرت و مسرت سے میاں کی طرف دیکھا۔

حلیمہ۔ آپ کی عنایت۔ آج کون کون ہمارے ہاں مہمان آئیں گے شاید کچھ بیبیاں

بھی آنے والی ہیں؟

جبار نے لاکھ چاہا کہ مطلب دل زبان پر لائے لیکن موزوں الفاظ ہی نہ ملے آخر کچھ دیر بعد ہچکچاتے ہوئے کہا۔

جبار (حلیمہ کا ہاتھ میں ہاتھ لیکر) دیکھو حلیمہ تم نے علم دین کی بھی بخوبی تعلیم پائی ہے اسلیے خوب واقف ہوگی کہ شرع شریف نے مردوں کو جائز نکاح کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے فانکحوا ما طاب لکم مثنیٰ وثلاث ورباع (پھر جلدی سے) میں نے بھی ایک ضرورت خاص سے مجبور ہو کر ایک جگہ نکاح ثانی کر لیا ہے۔ اب میری زوجہ تھوڑی دیر میں آتی ہی ہوگی۔ یہ کہکر فوراً جبار نے مستفسرانہ نظر سے حلیمہ کو دیکھا۔

باد سموم کا جاں سوز جھونکا، جو اثر ایک غنچہ شاداب پر کرتا ہے۔ وہی اس نحوست اثر خبر نے حلیمہ پر کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہونٹ خشک، چہرہ دودھ کی طرح سفید، قلب اور نبض دونوں کی رفتار ایکبارگی بند۔ جبار نے گھبرا کر کہا ہائیں ہائیں حلیمہ! اسقدر کم ہمتی! ارے خدا کے لیے اپنا دل سنبھالو" یہ کہکر وہ تو حلیمہ کے لیے تنہائی مفید سمجھ کر چلا گیا۔ اور ادھر مبتلائے آفات۔ مصیبت زدہ حلیمہ رو رو کر اس طرح ارحم الراحمین سے فریاد کرنے لگی۔

الٰہی مردوں کی جباری و مطلق العنانی کی انتہا ہوگئی۔ پروردگار! کب تک پردہ نشین مظلوم بیبیاں ان کے ظلم و ستم سہیں۔ ہائے عنان صبر ہاتھ سے چھوٹی جاتی ہے ؎

خانمانِ آرزو برباد ہی ہوتا رہا — آہ لیکن ہمنفس! لب پر کبھی آئی نہیں
ہوگیا ناسور۔ زخم دل، کہاں تک ضبطِ غم — ناصحو۔ اب ہم میں یارائے شکیبائی نہیں

(ز۔ خ۔ ش)

مغرب کے وقت، جب گھنٹہ نے چھ دفعہ ٹن ٹن کر کے سرخوشان بادۂ تغافل کو متنبہ کیا اور موذن نے اللہ اکبر کے پُر عظمت اور رعشہ انداز الفاظ سے اہل اسلام کو جبروست خداوندی کی یاد دلانی چاہی۔ جبار خدا فراموش نے حلیمہ پر پھر آ سوکن لا بٹھائی۔

شرافت اور انسانیت کا مقتضیٰ تو یہی تھا کہ جبار حلیمہ کے زخم دل پر نمک پاشی سے باز آتا بلکہ اگر خدا توفیق دیتا تو اندمال جراحت کی کوشش کرتا۔ مگر توبہ! یہ چشم داشت تو کسی انسان سے چاہیے۔ اسپر تو شامت اعمال کا بھوت سوار تھا۔ سچ ہے۔

یک جرم کند دلیر بر جرم دگر

اپنی چاہتی۔ حسب پسند بیوی دل پسند کو دیکھ کر تو وہ بالکل ہی دائرہ آدمیت سے خارج ہو گیا اور دل پسند کے حکم سے اس نے حلیمہ سے بالکل قطع تعلق کر دیا۔

دل پسند اب گھر بار۔ مال اسباب پر بالکل قابض تھی اور وہ اپنے تمام ناجائز وغیر منصفانہ اختیارات کو کام میں بھی خوب لائی۔ یعنی مظلوم دبے بس حلیمہ کی دل آزاری کا کوئی ممکن پہلو چھوڑنا بعید از شرافت سمجھا۔

حلیمہ نے اس مسئلہ پر بارہا منصفانہ نظر ڈالی مگر ہر بار ماننا پڑا کہ اس طریقہ کو شریعت محمدیہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

وہ سوچا کرتی تھی کہ فان خفتم الا تعدلو فواحدۃً کے معنی کیا ہیں؟

کیا وہ مساوات بین الازواج یہی ہے جسے مقدس اسلام نے تعدد ازدواج کی لازمی شرط قرار دیا ہے؟ ؎

اگر حقیقتِ اسلام در جہاں اینست   ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی

(۴)

ننھا جمیل مونھ بنائے، نرگسی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے، آیا اور ماں کی گود میں سر رکھ کر رونا شروع کیا۔ ماں نے سبب پوچھا تو ہچکیاں لیتے ہوئے کہا "کسی کی شکایت کیسے کروں"۔

ماں ۔ میں حکم دیتی ہوں کہ فوراً کہو۔

جمیل ۔ نئی اماں جان نے مجھ سے کہا کہ اپنے ابا جان سے کہنا میری ماں مجھے سکھایا کرتی ہیں کہ ان کے پاس نہ جایا کر۔ میں نے کہا جھوٹ بولنا تو بہت بُری بات ہے اسپر وہ ابا جان سے جنے کیا کیا کہتی رہیں پھر ابا جان نے میرے کان پکڑے اور کہا اب تو اپنی ماں پاس نہ جانے پائیگا (روکر) میں آپ سے الگ کیسے رہونگا"۔ ماں سے بھی ضبط نہو سکا اپنے لخت جگر کو کلیجے سے لگا کر رونے لگی تھوڑی دیر میں جبار (مہینوں بعد) حلیمہ کے کمرے میں داخل ہوا۔

پاؤں کی آہٹ سُن کر حلیمہ نے تو فوراً آنسو پونچھ ڈالے۔ مگر جمیل کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ جبار نے بچے کا ہاتھ پکڑ کر جبراً گود میں لینا چاہا۔ جمیل تربیت یافتہ اور مطیع بچہ تھا مگر ماں کی محبت اسوقت تربیت پر غالب آئی۔ مچل گیا۔ اور ماں سے زور سے چمٹ گیا روتا تھا اور کہتا تھا "ہائے ابا جان! میں اماں جان پاس سے نہیں جانے کا۔ اچھی اماں جان! مجھے نہ جانے دیجیے"۔ سُنا ہی کہ اپنے نور نظر کا آنکھوں سے دور ہونا یہ عورت کے لیے سب سے بڑا جانکاہ صدمہ ہے حلیمہ نے بیتاب ہوکر کہا۔

حلیمہ ذرا خدا کا خوف کیجیے۔ اللہ کو مونھ دکھانا ہی۔ میں نے آپ کا ایسا کون قصور کیا ہی۔ کچھ فرمائیے تو۔ آجتک جو آپکے دل میں آیا کیا اور جو آیندہ دل میں آئے شوق سے کیجیے۔ لیکن اتنا ظلم کیجیے جو طاقت برداشت سے باہر نہو۔

میرے مقصودِ زیست کو تو مجھ سے جدا نہ کیجیے۔

جبار نے کچھ دیر سکوت کیا مگر پھر جھک کر جمیل کا ہاتھ پکڑلیا اور کہا "دیکھو سیدھی طرح میرے ساتھ چلو۔ ورنہ بہت پٹو گے۔

جمیل نے زور سے کرسی پکڑلی۔ اب تو سینہ فگار ماں سے نہ رہا گیا۔ دردناک لہجے میں کہنے لگی۔

حلیمہ۔ چھوڑ دیجیے۔ دیکھیے اسکا ہاتھ ٹوٹ جائیگا۔ آپ یقین کریں۔ میں اسے ابھی درست کرکے بھیجے دیتی ہوں۔

جبار (جمیل کو چھوڑکر) ناس ہوگیا بچے کا۔ اب بڑی مشکل سے قابو میں آئیگا (غصہ سے) تمہاری عادت دسرشت سے میں اب واقف ہوا ہوں۔ مجھے پہلے معلوم نہ تھا کہ آپ میں یہ اوصاف بھی ہیں۔

یہ کہکر جبار تو چلا گیا اور ماں نے بہت پیار سے سمجھا بجھا کر جمیل کو باہر بھیجدیا جبار نے جمیل کو اندر زنان خانہ میں قدم رکھنے کی قطعاً ممانعت کردی۔ ننھے سے دل پر مفارقت مادر کا زخم کاری پڑا۔ اندر ہی اندر کُڑھتا مگر باپ کے خوف سے اُف تک نہ کرتا۔ آخر وہ معصوم اس صدمہ کا متحمل نہ ہوسکا۔ رفتہ رفتہ صحت خراب ہوئی اور بخار آنے لگا چندروز تو حرارت رہی مگر پھر تو بخار نے وہ زور پکڑا کہ الاماں معصوم ومظلوم جمیل بخار کی غفلت میں "اماں جان" کہہ کہہ کر جان کھوتا۔ اوّل تو اس سن میں عموماً بچے ماں کے سوا کسی کو جانتے ہی نہیں۔ دوسرے جمیل تو بالتخصیص اپنی اپنی ماں پر فریفتہ تھا۔ جبار نے معالجہ میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا یونانی وڈاکٹری ہر قسم کا علاج کرڈالا مگر بچہ بزبان حال کہتا تھا ؎

از سرِ بالین من برخیز اے ناداں پدر   دردمندِ ہجر را دارو بجز دیدار نیست

ایک دن بخار بہت تیز تھا۔ جمیل باپ کی گود میں بالکل غافل پڑا تھا اطبا وحبا

جمع تھے۔ یکایک جمیل نے آنکھیں کھولدیں اور گھبراکر مسہری سے اُترنے لگا۔ باپ نے زبردستی روکا مگر وہ روتا تھا اور کہتا تھا ہائے آبا جان! اماں جان مجھے بُلا رہی ہیں میں اُنکے پاس جاؤنگا۔

جبار۔ جمیل! جمیل! روؤ نہیں۔ دیکھو تمہارے سر میں درد ہو جائیگا۔

جمیل (ہاتھ جوڑکر) ابا جان میں ہاتھ جوڑتا ہوں مجھے اماں جان کے پاس لے چلیے۔

جبار کا دل تڑپ گیا، ہمیں آج تجربہ ہوا کہ کبھی کبھی لوہا بھی پگھل جاتا ہے اور کسی حادثہ سے پتھر بھی موم ہو جاتا ہے۔ اتنے میں سول سرجن نے گرم ہو کر کہا۔ مسٹر جبار! اگر آپ نے اس بچہ کو ماں سے علیحدہ کرنا چاہا تو اس کی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیے جبار جمیل کو گود میں لیکر حلیمہ کے پاس گیا۔

غم نصیب، بدبخت، حلیمہ بچے کی مہاجرت سے خود نیم مُردہ ہو رہی تھی یکایک بالکل غیر متوقع طور پر جمیل کو آتا دیکھ کر جان میں جان آگئی اُدھر جمیل نے جوں ہی ماں کو دیکھا دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔ جبار نے کہا "دیکھو خدا کے لیے ذرا اس کی خبر گیری کرنا اور میرا غصہ معصوم کے سر نہ اُتارنا"، حلیم بیوی نے ان لایعنی و مہمل الفاظ پر کچھ دھیان نہ کیا اور بچے کی نگہداشت پر ہمہ تن متوجہ ہو گئی۔ جمیل کو تو صرف ہجر مادر کی بیماری تھی اب دن بدن صحت یاب ہوتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ بالکل تندرست ہو گیا۔

(۵)

کوتاہ بیں، ناعاقبت اندیش جبار آنکھیں بند کر کے نکاح ثانی تو کر گزرا لیکن عیب کرنے کو بھی ہُنر چاہیے۔ اتنا بھی تو نہ سوچا کہ ذات۔ خاندان نہ سہی عادات و خیالات تو معلوم کر لوں۔ صلاح نہ مشورہ۔ چند یار لوگوں کے اغوا سے (جنھیں ایسی باتوں میں خواہ مخواہ مزا آتا ہے) عقد کر بیٹھا۔

دل پسند جاہلہ تھی اور اُن تمام صفات سے متصف جو تمام جاہلات میں لازمی

ہیں۔ اس بیباک۔ جنگ جو۔ زباں دراز۔ بدمزاج اور بدطینت عورت سے جبار جیسے آتشیں مزاج اور خود بیں شخص سے نباہ ہونا ناممکن ہی تھا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ شادی نہ تھی بلکہ آگ اور بارود کا اجتماع تھا۔ چند روز تک کسی نہ کسی طرح گزر ہوتی چلی گئی۔ مگر یہ بیل کسی طرح منڈھے چڑھنے والی نہ تھی۔

دل پسند کے ذہن نشین تھا کہ میاں کو سرچڑھانا یا موںھ لگانا نہ چاہیے۔ مرد کی ذات ربڑ کی طرح بڑھائے سے بڑھتی اور گھٹائے سے گھٹتی ہی۔ مرد سے دبنا ہی غضب ہی۔ چنانچہ اس نے وہ بدمزاجیاں کیں کہ میاں جبّار کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا اس کی ادنیٰ ادنیٰ فروگذاشت پر ہفتوں ہمکلام نہ ہوتی۔ ذرا ذرا سی چوک پر مہینوں سیدھے موںھ بات کرنا قسم کرلیتی۔

جمیل کے زمانۂ علالت میں جبار اکثر بچّے کو دیکھنے حلیمہ کے کمرے میں جایا کرتا تھا۔ دلپسند کو یہ امر بے انتہا ناگوار تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے طعنے دیتی کہ جاؤ اپنی اُنہیں بیوی صاحب کے پاس جاؤ۔ جن کی اللہ آمین اور ناز اُٹھانے میں لگے رہتے ہو۔ اب ہار جھک مار کر میرے پاس کیوں آئے۔

ایک دن کا ذکر ہی کہ جمیل کی طبیعت کچھ زیادہ بگڑ گئی۔ جبّار عدالت سے آتے ہی سیدھا جمیل کے پاس گیا اور چونکہ سخت تھکا ہوا اور پسینہ میں شرابور تھا۔ آتے ہی کوٹ اُتارا۔ ٹوپی پھینکی۔ اور اپنے ضعیف بچّے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ بی دل پسند بھی جبار کے تعاقب میں اتالیق کی طرح آئی تھیں۔ جمیل پلنگ پہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔ جبّار نے اپنی گود میں لٹا لیا۔

جبّار۔ ننھے کو بخار کب سے تیز ہوگیا ہی؟

حلیمہ۔ آج ۱۰ بجے سے ۱۰۴ پر ہی اب تو پسینہ کی آمد ہی۔

جبّار۔ (ننھے جمیل کو پیار کرتے ہوئے) پیارے! اب تو خوش ہو۔ اپنی اماں جان کے

پاس رہتے ہو۔ ہم سے تو اب خفا نہیں "

حلیمہ (دلپسند سے) بہن کھڑی کیوں ہو۔ لو اس کرسی پر بیٹھ جاؤ۔

دل پسند (جواِن باتوں سے آگ ہو رہی تھی) تمہاری بلا سے۔ بیٹھی ہوں یا کھڑی ہوں تم تو کھڑی نہیں جو لوگوں کا دل دُکھے۔

جبار نے اس طنز کو سمجھ کر اور چیں بہ جبیں ہو کر دلپسند کی طرف دیکھا۔

دل پسند۔ بس تمہیں تو میرا ہی بولنا ناگوار گزرتا ہے۔ میں ہی کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی ہوں۔ میں خود تمہاری ملاقاتوں میں خلل ڈالنا نہیں چاہتی۔ اسوقت دل نے نہ مانا اور بچے کے دیکھنے کو چلی آئی تھی۔ لو میں جاتی ہوں۔

جبّار۔ ذرا آہستہ بات کرو۔ دیکھتی نہیں جمیل کا کیا حال ہے۔ جب سے وہ بیمار ہوا ہے دیکھنے کو بھی نہ آئیں۔ آج آئیں تو لڑائی پر تُل کر۔

دل پسند (چلّا کر) دیکھو خدا کی قسم زبان کو لگام دو۔ میری جوتی کو غرض پڑی تھی کہ لوگوں کی بھوؤں میں بل ڈلوانے کے لیے آتی۔ اسوقت آئی تو تمہیں خار گزرا۔ لڑائی پر تلیں میرے دشمن۔ واہ سبحان اللہ اب تم نے مجھ پر زبان کھولی ہے ذرا ہوش میں رہو۔ میں تمہاری کچھ زر خرید نہیں۔ میں جاتی ہوں اب تو تم سب کے ٹھنڈک پڑ گئی" یہ کہکر بڑی تیزی سے چلی گئی اور بہت دیر تک اس کی بدزبانیوں کی آواز آتی رہی۔ حلیمہ نے نہایت تعجب سے دیکھا کہ اسکے مغرور بدمزاج شوہر نے ان صلواتوں کا مطلق جواب نہ دیا بلکہ نہایت خاموشی سے غصہ کو برداشت کیا بڑی دیر بعد صرف یہ کہا "چوں کنم خود کردہ ام را درماں چیست" سوچنے لگی کہ ان کی وہ تیز مزاجیاں اور بے حلمیاں کیا ہوئیں؟ افسوس جبار نے میری محبت اور فرماں برداری کی قدر نہ کی اور اس مبتذل عورت کی (جسے عورت کہنا ننگِ مستورات ہے) زیادتیاں برداشت کیں۔ سہ

یہ کہاں تھی اپنی قسمت، جو تو نیک کار رہتا | نہ کسی کا دل دکھاتا۔ نہ ستم شعار ہوتا
تو جفا سے در گزرتا۔ میں وفا میں جان دیتی | ترے دل میں قدر ہوتی میرے لیں پیار رہتا

(۶)

خدا کے ہاں دیر ہی اندھیر نہیں، یہ کسقدر صحیح ضرب المثل ہے! جبار کو بہت جلد قدر عافیت معلوم ہو گئی۔ اور دل پسند نے خوب اُسے ناک چنے چبوائے۔ آئے دن قیمتی زیورات و پارچہ جات کی فرمائشیں کرتی۔ جبار وکیل تھا کوئی بادشاہ وقت نہ تھا جو ہر روز نت نئی فرمائشات کی تعمیل کرتا۔ بس اسی بات پر دلپسند مارے طعنوں کے ناک میں دم کر دیتی۔

سوائے امتہ الحلیم کی غیبت و بدگوئی کے کوئی ذکر و فکر نہ تھا۔ سُنتے سنتے جبار کے کان پک گئے۔ اگر وہ کبھی یہ کہہ بیٹھتا تھا کہ ان کی غیبت کے سوا تمہیں کچھ اور بھی آتا ہے تو شامت آجاتی تھی۔ اتنا دق کرتی تھی کہ گھر میں قدم رکھنا محال ہو جاتا تھا۔ جبار نے بالکل اپنی افتاد مزاج کے خلاف اس کی نالائقیوں کو برداشت کیا اور بہت کوشش کی کہ کسی طرح نباہ ہو جائے اور جگ ہنسائی نہو۔ مگر افسوس ہے کہ جتنی جبار نے باگ ڈھیلی کی وہ عورت زیادہ بیباک و متکبر ہوتی گئی اور جبار کے تحمل کو "خوف" پر محمول کیا۔ چنانچہ ایک دن اپنے مشیر و مصاحب سے کہا۔

دل پسند۔ کیوں۔ دیکھی میری حکمت؟ کس طرح اپنے میاں کو قابو میں کیا ہے۔ اب ان کی اتنی بھی مجال نہیں کہ مجھ سے کچھ بھی کہیں۔ جہاں میں ذرا تیز پڑی اور چپکے سے اُٹھ کر باہر چلدیئے"۔

مصاحبہ۔ بیوی وہ تو ایسے تھے کہ تمہارے پاؤں دھو دھو کر پیتے۔ مگر سمجھائے بجھائے سے اتنے ہیں۔

بیشک جبار ڈرتا تھا۔ مگر دلپسند سے نہیں بلکہ سوسائٹی میں بدنامی سے۔ اسے

خوف تھا دعوتوں میں چرچوں کا اور کلبوں میں قہقہوں کا۔ دشمنوں کی شماتت کا۔ اور دوستوں کی ملامت کا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ دلپسند ایسی عورت نہیں جسے کسی کی عزت و آبرو کا پاس ہو۔ یہ عورت ایک نہ ایک دن میری عزت خاک میں ملا کر چھوڑیگی۔ انہیں وجوہ سے وہ بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن تابکے؟ دلپسند کی نازک مزاجیوں نے اس کی زندگی وبال کر دی اُس نے عمر بھر میں شاید ہی کبھی غم و غصہ کو برداشت کیا ہوگا۔ اسکو تحمل کی عادت نے اور تکلیف دی۔ مگر آخر جبار بھی اپنے نام کا تھا۔ رفتہ رفتہ کشیدہ خاطر و ناراض رہنے لگا اور اخیر میں اندر آنا ہی قریباً ترک کر دیا۔ دوسرے تیسرے گھنٹہ آدھ گھنٹہ کو ہو جاتا۔ اسپر اس مکار عورت نے ہائے ہوسے محلہ کو سر پر اُٹھا لیا۔ ہمسایوں سے، ملاپ داروں سے غیروں سے میاں کی بدسلوکیوں اور بدمزاجیوں کا رونا رویا۔ اور اسے دل کھول کر بدنام کیا۔ جبار کو جس قدر غیر معمولی طور پر اپنی نیک نامی و عزت محبوب تھی اُتنی ہی رسوائی ہوئی۔ سچ ہے کہ بُرے کام کا انجام بُرا ہی۔

اب تو میاں جبار کی آنکھیں کھلیں اور نظر آیا کہ اس نے کس قدر غلط رستہ اختیار کیا تھا اور یہ کہ علم اور جہل میں کیا فرق ہی؟ اب اسے اطاعت شعار امتہ الحلیم کی قدر معلوم ہوئی ؎

آنچہ دانا کند۔ کند ناداں ۔۔۔ لیک بعد از ہزار رسوائی

حلیمہ نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ جبار کا دل یکایک اس کی طرف مائل ہو گیا ہی اور وہ اپنے گزشتہ روش سے کمال نادم و منفعل ہی۔ دلپسند کے خوف سے اگرچہ وہ زیادہ دیر اسکے پاس نہیں ٹھہر سکتا لیکن جب ملتا ہی تو ایک خاص طرز سے بملاطفت انفعال آمیز پیش آتا ہی۔ محبت شعار۔ وفادار حلیمہ جو پہلے ہی شوہر پر فدا تھی اب اور بھی گرویدہ ہو گئی۔

دلپسند چوکی پر بیٹھی ہوئی پان لگا رہی تھی کہ اُس کی مصاحبہ آئی اور کان میں کہنے لگی "بیوی میں بڑی دیر سے میاں بیوی کی بات چیت سُن رہی تھی۔ ذرا چل کر سُنو تو سہی" دلپسند ننگے پاؤں اُٹھ کھڑی ہوئی اور چھُپ کر سُننے لگی۔ جبّار اشتیاق آمیز نگاہ سے حلیمہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتہً یہ جگر سوز و دل دوز الفاظ دلپسند کے کانوں میں آئے جنکو سُن کر اس کی عقل ٹھکانے نہ رہی۔

میری قابل فخر بیوی! خدا کے واسطے للہ ایک معافی کا کلمہ کہدو کہ میرے دل زار کو تسکین ہو جائے۔ دلپسند سے نکاح کر کے میں نے اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی ماری ہے۔ افسوس دریغ سود ندارد چو رفت کار از دست"، تمہاری اعلیٰ انسانیت (نہیں نہیں فرشتہ سیرتی) نے مجھے اپنا بندۂ بے درم بنا لیا ہے" وغیرہ وغیرہ۔

آتش زیرپا دلپسند نے چیخ چیخ کر کُل ہمسایوں کو اکٹھا کر لیا اور جو جو مونھ میں آیا حلیمہ و جبار کو کہا بلکہ پڑوسنوں نے بھی جبار کو ہی ملزم ٹھہرایا۔ بس اس دن سے جبار نے تنگ ہو کر اندر آنا یک قلم چھوڑ دیا۔ اگرچہ اُسے یقین تھا کہ دلپسند حلیمہ کو چین سے نہ رہنے دیگی۔

(۷)

عبدالجبار کو اپنی پہلی بیوی کی صحت کی طرف سے بہت تشویش تھی کیونکہ اُسنے اُسے ضعیف اور نقیہ چھوڑا تھا۔ لیکن اسے باوجود تحقیقات حلیمہ کی علالت کی اطلاع نہ ہو سکی۔ آخر ایک دن اُس نے مضطرب ہو کر جمیل سے پوچھا جمیل! سچ سچ بتاؤ کہ تمہاری اماں جان کا مزاج تو اچھا ہے۔

جمیل۔ اماں جان نے تو منع کر دیا تھا کہ اپنے ابّا جان سے نہ کہنا وہ پریشان ہونگے مگر اماں جان اچھی نہیں وہ تو بہت دنوں سے بیمار ہیں۔

یہ سُنتے ہی جبار سے ضبط نہ ہو سکا اور بلا توقف (کامل دو ماہ بعد) اپنے گھر قدم رکھا۔ دیکھا تو مکان ویران سا ہو رہا ہے۔ اور دل پسند کا پتہ نہیں۔

جبار نے پریشان ہو کر جمیل کی انّا سے پوچھا۔ انّا معاملہ کیا ہے۔ کچھ عقل کام نہیں کرتی۔ دل پسند کہاں چلی گئی۔

انّا۔ سرکار۔ وہ تو تین چار دن سے اپنی سہیلی لاڈلی میراثن کے ہاں چلی گئی ہیں۔

جبار (غصہ ضبط کر کے) خس کم۔ جہان پاک۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمہاری بیگم صاحبہ کا مزاج کیسا ہے۔

انّا۔ اُنہیں بخار تو کئی مہینے کا ہے۔ مگر اب کسی وقت نہیں اُترتا۔ بہت ہی کمزور ہو گئی ہیں۔

جبار سراسیمہ ہو کر جلدی سے حلیمہ کے پاس پہونچا اور اُسے دیکھتے ہی بے ساختہ چند کلماتِ حیرت زبان سے نکلے کیونکہ دو مہینے ہی میں وہ نہایت ضعیف ہو گئی تھی۔ جبار کو دیکھ کر حلیمہ نے اُٹھنا چاہا مگر اُٹھ نہ سکی۔

جبار۔ اُٹھو نہیں۔ ہائے۔ یہ کیا ستم ہو گیا۔ مجھے کسی نمک حرام ملازم نے بھی خبر نہ کی جمیل دوڑ دو اور فوراً شفاخانہ کی مس کو بُلواؤ۔

حلیمہ نے میاں کو نہایت متردد و متوحش دیکھ کر نہایت نرمی سے کہا۔

حلیمہ۔ صاحب آپ اتنی فکر نہ کریں۔ اللہ شافی ہے۔

اتنے میں مس ڈاکٹر صاحبہ آموجود ہوئیں اور مریضہ کی حالت کا معائنہ کر کے کہا "بخار بہت تیز نہیں مگر خطرناک ضرور ہے۔ امید و بیم کا معاملہ ہے۔ شاید آپ کو کوئی بڑا صدمہ پہونچا ہے۔ جس نے قلب پر بہت اثر کیا۔ بس ان کا یہی علاج ہے کہ بالکل خوش رہیں ورنہ جلد مر جائیں گی (تفریحًا) تعجب ہے کہ آپ اسقدر حسین ہو کر بھی رنجیدہ ہیں۔

حلیمہ (جلدی سے) میرا پیارا بچہ بہت بیمار تھا اور اس کی زندگی کی امید نہ تھی۔
اس کی وجہ سے مجھے بہت پریشانی ہوئی ہے۔

آپ اسے سوء اتفاق فرمائیں یا حسن اتفاق۔ بہرحال جسوقت یہ باتیں ہو رہی تھیں اُسی وقت دلپسند اپنی میراثن بہن کے ہاں سے آگئی اس کی مصاحبہ نے آتے ہی اُس سے لگا دیا کہ جب سے تم گئی ہو سرکار ہر وقت بڑی بیگم کے پاس رہتے ہیں۔ اب بھی ہیں۔ اُنھوں نے سرکار پر ایسا جادو کیا ہے کہ وہ اُن پر دل و جان سے فدا ہیں اور انہیں کا دم بھرتے ہیں۔ تمہارے جانے کی خبر سُنکر سرکار نے تمہیں ہزاروں باتیں کہیں اور کہا اچھا ہوا کہ اُسکا کالا موُنھ ہوا۔ میرا پیچھا چھوٹ گیا۔

کہا جاتا ہے کہ آتش رقابت نار جہنم سے زیادہ ناقابل برداشت ہے۔ دلپسند جل کر خاک ہوگئی۔ لگی چِلّا چِلّا کر رونے۔ اور چیخ چیخ کر جان کھونے۔ سر کے تمام بال نوچ ڈالے اور پیٹ پیٹ کر اپنا خون کرنے لگی۔ جونہی جبار "الٰہی خیر" کہتا ہوا کمرے سے نکلا دلپسند پنجے جھاڑ کر اسکے پیچھے پڑ گئی۔ ایک ایک موُنھ میں لاکھوں کوسنے ہزاروں دشنام سیکڑوں صلواتیں سُنانے لگی۔ بیچارے کو اتنا کہنے کا بھی تو موقعہ نہ ملا کہ ارے خدا کے لیے مس کو تو نکل جانے دو مس صاحبہ شور و غل سُنکر گھبراتی ہوئی نکلیں اور دلپسند کے مجنونانہ کارنامے دیکھکر دنگ رہگئیں اور جبار کی طرف غصہ سے دیکھکر کہنے لگیں۔

مس صاحبہ مسٹر جبار! یہ کیا ہنگامۂ محشر برپا ہے اس طوفان بے تمیزی میں تندرست بھی مرجائے۔ بھلا مریضوں کا یہاں کیا ٹھکانا؟ آپ اپنی بیگم صاحبہ کی سلامتی چاہیں تو انہیں ہمارے ہاسپٹل میں بھیجدیں۔

یہ کہکر مس صاحبہ تو رخصت ہوگئیں مگر راستہ بھر سوچتی رہیں کہ کیا ان مہذب ہندوستانیوں کی ڈومیسٹک لائف اسقدر وحشیانہ ہے؟ کیا یہی لوگ

کانفرنسوں میں یورپین اقوام کے دوش بدوش گورنمنٹ سے حقوق مانگتے ہیں کیا اس تصویر کا دوسرا رُخ اسقدر تاریک ہوتا ہے؟

جبّار پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ غم و غصہ سے بیتاب ہو کر کہنے لگا۔

جبار۔ افسوس مجھے مونھ دکھانے کو جگہ نہ رہی۔ توبہ۔ توبہ۔ دیکھنے والے کیا جتنم میں تھوکتے ہونگے۔ ارے اس بلا سے کسی طرح میرا پیچھا نہیں چھُٹتا۔ زندگی تلخ کر دی۔ آئے دن کی تو تو۔ میں میں۔ روز کی ہائے ہائے۔

یہ کہنا تھا کہ اس ذلیل جاہلہ نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لیا محلے والو دوڑیو میری جان بچائیو میرا مرد مجھے تنہا پا کر ستا رہا ہے" آن کی آن میں محلہ کا محلہ ٹوٹ پڑا مرد دروازے پر اور عورتیں گھر میں۔ جبار غریب کپڑے چھُڑا کر چلتا بنا غرضکہ ایک قیامت صغرےٰ برپا ہو گئی۔

یہ کہرام سُنکر پولیس نے مداخلت کی اور وکیل صاحب کی رہی سہی جڑ سے کٹ گئی۔ بہزار دقت و رسوائی یہ مجمع منتشر ہوا۔ دلپسند افیون کھانے پر مصر تھی مگر لوگوں نے بڑی مشکل سے باز رکھا۔ جب دلپسند کے میکے میں یہ خبر پہونچی تو اسکے باپ۔ چچا ڈولی لیکر آچڑھے۔ خوب لڑے جھگڑے اور اپنی دختر نیک اختر کو لے گئے تمام شہر میں جبار کی وہ فضیحت ہوئی کہ پناہ بہ خدا۔ طرح طرح سے چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ۔ بقول جبار کے واقعی اُسے مونھ دکھانے کو جگہ نہ رہی جسے دیکھو اس کی زبان پر یہی چرچا۔ جہاں جاؤ وہاں یہی ذکر کہ مشہور خود پسند و مغرور نوجوان جبار کا خانگی جھگڑا پولیس نے فرو کیا ؎

وہ بہت سر اُٹھا کے چلتے تھے　　　تو نے آخر زمیں کی دکھلائی

دوست۔ غیر۔ آیا گیا۔ سب ہی نے جبار کو قائل معقول کیا کہ ارے میاں! بھلا عورت ذات سے کوئی بھی ایسا سلوک کرتا ہے۔ بیویاں کچھ لونڈیاں نہیں ہوتیں۔

ان کی زیادتیوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ اول تو تمہیں بیٹھے بٹھائے سوجھی کیا کہ دوسری شادی رچا بیٹھے۔ تم نے وہ مثل نہیں سُنی کہ دو ملاؤں میں ایک مرغی حرام عقد ثانی کو بڑا دل گردہ درکار ہی۔ میاں جبار شادیاں کرنی آسان ہیں لیکن نباہنا کارے دارد ؎

خنجر بہ کمر بستن عالم ہمہ کس داند ۔۔۔ در عرصۂ جانبازاں استادہ شدن مشکل

اور جب کی تھی تو نباہا بھی ہوتا۔ جس خوبصورتی سے تم نے اپنی پہلی بیوی سے گزران کی کبھی کانوں کان کوئی جھگڑا نہ سُنا۔ جب سُنا یہی سنا کہ جس طرح جبار اپنی بیوی کے پامرید ہیں خدا کرے سب کے شوہر ایسے ہی ہوں۔ بس ایسے ہی دلپسند سے پیش آئے ہوتے،،

یہ الفاظ شرمسار مجروح جگر جبّار کے دل پر تیر و نشتر کا کام کرتے تھے اور اس کے کانوں میں حلیمہ کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔

احکم الحاکمین! کیا فریاد مظلومان میں کچھ بھی اثر نہیں؟

لیکن اگر کوئی ہم سے پوچھے تو ہمیں جبار سے مطلق ہمدردی نہیں یہ تمام مصیبتیں اس کے اعتراف کے بموجب اسی کے شامت اعمال کا نتیجہ تھیں،، ع

آرے ہمیں علاج دل ناصبور بود

(۸)

دن کے بارہ بجے ہیں، جون کا مہینہ ہی۔ تمازت آفتاب سے آدمیوں کا مغز پگھلا جاتا ہی۔ خصوصاً عدالت میں اسوقت اور بھی تپش ہی۔ حرارت آفتاب نے اسوقت صاحب کلکٹر کے مزاج کو بھی بہت گرم کر رکھا ہی۔ ادہر ’’ویل۔ جلدی کرو،، سے اہلکاران پولیس کے ہاتھ پاؤں پھلا رہے ہیں اور ادہر اہل مقدمہ سے برہم ہو ہو کر تحقیقات کر رہے ہیں کہ ان بدنصیبوں کے آئے حواس غائب ہوئے جاتے ہیں۔

خیر یہ تو روزمرہ کی باتیں ہیں۔ لیکن آج قابل دید یہ منظر ہی کہ مسٹر جبار بی اے۔ ایل
ایل بی۔ ملزمین کے زمرے میں ہیں۔ اس دلچسپ تماشہ کی نظارگی کے لیے بہت سے
غیر متعلق تماشائیوں کا ہجوم ہی دلپسند کو نکلے ہوئے صرف چار روز گزرے ہیں
مگر اس قلیل عرصہ میں جبار کی شکل میں نمایاں فرق ہو گیا ہی۔ صورت کی وجاہت و
شان سب رخصت ہو گئی ایک نہایت معمولی لباس زیب بدن ہی۔ ؎

دردمندیم و جز مید ہد از سوز دروں   دہن خشک، ولب تشنہ و، چشم تر ما

سب سے اخیر میں انکا مقدمہ پیش ہوا تو معلوم ہوا کہ سرپرستان دلپسند نے بیس ہزار
رقم مہر کا دعوے دائر کیا تھا اور اس کی فوری ادائگی پر مصر تھے۔ نیز دلپسند کی طرف سے
جبر و تعدی بیجا کا الزام لگایا گیا تھا۔ کلکٹر صاحب نے جبار سے ایسے پیچیدہ سوالات
کیے کہ اگر اس کی اعلیٰ قانونی قابلیت آڑے نہ آجاتی۔ تو خدا معلوم کلکٹر صاحب
کیا حکم سنا دیتے؟

جبار کے حسن اظہار یا تلطف کردگار سے جبر و ظلم کا مقدمہ تو بالکل خارج ہو گیا
مگر بیس ہزار کی یک مشت ادائگی ایک تازہ مصیبت تھی۔ فیصلۂ عدالت سن کر جبار نے
سنجیدگی سے اپنی مالی حالت پر نظر ڈالی۔ لیکن مایوسی کی وحشت خیز شکل ڈرانے
لگی۔ غریب کی مستقل ماہوار آمدنی اس قابل نہ تھی کہ اس جیسا خوش باش شخص اس
میں سے کچھ پس انداز کر سکے۔ مسلمانوں کے عام تباہ کن مرض اسراف میں بھی
مبتلا تھا۔

عدالت سے نکلکر جبار کے بعض نیک دل احباب نے مدعیوں کو بہت کچھ سمجھایا
بجھایا آخر وہ حسب ذیل شرائط پر راضی ہوئے۔

(۱) جبار دو سال کے اندر اندر رقم مذکورہ ادا کرے (۲) دلپسند کو فوراً طلاق
دیکر اُسے قید شرعی سے گلو خلاص کریں (تاکہ وہ کسی اور شامت زدہ شخص کی سرکوبی

کرے) چنانچہ جبّار نے بطیب خاطر جم غفیر کے سامنے دلپسند کو طلاق ثلثہ دیدی اور باقاعدہ طلاق نامہ تحریر کر دیا۔ مصرعہ۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

ان روح فرسا امور سے نجات پاکر جبار اپنے مکان کی طرف راہی ہوا اور وہاں پہونچتے ہی سیدھا بیمار و ناتوان حلیمہ کے پاس گیا۔ جمیل اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے ماں کا سر دبا رہا تھا۔ حلیمہ بالکل غافل تھی۔ جبار اسے دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا۔ گھبرا کر نبض دیکھی۔ قلب کی حرکت معلوم کی اور دل ہی دل میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہ صمدی میں مریضہ کی صحت یابی کی دعائیں کرنے لگا۔

اب وہ جبار ہی نہ تھا اس عظیم الشان تجربہ نے اُسکے دماغ سے ہیچو من دیگرے نیست کا خیال باطل دور کر دیا تھا۔ آج وہ حلیمہ کا سچا قدردان دلدادہ اور فدائی شوہر تھا مگر آہ قریب تھا کہ وقت بالکل ہاتھ سے نکل جائے حلیمہ کی صحت برباد ہو چکی تھی اسوقت جبار ماسوا کو فراموش کیے ہوئے تھا۔ اگر خیال تھا تو اپنی جان نثار بیوی کا اور حسرت تھی تو یہ کہ اپنی بقیہ زندگی حلیمہ کی غلامی میں بسر کرے۔

جب حلیمہ کی غشی کو دیر ہوگئی تو جبار نے بے تابانہ اُسے آوازیں دینا شروع کر دیں حلیمہ! حلیمہ بہر خدا آنکھیں کھولو اپنے خطاوار بدنصیب شوہر کی طرف نظر کرو۔ امۃ الحلیم! امۃ الحلیم! میرے ہوش اُڑے جاتے ہیں۔ میری وفادار بیگم! دیکھو مجھے دغا نہ دینا۔"

حلیمہ نے چونک کر آنکھ کھولدی اور جبار اشکبار کی طرف نظر کی۔ اسکی مریضانہ متغیر۔ رنجیدہ شکل کو بغور دیکھا اور نہایت محبت آمیز پیرایے میں سبب پوچھا۔ خطاکار اور سراپا انفعال جبّار میں اب مطلق تاب ضبط نہ تھی۔ رومال سے مونھ چھپا کر دل کھول کر آنسو بہائے۔ حلیمہ یہ حال دیکھ نہ سکتی تھی بمشکل اُٹھ کر اُسکے ہاتھ علیحدہ کر دیئے

اور ہمت دل سنبھالنے کی فہمایش کی اور بات ٹالنے کے لیے دوسرا تذکرہ چھیڑ دیا
حلیمہ۔ کیسے مقدمہ کا کیا انجام ہوا۔ عدالت نے کیا فیصلہ کیا۔
جبّار نے بات بنانا چاہی مگر حلیمہ نے کہا۔
حلیمہ۔ آپ کو قسم ہی۔ مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھیں۔ شاید میں صلاح نیک دے سکوں۔
جبّار نے مجبوراً من وعن سب حال کہا۔ حلیمہ متانت وخاموشی سے سُنتی رہی اختتام پر سرہانے سے ایک طویل خط نکال کر جبار کو دیا۔
حلیمہ۔ آپ مطلق پریشان نہوں۔ خدا مسبب الاسباب ہی۔ لیجیے یہ خط کل شام مجھ ملا ہی۔ اس میں لکھا ہی کہ میری خالہ جان کا انتقال ہوگیا (یہاں پہونچکر غم وضعف کیوجہ سے کچھ سکوت کیا) یہ تو آپ کو معلوم ہی تھا کہ اُنھوں نے اپنی بہت بڑی جائداد میرے نام کر دی تھی۔ بس اس خط میں میری والدہ نے یہی لکھا ہی کہ یہاں آکر اپنی ریاست کا انتظام کرو۔ اب آپ آسانی سے دلپسند کی مہر ادا کر سکتے ہیں۔ اگر روپیہ کی فوراً ضرورت ہو تو جائداد کا ایک حصہ فروخت کر ڈالیے۔ اگر آپ کہیں تو میں لکھدوں۔ کیونکہ مجھے اپنی بیماری کا انجام معلوم نہیں۔
یہ کہکر شدت نقاہت سے حلیمہ نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔
اس شوہر پرستی اور ایثار نفسی نے جبار کو بیتاب کر دیا۔ اور اسی مغرور جبار نے (جس کی بے التفاتیوں نے حلیمہ کے دل میں ناسور ڈالدیئے تھے) صدق دل سے ہاتھ جوڑ کر اپنی گزشتہ ناقابل تلافی بدسلوکیوں کی معافی چاہی۔
جبار۔ میری مایۂ ناز قابل پرستش حلیمہ! تمھاری وفاداری احاطۂ شکر گزاری سے باہر۔ اور تمھارے احسانات حد معاوضہ سے متجاوز۔ میرا مونھ اس قابل نہ تھا کہ تم جیسی یگانۂ روزگار خاتون کا شوہر بنوں۔ میں نے اس انعام خداوندی کی بُری طرح

ناشکری کی ۔ آہ میں بے انتہا گنہگار ہوں ۔ اب میں تم سے فقط نگاہ مغفرت کا خواستگار ہوں ۔ جس امر کی نسبت تم نے ابھی اشارہ کیا ہی۔ خدا مجھے اُس دن کو نہ رکھے جو میں ایک منٹ کے لیے بھی گوارا کروں ۔ آیندہ یہ ناگوار لفظ کبھی زبان پر نہ لانا ۔ خدا تمہیں اپنی ریاست سے بہرہ اندوز کرے میری فکر نہ کرو انشاء اللہ رفتہ رفتہ سب ادا ہو جائیگا ۔ امۃ الحلیم! تمہاری حلم و فرماں برداری نے مجھے ہمیشہ کے لیے اپنا خادم اپنا بندۂ بے درم بنا لیا اور میں پروردگار عالم کو حاضر و ناظر سمجھ کر حلفیہ قسم کھاتا ہوں کہ "پھروں جو تجھ سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے"

امۃ الحلیم ۔ آپ یہ کیا ستم کر رہے ہیں؟ میں آپ کی وہی فرماں بردار کنیز ہوں اور آخر دم تک رہوں گی ۔ اگر آپ کی یہی خواہش ہی تو میں نہایت صدق دل سے خدا کو گواہ کر کے آپ کی تمام کوتاہیاں معاف کرتی ہوں ۔

پیاری ناظرات! کب تک آپ کے بے بہا وقت کا خون اپنی گردن پر لوں ۔ بہتر ہی کہ جبار کا یہ مصرعہ دُہراتی ہوئی آپ سے خدا حافظ کہوں ۔

این کار از تو آید و لنسواں چنیں کنند

راقمہ

ز ۔ خ ۔ ش

علامہ سید رشید رضا آفندی

امسال ندوۃ العلماء کے منتظمین نے علامہ سید رشید رضا آفندی کو جو مصر کے مشہور اسلامی رسالہ المنار کے اڈیٹر اور امام وقت شیخ محمد عبدہ مرحوم مفتی دیار مصریہ کے شاگرد رشید اور جانشین ہیں ۔ ندوہ کے اجلاس کی صدارت کے لیے بلایا ۔

علامۂ موصوف نے جو مسلمانوں کے سچے بہی خواہ ہیں اور دن رات اس پس ماندہ قوم

کی ترقی کے اسباب میں کوشاں رہتے ہیں۔ بطیب خاطر اس دور دراز سفر کو اختیار کیا۔ اور مصر سے تشریف لاکر ندوہ کے سالانہ اجلاس کی کرسی صدارت کو رونق بخشی۔ اور نہایت مفید ہدایات فرمائیں۔ مولانا ممدوح ہندوستان کے مختلف شہروں کو دیکھتے ہوئے ۱۲۔ اپریل کو علیگڈہ میں تشریف لائے جہاں کالج کے تمام متعلقین انکے لیے چشم براہ تھے۔ اور کم سے کم خاکسار راقم کو تو اُن کی ملاقات کا شوق بیحد تھا۔ کچھ تو اسوجہ سے کہ اہل علم کی زیارت اور اُن کا دیکھنا ایک طرح کی عبادت ہی۔ بالخصوص ایسا زبردست عالم جس کی کوشش پانچوں بر اعظم کے مسلمانوں کو یکساں فائدہ پہونچا رہی ہی۔ جسکا رسالہ المنار حقیقتاً دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے ایک اصلاحی، تمدنی، مذہبی اور روحانی چراغ ہی۔ اور جس کی لیاقت۔ صداقت اور نیک نیتی پر تمام دنیا کے مسلمان عقلاً متفق ہیں۔ اور اسکے قول کو معتبر اور مستند تسلیم کرتے ہیں۔ در حقیقت اسوقت تمام علماء اسلام میں علامہ موصوف ہی کی ایک ذات ایسی ہی جسپر یہ شعر صادق آتا ہی۔

سارے عالم پر ہے وہ چھایا ہوا　　　مستند ہی اُس کا فرمایا ہوا

ایسے ہی علما وارث انبیا ہیں۔ اور یہی لوگ اسلام کے علم بردار اور اُمت کے مصلح اعظم ہیں۔

اور کچھ اسوجہ سے کہ متواتر آٹھ دس برس سے میں المنار کے پڑھنے والوں میں سے ہوں مفتی مرحوم کی اکثر کتابیں اور علامہ موصوف کی زیادہ تر تحریریں اور تقریریں میں نے پڑھی ہیں اور ان دونوں اُستاد و شاگرد کی میرے دل میں وہی عظمت ہی جو علامۂ ابن تیمیہ حرانی اور اُنکے شاگرد علامۂ ابن قیم کی ہی۔ پرسوں کالج کی جامع مسجد میں یہ معلوم کرکے کہ علامہ رشید رضا آرہے ہیں اور وہی نماز بھی پڑہا دینگے۔ دل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد وہ مقدس شکل نظر آیا جسکے اشتیاق دید کے لیے دل بیتاب تھا اور جو صورتاً اور سیرتاً ہر لحاظ سے نور ہی نور تھا۔ جسکے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ کلام صادق آتا ہی "وزادہ بسطةً فی العلم والجسم"

علامہ ممدوح نے جو خطبہ پڑہا اور نماز کے بعد جو فصیح و بلیغ عربی زبان میں وعظ فرمایا وہ ایک عجیب روحانی غذا تھی جسکا مزہ دل کو ہمیشہ یاد رہے گا۔

کل دوپہر کے کھانے پر نواب وقار الملک بہادر نے علامہ موصوف کی ملاقات اور ہمکلامی کے لیے چند خاص لوگوں کو مدعو فرمایا۔ نواب صاحب ممدوح کی ذرہ نوازی سے خاکسار بھی شریک تھا۔ دو گھنٹہ تک مختلف قسم کے اصلاحی اور مذہبی معاملات کے متعلق گفتگو رہی۔ مولانا ممدوح ہر ایک امر کی بابت جنکا تعلق مسلمانوں کے معاملات سے ہی ایک نہایت چھنی چھنائی مدلل اور روشن رائے رکھتے ہیں۔ دراصل اُنکے سر میں ایک بیدار مغز ہی۔ اُن کی دلنشین باتیں سُنکر میرے دل میں اُنکی جو محبت اور عقیدت تھی وہ زیادہ بڑھ گئی۔

اس تمہید کے بعد میں خاتون میں اس گفتگو کا خلاصہ لکھنا چاہتا ہوں جو مسئلہ تعلیم نسواں سے تعلق رکھتی ہی۔

علامۂ موصوف نے فرمایا۔

عورتوں کی تعلیم کے متعلق میری رائے ہی کہ ان کی ضروریات کو پیش نظر رکھکر اسکے مطابق تعلیم دیجائے۔ تعلیم عام طور پر ان کی مادری زبان میں ہونی چاہیے غیر زبانوں کی تعلیم بجز خاص ضرورت کے عورتوں کے لیے غیر ضروری ہی۔ اور وہ خاص ضرورت یہ ہی کہ مثلاً اگر کوئی عورت ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہی تو اُسکو کسی غیر زبان سے واقف ہونا چاہیے۔ کیونکہ دواؤں کے نام وغیرہ پڑہنا اور اُن میں امتیاز کرنا ناممکن ہی جب تک کہ وہ مثلاً انگریزی یا فرانسیسی نہ جانتی ہو۔

لیکن عام طور پر تعلیم اپنی ملکی ہی زبان میں ہونی چاہیے۔ حفظان صحت عورتوں کے نصاب کا اُسیقدر ضروری حصہ ہی جسقدر خانہ داری اور تدبیر منزل۔ کیونکہ موجودہ نسل کا ایک اہم فرض ہی کہ وہ آیندہ نسلوں کی تندرستی کی حالت اچھی رکھنے کی کوشش کریں۔ اور یہ اُسی وقت ہوسکتا ہی جبکہ عورتوں کو اُصول حفظان صحت سے واقفیت ہو۔ علاوہ بریں عورتوں کی تربیت کا سنگ بنیاد صحیح مذہبی اُصول پر ہونا چاہیے۔ اور دینیات کا حصہ اُنکے نصاب کا اہم ترین جزو ہو۔

نیز اپنی قومی، ملّی اور مذہبی تاریخ بھی انکو پڑہانی چاہیے۔ کیونکہ اس سے دماغ میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اور قدیمی صفات قائم رہتے ہیں۔ حساب۔ جغرافیہ اور کسی قدر تاریخ عام بھی پڑہانا اُن کو ضروری ہے۔

بعض لوگوں نے یورپین اثر سے متاثر ہوکر یہ رائے دی ہے کہ عورتونکو تعلیم اُسی آزادی سے مسلمانوں کو بھی دینا چاہیے جس آزادی سے یورپین لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اس قسم کی کورانہ تقلید بجائے مفید ہونیکے ملت اسلامیہ کے حق میں برباد کن ثابت ہوگی اسلیے کہ اس طریقہ سے رفتہ رفتہ چند نسلوں کے بعد ہمارے اسلامی صفات ملیامیٹ ہوجائینگے۔ اور لباس و طرز بود وباش وغیرہ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ہم اُس تاریکی میں جا پڑینگے جو اسلام سے بہت دور ہے۔ اور ہمارے اخلاق وعادات میں ایسا فرق آجائیگا جو اسلام کے اور صحیح اخلاقی اُصول کے بالکل مخالف ہے۔

اسکے بعد میں نے ہندوستان کی مسلمان عورتونکی تعلیمی حالت بیان کی۔ اور سخت پردہ کی وجہ سے یہاں جو دشواریاں انکی تعلیم کے متعلق ہیں انکو بھی ظاہر کیا۔ نیز علیگڈھ کے کارکنوں نے تعلیم نسواں کے متعلق جو کچھ کیا ہے یا جو کرنا چاہتے ہیں اسکا خاکہ بھی پیش کیا۔ اسپر فرمایا

کہ عورتوں کی جہالت درصل قومی جہالت ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے بچے جو درصل آیندہ قوم ہیں تربیت کے ابتدائی مواقع سے محروم رہ جاتے ہیں اور پھر بڑے ہوکر وہ صحیح تربیت کا راستہ مشکل سے پاتے ہیں۔ اسلیے جسقدر کوشش ممکن ہو عورتوں کی تعلیم میں کرنا چاہیے۔ عقلاً، نقلاً، شرعاً اور عرفاً ہر طرح پر عورتوں کو تعلیم دینا ضروری ہے۔

پیشتر مسلمان عورتیں تعلیم سے بے بہرہ نہ تھیں بلکہ ہر ایک علم کو وہ حاصل کرتی تھیں۔ اگرچہ اُن عالمہ وفاضلہ عورتوں کے نشانات صفحات تاریخ پر

بہت کم ہیں۔ کیونکہ ان کی توجہ منزلی معاملات کی طرف رہتی تھی۔ اور تصنیف و تالیف کیطرف مائل ہونیکا اُنکو کم موقع ملتا تھا۔ تاہم پھر بھی ایسے تاریخی ثبوت موجود ہیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ ہماری گزشتہ خواتین علم کی اُس سے کم شائق نہ تھیں جسقدر کہ مرد تھے۔

مصر میں اسوقت عورتوں کی تعلیم قریب قریب مردوں کی تعلیم کے ہے۔ لیکن وہاں یہ دشواریاں نہیں ہیں جو ہندوستان میں ہیں۔ لڑکیاں بے تکلف مدرسوں میں جاتی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں ساتھ تعلیم پاتے ہیں۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم دونوں کی ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہے۔ البتہ یونیورسٹی میں ایک شعبہ مخصوص عورتوں کے لیے قرار دیا گیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ

پردہ کے لحاظ سے قاہرہ جو اسوقت تکلفات اور ترفہات کا مخزن ہے نہایت بدترین حالت میں ہے۔ عورتیں بے تکلف باہر نکلتی ہیں۔ آنکھ۔ پیشانی۔ کان۔ گردن اور رُخ کا کسی قدر حصہ کھُلا رہتا ہے۔ ناک سے تھوڑی تک البتہ ایک ریشمی پردہ موُنھ پر پڑا رہتا ہے اور وہ اسقدر باریک ہوتا ہے کہ جب وہ سڑک پر ہنستی ہیں تو جو آدمی کوٹھے پر کھڑا ہوا ہو اُسکو بے تکلف اُنکے دانت نظر آجاتے ہیں۔ کلائیاں بھی کھُلی رہتی ہیں

ٹرکی میں بھی پردہ کی زیادہ پابندی نہیں ہے۔ عورتیں بیشک موُنھ پر ایک نقاب ڈال کر نکلتی ہیں جس سے تمام چہرہ چھُپا رہتا ہے۔ لیکن عام طور پر خرید و فروخت کے وقت نیز بازاروں میں اکثر موقع پر وہ اس نقاب کو اُٹھا کر پس پشت ڈالدیتی ہیں اور بالکل موُنھ کھول کر پھرتی ہیں۔

نابلس وغیرہ میں پردہ صحیح شکل میں ہے۔ یعنی وہ نقاب ڈال کر نکلتی ہیں اور جہاں تہاں اُسکو اُلٹ نہیں دیتیں۔ مگر ہندوستان جیسا عجیب و غریب پردہ میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ یہاں کی عورتیں جو برقع پہن کر نکلتی ہیں وہ اس قسم کا ہوتا ہے کہ گویا ایک خیمہ ہے جسکا ستون خود عورت ہے۔

اس مذاق پر تعلیم نسواں کا سلسلہ ختم کر کے ہم دوسرے مسائل پر گفتگو کرنے لگے۔

۱۴- اپریل سنہ ۱۹۱۲ء　　　　آسیلم

اڈیٹوریل

تجویز۔ علیا حضرت ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال بالقابہا کی ایک تجویز دہلی میں زنانہ اسکول قائم کرنے کے بارہ میں ہمارے پاس بغرض اشاعت موصول ہوئی ہے۔ ہمنے علیا حضرت کی خدمت میں لکھا تھا کہ اس تجویز کو اپریل نمبر خاتون میں شائع کرینگے۔ مگر اسکی بابت چند سوالات بھی ہر ہائنس کی خدمت عالیہ میں ہم نے بغرض استفسار بھیجے تھے جس سے تجویز مذکورہ کی پوری تشریح ہوتی ہے اور اسکا ہر پہلو روشن ہو جاتا ہے اب چونکہ اپریل نمبر خاتون تیار ہو گیا ہے اور ابھی تک سوالات مرسلہ کے جوابات نہیں آئے ہیں اسلیے ہم اس پرچہ کی اشاعت تعویق میں ڈالنی مناسب نہیں سمجھتے۔ تجویز مذکورہ آئندہ نمبر میں معہ اُن سوالات کے جو ہم نے بھیجے ہیں اور اُنکے جوابوں کے انشاء اللہ ہم شائع کرینگے۔

عملی زنانہ تعلیم۔ دہلی اندر پرست بالکا ودیالہ کے نام سے لڑکیوں کا ایک اسکول ہے۔ اسمیں عملی تعلیم دیجاتی ہے۔ حال میں یہاں کی لڑکیوں سے کھانا پکانے میں مقابلہ کا امتحان لیا گیا۔ انکو پانچ قسم کا کھانا تیار کرنیکے لیے حکم دیا گیا۔ اوّل درجہ کا کھانا پکانے کا ایک انعام بھی تھا جسکو ایک لڑکی رمپا نامی نے حاصل کیا۔ کیونکہ اسکا پکا ہوا کھانا بہت لذیذ اور مزیدار تھا۔

اس اسکول میں کھانا تیار کرنے کی ترکیب سکھانیکے لیے ایک کلاس کھلی ہوئی ہے۔

ایک لڑکی کی قابلیت۔ نواب فصیح الدین احمد خاں بہادر اول تعلقہ دار اورنگ آباد دکن کی پنجسالہ صاحب زادی کو جسکا نام ممتاز جہاں بیگم ہے۔ اس کی اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں لکچر دینے پر اعلیٰ حضرت نظام نے پانچ اشرفیاں بطور انعام کے دیں۔ اس بچی نے اعلیحضرت کے سامنے تعلیم نسواں پر لکچر دیا تھا۔

عورت میونسپل کمشنر۔ پیشتر مسز موتی لال نہرو نے الہ آباد کی میونسپلٹی میں ممبر ہونیکی غرض سے امیدواری کی تھی۔ یہ شاید کسی ہندوستانی عورت کے لیے پہلا موقع ہے کہ ساد ہارن برہمو سماج کلکتہ کے لیڈر پنڈت شیو ناتھ شاستری کی دختر صاحبہ مس ہیم لتا سرکار دارجیلنگ کی میونسپل کمیٹی کی ممبر ہو گئی ہیں۔

رجسٹرڈ نمبر اے (۲۷۱)

خاتون

جلد ۸ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۲ء | نمبر ۵

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل۔ بی سکریٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار عبداللطیف پرنٹر

مطبع فیض عام علی گڈھ میں چھپا

شیخ عبداللہ بی اے پبلیشر نے علیگڈھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت عہ/ روپیہ اور ششماہی ۱۲/۱ روپیہ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جب تک کہ مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈہ ہونی چاہیے۔

خاتون

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ
خلد مکان

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد جب بھوپال کی مستقل رئیسہ ہوئیں تو ان کی عمر صرف آٹھ سال چند مہینے کی تھی۔ ان کی تمام تر تعلیم و تربیت ان کی والدہ نواب سکندر بیگم صاحبہ کے زیر اہتمام ہوئی۔ اُنھوں نے اُردو فارسی، سیاق و سباق میں بہت اچھی لیاقت حاصل کی اور اس کے علاوہ فنون سپہگری شہسواری وغیرہ میں بھی مہارت پیدا کی۔

جب ان کی عمر ۱۹ سال کو پہونچی تو ان کی شادی ریاست کے سپہ سالار نواب امراؤ دولہ باقی محمد خاں کے ساتھ ہوئی۔

چونکہ نواب سکندر بیگم صاحبہ اس قانون سے کہ بیگم کا شوہر ریاست کا مستقل رئیس ہو بہت کچھ تلخیاں اور تکلیفیں اُٹھا چکی تھیں۔ اس لیے اُنھوں نے اپنی بیٹی کا نکاح کرنے سے پہلے ہی یہ معاملہ گورنمنٹ سے طے کر لیا کہ ریاست کی مستقل رئیسہ بلحاظ وراثت کے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ ہی رہیں اور اُن کا شوہر برائے نام

نواب ہو۔

اس شادی کے کچھ دنوں بعد غدر ہوا جس میں نواب سکندر بیگم صاحبہ نے نہایت دانشمندی سے ریاست کو اپنے قابو میں رکھا اور اس کی حفاظت کی۔ جس سے گورنمنٹ بہت خوش ہوئی۔ اسلیے بعد غدر کے ۱۲۷۶ھ میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے باوجود مستقل رئیسہ ہونے کے کمال سعادت مندی سے اپنی محترمہ، مدبرہ اور منتظمہ والدہ ماجدہ کو ریاست کی حکومت سپرد کردی اور خود اُن کے سایۂ عاطفت میں ولی عہد رہنا منظور کیا۔

۱۲۷۴ھ میں نواب سلطان بیگم صاحبہ بالقابہا موجودہ فرماں روائے ریاست بھوپال پیدا ہوئیں۔ اور ۱۲۷۷ھ میں دوسری بیٹی سلیمان جہاں بیگم صاحبہ کی ولادت ہوئی۔ لیکن ابھی ان کی پانچ سال کی ہی عمر ہوئی تھی کہ ۱۲۸۲ھ میں انتقال کرگئیں ۱۲۸۴ھ میں نواب امراؤ دولہ باقی محمد خاں حج سے بیمار ہو کر واپس آئے اور قضا کر گئے اور اسکے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نواب سکندر بیگم صاحبہ نے وفات پائی۔

ان پیاپے جانگاہ صدموں نے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی نگاہ میں دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچ دیا۔ چنانچہ انھوں نے نہایت شکستہ دلی کے ساتھ فرمایا ہے۔ ؎

اے چرخ چہ کردی بسلیمان و سکندر　　　کز نو ہوس عیش بود شاہجہاں را

نواب سکندر بیگم صاحبہ مرحومہ کی رسم عزاداری کے بعد دوبارہ ۱۲۸۵ھ میں وہ سریر آرائے ریاست ہوئیں۔

صدر نشینی کے بعد اُنھوں نے دیکھا کہ ریاست کی انتظامی حالت بہت ابتر ہے نواب سکندر بیگم صاحبہ اپنی آخری زندگی میں چونکہ سفر حج اور دوروں میں مصروف

رہیں اسلیے حکم طلب کاغذات کے انبار دفتر میں جمع ہوگئے تھے۔ رعایا کے ہزاروں مقدمات ملتوی پڑے ہوئے تھے۔ خزانہ ریاست پر سات لاکھ کا قرض کا بار تھا۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے نظم ونسق کرنا شروع کیا۔ حکم طلب کاغذات پر احکام لکھواکر دفتر سے نکالا۔ ساڑھے تیرہ ہزار غیر منفصلہ مقدمات کی مسلیں جو پڑی ہوئی تھیں اور جس سے رعایا سخت مشکل میں گرفتار تھی نہایت عمدگی سے تقسیم عمل کے اصول پر چھانٹ چھانٹ کر جن جن محکموں کے متعلق تھیں سپرد کی گئیں۔ اور انکے بہت جلد حسب ضابطہ فیصل کر دینے کی بابت احکامات صادر کئے گئے۔ جہاں جہاں عملہ ناکافی تھا وہاں پر اضافہ کیا۔ اور ایک خاص محکمہ محکمۂ تحقیقات سنین ماضیہ کے نام سے قائم کیا جو اس بات کی دیکھ بھال رکھے اور نیز امداد کرے کہ وہ مقدمات جلد اور باقاعدہ طے کر دیئے جائیں۔ اس طرح پر وہ مقدمات منفصل ہوگئے۔ اور خوش اسلوبی کے ساتھ ریاست کا کاروبار چلنے لگا۔

قرضہ بھی تین چار سال کے اندر بیباق کر دیا۔ اور ریاست اس بھاری بوجھ سے سبکدوش ہوگئی۔

انھوں نے بھی اپنی محترم والدہ کی طرح ریاست کے مختلف اوقات میں دورے کیے اور رعایا کی حالت سے واقفیت حاصل کرکے اُن کی ضروریات کا بندوبست فرمایا۔ انتظام میں بہت کچھ اصلاحیں کیں جس سے رعایا کو آرام ملا۔ اور سرکار انگریزی نے اس کی مدح و تعریف فرمائی۔

انھوں نے تمام ریاست کا کمپاسی پیمائش کی رو سے بندوبست کرایا جس سے اُس کے محاصل میں اضافہ ہوا۔ اور رعایا کے ساتھ ہر طرح کی ممکن رعایتیں برتیں

کاشتکاروں اور ٹھیکہ داروں کو معافیاں دیں۔

انھوں نے قانون میں حسب ضرورت ترمیم کی اور از سر نو اسکو نہایت عمدگی سے مرتب کرایا۔ عدالت کے لیے جوڈیشل محکمے قائم کیے۔

فوجی معاملات کی طرف بھی اُنھوں نے توجہ فرمائی۔ چونکہ وہ خود حوصلہ مند اور بہادر تھیں اسیلیے فوج سے اُن کو دلچسپی تھی۔

انھوں نے اپنے لیے باڈی گارڈ کا ایک رسالہ مرتب کیا۔ جو ہر لحاظ سے نہایت شاندار تھا۔ ریاست میں پہلے بیلوں کا توپ خانہ تھا انھوں نے اسپی توپ خانہ قائم کیا۔ سواروں کی حالت درست کی اور ان کی تنخواہ میں اضافہ فرمایا۔ لاکھوں کے صرفہ سے رجمنٹ اعانت شاہی قائم کی۔

رفاہ عام کے کاموں کے لیے وہ ہر وقت تیار رہتی تھیں۔

انھوں نے مفصلات میں پختہ سڑکیں بنوائیں جو علاقہ جات غیر سے جا کر ملگئی ہیں۔ جہاں پانی کی تکلیف تھی وہاں کنوے کھدوا دیئے۔ رعایا کے آرام کے لیے جابجا گھاٹ بنوا دیئے۔

ملکہ معظمہ کی پنجاہ سالہ جبلی کی یادگار میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے صرفہ سے ایک نہر تیار کرائی جس سے شہر کے وہ حصے بھی سیراب ہو گئے جہاں پانی کی سخت ضرورت تھی۔ اور کوسوں تک دیہات میں اس سے آب پاشی ہونے لگی۔

محکمہ سینیٹشن مقرر کیا۔ پرگنوں میں یونانی اور ڈاکٹری شفاخانوں کا بندوبست فرمایا۔ خاص بھوپال میں بہت سے یونانی شفاخانے اور پرنس آف ویلز ہاسپٹل کھولا۔ لیڈی لینسڈاؤن ہاسپٹل کا افتتاح کیا جس میں عورتوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ نیز اس میں دائیوں کو تعلیم دی جاتی ہے جو ریاست میں مفصلات کی عورتوں کو فائدہ پہونچاتی ہیں۔

مزدوری پیشہ طبقے کے لیے سات لاکھ کے صرفہ سے ایک عظیم الشان کاٹن مِل قائم کی۔

انھوں نے ریاست میں ڈاک خانے جاری کیے۔ تار برقی کے نہونے سے بہت تکلیف اور کاروباری اور تجارتی دقتیں تھیں۔ ہزاروں روپیہ صرف کرکے تار برقی کا سلسلہ جاری کرایا۔

بھوپال میں ریلوے نہ تھی۔ علاوہ آمد و رفت اور تجارتی تکالیف کے اس کے نہ ہونے سے ایک دقت یہ بھی کہ قحط کے زمانہ میں جبکہ یہاں اکثر حملے ہوتے رہتے تھے۔ سخت تکلیف کا سامنا ہوتا تھا۔ اس لیے یہ تجویز کی گئی کہ ریلوے نکالی جائے چنانچہ بڑی پٹری کی لائن ۱۳۰۲ھ میں اٹارسی سے نکالی گئی جو بینا۔ جھانسی اور گوالیار ہوتی ہوئی ٹونڈلہ سے ملادی گئی۔ اس ریلوے کے لیے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے پچاس لاکھ روپیے دیئے۔ جس سے علاوہ بہت سے آرام اور آسانیوں کے ایک بڑی رقم ان روپیوں کے آمدنی کی ہر سال ریاست کے خزانہ میں داخل ہوتی ہے۔ ۱۸۹۶ء میں بھوپال سے ایک شاخ اجین کو نکالی گئی۔ حدود ریاست میں اس ریلوے کی تعمیر کا صرفہ اُنیس لاکھ تھا جو ریاست کے خزانے سے دیا گیا۔ اس کی آمدنی بھی سالانہ ریاست کو ملتی ہے۔

ریاست کی خاص علامتوں میں سے ایک علامت سکّہ بھی ہے اور ہر رئیس کو اپنے نام کا سکّہ بہت محبوب ہوتا ہے۔ ریاست بھوپال میں بھی ایک جداگانہ سکّہ خاص ریاست کا رائج تھا جو وہیں کے دارالضرب میں مسکوک ہوتا تھا۔ مگر انگریزی روپیے سے تبادلہ میں اسپر مختلف اوقات میں مختلف بٹّہ لگتا تھا۔ جس سے تجارت کے معاملات میں پیچیدگیاں پڑجاتی تھیں۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے محض رعایا کے آرام کے خیال سے اس سکّہ کو

اُٹھا دیا اور اسکے بجائے ۱۳۱۵ھ سے سکہ انگریزی ریاست میں جاری کر دیا۔
انھوں نے بھوپال میں انگریزی تعلیم کے لیے ایک ہائی اسکول کھولا۔ ایک بہت بڑا مدرسہ جہانگریہ اپنے محترم باپ جہانگیر محمد خاں کے نام سے جاری کیا۔ جس میں سینکڑوں طلبا کو تعلیم کے لیے وظیفے دیئے جاتے تھے۔ نیز نواب صدیق الحسن خاں مرحوم کے مزار پر بھی ایک مدرسہ قائم کیا۔ پرنس آف ویلز کے نام سے ایک صنعت و حرفت کا اسکول کھولا۔ جس میں دری بانی، نواڑ، چکن، قالین، خیمہ دوزی، سلائی کا کام وغیرہ بہت سی چیزیں سکھائی جاتی ہیں۔
اپنے نام سے ایک مطبع شاہجہانی قائم کیا جہاں سے ہفتہ وار ایک اخبار عمدۃ الاخبار کے نام سے جاری کیا۔
ان کی ان تمام کوششوں پر گورنمنٹ نے بہت خوشنودی ظاہر کی۔ اور انکی معدلت گستری اور رعایا پروری کی کیفیت سنکر ملکہ معظمہ نے ازراہ قدردانی ۱۲۸۹ھ میں جی سی۔ ایس۔ آئی۔ اور پھر ۱۲۹۶ھ میں کراؤن آف انڈیا کا خطاب عطا فرمایا۔ کلکتہ اور بمبئی کے درباروں میں نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ وہ شریک کی گئیں۔
۱۲۹۴ھ کے دہلی دربار میں ملکہ معظمہ کی طرف سے ان کو نشان شاہی اور تمغہ قیصر ہند عطا ہوا۔
جنگ روم و روس میں انھوں نے دو لاکھ روپے مسلمان مجروحین جنگ کی تیمار داری اور ان کی بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کے لیے بھیجے تھے اس کے صلے میں سلطان عبد الحمید خاں نے تمغۂ شفقت درجۂ اول اور شکریہ کے خطوط بھیجے
ان کے عہد میں ریاست کا اعزاز بہ نسبت سابق کے بہت بڑھ گیا۔ بڑے بڑے انگریزی حکام وہاں آنے لگے۔ لارڈ فریڈرک رابرٹس کمانڈر انچیف افواج ہند لارڈ ڈفرن، لارڈ لینسڈاؤن، لارڈ ایلگن اور لارڈ کرزن اپنے اپنے عہد میں بھوپال میں

رونق افروز ہوئے اور بیگم صاحبہ کی شاہانہ مہماں نوازی کی بہت تعریف فرمائی۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے پہلے شوہر نواب باقی محمد خاں ۱۲۸۴ھ میں انتقال فرما گئے۔ اس کے بعد بعض خیر خواہوں نیز سرکاری افسروں نے بیگم صاحبہ کو نکاح ثانی کا مشورہ دیا۔

باوجود اسکے کہ نکاح ثانی ہندوستان کے مسلمانوں بالخصوص امراء کے گھرانوں میں ہندوؤں کے اثر سے اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا لیکن انھوں نے اسکا کچھ خیال نہیں کیا اور شرع شریف کے حکم کے مطابق نواب صدیق الحسن خانصاحب سے جو ریاست کے میر دبیر تھے اور بلحاظ سیادت خاندانی و فضل و کمال و سیرت و صورت کے پسندیدہ معلوم ہوئے بمنظوری گورنمنٹ نکاح ثانی کر لیا۔

لیکن چونکہ یہ نکاح ایک غیر کفو کے شخص سے ہوا تھا اسلیے قدرتاً کچھ ایسے خانگی جھگڑے پیش آئے کہ جس سے بیگم صاحبہ اور اسکے قریب ترین اعزہ میں سخت ناچاقی واقع ہو گئی یہانتک کہ وہ شہر چھوڑ کر تاج محل میں چلی گئیں۔ اور پھر ایک چوتھائی صدی یعنی مرتے دم تک شہر میں نہ آئیں۔ اور نہ ان عزیزوں سے ملنا گوارا کیا۔

عالی دماغ لوگوں کی زندگی کا خاتمہ اکثر درویشی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ بیگم صاحبہ کی طبیعت پر بھی آخری زندگی میں درویشی بہت غالب آگئی تھی۔ تلاوت، ریاضت اور عبادت میں اُنکے اوقات بسر ہوتے تھے۔

بھوپال کی خوش قسمتی سے ابتدا ہی سے وہاں کے لوگوں پر بہت اچھا مذہبی اثر پڑا۔ مولوی جمال الدین خاں صاحب مرحوم نے وہاں کے باشندوں میں ایک سچی مذہبی روح پھیلائی۔ اسکے بعد نواب شاہجہاں بیگم کے زمانہ میں بہت سے اہل علم جمع ہو گئے جن کی بدولت وہاں اسلام کا بہت چرچا پھیلا۔

تاج محل اہلِ علم وفضل کا مرجع ومرکز بنا ہوا تھا اس لیے وہ مذہبی اثر سے بہت زیادہ متاثر ہوئیں۔

ان کے زمانے میں شہر میں جو اسلامی شان اور رونق تھی وہ اب تک زمانہ میں مشہور ہی۔ خانقاہیں آباد تھیں اور مسجدیں معمور۔

ان کا زمانہ بھوپال کے لیے بالکل ایسا ہی تھا جیسے کہ باغ میں بہار کا زمانہ ہوتا ہی۔ ان کی داد ودہش اور فیاضی کی وجہ سے دیار وامصار کے لوگ کھنچے ہوئے بھوپال میں چلے آتے تھے۔ شام اور عرب تک کے اہلِ علم کو وہاں کی کشش کھینچ لاتی تھی اور سب کا دامن آرزو ان کی فیاضی سے مالامال ہوتا تھا۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا نمایاں وصف فیاضی ہی جو کہ انسان کے اخلاق میں سب سے بہتر خلق شمار کیا گیا ہی۔ وہ غریبوں کو سیکڑوں من غلہ تقسیم کراتی تھیں، اُنھوں نے سدا برت اور لنگر خانے جاری کر رکھے تھے۔ بہت سے غریبوں کے لیے گذارہ مقرر تھا۔ کئی ایک محکمے اسی قسم کی امداد کے لیے قائم تھے۔ بالخصوص محکمۂ مصارف جہاں سے سیکڑوں اہلِ استحقاق کو ماہوار تنخواہ ملا کرتی تھی۔

۱۸۹۹ء کے سخت قحط میں اُنھوں نے بڑی فیاضی کی۔ ہزاروں آدمیوں کی جانیں بچائیں۔ بہت سے خاندانوں کو بربادی سے محفوظ رکھا۔ علاقہ جات غیر کی قحط زدہ رعایا جو اُن کی ریاست میں آگئی اسکو بھی بھوک کی تکلیف سے بچایا۔

وہ کسی کو محروم کرنا جائز نہیں رکھتی تھیں۔ اور یہ مبالغہ نہیں ہی بلکہ واقعہ ہے۔ اُنھوں نے خود فرمایا ہی اور سچ فرمایا ہی ؎

رستیم شجرِ وار بگلزارِ امارت   غیر از کرم وجود نباشد ثمرِ ما

ان کو بھی اپنے ہمنام بادشاہ شاہجہاں کی طرح عمارت کا بہت شوق تھا۔ بھوپال کے باہر شاہجہاں آباد ایک پورا شہر کا شہر تعمیر کرادیا۔ تاج محل۔ عالی منزل

نواب منزل اور بے نظیر بہت سی عالیشان عمارات وہاں کی قابل دید ہیں
تاج المساجد کی تعمیر شروع کی تھی افسوس ہی کہ اسکے مکمل ہونے سے پہلے
ہی وہ انتقال فرما گئیں۔ یہ مسجد اس قدر عالیشان ہی کہ باوجود اسکے کہ ابھی نامکمل ہے
سولہ لاکھ روپیے اس کی تعمیر میں خرچ ہو چکے ہیں۔ سات لاکھ روپیے کے صرف سے
اس کے لیے بلورین فرش انگلستان میں تیار کرایا گیا ہی مگر علماء نے اس پر نماز ناجائز
قرار دیدی ہی کیونکہ نماز پڑھتے وقت آدمی کی پوری صورت اس میں نظر آتی ہی۔
سنہ ۱۳۱۹ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں ۳۴ برس ریاست کرنے کے بعد انتقال فرمایا
اور اپنے باغ نشاط افزا میں مدفون ہوئیں۔
بیگم صاحبہ مرحومہ کی ذات اس آخری زمانہ میں ایک آسمانی برکت تھی۔ ہنرپروری
دانشمندی اور فیاضی کے لحاظ سے تاریخ کے صفحے مشکل سے کسی ایسی دوسری بیگم کا
نشان دیسکیں گے۔ بہت ہی ایسی خوبیاں کہ جن میں سے ایک ایک خوبی بجائے
خود کسی انسان کو اعلیٰ درجہ کا آدمی بنا دینے کے لیے کافی ہی ان کی ذات میں
جمع تھیں۔

(باقی آیندہ)

اسلم

ایک جہاز کی تباہی

دنیا کے سب سے بڑے سواری کے جہاز کی غرقابی

قریب سولہ سو آدمیوں کا ڈوب کر مرنا

ہم خشکی کے رہنے والے جنھوں نے سمندر کبھی عمر بھر میں ایک دفعہ بھی آنکھ سے

نہیں دیکھا اُس قیامت خیز تباہی کا اندازہ مشکل سے کرسکتے ہیں جو ایک جہاز کے ڈوبنے سے ہوتی ہی۔

جب سے انسانوں نے فنِ جہاز رانی سیکھا ہی اور بڑے بڑے سمندروں پہ سلسلۂ آمد و شد قائم کیا ہی ہزاروں بلکہ لاکھوں جہاز ڈوبے ہیں اور کروروں جانیں تلف ہوئی ہیں۔ انسان بھی دلیری کا ایک پُتلہ ہی کہ باوجود سمندر کے سخت خطرات کے سطح آب کو ایک معمولی رستہ یا سڑک بنا رکھا ہی اور کیا مجال ہی کہ ایک ذرہ برابر بھی اُس کے دل میں جھجک پیدا ہو۔ پُرانے قصّے تو کتابوں میں ہم روز پڑھتے ہیں مگر ۱۴ ۔ اپریل ۱۹۱۲ء کا سب سے تازہ واقعہ سُنیے جس کے مقابل میں اور کل واقعات جو ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں گرد معلوم ہوتے ہیں۔

یورپ میں جہاں اور بہت سی اولوالعزمی کی باتیں ہیں ایک یہ بھی بات ہی کہ بعض قوموں میں جہاز سازی اور جہاز رانی میں سخت مقابلہ ہی۔ چنانچہ ایک قوم کے لوگ اگر ایک عمدہ جہاز بناتے ہیں تو دوسری قوم اُس سے دوچند عمدہ جہاز بنانے کی کوشش کرتی ہی تاکہ وہ دوسروں سے دس قدم آگے ہی رہے۔ کسی طرح پیچھے نہ رہے۔ جرمنی کے ملک میں چند سال ہوئے کہ سواری کا ایک بہت بڑا جہاز تیار ہوا تھا جو دنیا کے سب جہازوں سے بڑا تھا۔

انگلستان کی ایک کمپنی کو رشک پیدا ہوا تو اُس نے بھی دو جہاز بہت بڑے بڑے بنوائے جو جرمنی کے جہاز سے طول و عرض و گنجایش میں کہیں بڑھکر تھے۔ اور مسافروں کو جرمنی کے جہاز سے زیادہ آسایش ملنے کے سب سامان مہیا کیے گئے تھے۔ یہ دونوں جہاز دنیا کے لکھوکھا جہازوں کے سردار کہے جاسکتے ہیں کیونکہ دوسرا کوئی جہاز ان سے کسی بات میں برابری نہیں کر سکتا۔

منجملہ ان دو جہازوں کے ایک کا نام ٹٹانک جہاز تھا جسکا طول قریب

تین سو گز کے اور عرض قریب سو گز کے تھا اور اُس میں ۲۳۵۰ آدمی آسانی سے سفر کر سکتے تھے یعنی اُس میں کم و بیش ایک ہزار تو کمرے تھے اور بڑے بڑے ہال کھانا کھانے کے اور بیٹھنے اُٹھنے کے تھے گیند بلّہ کھیلنے اور ٹہلنے کے لیے کھُلے وسیع قطعات موجود تھے۔ سب سے اوّل ۱۱۔ اپریل کو یہ بدنصیب جہاز ۲۳۵۰ مسافروں کو انگلستان سے لیکر امریکہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ اسکا پہلا ہی سفر تھا انگلستان اور امریکہ اور یورپ کے بڑے بڑے کروڑپتی مالدار لوگ جو سفر کرنا چاہتے تھے اُنھوں نے اس خاص جہاز میں سفر کی غرض سے کئی ہفتے پہلے سے اپنی روانگی ملتوی کر رکھی تھی کہ دنیا کے سب سے بڑے جہاز کا لطف سفر اُٹھائینگے علاوہ اس قدر بڑی تعداد مسافروں کے کئی کروڑ روپیہ کا مال و اسباب نیز یورات و جواہرات بھی اس جہاز پر تھے جو انگلستان سے امریکہ کو جا رہے تھے۔ اس جہاز میں ایک خاص صفت یہ بھی رکھی گئی تھی جو دنیا کے کسی دوسرے جہاز میں موجود نہ تھی۔ یعنی جہاز کو واٹرٹائٹ بنایا گیا تھا۔ اندرونی حصوں تک پانی کی آمد روکنے کے لیے بہت سی ترکیبیں ایجاد کی گئی تھیں۔ اور مالکان جہاز ہر طرح سے مطمئن تھے کہ اس جہاز کو اگر کبھی کوئی صدمہ بھی پہونچے گا تو یہ ڈوبے گا نہیں۔ دیکھیے انسان کی دور اندیشی اور حکمت اور احتیاط کہانتک پہونچی مگر حاکم مطلق کی مشیت تو کچھ اور ہی تھی۔

۱۴۔ اپریل کو اتوار کے روز دن بھر جہاز ۲۲ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سمندر کو چیرتا ہوا بحر اوقیانوس کے قریب قریب وسط میں پہونچگیا اب انگلستان اُس سے ایک ہزار میل پیچھے رہ گیا اور امریکہ ایک ہزار میل آگے تھا۔ بحر اوقیانوس دنیا کے سب سمندروں سے زیادہ گہرا ہی۔ نو میل تو اُس کی معمولی گہرائی ہی۔ نہایت سرد سمندر ہی۔ اکثر اس موسم میں قطب شمالی کی طرف سے برف کے بڑے بڑے

پہاڑ بیس بیس میل طول و عرض اور تین چار سو گز سطح آب سے اونچے بہ بہ کر آتے ہیں اور منطقہ حارہ میں پہونچکر گرمی سے پگھل جاتے ہیں۔

ہائے ٹائٹانک جہاز کے بدنصیب مسافروں کو کیا خبر تھی کہ اب عنقریب ہمارا جہاز اور اُس کے ساتھ ہماری زندگی کی ناپائدار کشتی پاش پاش ہونے والی ہے وہ خوش و خرم شام کے کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو رہے کچھ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر تاش کھیلنے لگے۔ نہایت تاریک و سرد رات تھی مگر آسمان گرد و غبار سے بالکل صاف تھا۔ تارے خوب زور سے چمک رہے تھے ہزاروں میل تک خشکی کا کہیں پتہ و نشان نہ تھا کہ اتنے میں رات کے گیارہ بجے دس منٹ گزرے تھے کہ سامنے کے پہرہ دار نے اطلاع دی کہ پاؤ میل کے فاصلہ پر ایک برف کا بڑا پہاڑ کھڑا ہے۔ جہاز اپنی پوری رفتار سے چل رہا تھا۔ تین منٹ میں ایک میل کی مسافت طے کر رہا تھا۔ پاؤ میل پون منٹ میں طے کریگا۔ اُدھر پہرہ دار نے اطلاع دی اور اِدھر تصادم ہو گیا۔ یعنی جہاز برف کے پہاڑ سے ٹکرا گیا۔ الاماں۔ وہ کیا وقت ہوگا۔ خوابگاہوں سے لوگ اُٹھ اُٹھ کر باہر آئے۔ افسر جہاز نے حکم دیا کہ سب لوگ تیرانے والی پیٹیاں کس لیں۔ جہاز میں پانی بھرنا شروع ہو گیا۔ کیوں کہ برف کے پہاڑ کی ٹکر سے جہاز کا ایک پہلو بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ پانی جلدی جلدی سے آنے لگا۔ جہاز چکر کھانے لگا۔ موت ہر ایک کو اپنے سامنے کھڑی دکھائی دینے لگی۔ دل سہم گئے۔ دماغ پریشان ہونے لگے۔ مگر انگریزوں کی قومی دلیری اور روایتی شجاعت نے جس پر اس قوم کو اس قدر فخر ہے ان کے دلوں کو ایک دفعہ پھر مضبوط کر دیا اور ہر شخص آداب، قاعدے، استقلال ایثار اور خود انکاری کی تصویر بن گیا۔

لائف بوٹ یا جان بچانے کی کشتیاں جو ہر ایک جہاز کے ساتھ ہوتی ہیں

جہاز رانوں نے سمندر میں اُتار دیں۔ خود جان بچانے کی مطلق فکر نہیں کی بلکہ مسافروں کے لیے کشتیاں اُتارنے اور خود مسافروں کی جانیں بچانے میں مشغول ہو گئے چونکہ کشتیوں میں سب کے لیے کافی گنجایش نہ تھی۔ اس لیے مرد مسافروں نے اپنی جانوں پر عورتوں اور بچوں کی جانوں کو ترجیح دی اور عورتوں کو جہاز پر سے کشتیوں میں اُتارنا شروع کیا۔

سب سے زیادہ پُراثر اور دل پر چوٹ لگانے والے وہ واقعات ہیں جو میاں اور بیبیوں کی علیحدگی کی نسبت بیان کیے جاتے ہیں۔ بیبیاں باوجودیکہ جانتی تھیں کہ اب ہم اور ہمارے میاں دونوں لقمۂ اجل ہوا چاہتے ہیں مگر اپنے شوہروں سے جُدا نہ ہوتی تھیں۔ بڑی دقت سے اُن کو اپنے خاوندوں سے دوسرے لوگوں نے علٰحدہ کر کے کشتیوں میں پہونچایا۔ بہت سی عورتوں نے اپنے خاوندوں کے گلے میں ایسی مضبوطی سے ہاتھ ڈال دیئے کہ وہ کسی طرح علٰحدہ نہوئیں اور برفانی سمندر کی قبر میں اپنے عزیز شوہروں سے لپٹی کی لپٹی ہی سو گئیں۔ زندہ رہے تو ساتھ اور مرے تو ساتھ اس میں بھی ایک لطف ہی۔

سب مرد کھڑے رہے جب تک کہ کُل عورتیں خوشی سے یا زبردستی کشتیوں تک نہ پہونچ گئیں۔ پھر کچھ مرد بھی کشتیوں پر پہونچائے گئے اور جب کشتیوں میں گنجایش نہ رہی تو باقی جو رہ گئے تھے اُنھوں نے کشتی والوں کو الوداع کہہ کر رخصت کیا۔ ایک خاوند نے چلّا کر اپنی بی بی سے کہا جو کشتی میں پہونچ گئی تھی کہ میرے بچّوں کو میری طرف سے پیار کرنا۔ خدا حافظ۔

منجملہ ۲۳۵۰ آدمیوں کے صرف ۷۷۵ آدمی کشتیوں میں اُتارے گئے کیونکہ اس سے زیادہ گنجایش نہ تھی اور باقی ۱۵۷۵ آدمی جہاز کے ساتھ ڈوب کر مر گئے۔

ایک شخص جو کشتی میں تھا اُس نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہی کہ جب جہاز ڈوبا ہے اُسوقت ایک قیامت خیز شور برپا ہوا۔ چارو نطرف سے بچاؤ بچاؤ کے نعرے بلند ہوئے۔ مگر وہاں پر سوائے خدا کے اور کون سُنتا یا مدد کرتا اور خدا کا حکم نافذ ہو چکا تھا کہ یہ سب لوگ ڈوب کر مر جائیں گے۔ جہازراں اور جہاز کے کل ملازمین جب عورتوں اور بچوّں کو اور کچھ مردوں کو کشتیوں میں اُتار چکے تو ایک کمرہ میں جمع ہو کر اُنھوں نے خدا کی حمد و ثنا میں گیت گائے اور خدا سے ملنے کی آمادگی ظاہر کی کہ خدا اب ہم تیرے قریب پہونچ گئے ہیں۔ تو ہمارا خالق اب ہم سے بہت قریب ہی۔

جب جہاز ڈوبا ہی تو کچھ دیر تک مسافر جو پٹیاں باندھے ہوئے تھے سطح آب پر تیرتے رہے مگر پانی اور ہوا اسقدر سرد تھے کہ زیادہ برداشت نہ کر سکے اور ایک ایک کر کے تھوڑے ہی عرصہ میں مر گئے۔

صبح ساڑھے چار بجے کے قریب ایک اور جہاز اُدھر سے گذرا تو اُس نے تمام اُن لوگوں کو جو کشتیوں میں اُتر گئے تھے اور جو سردی کی مصیبت برداشت کر رہے تھے کشتیوں پر سے اُتار لیا۔ بعض کروڑپتی بھی ڈوب کر مر گئے۔ ایک نے اپنی بی بی کو تو زبردستی کشتی میں اُتار دیا اور آپ سب کے ساتھ ڈوب گیا۔

ڈوبنے والے اپنے دلوں میں کیا کیا ارادے رکھتے ہونگے۔ کسی کے دل میں یہ خیال ہو گا کہ میں چند دنوں میں جا کر اپنی بی بی بچوّں سے ملونگا۔ کوئی اپنے دوست احباب سے ملنے کا متمنی ہو گا۔ کوئی یہ خیال کر کے جہاز میں سوار ہوا ہو گا کہ میں اس سفر میں بہت سامال و دولت کما کر اپنے گھر آؤنگا۔ مگر جو خدا کو منظور تھا وہی ہو کر رہا۔

اس واقعہ سے بہت سے سبق حاصل ہوتے ہیں۔

اوّل ہمیں ہر وقت تیار رہنا چاہیے کہ کس وقت میں ہمارا مولیٰ اور ہمارا حقیقی

بادشاہ ہم کو بلالے۔ ہماری زندگی کا ہر لمحہ جو ہم بسر کرتے ہیں اُسکو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ کہ ہم کو خالق نے عبودیت کا حق ادا کرنے کا موقع دیا ہے۔

اپنی دنیوی معاشرت اور اپنے روزمرہ کے برتاؤ کی بنیاد خلوص اور دلی محبت پر رکھنی چاہیے۔ ماں باپ ہماری پوری تعظیم و تکریم سے خوش ہوتے ہیں۔ بچے لطف و مہربانی سے خوش ہوتے ہیں۔ مگر ہماری بیبیاں خالص بے لاگ محبت اور اُن پر پورا بھروسہ کرنے سے ہم پر اپنی جانیں قربان کرتی ہیں اور اُن کو اپنے جان کے مقابل میں ہماری جان کا بہت زیادہ خیال ہوتا ہے۔ اُن بیبیوں نے جنھوں نے اپنے شوہروں کا ساتھ نہ چھوڑا اور جو اُنہیں کے ساتھ مرگئیں اُن کے ساتھ اُنکے خاوندوں کی محبت اور خلوص اوروں سے بدرجہا زیادہ ہونگے۔ اس زندگی میں اگر کوئی چیز اصلی لطف دینے والی ہے تو وہ میاں بی بی کی اصلی محبت ہے۔

مردوں کو خطرے کے وقت ثابت قدم رہنا چاہیے۔ انسان رو کر مرے یا ہنس کر مرے اُسکو ایک روز مرنا ضرور ہے۔ مگر مردوں کی اعلیٰ صفات اور خوبیوں میں ایک یہ خوبی ہمیشہ قابل تحسین کے رہی ہے اور رہے گی۔ کہ خطرے کے وقت وہ اپنے دلوں کو مضبوط رکھیں۔ انسانی فرائض سے انسان کو کسی وقت میں بھی موںھ نہ موڑنا چاہیے۔ خود موت کے موںھ میں پھنس کر اگر دوسرے کو موت کے موںھ سے چھوڑانے کی کوشش نہ کی تو پھر مردانگی اور شجاعت کس کام کی۔

ضعیفوں اور بے کس بچوّں کی خطرے کے وقت مدد کرنا عین انسانیت ہے ہمارے ملک میں بھی بہت سے بہادر لوگ ایسے ہیں جو دوسروں کے لیے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں۔ مگر انگریزوں کی قوم کے برابر کہیں نہیں ہیں۔ ہمارے

ایک شخص جو کشتی میں تھا اُس نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہی کہ جب جہاز ڈوبنا ہے
اُسوقت ایک قیامت خیز شور برپا ہوا۔ چاروں طرف سے بچاؤ بچاؤ کے نعرے
بلند ہوئے۔ مگر وہاں پر سوائے خدا کے اور کون سُنتا یا مدد کرتا اور خدا کا حکم نافذ
ہو چکا تھا کہ یہ سب لوگ ڈوب کر مر جائیں گے۔ جہازراں اور جہاز کے کل ملازمین
جب عورتوں اور بچوّں کو اور کچھ مردوں کو کشتیوں میں اُتار چکے تو ایک کمرہ میں
جمع ہو کر اُنھوں نے خدا کی حمد و ثنا میں گیت گائے اور خدا سے ملنے کی آمادگی ظاہر
کی کہ خدا اب ہم تیرے قریب پہونچ گئے ہیں۔ تو ہمارا خالق اب ہم سے بہت
قریب ہی۔

جب جہاز ڈوبا ہی تو کچھ دیر تک مسافر جو پیٹیاں باندھے ہوئے تھے سطح آب پر
تیرتے رہے مگر پانی اور ہوا اسقدر سرد تھے کہ زیادہ برداشت نہ کرسکے اور ایک ایک
کرکے تھوڑے سے ہی عرصہ میں مر گئے۔

صبح ساڑھے چار بجے کے قریب ایک اور جہاز اُدھر سے گذرا تو اُس نے تمام
اُن لوگوں کو جو کشتیوں میں اُتر گئے تھے اور جو سردی کی مصیبت برداشت کر رہے تھے
کشتیوں پر سے اُتار لیا۔ بعض کروڑپتی بھی ڈوب کر مر گئے۔ ایک نے اپنی بی بی کو تو
زبردستی کشتی میں اُتار دیا اور آپ سب کے ساتھ ڈوب گیا۔

ڈوبنے والے اپنے دلوں میں کیا کیا ارادے رکھتے ہونگے۔ کسی کے دل میں یہ
خیال ہوگا کہ میں چند دنوں میں جاکر اپنی بی بی بچوّں سے ملونگا۔ کوئی اپنے دوست
احباب سے ملنے کا متمنی ہوگا۔ کوئی یہ خیال کرکے جہاز میں سوار ہوا ہوگا کہ میں اس سفر
میں بہت سامان و دولت کما کر اپنے گھر آؤنگا۔ مگر جو خدا کو منظور تھا وہی ہو کر رہا۔

اس واقعہ سے بہت سے سبق حاصل ہوتے ہیں۔

اوّل ہمیں ہر وقت تیار رہنا چاہیے کہ کس وقت میں ہمارا مولیٰ اور ہمارا حقیقی

بادشاہ ہم کو بلالے۔ ہماری زندگی کا ہر لمحہ جو ہم بسر کرتے ہیں اُسکو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ کہ ہم کو خالق نے عبودیت کا حق ادا کرنے کا موقع دیا ہی۔

اپنی دنیوی معاشرت اور اپنے روزمرہ کے برتاؤ کی بنیاد خلوص اور دلی محبت پر رکھنی چاہیے۔ ماں باپ ہماری پوری تعظیم و تکریم سے خوش ہوتے ہیں۔ بچے لطف و مہربانی سے خوش ہوتے ہیں۔ مگر ہماری بیبیاں خالص و بے لاگ محبت اور اُن پر پورا بھروسہ کرنے سے ہم پر اپنی جانیں قربان کرتی ہیں اور اُن کو اپنے جان کے مقابل میں ہماری جان کا بہت زیادہ خیال ہوتا ہی۔ اُن بیبیوں نے جنہوں نے اپنے شوہروں کا ساتھ نہ چھوڑا اور جو اُنہیں کے ساتھ مرگئیں اُن کے ساتھ اُنکے خاوندوں کی محبت اور خلوص اوروں سے بدرجہا زیادہ ہونگے۔ اس زندگی میں اگر کوئی چیز اصلی لطف دینے والی ہے تو وہ میاں بی بی کی اصلی محبت ہے۔

مردوں کو خطرے کے وقت ثابت قدم رہنا چاہیے۔ انسان رو کر مرے یا ہنس کر مرے اُسکو ایک روز مرنا ضرور ہی۔ مگر مردوں کی اعلیٰ صفات اور خوبیوں میں ایک یہ خوبی ہمیشہ قابل تحسین کے رہی ہی اور رہے گی۔ کہ خطرے کے وقت وہ اپنے دلوں کو مضبوط رکھیں۔ انسانی فرائض سے انسان کو کسی وقت میں بھی موںھ نہ موڑنا چاہیے۔ خود موت کے موںھ میں پھنس کر اگر دوسرے کو موت کے موںھ سے چھوڑانے کی کوشش نہ کی تو پھر مردانگی اور شجاعت کس کام کی۔

ضعیفوں اور بے کس بچوں کی خطرے کے وقت مدد کرنا عین انسانیت ہی ہمارے ملک میں بھی بہت سے بہادر لوگ ایسے ہیں جو دوسروں کے لیے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں۔ مگر انگریزوں کی قوم کے برابر کہیں نہیں ہیں۔ ہمارے

ملک میں خاص خاص قومیں بہادر و جری ہیں۔ مگر انگلستان میں ہر شخص اس معاملہ میں دلیر اور بہادر ہے۔ اگر جہاز والے اس موقع پر چاہتے تو خود اپنی جان بچا سکتے تھے اور سب مسافروں کو یونہی چھوڑ سکتے تھے۔ اپنی جان بچانا کوئی قانونی جرم نہیں ممکن تھا بعد میں ان لوگوں پر مقدمات قائم ہو کر کچھ خفیف سزائیں ہو جاتیں۔ مگر اِن لوگوں نے انسانیت کا فرض ادا کیا۔ آفریں صد آفریں۔

جہاز کے مسافر مردوں پر بھی صد آفریں ہے کہ اُنھوں نے اپنی اور غیر عورتوں کو جان بچانے کا موقع دیا۔ اور خود کشتیوں میں نہیں کود پڑے۔ اگر وہ چاہتے کود پڑتے اور ضعیف عورتیں اور بچے سب ڈوب کر مر جاتے۔ مگر اس سے بڑی بہادری اور کچھ نہیں کہ جبکہ اُن لوگوں کو اپنی جان بچانے کا موقع حاصل تھا تو اُنھوں نے دوسروں کی خاطر اپنے لیے موت خوشی سے گوارا کی

انسان مرا ہی کرتا ہے مگر ایسے ایسے کارناموں سے مرنے والوں کا نام رہ جاتا ہے۔

خاکسار

عبداللہ (اڈیٹر)

جاپان

پندرھواں باب

چائے خانے اور دیولیں

چائے خانے اور دیولیں جاپانیوں کے تصور میں ہمیشہ ایک ساتھ رہتے ہیں۔ جاپان میں جس جگہ دیول ہوگی اُسی کے برابر کوئی چائے خانہ بھی ضرور ہوگا

چائے خانے صرف دیولوں کی ہمسائگی تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ہر جگہ ان کی کثرت ہی۔ چائے خانے جاپان میں عام طور پر بڑی بڑی دعوتوں کے موقعوں پر بھی بہت کام آتے ہیں۔ ان کے مختلف درجے اور مختلف حیثیتیں ہوتی ہیں ایک چھوٹے سے پھوس کے کمرہ سے لیکر جس میں ہر وقت پانچ چھ مزدور پیشہ چائے پینے میں مصروف نظر آتے ہیں ایک بڑی عالیشان عمارت تک جو نہایت درجہ آراستہ ہوتی ہی اور جس کی چھت اور جسکا فرش نہایت خوشنما ہوتا ہی اور جس میں آبنوس کی اور سُہنے کی میزیں ہوتی ہیں۔ ہر طرح کا چائے خانہ جاپان میں موجود ہے۔

چائے خانہ میں صرف چائے ہی نہیں فروخت ہوتی ہی بلکہ آپ وہاں ٹھہر سکتے ہیں اور کھانا اور ناشتہ کھا سکتے ہیں۔ خصوصاً چھوٹے چھوٹے شہروں کے چائے خانے تو بالکل ہوٹلوں کے قائم مقام ہیں۔ اگر چائے خانوں میں صرف چائے فروخت ہوتی اور اس کے سوا وہاں کچھ اور نہ ملتا تو یقینی امر ہی کہ اہل یورپ وغیرہ کو وہاں بڑی تکلیف کا سامنا ہوتا۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہی کہ ان مقامات کی چائے مغربی مذاق میں نہایت درجہ بدذائقہ ہوتی ہی قیمت ادا کرنے کے بعد چائے خانہ والوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ نے چائے پی بھی یا نہیں۔ بڑی اچھی بات یہ ہی کہ دام زیادہ نہیں دینے پڑتے۔ صرف تین چار پیسہ کا جرمانہ داخل کر دیجیے جو چائے کی قیمت ہوتی ہی اور اپنا راستہ لیجیے۔

جب کوئی مسافر چائے خانہ میں داخل ہوتا ہی تو ملازم لڑکیاں جو موسمس کہلاتی ہیں اور جن کے لباس عموماً بھڑکیلے اور بہت سرخ ہوتے ہیں نہایت ادب کے ساتھ سلام کرتی ہیں۔ اگرچہ چائے خانہ بڑے شہروں سے دور دراز

کے مقام پر واقع ہو جہاں پرانی رسموں اور قدیم رواج پر بدستور عمل ہوتا ہے تو ملازم لڑکیاں مسافر کے سامنے زمین پر اپنی پیشانی ٹیک کر سجدہ کرتی ہیں اس کے بعد پھر چاے لانے کے لیے سب کی سب دوڑتی ہیں۔ جاپانی ملازموں کو جب کبھی ادب اور اطاعت کا اظہار کرنا ہوتا ہی تو وہ دوڑنے لگتے ہیں۔ اُن کی نظر میں چلنا لاپروائی اور بے ادبی کی علامت ہی۔ ایک چھوٹے سے چاے دان میں جسکو پکڑنے اور اٹھانے کے لیے کوئی دستہ نہیں ہوتا چاے لائی جاتی ہی۔ چاے دان کے ساتھ پانچ چھوٹی پیالیاں ہوتی ہیں اور یہ سب سامان ایک وارنشی کشتی میں رکھ کر لایا جاتا ہی۔ شکر یا دودھ تو ان کے ساتھ بالکل نہیں ہوتا اور چاے عموماً خشک گھاس کے رنگ کے ایک کڑوے عرق کی طرح ہوتی ہی جو غیر ممالک والوں کو خصوصاً نہایت درجہ ناگوار معلوم ہوتی ہی۔ لیکن اگر پیالی مونھ تک لیجا کر پھر رکھدی جاے اور کشتی میں تین سن رکھدیے جائیں تو کافی ہے۔ چاے خانے والے اس سے بالکل مطمئن اور راضی ہو جاتے ہیں۔

ہر اجنبی یا ملاقاتی کی چاے سے اسی طرح مدارات کرنے کی رسم جاپان میں بہت عام ہی۔ صرف چاے خانہ ہی میں اس تواضع کی توقع نہیں ہوتی بلکہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اس طرح کی مدارات بہت ضروری ہی۔ کسی دوست کے ہاں ملاقات کے لیے جائیے تو سب سے اول چاے کی پیالیاں پیش ہونگی۔ کسی اچھی دُکان میں خریداری کی غرض سے داخل ہوئے تو چاے کی متعدد چھوٹی پیالیوں سے تواضع کرنے کے بغیر معاملہ کا ذکر تک نہیں ہوتا۔ اگر خریدار کو بہت سا سامان خریدنا ہو تو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے چاے کے کئی دور ہو جاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص چاے سادہ نہ پسند کرتا ہو تو نمکین چیزیں ڈال کر اس میں ایک دوسرا ذائقہ پیدا کیا جاتا ہی۔ لیکن اس سے غیر ممالک کے باشندوں کی کوئی تشفی نہیں ہوتی۔ وہ تو دودہ اور شکر کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اگر کوئی رات بھر چاے خانہ میں ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو کاغذی پردوں کے ذریعہ ایک کمرہ تیار کیا جاتا ہی اور زمین پر ایک توشک اور ایک لحاف بچھا کر بستر درست کر دیا جاتا ہی۔ بس اسی قدر سامان چاے خانہ کی طرف سے کیا جاتا ہی۔ سیاح کو اسیر اکتفا کر کے پڑا رہنا پڑتا ہی یا بطور خود اپنی باقی ضروریات پوری کرنی پڑتی ہیں

بڑے بڑے شہروں میں اعلیٰ درجہ کے چاے خانے قابل بدضیافتوں اور جلسوں کے مرکز ہوتے ہیں۔ اگر کوئی جاپانی اپنے کسی دوست کو کھانے پر بلانا چاہے تو وہ اسپنے گھر پر آنے کی دعوت نہیں دیتا بلکہ کسی مشہور و معرف چائے خانہ میں بلاتا ہی۔ وہاں نہ صرف وہ تمام الوان نعمت اسکے لیے مہیا کیے جاتے ہیں جو جاپانی کھانوں کی جان ہیں بلکہ ناچنے والی لڑکیاں بھی بلائی جاتی ہیں جنکو جاپان میں گی شا کہتے ہیں۔ یہ لڑکیاں ناچ اور گا کر مہمانوں کو بہت محظوظ کرتی ہیں۔

کسی دوسرے ملک کا باشندہ جب اس طرح اپنے کسی جاپانی آشنا کی دعوت میں بلایا جاتا ہی تو اُسکو ہر چیز بالکل عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے اور اُسے کچھ کم مشکلات کا سامنا نہیں ہوتا۔ چاے خانہ کے دروازہ پر اسکے جوتے نکال دیئے جاتے ہیں اور وہ اب فرش پر چل کر ایک جگہ پہونچتا اور زمین پر بیٹھتا ہی۔ کئی گھنٹوں تک ایک ہی حالت میں زمین پر بیٹھے بیٹھے اس کے پاؤں اکڑ جاتے ہیں اور اب سوا اسکے کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی پیٹھ دیوار سے لگا کر اپنی ٹانگیں سامنے پھیلا دے۔ اس طرح البتہ کسی قدر آرام

مل جاتا ہے۔
کھانے کے وقت بعض دفعہ ایک چھوٹی سی میز رکھی جاتی ہے جو تقریباً ایک فٹ سے زیادہ اونچی نہیں ہوتی۔ اگر میز ہو بھی تو نہ میز پوش ہوتا ہے نہ گلاس ہوتی ہیں نہ چاقو نہ کانٹے نہ چمچے اور نہ کھانے کے رومال ہوتے ہیں۔ بیچارے نووارد کو صرف بانس کی دو کاڑیوں سے کھانا کھانا پڑتا ہے۔ جب یہ کاڑیاں اس کے سامنے رکھی جاتی ہیں تو دونوں کے سرے آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اسوقت تک ان کاڑیوں کو استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ غریب سیاح ان دونوں کو الگ کرنے کے بعد بہت حیرانی کے ساتھ غور کرنے لگتا ہے کہ کس طرح غذا ان کاڑیوں کے ذریعہ موھنہ تک پہونچانے میں وہ کامیاب ہوگا۔
کھانا اس طرح شروع ہوتا ہے کہ سب سے پہلے موزمس ہر مہمان کو آداب بجا لاکر ہر ایک کے سامنے چائے پیش کرتی ہیں۔ اس موقع پر ہر خادمہ اپنا بہترین لباس پہنے ہوتی ہے اور ہر ایک کے نہایت ہی خوشنما چوڑا چکلا پٹکہ کمر سے بندھا ہوتا ہے۔ چائے کے بعد چھوٹے خوبصورت سفید رنگ کے ٹکلکے لائے جاتے ہیں جنکو لوبیا کے آٹے شکر اور شہد سے بنایا جاتا ہے۔ اس کے بعد متعدد مختلف کھانوں کی باری آتی ہے جو اکٹھے لائے جاتے ہیں اور ان کی دو دو تین تین رکابیاں ہر ایک مہمان کے سامنے رکھدی جاتی ہیں۔ ان رکابیوں میں عموماً سوکھی مچھلی کے کوفتے بدبودار شوربے میں تیرتے ہوئے گھونگھے اور اُبلے ہوئے کنول کے بیج ہوتے ہیں۔ جاپان کی ان لذیذ نعمتوں کو حلق سے اتارنے کے لیے ساکی یعنی چانولوں کی شراب کی ایک بوتل بھی رکھدی جاتی ہے۔

بد قسمت سیاح جلدی جلدی ان میں سے ایک کے بعد دوسری چیز چکھتا ہی اور ایک سے زیادہ دوسری کو بدمزہ پاکر سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں دیکھتا کہ کھانے کے دوسرے دور کا انتظار کرے۔ خدا خدا کرکے دوسرے دور کی نوبت آتی ہی اور اس میں ایک عجیب و غریب بیش بہا نعمت لائی جاتی ہی یہ بالکل ادھ کچی اور کسی قدر زندہ مچھلیاں ہوتی ہیں جنکو شوربے اور چٹنی میں ڈبو کر نگل لیا جاتا ہی۔ اس کے بعد چاول آتے ہیں۔ اب بانس کی کاڑیوں کا نہایت ہی انوکھا قابل دید کام شروع ہوتا ہی۔ بانس یا ہاتھی دانت کی کاڑیوں سے جاپانی بہت حیرت انگیز تیزی اور پھرتی کے ساتھ چاول کے دانے اپنے موںھ میں داخل کرتے ہیں۔ لیکن بیچارہ غریب مہمان پورے پانچ منٹ کی سخت کوشش و مشقت کے بعد چاول کا صرف ایک دانہ اپنے موںھ تک پہونچاتا ہی اور اسکے بعد مجبور ہو جاتا ہی کہ چمچہ کی درخواست کرے۔

اس کے بعد کے دور میں مچھلی کا شوربہ۔ اُبلی ہوئی مچھلی اور آلو آتے ہیں مچھلی میں عجیب و غریب بو ہوتی ہی اور آلو میٹھے ہوتے ہیں۔ شکر کا بہت گاڑھا شیرہ بناکر اس میں ان آلوؤں کو خوب تر کیا جاتا ہی۔ انکے بعد سمندر کی نباتات کے شوربے اور نہایت بدبودار خام ڈائکن مولی کی باری آتی ہی جس کے ساتھ مختلف چٹنیاں اور اچار بھی ہوتے ہیں۔

جو چیزیں الگ لائی جاتی ہیں ان میں ایک رکابی کشمش کی بھی ہوتی ہی جو بظاہر بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہی۔ نو وارد مہمان بے صبری کے ساتھ بہت جلدی سے ایک دانہ اُٹھاکر موںھ میں ڈال لیتا ہی۔ لیکن کشمش کے موںھ میں جانیکے ساتھ ہی بیچارا پریشان ہو جاتا ہی کیونکہ یہ نمک کے پانی میں سکھائی ہوئی ہوتی ہی اور بے انتہا نمکین چٹنی سے بھی زیادہ شور ہوتی ہی۔

غرض یکے بعد دیگرے ان تمام نعمتوں کو پیش ہوتے دیکھ کر بیچارا نو وارد مہمان
بہت مایوس ہوتا ہے اور دل ہی دل میں کہنے لگتا ہے کہ کھانوں کی تو کوئی کمی
نہیں ہے لیکن افسوس ایک ریزہ بھی ان میں سے میرے کام کا نہیں۔
کھانا ختم ہونے کے بعد ناچنے اور گانے کے لیے گئی شا، (رقاصہ)
ریشم اور زربفت کے نہایت خوبصورت لباس میں آتی ہیں۔ اجنبیوں کو سمیں
کوئی لطف نہیں ملتا۔ بہت جلد وہ ان تماشوں سے اکتا جاتے ہیں۔ رقاصہ
(گئی شا) کا چہرہ سفوف کے ذریعہ سفید کیا ہوا ہوتا ہے اور اسکے ہونٹ
بہت شوخ سرخ رنگ سے رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ سر کے بال بہت
نزاکت اور اہتمام سے سنوارے اور انواع و اقسام کے زیور سے لدے ہوئے
ہوتے ہیں۔ وہ ایک قسم کا ستار لیکر بیٹھ جاتی ہے جسکو سامی سن کہتے ہیں
اور گانا شروع کر دیتی ہے۔ اسکے راگ میں نہ کوئی لے ہوتی ہے نہ ہم آہنگی نہ
شیرینی۔ غیر ممالک والوں کے کانوں کے واسطے ان کا گانا بالکل بے ہنگم
اور نہایت غیر موزوں ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا ماتم ہو رہا ہے۔ رقص
میں عجیب و غریب اشارے اور حرکتیں ہوتی ہیں۔ پنکھوں کے ذریعہ بہت زیادہ
رقص کا کمال ظاہر کیا جاتا ہے۔

جب بیچارہ مسافر اس طول طویل اور تھکا ڈالنے والی ضیافت کو
ختم کر کے اپنے قیام گاہ کو روانہ ہونے لگتا ہے تو اس غریب کو معلوم ہوتا ہے
کہ ابھی اس نے اپنا کھانا پورا ختم نہیں کیا ہے۔ گاڑی کی طرف جاتے ہوئے
اس کی ان موزمس سے مڈبھیڑ ہوتی ہے جو کھانے کے وقت اس کی سربراہی
کرتی رہی تھیں۔ موزمس سفید چوڑے ڈبوں سے مہمان کے ہاتھ بھرتی
ہیں جن میں اس بیچارے کے سامنے کا بچا ہوا کھانا رہتا ہے۔ جاپان کے

قانون تہذیب میں یہ داخل ہے کہ ضیافت میں اپنا بچا ہوا کھانا ساتھ گھر لے جایا جائے۔

سید خورشید علی
حیدرآباد۔ دکن

دہلی گرلز اسکول

مجوزہ

علیاحضرت جناب بیگم صاحبہ والی بھوپال

ذیل میں ہم وہ تجویز شائع کرتے ہیں جو ہر ہائنس حضور بیگم صاحبہ بھوپال نے ہمارے پاس بھیجی تھی۔ اور جو پائنیر وغیرہ اخبارات میں شائع ہو چکی ہے

اڈیٹر

گزشتہ دسمبر میں ہز مجسٹی کے ورود سعید سے ہندوستان پر جس خیر و برکات کا نزول ہوا ہے اور اہل ہند نے جس پر لطف اور دلچسپ منظر کا مشاہدہ کیا ہے نہ اس کی مثال تاریخ عالم کے اوراق پر نظر آتی ہے اور نہ کبھی وہ پُر مسرت کیفیت دلوں سے محو ہو سکتی ہے۔ اس مبارک موقع پر ہر مجسٹی کوئین میری کی تشریف آوری کا جو خاص احسان مستورات ہند پر ہے وہ اور بھی باعتبار اپنے اثرات کے گراں قدر ہے اور اس سے وہ حسرت جاتی رہی جو ہندوستان کے پردہ سسٹم اور طریقہ معاشرت کی وجہ سے ایک صنف کے دل میں رہجاتی۔ ہر مجسٹی نے جس طرح اپنے صنف کے ساتھ عنایات والطاف کا اظہار

کیا ہی۔ اس نے ایک مخصوص اثر ہمارے دلوں پر قائم کردیا ہی۔ جہانتک میں خیال کرتی ہوں۔ ماسوا اور اغراض سفر ہند کے ہر مجسٹی کے اس سفر کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ وہ مستورات ہند کی حالت سے ذاتی طور پر واقفیت حاصل کریں جیسا کہ حضور ممدوحہ نے خواتین بمبئی کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا تھا

اس سفر میں میری اغراض میں سے ایک خاص غرض یہ بھی تھی کہ جہانتک ممکن ہو میں اپنی ہندوستانی بہنوں کو اپنی آنکھ سے دیکھوں کیونکہ میں یقین کرتی ہوں کہ جسقدر زیادہ اصلی حالت میں ان کی زندگی کا مشاہدہ کرونگی۔ اسی قدر زیادہ آپ کے اچھے اوصاف اور خوبیوں کی قدرومنزلت میرے دل میں ہوگی۔ جن اوصاف کے لیے کہ ہندوستانی عورتیں مشہور ہیں۔ اگر میرا یہ خیال جو کہ اسقدر خوشنما اور مستقل ہی اور اس سفر میں پورا ہوگیا تو آپ کے ایڈریس کے الفاظ میں میں یقیناً ایک عمدہ یادگار اور ہمدردی کے اچھے خیالات لیجاؤں گی۔ جو کہ ہم کو اور آپ کو دوامی اتحاد میں مضبوط کرینگے۔

بلاشبہ ہر مجسٹی نے اپنی غرض کی تکمیل فرمائی۔

معزز خواتین کو مدعو کرکے ملاقات کی اور پھر ایک پردہ پارٹی منعقد کی۔ تاکہ دوبارہ خواتین کو شرف حضوری حاصل ہو۔ اور اُس جلسہ میں ایسے محبت آمیز الفاظ اپنی زبان مبارک سے فرمائے جو دراصل حضور ممدوحہ کے اُن جذبات شفقت کے جو اپنی جنس کے ساتھ ہیں۔ ترجمان حقیقت تھے۔

ان نادر مواقع کے حاصل ہونے سے تمام عورتوں کے دلوں پر ہر مجسٹی کی محبت کا ایک مضبوط اور دائمی اثر قائم ہوگیا ہی اور میں اس صنف کی ایک فرد ہوں مگر مردوں کی صنف میں بھی میری جگہ موجود ہی۔ اور دونوں موقعوں کے

اثرات سے متاثر اور برکات سے متمتع ہوئی ہوں۔ ہندوستان کی تمام عالم نسواں کی طرف سے بلاخوف تردید کہہ سکتی ہوں کہ کوئن امپرس کا مستورات ہند کے ساتھ اس درجہ دلچسپی اور شفقت کا اظہار سیاحت شہنشاہی کے مقصد کی ایک اعلیٰ تکمیل تھی۔

تشریف آوری ہر مجسٹی کوئن میری کے متعلق مجکو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگرچہ یہ تمام دل خوشکن واقعات جو ظہور پذیر ہو رہے ہیں بجائے خود ایک مستحکم یادگار ہیں جو اوراق تاریخ پر اپنی جلوہ آرائی کر کے اس زمانہ کے واقعات کا شاندار مرقع پیش کرینگے۔ لیکن پُرجوش جذبات کا یہی مقتضا ہے کہ اہل ہند کی جانب سے مفید عام یادگاروں کا سلسلہ جس سے عامہ خلائق کو دائمی نفع ہو قائم کیا جائے اور بالخصوص اس خاص وقت اور حالت کی یادگار صنف نسواں کی طرف سے ہو اور مہربان و نیک دل ملکہ کے نام نامی سے منسوب کی جائے اور وہ یادگار صنف نسواں کے ہی فائدہ کے لیے اُسی شہر میں قائم ہو جسکو ہر مجسٹیز کے قدوم میمنت لزوم سے اپنی قدیم عظمت سے اعلیٰ تر عظمت حاصل ہو گئی ہے۔ میں نے ایسی یادگار قائم کیے جانے کے ساتھ ہی اس امر پر بھی غور کیا کہ یہ یادگار کس شکل میں ہو۔

میں نے کامل غور کے بعد یہ رائے قائم کی کہ عورتوں کی تعلیمی انسٹیٹیوشن سے بہتر اور مفید تر اسوقت کوئی دوسری یادگار نہیں ہو سکتی کیونکہ عورتوں کی تعلیم ہی ملکی ترقی کا ذریعہ اور قومی تہذیب کا وسیلہ ہے۔

اور انہی کی تعلیم پر مردوں کی عمدہ تعلیم اور تربیت کا انحصار ہے۔ اور یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہر شخص کے نزدیک سے طے شدہ اور مسلمہ ہے۔ اور اس میں کسی کو کسی اختلاف کی گنجایش نہیں ہے۔

جب میں نے اپنی تجویز کے تمام پہلوؤں پر نظر کی تو اپنے گزشتہ سفر
کلکتہ میں لیڈی ہارڈنگ کی خدمت میں اسکا اظہار کیا اور محترم لیڈی نے جنکو
ہمیشہ ہندوستانی عورتوں کی بہبودی سے دلچسپی ہے نہایت غور سے سُنا اور
اپنی اور جناب وائسرائے بہادر کی طرف سے اظہار قلبی ہمدردی فرمایا
اور میری رائے کی ہر طرح تائید فرمائی۔

کلکتہ سے واپسی پر میں ڈیلی کالج کونسل میں شرکت کی غرض سے اندور گئی
تاکہ اُن تجاویز میں حصہ لوں جو رؤسا کے تعلیمی مسائل سے متعلق ہیں۔ اور جن پر
کونسل میں غور و بحث ہوتی رہتی ہے۔ میرا سفر اندور خاص طور پر مبارک ثابت
ہوا۔ اوّل تو مجھے رئیس زادوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی کے مجوزہ کالج
کی خبر پاکر خوشی ہوئی کیونکہ میں رؤسا کی علیحدہ یونیورسٹی کے لیے عرصہ سے
خواہاں و کوشاں ہوں اور دوسرے مجکو یہ موقع ملا کہ میں اپنے انگریز دوستوں
اور اپنے برادر رؤسا کے ساتھ اپنی مجوزہ عورتوں کے تعلیمی انسٹیٹیوشن کے
معاملہ پر گفتگو کر سکوں۔

رؤسا کی جماعت میں میں نے اپنے بہت سے دوستوں سے اُس پیغام
کا تذکرہ کیا جو میں اُن کی مہارانیوں، رانیوں اور بیگمات کے لیے لیکر گئی تھی
اور جس میں ان کی امداد اور دلچسپی کی خواہش کا میں نے اظہار کیا تھا۔ مجکو
اس سے خوشی ہوئی کہ مجکو بہت سے جوابات دل خوش کن ملے۔

مجکو علم ہے کہ ہمارے ملک کی رانیوں اور بیگموں میں فیاضی کے کیسے نمایاں
صفات ہیں اور اُن کی حوصلہ مندیوں نے ملک کو کس قدر فوائد کثیر
پہونچائے ہیں۔

تمثیلاً بیگم صاحبہ بہاولپور کا بیش بہا عطیہ ندوہ کو ابھی چند روز کی

مثال ہے۔

میں یقین کرتی ہوں کہ اپنی جنس کی تعلیم کی طرف بھی ایسی فیاضی اور عالی حوصلگی سے توجہ کی جائیگی۔ کیونکہ تعلیمی اسباب و وسائل کا مہیا کرنا سب سے زیادہ نیکی اور خیر کا کام ہے۔ خصوصاً اس صنف کے لیے جو تعلیم میں بہت پیچھے ہے اور بغیر تعلیم کے جس کی ہستی ہستی انسانی کے برابر نہیں سمجھی جاتی حالانکہ وہ مردوں کی زندگی اور ہستی کی سہیم و شریک ہے۔

اسوقت مردوں اور عورتوں کی جو دنیا کی گاڑی کھینچنے کی مساوی طاقت ہیں بالکل یہ حالت ہے کہ ایک پہیہ تو ربڑ ٹائر بنایا جا رہا ہے اور دوسرا وہی چھکڑے کا چوبی اور بھدا پہیہ ہے جو آج سے دو سو برس پہلے تھا۔ پس ہم کو خود اپنی جنس کے لیے اپنی طاقت اور ثروت کو کام میں لانا چاہیے۔ چونکہ میں خود عورت ہوں اسلیے فطرتی طور پر میرا دل عورتوں کی عمدہ تعلیم کو چاہتا ہے اور اسی لیے اپنی عزیز ملکہ کی یادگار اسی شکل میں دیکھنا سب سے زیادہ بہتر سمجھتی ہوں۔

میری تجویز یہ ہے کہ دارالسلطنت دہلی میں صرف عورتوں کی عمدہ تعلیم و تربیت کے لیے ایک اسکول قائم کیا جائے جو ہر قسم کے سامان اور ذرائع تعلیم سے مکمل اور دیگر حصص ہند کے لیے بطور نمونہ ہو۔

اسکے طالبات جب فارغ التحصیل ہو کر نکلیں تو وہ ایسی خواتین ہوں جو صفات نسوانی کی تمام خوبیوں کے ساتھ زیور تعلیم سے کامل آراستہ ہوں میرے خیال میں ابتدائی کام شروع کرنے کے لیے بارہ لاکھ روپیہ کافی ہوگا جس میں سے چار لاکھ روپیہ عمارات وغیرہ پر صرف ہوگا۔

اس عمارت میں ایسا انتظام ہوگا کہ امرا و غربا دونوں فریق کی لڑکیاں

اپنی ضرور ریاست کے لائق علیحدہ علیحدہ تعلیم پا سکیں - اور آٹھ لاکھ روپیہ انڈومنٹ فنڈ کے واسطے رہیگا -

میں اس کی مفصل اسکیم پر غور کر رہی ہوں جو بہت جلد طیار ہوگی. جو لوگ اس کے دلی معاون ہوکر طلب فرمائینگے اُن کے نزدیک بھیجی جائے گی - میں اس تجویز کے متعلق جو سوالات کیے جائینگے اُنکے جوابات دینے کے لیے ہر وقت خوشی سے آمادہ ہوں -

میری ہندوستانی بہنو! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپکے تعلیمی معاملات میں حتی الامکان مالی و دماغی امداد جان و دل سے دینے کو ہر وقت تیار ہوں -

چونکہ ہر تجویز کے متعلق یہ اصول ہی کہ اپنے قریب تر لوگوں سے رائے حاصل کرنی چاہیے اور خود عملی حصہ لیکر دکھلانا چاہیے - لہذا میں نے اپنی بہوؤں کے سامنے اس تجویز کو پیش کیا - اُنھوں نے نہایت خوشی اور جوش سے تائید کی - اور مجھے امداد دینے کو تیار ہوگئیں - میری بڑی دونوں بہوؤں نے سات سات ہزار اور سب سے چھوٹی بہو نے پانچ ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے -

میں اپنی جیب خاص سے ۲۰۰۰۰ اور خزانۂ ریاست سے بالفعل ایک لاکھ روپیہ دینے کو تیار ہوں - مجھے یقین ہی کہ اس تجویز پر ملک کی رانیاں اور بیگمات و معزز خواتین اچھی طرح غور فرمائینگی اور علیا حضرت قیصر ہند کی تشریف آوری اور اُنکے اخلاق و محبت کی یادگار میں اُنکے نام نامی سے موسوم کر کے اس مفید اور تعلیمی انسٹیٹیوشن کو قائم کرنے میں اپنی فیاضی و حوصلہ مندی کا ثبوت دینگی -

ا۔ یہ تجویز جب ہمارے پاس آئی تو ہم کو یہ محسوس ہوا کہ پڑھنے والوں کو اس سے حضور عالیہ کے اصلی مقصد سے کما حقہ واقفیت نہیں ہو سکتی کیونکہ چند امور صراحت طلب ہیں اور حضور عالیہ نے خود اپنی اسکیم میں اجازت دی ہے کہ اگر کوئی کسی معاملہ میں مزید حالات دریافت کرنا چاہے تو حضور ممدوحہ خوشی سے جواب باصواب سے شرف بخشیں گی۔

ہم نے حسب ذیل سوالات حضور عالیہ کی خدمت عالی میں بذریعۂ پرائیویٹ سکرٹری صاحب کے ارسال کیے۔

سوالات

(۱) تعلیمی زبان کیا ہوگی (۲) نصاب تعلیم کیا ہوگا (۳) آیا بورڈنگ ہوس بھی ہوگا (۴) آیا استانیاں بھی تیار کیجاویں گی یا صرف لڑکیوں کی تعلیم کا اسکول ہوگا (۵) مذہبی تعلیم کا کیا انتظام ہوگا اور سب اقوام کے لیے مذہبی تعلیم کا انتظام ہوگا یا نہیں (۶) اگر بورڈنگ ہوس ہوگا تو اخراجات کا کیا اندازہ ہوگا (۷) منتظمین کمیٹی کی کیا ترکیب ہوگی (۸) بڑے رؤسا اور متوسط درجہ کی اور غربا کی لڑکیاں ایک ہی انتظام کے تحت میں رکھی جائینگی یا کیا ہوگا (۹) عیسائی اور اکثر ہندو اور پارسی اور سکھ وغیرہ پردہ نہیں کرتے اور مسلمان پردہ کرتے ہیں کیا مدرسہ اور بورڈنگ ہوس میں پردہ سب کے لیے لازمی ہوگا یا کیا؟

ان سوالات کا جواب حسب ذیل تحریر کے ذریعہ سے ہمارے پاس آیا ہے۔

یہ خط اڈیٹر خاتون کے نام ملٹری سکرٹری صاحب کا ہے جس میں حضور عالیہ کے جوابات شامل ہیں۔

خط ملٹری سکرٹری صاحب معہ جوابات

مکرم و معظم بندہ

تسلیم۔ جناب کا عنایت نامہ مورخہ ۳، اپریل موسومہ جناب پرائیویٹ سکرٹری صاحب دربارہ اسکیم متعلق گرلس اسکول دہلی موصول ہوا۔

حضور سرکار عالیہ کو اس سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ ان کی تجویز کے دلی معاون ہیں اور نیز علیگڈھ کے حضرات کو بالعموم ان کی تجویز سے اتفاق ہے۔

جناب نے اس تجویز کے متعلق **کامریڈ** کا ریمارک بھی ملاحظہ کیا ہوگا پرچۂ مذکور کی راے میں نارمل سکول کی ہی صورت میں حضور عالیہ کی تجویز زیادہ کامیاب ہوسکتی ہے۔ حضور سرکار عالیہ ممنون ہونگی اگر جناب اس ضروری مسئلہ پر نواب وقار الملک صاحب بہادر، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب اور اپنی قیمتی راے سے مطلع فرمائینگے۔ حضور سرکار عالیہ کا ذاتی خیال اس اسکول کو نارمل سکول بنانے کا نہیں ہے۔ بلکہ حضور عالیہ خیال فرماتی ہیں کہ نارمل سکول کی پاس شدہ استانیاں مجوزہ سکول میں اچھی طرح سے کام آئینگی۔ حضور عالیہ یہ دریافت فرماتی ہیں کہ آیا جناب کی اور نواب صاحب اور صاحبزادہ صاحب کی راے میں یہ ناممکن ہوگا کہ سو، ڈیڑھ سو طالبات ایک اسکول میں ریزیڈنشل طریقہ پر رہ سکیں۔

جناب کے سوالات کا جواب ذیل میں عرض کرتا ہوں

۱- تعلیمی زبان اُردو ہندی ہوگی۔ انتہائی مدارج میں انگریزی کی تعلیم ہوگی مگر اس کے تعلیمی زبان کے درجہ تک پہونچنے کی فی الحال امید نہیں۔

۲- نصاب تعلیم خواہ کسی یونیورسٹی کا ہو۔ خواہ وہ ہو جو حضور سرکار عالیہ نے تجویز فرمایا ہے اور خواہ کوئی اور نصاب تجویز کیا جائے بہر نوع قریباً دس سال کی تعلیم ہو اور وہ تمام مضامین ہوں جو عورات کے لیے ضروری ہیں۔ اس مسئلہ پر حضور عالیہ کو کثرت رائے پر کاربند ہونے میں اعتراض نہ ہوگا۔

۳- بورڈنگ ہوس ضرور ہوگا۔ فی الحال ایک سو بیس طالبات کے لیے عمارت تیار کیجائے۔

۴- حضور عالیہ کا بڑا مقصد تو لڑکیوں کی تعلیم ہے یہ ظاہر ہے کہ تعلیم کی تکمیل کے بعد بعض طالبات اس قسم کی ضرور نکل سکیں گی جو موزوں اُستانیاں بن سکیں گی۔ مگر اگر آپ صاحبان یہ قرار دیں کہ علیگڑھ کا مدرسہ نارمل سکول کے فرائض ادا کرے اور حضور عالیہ کا تجویز کردہ مدرسہ فقط تعلیم کے لیے ہو تو حضور عالیہ اس رائے کو خوشی سے قبول فرمائینگی

۵- مذہبی تعلیم ضرور ہوگی۔ اسوقت تو حضور عالیہ اہل اسلام و اہل ہنود کی تعلیم کے وسائل کا تخمینہ فرما رہی ہیں۔ آگے جیسی آپ صاحبان کی رائے ہو اس میں ایزادی کیجائے۔ مگر دینیات کی تعلیم حضور عالیہ کی رائے میں بہت ضروری ہے۔

۶- اس مسودہ تجویز کی رو سے جو دس سال کی تعلیم کے لیے اور

ایک سو میں طالبات کی بورڈنگ ہاؤس میں رہائش کے متعلق حضور عالیہ نے تیار فرمایا ہے۔ کل سالانہ اخراجات پچاس ہزار ہوتے ہیں۔ مگر یہ مسودہ جناب کے اور نواب صاحب موصوف و صاحبزادہ صاحب کے مشورہ کا محتاج ہے۔ حضور عالیہ دوسرا مسودہ تیار فرما رہی ہیں اور وہ عنقریب خدمت والا میں روانہ ہوگا۔ دس سال کی تعلیم کے لیے ایک پرنسپل، ایک وائس پرنسپل اور ۱۷ استانیوں کا سرکار عالیہ نے اندازہ کیا ہے۔ زیادہ تمام تفصیل مسودہ مذکور سے جناب کو معلوم ہو جائے گی۔

۷- منتظمین کمیٹی کی ترتیب کے متعلق ابھی سے رائے قائم کرنا حضور عالیہ کے خیال میں کسی قدر پیش از وقت ہے۔ کیونکہ اس میں چندہ دہندگان کی رائے کا تناسب مقدار چندہ ضرور خیال کرنا ہوگا۔ بہرنوع حضور عالیہ علیگڈھ کے اصحاب سے اس امر میں ضرور مشورہ فرمائینگی۔

۸- امراء اور غربا کی لڑکیوں کو ایک ہی انتظام کے تحت میں رکھنے کا حضور عالیہ کا خیال نہیں ہے۔ بلکہ علیحدہ ہونگے۔ تعلیم بھی علیحدہ ہو تو بہتر ہو زیادہ غریب لڑکیاں اگر صنعت و حرفت میڈ وغیرہ کا کام یا اور اس قسم کی موزوں تعلیم کی طرف مائل کیجائیں تو بہتر ہے اور اس تعلیم کا بھی سکول مذکور میں انتظام کیا جائے۔

۹- مدرسہ کی حدود کے اندر پردہ کا تمام انتظام ہوگا اور عمارت مدرسہ و بورڈنگ باغ میں اس امر کو ملحوظ رکھا جائیگا۔ مدرسہ کی حدود کے باہر جو طالبات کہ پردہ کی عادی نہیں ہیں پردہ نہ کریں۔ مگر اندرون حدود جب پردے کے تمام وسائل ہونگے تو ایسے طالبات کی اور باپردہ لڑکیوں کی آمیزشش ہر طرح آرام و آسانی کے ساتھ ہوگی اور کسی قسم کی مشکلات پیدا

ہونے کا حضور عالیہ کو خوف نہیں ۔

حضور عالیہ فرماتی ہیں کہ میری تمام آرا، آپ صاحبان کی رائے کی محتاج ہیں اور میں قدم قدم پر اہل الرائے اصحاب سے مشورہ کرنا چاہتی ہوں ۔

حضور سرکار عالیہ خاص طور پر ہدایت فرماتی ہیں کہ جناب کی دلچسپی کا جو ان سوالات سے ظاہر ہی اُن کی جانب سے شکریہ ادا کروں اور یہ تحریر کروں کہ اس قومی کام میں حضور عالیہ کو پوری امداد دے کر مشکور کیجیے ۔

مخلص

محمد عبد الصمد خاں

ملیٹری سکرٹری

ہمارے سوالات اور حضور عالیہ کی جانب سے جو جوابات شائع کیے جاتے ہیں اُنسے اب اسکیم میں کوئی بات محتاج مزید دریافت کی نہیں رہتی ۔

حضور عالیہ ایک ایسا مدرسہ تجویز فرماتی ہیں جس میں ہر قوم و ملت کی لڑکیاں بورڈروں کے طور پر ایک مقام پر رہ کر تعلیم حاصل کر سکیں ۔

حضور عالیہ اس میں غریب اور امیر کی تو قید نہیں لگاتی ہیں مگر امرا و غربا کا انتظام علیحدہ علیحدہ فرمانے کا خیال ہی ۔

امرا و غربا کا ایسا سوال نہیں ہی کہ آسانی سے اس کے متعلق کوئی کوئی رائے دیسکے ۔

حضور عالیہ نہایت فراخ دلی سے اپنی مجوزہ اسکیم کو اہل الرائے حضرات کے مشورہ کا محتاج تصور فرماتی ہیں ۔ اب یہ بات اہل الرائے کے فیصلہ پر منحصر ہوگی کہ آیا وہ امرا، وغربا کو ایک ہی انتظام میں رکھنے کی رائے دیتے ہیں یا کہ اس مدرسہ کو بڑے بڑے امرا، درلاج کماریوں و حکمران خاندانوں کی لڑکیوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں ۔

جناب ہز ہائنس مہاراجہ صاحب بھرتپور کی والدہ صاحبہ نے بذریعہ ایک کھلے سوال کے جو پانیر میں چھپا ہے حضور عالیہ سے دریافت فرمایا ہے کہ آیا یہ اسکول بطور ایک چیف کالج یا اسکول کے اعلیٰ خاندانوں کے لڑکیوں کے لیے ہوگا یا بلا امتیاز ہر طبقے کی لڑکیاں تعلیم پا سکیں گی ۔

ہمارے نزدیک امرا، وغربا دونوں کو تعلیم کی ضرورت ہے ۔ دونوں ملک کے لیے اپنے کو مفید بنا سکتے ہیں ۔ مگر امرا، کو فوائد پہونچانے کے بہت زیادہ وسائل حاصل ہو سکتے ہیں اور اگر ہمارے حکمراں خاندانوں کی لڑکیاں تعلیم حاصل کر کے اپنے اپنے دائرہ اثر کے اندر تعلیم کی روشنی پھیلانا چاہیں تو ملک میں سے بہت جلد تاریکی دور ہو سکتی ہے ۔ کوئی مدرسہ تو ایسا ہو جس میں صرف امرا کی لڑکیاں تعلیم حاصل کر سکیں ۔

اگر بلا امتیاز سب طبقات کی لڑکیوں کے لیے کوئی مدرسہ جاری ہوا تو ہم کو یقین کامل ہے کہ اعلیٰ طبقے کی لڑکیاں اور بالخصوص دیسی ریاستوں کے حکمراں خاندانوں کی لڑکیاں کبھی اس اسکول میں داخل ہونا پسند نہ کرینگی خود حضور عالیہ کا منشا بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ امرا کی لڑکیوں کے لیے تو زیادہ تعلیم کا انتظام ہو اور غربا کی لڑکیوں کو صنعت و حرفت سکھائی جائے ہم اس خیال کو ایک ممکن العمل خیال سمجھ کر اسکی تائید کرتے ہیں ۔

اخبار کامرئیڈ کلکتہ نے ایک نوٹ تو اول اسکیم کے شائع ہوتے ہی لکھا تھا جسکا حوالہ ملیٹری سکرٹری صاحب کے خط میں ہی اور پھر اس کے بعد ایک دوسرا نوٹ بھی شائع کیا ہی۔ دونوں کا لب لباب یہ ہے کہ اگر کوئی مدرسہ ہو تو بطور نارمل اسکول کے ہو۔ معمولی تعلیم کا مدرسہ نہ ہو۔

حضور عالیہ کو کامرئیڈ کی اس رائے سے اختلاف ہی۔ اور ہم بھی کامرئیڈ کی رائے سے قطعاً اختلاف کرتے ہیں۔ اُدہر کامرئیڈ کا محض ایک ذاتی خیال معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مدرسے موزوں نہیں ہو سکتے۔

ہم اپنی محسنہ حضرت علیا جناب بیگم صاحبہ کو یقین دلاتے ہیں کہ تعلیم نسواں کے حامیوں کے دلوں میں جو سچا اعتراف حضور عالیہ کی ہمدردی و احسانات کا ہی اس میں کسی اخبار کی مخالفت سے کوئی فرق نہیں آسکتا اور جو اخبارات آج مخالفت کرینگے وہ کل خود تجربہ کے بعد اپنی غلطی پر افسوس کرینگے کہ اُنھوں نے زمانہ کی رفتار کے خلاف اپنی آواز بلند کی تھی۔

اخبار کامرئیڈ کے علاوہ اخبار سول وملیٹری گزٹ لاہور نے بھی ایک نوٹ لکھا ہی جس میں اُس نے گو اصل اسکیم کی تو مخالفت نہیں کی مگر اسکا یہ اعتراض ہی کہ پنجاب میں پہلے ہی سے ایک کوین میری گرل اسکول موجود ہی جس میں حضور ملکہ معظمہ بہت دلچسپی لیتی ہیں اور وہ انہیں کی یادگار میں قائم ہوا ہے۔ اب اُسی صوبہ میں دوسرا اسکول یا کالج اُسی نام کا اور اُسی ملکہ کی یادگار میں مناسب نہیں ہی۔

حضور عالیہ نے غالباً اس نوٹ کو پڑھکر اسکے متعلق خود کوئی مناسب

رائے قائم کی ہوگی۔

اب حضور عالیہ کے دوسرے مسودے کا ہم کو انتظار ہی جسکا ہم سے وعدہ ہی اور جس کے آنے پر ہم اس اسکیم کے متعلق زیادہ صراحت سے لکھ سکیں گے۔

(اڈیٹر)

زنانہ اسکول علی گڈہ

جس دن ہم مدرسہ دیکھنا چاہتے تھے اتفاق سے وہ چھٹی کا دن تھا لیکن جناب شیخ عبداللہ صاحب نے بکمال مہربانی خاصکر ہمارے لیے دوپہر سے مدرسہ کو کھولدیا۔ چالیس پینتالیس لڑکیاں جمع ہوئی تھیں۔ دو بجے ہم مدرسہ میں پہونچے جو فی الحال ایک چھوٹے سے کرایہ کے مکان میں قائم ہے۔ پردہ کا معقول انتظام ہی۔ لڑکیوں کے لیے اسکول سے ڈولیاں جاتی ہیں جن کے ہمراہ ایک ملازمہ عورت بھیجی جاتی ہی واپسی میں بھی یہی عورت اُنہیں گھروں کو پہونچا آتی ہی۔ اُستانیاں سب لڑکیوں کو مدرسے سے اپنے اپنے گھروں کو بھیجکر آپ جاتی ہیں۔

ہیڈ مسٹرس سمیت چار اُستانیاں ہیں جن میں دو جوان لڑکیاں آگرہ میں تعلیم پائی ہوئی ہیں یہاں اسکول میں پانچویں جماعت کو تعلیم دیتی ہیں۔

ہیڈ مسٹرس صاحبہ نے ہمیں مدرسہ کے حالات بتلائے۔ یہ ایک نہایت ملنسار خلیق نیک بی بی ہیں۔

اس اسکول میں پانچویں کلاس تک پڑھائی ہی۔ اُردو، عربی، حساب،

جغرافیہ، کاپی نویسی وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ پانچویں جماعت کی لڑکیوں کو انگلش سکھائی جاتی ہے۔ لڑکیوں کو سلائی اُون کا کچھ کام دستکاری وغیرہ سکھاتے ہیں۔ سب لڑکیاں اسکول میں پابندی کے ساتھ وقت پر نماز پڑھتی ہیں۔ قریباً سولہ لڑکیاں مدرسہ میں شریک ہیں اور روزانہ حاضری اسّی نوّے ہوتی ہے۔ ہیڈ مسٹرس صاحبہ شکایت کرتی تھیں کہ والدین باوجود ہر طرح کی آسانی کے لڑکیوں کو پڑھنے نہیں دیتے جہاں لڑکی بارہ تیرہ برس کی ہوئی شادی کے لیے مدرسہ سے اُٹھا لیتے ہیں واقعی یہ قابل افسوس امر ہے خداوند عالم مسلمانوں کو عقل سلیم عطا کرے۔

سُنا ہے کہ مسز شیخ عبداللہ اور اُن کی ہمشیرہ صاحبہ (سوائے کسی خاص مجبوری کے) روزانہ مدرسہ میں آتی ہیں۔ بیگم صاحبہ نواب وقار الملک بہادر و دیگر بی بیاں بھی وقتاً فوقتاً تشریف لاتی ہیں۔ حالت موجودہ میں ایک چھوٹا سا مدرسہ ہے اس کے سکرٹری صاحب اس کی ترقی میں دن رات کوشاں ہیں۔ یقین ہے کہ نیا مدرسہ تیار ہونے کے بعد یہ مدرسہ بہت ترقی کریگا۔ اُستانیاں بھی بڑھ جائیں گی۔ لیڈی سپرنٹنڈنٹ کوئی ایک یورپین لیڈی مقرر ہونے والی ہے۔ ہیڈ مسٹرس صاحبہ کہتی تھیں کہ سکرٹری صاحب پاس باہر سے بہت سے خطوط بورڈنگ ہوس کی دریافت میں آتے رہتے ہیں اس مدرسہ کی نسبت یہ خیال کہ اس سے غریب لڑکیاں مستفید نہیں ہو سکتیں صرف دولتمند خوشحال گھرانوں کی لڑکیاں فائدہ اُٹھائیں گی زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اسوقت مدرسہ میں زیادہ تر غریب و متوسط الحال گھرانوں کی لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں۔ امید ہے کہ آیندہ بھی غریب کم استطاعت لڑکیوں کی تعلیم کا خاص طور پر خیال رکھا جائیگا۔

خاکسار رابعہ سلطان بیگم

اڈیٹوریل

جنگ روم و اٹلی

ہندوستان کے مسلمانوں میں بچہ بچہ روم و اٹلی کے جنگ کے حالات سے واقفیت رکھتا ہی۔ اور چونکہ روم یا ٹرکی ایک ایسی اسلامی سلطنت ہی جس کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمانوں کی دنیوی عزت اور وقعت قائم ہی اس لیے دنیا کے ہر حصہ کے مسلمانوں کو اس جنگ کے نتائج سے خاص دلچسپی ہی اور سلطان المعظم کی افواج کی فتح کو وہ اپنی فتح سمجھتے ہیں اور اُن کی فوج کی شکست کو وہ اپنی شکست خیال کرتے ہیں۔

برخلاف اسکے کل یورپ میں عیسائی مذہب کا تسلط ہی اور صرف ترکی سلطنت ہی یورپ میں ایک اسلامی سلطنت باقی رہ گئی ہی۔ اسلیے اہل یورپ کو ترکی کی موجودگی خار گذر رہی ہی۔ اگر اُن کا بس چلے تو آج ترکی سلطنت کو پامال کرکے دار الخلافہ قسطنطیہ میں یا کسی عیسائی شاہزادہ کو تخت پر بٹھادیں یا کل ملک کو بانٹ کر اپنی سلطنتوں میں شامل کرلیں۔

مگر ترکوں کو صفحہ ہستی سے مٹادینا کوئی آسان بات نہیں ہی۔ ترک ایک بڑی جری قوم ہی اور یورپ کے کل اہل نظر ترکی سپاہیوں کے اعلیٰ اوصاف کے دل سے مداح ہیں اُن میں سچا ایثار، شجاعت، سادگی، کفایت شعاری جیسے اعلیٰ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ گو یہ کہا جاتا ہی کہ برخلاف ترکی سپاہیوں کے ترکی افسر لالچی اور دغاباز ہوتے ہیں مگر کسی زمانہ میں ہوتے ہونگے اب تو ہم دیکھتے ہیں کہ ترکی افسر اپنی فوج کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ اور عمدہ سے عمدہ مثال

ہیں۔ ایسے لوگوں کا صفحۂ ہستی سے مٹانا کچھ آسان بات نہیں ہے۔

اسی لیے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں خود تو ترکوں سے اُلجھتی نہیں مگر ایک چھوٹی سی حقیر سلطنت اٹلی کو شہ دیکر آگے بڑھا دیا ہے کہ وہ ٹرکی سلطنت کو اپنے پروگرام کے موافق ترقی نہ کرنے دے کیونکہ ترکوں نے جب سے جمہوری سلطنت قائم کی ہے یورپ کو اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ یہ قوم بہت جلد ترقی کرکے اعلیٰ درجہ پر پہونچ جائے گی اور پھر یورپ سے اُن کو اُکھاڑنا نا ممکن ہوگا۔

ترکوں میں سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اُن کے پاس جنگی جہاز نہیں ہیں۔ سمندر میں وہ کسی کے مقابلہ کے قابل نہیں ہیں۔ اٹلی کے پاس گو اور سلطنتوں سے تو بہت ہی کم بیڑا جہازوں کا ہے۔ مگر جتنے جہاز اسکے پاس ہیں وہ ٹرکی کو دق کرنیکے لیے بہت کافی ہیں۔ کیونکہ ٹرکی ساحل بہت دور دور پھیلا ہوا ہے۔ اٹلی کے جہاز اُس کے جزیروں اور بندرگاہوں پر چھاپے مارتے پھرتے ہیں اور بعض جزیرے بھی اٹلی نے اپنے قبضہ میں کرلیے ہیں مگر ٹرکی کے پاس اسکے لیے کوئی روک تھام نہیں ہے

طرابلس افریقہ کے شمال میں ایک ملک ہے جو صدیوں سے ترکی سلطنت میں شامل رہا ہے۔ اب ٹرکی کو سوائے پانی کے راستے کے کوئی دوسرا رستہ پہونچنے کا نہیں ہے اور پانی کے رستہ کے لیے جہازوں کی ضرورت ہے جو ٹرکی کے پاس نہیں ہیں اٹلی نے جب یہ دیکھا کہ طرابلس کے علاقہ میں اگر لڑائی ہو تو ترک وہاں کسی طریقہ سے نہیں پہونچ سکتے اور ہم جہازوں کے ذریعہ سے وہاں پہونچ سکتے ہیں تو اٹلی نے زبردستی جہازوں کے ذریعہ سے طرابلس پر حملہ کرکے دو ایک شہروں پر قبضہ کرلیا اور اپنی بہت سی فوجیں ساحل سمندر پر ڈالدیں۔ ترکی فوج طرابلس میں بہت تھوڑی تھی وہ جنگی جہازوں کا مقابلہ تو نہ کرسکی مگر ساحل سے کچھ دور

فاصلہ پر پہونچکر اُس نے اپنے مورچے جما دیئے اور عرصہ ۸ ماہ کا ہوا کہ اسوقت تک اٹلی والوں کی بہت بڑی فوج کو ایک قدم بھی آگے نہیں بڑہنے دیا۔

کہا جاتا ہی کہ اب اُس تھوڑی سی ترکی فوج کے ساتھ جو تعداد میں دس ہزار سے زائد نہ تھی قریب دو لاکھ کے طرابلس کے اصلی باشندے جو عربی نسل کے ہیں اور بڑے جانباز اور بہادر لوگ ہیں وہ بھی شامل ہوگئے ہیں اور اٹلی والوں کو بہت تنگ کر رکھا ہی۔

یہ ایک بڑے افسوس کی بات ہی کہ باوجود اسکے کہ اٹلی نے تمام حقوق اور قوانین کے خلاف طرابلس پر حملہ کیا ہی کوئی شخص بھی یورپ بھر میں نہیں کہا کہ اٹلی حق بجانب ہے مگر اٹلی سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے اور ایک دوسرے ملک کی آزادی نہ چھینے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہی کہ مذہب کے اختلاف کی وجہ سے ترکوں سے بجائے ہمدردی کے اہل یورپ کو ایک عناد ہی۔ اور چونکہ اٹلی ایک عیسائی سلطنت ہی اسلیے اُس کی زیادتی اور زبردستی بھی قابل اعتراض کے نہیں سمجھی جاتی۔

لڑائی کا نتیجہ کچھ بھی ہو مگر اس معاملہ میں یورپ جو کہ انسانی قدرتی حقوق کی حفاظت اور آزادی کا اپنے آپ کو بڑا وکیل اور حامی ظاہر کیا کرتا تھا اُس نے اس بات کو پورے طور پر ثابت کردیا کہ یہ دعویٰ محض دہوکے کی ٹٹی تھی اس میں کچھ بھی اصلیت نہ تھی اور یورپ کی ہمدردی اور آزادی کا معیار صرف یہ ہی کہ عیسائی سلطنتیں آزاد رہیں اور دوسرے کُل دنیا کے مذاہب اُس کے زیر اثر رہیں۔

طرابلس کے زخمیوں کے لیے اور جو سپاہی اسلام کے لیے اپنی جان و مال

قربان کر رہے ہیں اُن کی بیواؤں اور بچوں کے لیے ہندوستان کے مسلمان چندے کر رہے ہیں۔ اور ہماری رائے میں بھی موجودہ صورت میں ان چندوں سے بہتر اور کوئی کارِ خیر نہیں ہے۔ ہم ناظرین اور ناظرات خاتون سے بڑے زور سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان چندوں میں شریک ہوں۔

اب وہ وقت آگیا ہی کہ ہم زنانہ مدرسہ کے بورڈنگ ہوس کے آیندہ انتظام کے متعلق بعض ضروری باتوں کا اعلان کریں۔ موجودہ بورڈنگ ہوس میں ہم اُسکے تیار ہو جانے پر ۵۰ لڑکیاں بطور بورڈروں کے داخل کر سکیں گے۔ جس میں سے ۲۰ لڑکیوں کی جگہ تو بلحاظ اُن درخواستوں کے جو ہمارے پاس آئی ہیں پُر سمجھنی چاہییں اور ۵ لڑکیاں اور بھی ہماری نگاہ میں یقینی ہیں جو آئیں گی اور جنکے مربیوں نے ہم سے وعدہ کر لیا ہی کہ ہم ضرور بھیجیں گے۔ ۱۰ لڑکیاں وہ ہونگی جنکو ہم وظائف دیکر ٹرنینگ کی کلاس میں داخل کرینگے اور پھر رفتہ رفتہ اُن کی تعداد میں ترقی کرتے جائیں گے۔ کیونکہ اسوقت دس سے زیادہ وظائف ہم نہیں دے سکتے۔ اور ان میں سے ۵ لڑکیاں تو ہمارے ہی مدرسہ کی داخل ہو سکیں گی اور ۵ لڑکیاں باہر کے کسی مدرسے سے درخواست پر بھرتی کیجا سکتی ہیں۔ باقی ہمارے پاس ۱۵ لڑکیوں کی جگہ رہتی ہی جن کی درخواست آنے پر ہم اُنکے نام رجسٹر میں درج کرینگے۔ اور بورڈنگ ہاؤس کی تیاری پر اُن کو حق ترجیح حاصل ہوگا۔

اخراجات کے متعلق مختلف آرا ہیں۔ بعض صاحبان جو زیادہ باثروت ہیں وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ ہماری لڑکیاں اگر داخل ہوں تو اُنکے لیے کل انتظام اعلیٰ پیمانہ پر ہو۔ اور بعض کا یہ خیال ہی کہ کل لڑکیوں کو نہایت معمولی حالت میں

رکھنا چاہیے۔ مگر ہم لڑکیوں کے بورڈنگ ہوس کے متعلق اسی طریقہ کو اختیار کرینگے جو ایم اے او کالج میں ابتک جاری رہا ہی۔ اور جو تجربہ سے ابتک کامیاب ثابت ہوا ہی۔ ہم اخراجات کے دو درجے رکھیں گے۔ اوران دونوں درجونکی تعداد کا اعلان بعد غور کے آیندہ کیا جائیگا۔

ایک صاحب نے اپنے ایک نوازشنامہ کے ذریعہ سے ہم سے دریافت کیا ہے کہ بعض لوگ مدرسۂ نسواں علی گڈہ سے مخالفت کررہے ہیں اس مخالفت کی وجہ کیا ہی۔

ناظرین اور ناظرات خیال کرسکتے ہیں کہ اس سوال کا جواب ہمارے لیے کس قدر دشوار ہی۔ مخالفت کے جوکچھ اسباب ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مگر اصلی سبب جسکو ام الاسباب کہنا چاہیے وہ ہماری قوم کے بعض اصحاب کی اختلاف پسند طبائع ہیں۔ یہ تو ناظرین و ناظرات کو بخوبی معلوم ہی کہ جس قدر مخالفت ایم اے او کالج کے قائم ہوتے وقت مسلمانوں نے کی تھی اسکا عشر عشیر بھی مدرسۂ نسواں سے مخالفت نہیں ہوئی۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہی کہ ایم اے او کالج کے تجویز کرنے والے کوئی ایسے شخص تھے جو قوم کی بہتری و بہبودی دل سے نہیں چاہتے تھے اسلیے مخالفوں کو مخالفت کا موقع ملا تھا۔ یہ بات کوئی بھی نہیں کہتا ہی۔ نہ کوئی کہہ سکتا ہی کہ ایم اے او کالج فی الواقع ایک مفید درسگاہ نہ تھی اسلیے لوگوں کو مخالفت کا موقع ملا۔ ہماری یونیورسٹی کی تحریک شاید ایک ایسی تحریک ہی کہ جس کی نسبت ہم کو ایک مسلمان سے بھی یہ توقع نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ مخالفت کریگا مگر دل کو صدمہ پہونچانے والا تو یہ واقعہ ہی کہ لوگوں نے اس کی بھی مخالفت کی۔

اسلامیہ کالج لاہور کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اہل اسلام کے لیے مفید انسٹیٹوشن ثابت نہیں ہوا۔ مگر ہم نے اخبارات میں اسکے خلاف بھی مضمون پڑھے۔ ندوۃ العلما جو ایک ایسی کوشش تھی جس کے ذریعہ سے ہر مسلمان سمجھ سکتا تھا کہ ہمارے علما اپنی حالت کو بدل کر اپنی تعلیمی اصلاح کرنا چاہتے تھے اور ہر مسلمان کے دل میں یہ خواہش تھی کہ ہمارے علما اپنے نصاب تعلیم کو چھوڑ کر زمانۂ حال کے طریقۂ تعلیم کو اختیار کریں مگر ہم نے اس کی بھی نہایت سخت مخالفت دیکھی تو پھر یہ سوال کرنا کہ مدرسۂ نسواں کی کیوں مخالفت ہو رہی ہے یہ سوال کوئی واجبی سوال نہیں ہے۔

مخالفت کرنے والے حضرات کو ہم پورا اختیار دیتے ہیں کہ وہ مخالفت کریں مگر جائز مخالفت کریں۔ راستی، تہذیب، اخلاق اور اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اگر اُن کی مخالفت راستی اور نیک نیتی پر مبنی ہوگی تو اُس سے قوم کو فائدہ پہونچے گا۔ بسبب بشریت کے ہر شخص میں نقائص موجود ہیں اور ہم نے نقائص بشریت سے مُعرّا ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ ہم کوئی غلطی کر رہے ہوں اور کوئی نیک نیت مخالف ہماری غلطی سے ہم کو متنبہ کرے تو ہم اپنی غلطی سے مطلع ہو جائیں۔

البتہ اسوقت تک جسقدر بزرگوں نے مخالفت کی ہے ہم کو وہ ایک خلاف اصول مخالفت معلوم ہوئی ہے۔ کسی مخالفت کرنے والے کا یہ کہنا کہ اب علی گڑھ میں مدرسہ قائم نہ کر دیا شروع میں مدرسہ قائم کرنے میں غلطی کی ایک بیجا اور ناجائز مخالفت ہے۔

ایسے حضرات فی الواقع اپنی مخالفت سے اپنی قوم کو سخت نقصان پہونچا رہے ہیں۔ اور کیا اب اُن کی مخالفت سے ایک ہرے بھرے

پودے کو جو دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے اُسکو اکھاڑ کر پھینک دینگے ہم اُن کی مخالفت کو اور اس کوشش کو کہ مدرسہ کو نقصان پہونچے نہایت سخت حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں اور ہم اُن کو یقین دلاتے ہیں کہ مسلمانوں کی قوم کی آیندہ نسلیں اُن کی اس موجودہ بیجا مخالفت کے لیے اُن کی حالت پر افسوس کرینگی۔

مولانا حافظ نذیر احمد مرحوم و مغفور

شمس العلما، مولانا نذیر احمد صاحب نے ۳۔ مئی کو بعارضہ فالج دہلی میں انتقال فرمایا۔ اگرچہ مولانا مرحوم عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے اور ان کا سن شریف اسی سال سے متجاوز ہو چکا تھا لیکن ان کے انتقال سے ایک بہت بڑا عالم و فاضل ادیب اور مقرر رہنما ہماری قوم کا اُٹھ گیا۔

اس نئی تحریک میں اللہ تعالیٰ نے جو برکتیں مسلمانان ہند کو عطا کی تھیں منجملہ انکے ایک مولانا موصوف کی ذات تھی۔ ان میں ایک عجیب و غریب کمال یہ تھا کہ جس طرح ان کی تحریر بے نظیر تھی اسی طرح ان کی تقریر بے مثل تھی۔ انجمن حمایت اسلام اور علیگڈھ کانفرنس کی کامیابیوں کی باعث بہت زیادہ مولانا موصوف کی تقریریں تھیں۔ انھوں نے قوم کی علمی، اصلاحی اور مذہبی خدمات میں اپنے سرمایہ علوم کو تقریر اور تحریر کے ذریعہ سے صرف کیا۔ اور مالی امداد سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے ان کی تصنیفات پاکیزہ خیالات اور اعلیٰ زباندانی کے لحاظ سے گورنمنٹ اور قوم دونوں میں بے حد مقبول ہوئیں۔ بالخصوص مسلمان خواتین کی لائبریریوں کی زینت تو زیادہ تر انہیں کی تصانیف ہیں۔

مولانا موصوف نے باوجود بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہنے کے جوانی میں بطور خود انگریزی پڑھی اور پھر قرآن شریف چھ مہینے میں حفظ کر لیا۔ ان کو غیر معمولی دل و دماغ اور قوائے ذہنی فطرت کی طرف سے عطا ہوئے تھے

اُنھوں نے کفایت شعاری کر کے محض اپنی کوشش سے بذریعہ تجارت و تصنیف کے بہت دولت پیدا کی۔ اندازہ یہ کیا جاتا ہے کہ مولانا موصوف دس بارہ لاکھ روپیے کے آدمی تھے۔ اور یہ سب خود ان کی کمائی تھی۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم و مغفور کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے صاحبزادے مولوی بشیر الدین صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور انکے قدم بقدم چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

بیوی کے کاروباری حقوق ۔ امریکہ کی ایک قانونی عدالت میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا بیوی بغیر مرضی اپنے شوہر کے کوئی کاروبار جاری کرنے کی مجاز ہی یا نہیں اس مقدمہ میں شوہر نے بیوی کے تمام واجبی اخراجات برداشت کرنے کی بابت اپنی قابلیت اور رضامندی کا اظہار کر کے اس امر کی استدعا کی تھی کہ بیوی کو اس کی مرضی کے خلاف تجارتی کاروبار کھولنے سے روکا جائے۔

عدالت نے اس مسئلہ میں وکلائے فریقین کی بحث کو سُنکر یہ فیصلہ لکھا

شوہر اپنی حیثیت اور منصب کے موافق اپنی بیوی کے واجبی اخراجات برداشت کرنے کا قانوناً پابند ہی۔ اور بطور ایک تبادلہ لازمی کے وہ اپنی بیوی کی خدمات اور ہم مجلسی کا بھی مستحق ہی۔

یہ امر متنازعہ نہیں ہی کہ بیوی شوہر کی رضامندی سے اپنا کوئی کاروبار علیحدہ کرے۔ بلکہ اس قسم کی کوئی مثال نہیں پائی جاتی اور نہ وکیل ہی نے

نے پیش کی ہی جس سے یہ ثابت ہو کہ بیوی کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ
جس حالت میں شوہر اسکا نان ونفقہ دینے پر آمادہ ہو وہ اس کی مرضی
کے خلاف کوئی کاروبار جاری کرے ۔

اس سے قبل بھی ایک اور مقدمہ میں جو میاں بیوی کی شراکت کے متعلق تھا یہ فیصلہ
صادر کیا گیا تھا ۔

کہ میاں بیوی کے اہم اور مقدس تعلقات کو جو ایک مہذب سوسائٹی
کی بنیاد ہیں ان جھگڑوں سے جو مشترکہ جائداد اور ذمہ داریوں وغیرہ سے
پیدا ہونگے نقصان نہ پہونچنے دینا چاہیے ۔

مذکورۂ بالا فیصلے ایک ایسے ملک (امریکہ) کی اعلیٰ عدالتوں نے صادر کیے
ہیں جسکو اپنی آزاد خیالی ومساوات پسندی پر بڑا ناز ہی۔ ان فیصلوں سے ظاہر
ہوتا ہی کہ عورتوں کے ساتھ یورپین تہذیب کا قانون کیسی سختی برتتا ہی۔ اور کس طرح
وہ لوگ عورتوں کو ان حقوق کے دینے سے دریغ کرتے ہیں جو اسلام نے روز اول
سے اُن کو عطا فرما دیئے ہیں ۔

زنانہ اسکول ۔ سیٹھ سردار لال بھائی نے احمد آباد میں اپنی والدہ ماجدہ کی
یادگار میں بیس ہزار روپیہ کے خرچ سے ایک مکان بنا کر اس میں کنیا پاٹ شالا
کھولا ہے ۔

ایک پارسی خاتون کی فیاضی ۔ بمبئی کی مشہور پارسی خاتون بائی جابائی فرامجی
دین شاہ پٹیٹ پارسی لڑکیوں کے لیے ایک یتیم خانہ اپنی والدہ کی یادگار میں قائم
کرنا چاہتی ہیں ۔ جس کے لیے بارہ لاکھ روپیے کے جواہرات ایک معتمد

جماعت کے سپرد کیے گئے ہیں۔

ریویو

صحت النساء۔ اس کتاب میں ڈاکٹر عزیز الدین صاحب میڈیکل افسر ریاست دوجانہ ضلع رہتک ڈاکخانہ بیری نے عورتوں کے کل امراض کا بیان اور اُن کا علاج بہت سہل اور آسان طریقہ سے لکھا ہے۔ یہ کتاب موجودہ زمانہ کی روش پر نہایت خوبی سے لکھی گئی ہے۔ اور ڈاکٹری علاج ہر ایک بیماری کا نہایت آسان بتایا گیا ہے۔ کتاب عام فہم ہے۔ حجم ۱۱۲ صفحے قیمت عہ/۱۰

محافظ الصبیان۔ یہ کتاب بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کی جدید تصنیف ہے۔ اس میں بچوں کا نہایت آسان اور سہل ڈاکٹری علاج بتایا گیا ہے۔ بہت خوبی سے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ اور بچوں کی تمام ضروریات پر حاوی ہے ہر پڑھا لکھا شخص اپنے بچوں کا علاج اس سے کر سکتا ہے۔ حجم ۷۶ صفحے قیمت ۶/۲

ان دونوں کتابوں کا کاغذ اور نیز چھپائی متوسط ہے۔ اور اس لحاظ سے قیمت دونوں کی زیادہ ہے۔

مصنف سے مل سکتی ہیں

استفسار

عرصہ تین سال کا ہوا مجکو سردی کی وجہ سے زکام ہو گیا زکام تو اچھا ہو گیا تھا لیکن دہنی جانب کا نتھنا بند ہو گیا نہ خوشبو آتی تھی نہ بدبو۔ صبح کو جب نیند سے بیدار ہوتی تھی تو متواتر کئی چھینکیں آجاتی تھیں۔ اُس نتھنے میں سے سبزی مائل چھیچھڑے نکلتے تھے۔ کئی علاج کیے لیکن آرام نہیں ہوا اب اگلے سال سے دوسرے نتھنے میں سے بھی بدبو یا خوشبو نہیں آتی اور اُسی طرح اُس میں سے بھی چھیچھڑے نکلتے رہتے ہیں۔ دونوں نتھنوں میں سے سخت بدبو آتی ہے۔ میں نے ہزاروں علاج کیے ہیں کھانے کے پینے کے انگریزی دیسی سب طرح کے نسخے استعمال کیے لیکن خاک فائدہ نہ ہوا۔ بہت سی اشتہاری دوائیاں کئی قسم کے مرہم تیل ناک میں لگائے لیکن کچھ افاقہ نہیں ہے۔

ناظرین بہنوں اور بھائیوں کی خدمت میں دست بستہ التماس ہے کہ مجھے کوئی نسخہ یا کوئی دوائی بذریعہ خاتون ایسی بتاویں کہ یہ موذی مرض جڑ سے چلا جائے اور میں تمام عمر شکر گذار رہوں۔ اگر کہیں سے قیمتاً دوائی مل سکتی ہو تو پتہ بتادیں میں منگالوں گی۔

مریض کی راہ نمائی کرنا بھی کار ثواب ہے۔ خداوند کریم نیک اجر دیگا۔
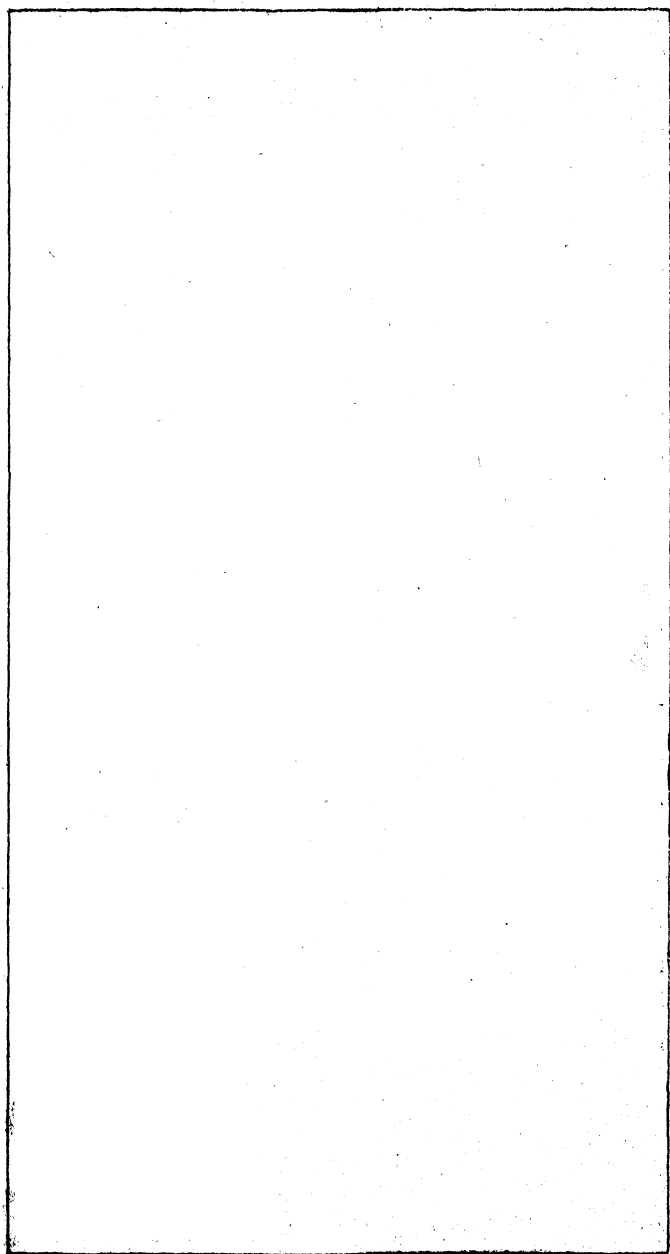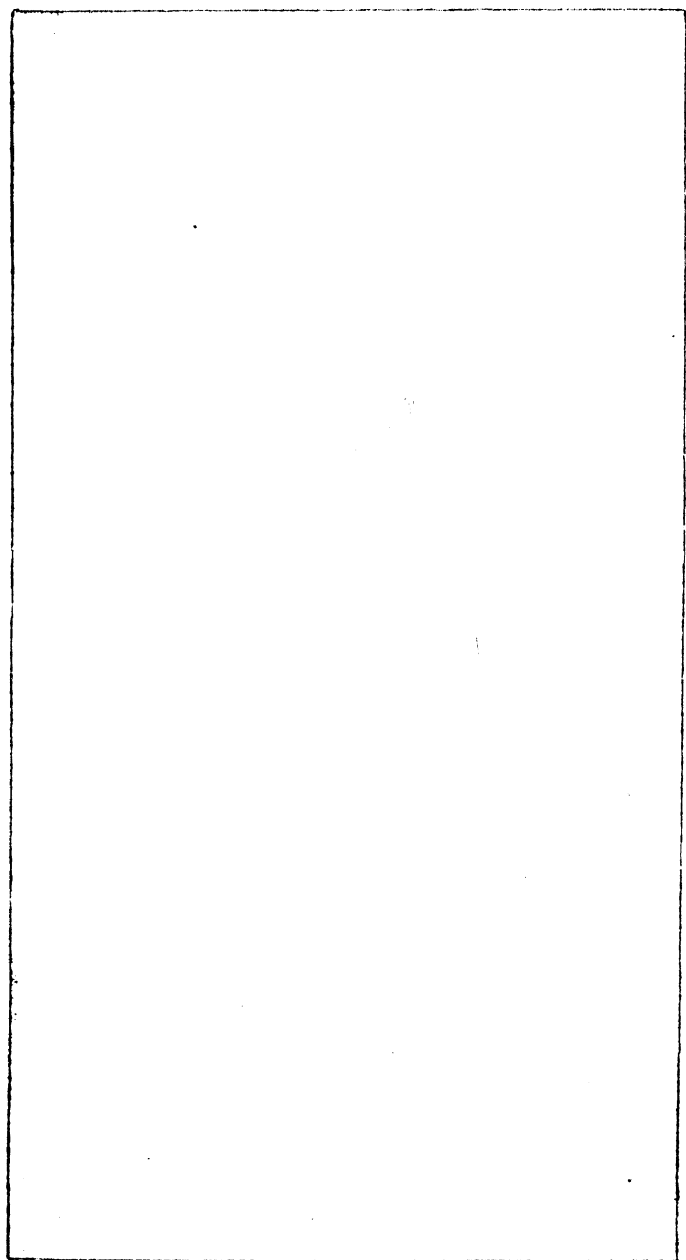
راقمہ

شمس النساء بیگم

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷

خاتون

جلد ۸	بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۴ء	نمبر ۱

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکیشن

فہرست مضامین

پرنٹر محمد عنایت خاں کے اہتمام سے

مطبع ریاض ہند علی گڑھ میں طبع ہوئی

(شیخ عبداللہ بی اے پبلشر)

نواب سلطان جہاں بیگم

(علیا حضرت ہزہائنس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ تاج الہند۔جی۔سی۔ایس آئی۔جی۔سی۔آئی۔اے۔فرمانروائے ریاست بھوپال)

بیگمات بھوپال کے سلسلہ میں یہ آخری مضمون مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کا ہمکو وصول ہوا۔ ہمارا صیغہ تعلیم نسواں علیا حضرت کی عنایات سلطانی ہمدردی خسروانی کا اسقدر زیر بار احسان ہے جسکے شکریے ادا کرنے سے زبان قاصر ہے۔ اور در اصل اسکا شکریہ صرف ہمارے اوپر، بلکہ تمام مسلمانان ہند پر واجب ہے تعلیم نسواں کی جو چہل پہل اسوقت مسلمانان ہند میں پیدا ہوئی ہے درحقیقت جیساکہ مضمون نگار صاحب نے لکھا ہے علیا حضرت کی توجہات اور عطیات کی بدولت ہے چنانچہ ہمارے قومی شاعر شمس العلما مولانا حالی۔نے آج آٹھ سال ہوئے یہ فرمایا تھا۔

ہے جو ہم در پیش دست غیب ہے اس میں نہاں تائید حق کا ہے نشان امداد سلطان جہاں

حامیان تعلیم نسواں کی دستگیری کیلئے علیا حضرت کا دست کرم درحقیقت دست غیب سے کم نہیں ہے۔

اس لحاظ سے ہم تعلیم نسواں کی اس عظیم الشان مرتبہ اور سچی سرپرست کی زندگی کے حالات کو اظہار تشکر کے خیال سے ۱۹۱۴ء کے خاتون کی جلد کا خاتمہ اور دیباچہ قرار دیتے ہین۔ اور اسکو اپنے رسالہ کیلئے ایک فال خیر سمجھتے ہیں۔

اڈیٹر

ہزہائنس کے والد ماجد نواب امراؤ دولہ باقی خاں اور والدہ ماجدہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ تہیں۔ ۲۷ ذی قعدہ ۱۲۷۴ھ مطابق ۹ جولائی ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئیں۔

اسی سال ہندوستان میں غدر سے امن و امان ہوچکا تھا۔ اور اس ملک کی حکومت کمپنی کے ہاتھ سے ملکہ وکٹوریہ کے ہاتھ میں منتقل ہوئی تھی ہزہائنس کی نانی نواب سکندر بیگم صاحبہ نے انکی ولادت پر بڑی خوشی کی۔ چھ مہینہ تک جشن رکھا۔ غربا اور مستحقین کو انعام و خلعت عطا کئے اور طرح طرح سے خوشی کا اظہار کیا۔

اونکی ولادت کے بعد ہی نواب سکندر بیگم صاحبہ مستقل رئیسہ تسلیم کی گئیں۔ اور ۱۲۷۵ھ میں بیرسیہ کا پرگنہ گورنمنٹ کی طرف سے ملا۔ اور پھر تہوڑے ہی عرصہ کے بعد اسٹار آف انڈیا کا تمغہ انکو عطا ہوا۔ بعد ازاں خلعت بھی پایا۔ ان وجوہات سے وہ ہزہائنس کو نہایت مبارک سمجھتی تھیں اور بڑی شفقت کے ساتھ تربیت فرماتی تہیں۔

پانچ سال کی عمر میں نہایت دہوم دہام سے بسم اللہ کی تقریب ہوئی۔ اور ہزہائنس کی تعلیم کا ضابطہ معین کیا گیا۔

کلام مجید۔ تفسیر۔ خوشخطی۔ فارسی۔ انگریزی اور پشتو ان تمام چیزونکی تعلیم شروع ہوئی۔ اسکے علاوہ آبائی فنون سپہگری مثلاً سواری بانک وغیرہ بھی سکھلائے جانے لگے۔

ہزہائنس کو مصوری سے خاص دلچسپی تھی۔ اور وہ دلچسپی ابتک بھی قائم ہے۔ اگرچہ مہمات ریاست اور کثرت اشاغل سے وقت نہیں ملتا ہے لیکن پھر بھی وہ اسکی مشق جاری رکھتی ہیں۔ چنانچہ ۱۳۲۱ھ میں حج سے واپسی کے موقع پر بمبئی سے وہ ایک پارسی لیڈی یونکو جو اس

فن میں مہارت رکھتی ہیں اپنے ساتھ ریاست میں لائیں - اور انسے اس فن کی مشق بہم پہونچائی اب وہ بلا مدد وغیرے تصویریں بنالیتی ہیں - ۱۲۷۴ھ میں انکے نامور باپ کا انتقال ہوگیا - اور اسکے تہوڑے ہی عرصہ کے بعد ۱۲۸۵ھ میں جبکہ ہزہائنس کی عمر دس سال کی تھی - نواب سکندر بیگم صاحبہ کا بھی سایہ سر سے اٹھ گیا - انکی تعلیم و تربیت انکی والدہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی زیر نگرانی جاری رہی - اسی سال یعنی سنہ ۱۲۸۵ھ میں جب انکی والدہ صدر نشین ہوئیں تو ان کو ولی عہدی کا خلعت ملا - باوجود کم سنی کے اس موقع پر بر سر دربار شکریہ ادا کرتے ہوئے اُنہوں نے ایک مختصر سی تقریر کی جسکو سنکر انکی جرأت اور اور لیاقت سے لوگوں کو تعجب ہوا -

۱۲۸۶ھ میں انکے کلام مجید ختم کرنے کے موقع پر نشرح کی رسم بڑی شان وشوکت کے ساتھ کی گئی - ایک مہینہ تک شب و روز جشن رہا اور تقریباً تین لاکھ روپیہ اس تقریب میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے صرف کیا -

ہزہائنس کی شادی کیلئے نواب سکندر بیگم صاحبہ نے نہایت دور اندیشی کے ساتھ اپنی زندگی ہی میں جلال آباد کے ایک اپنے ہی ہم قبیلہ نوجوان نواب احمد علی خانصاحب کو جو نجیب الطرفین - خوش رو - خوش وضع اور خوش اخلاق تھے - منتخب فرمالیا تھا - اور اپنی ہی نگرانی میں انکی تعلیم و تربیت بھی کی تھی -

۱۲۹۱ھ میں جب ارکان ریاست سے مشورہ اور گورنمنٹ سے استصواب وغیرہ کے تمام مراحل طے ہوگئے تو ۲۳ ذی الحجہ کو نواب صاحب موصوف کے ساتھ نہایت دہوم دھام سے عقد کیا گیا - دو کروڑ کا مہر قرار پایا - اور چالیس ہزار سالانہ کی جاگیر نوشہ کو عطا ہوئی - اس تقریب میں ساڑہے چھ لاکھ روپیہ صرف ہوئے -

ہزہائنس کے پانچ اولاد ہوئیں -

بلقیس جہاں بیگم صاحبہ ولادت ۲۴ رمضان ۱۲۹۲ہجری

نواب محمد نصر اللہ خان بہادر - جواب ولی عہد ریاست ہیں ۔ ۱۰ ذی عقدہ ۱۲۹۳ھ

صاحبزادہ حاجی حافظ کرنیل محمد عبید اللہ خان بہادر ۔ ۷ ذی عقدہ ۱۲۹۵ھ

صاحبزادی آصف جہاں بیگم صاحبہ ۔ ۲۵ شعبان ۱۲۹۷ھ

صاحبزادہ محمد حمید اللہ خان بہادر ۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

بلقیس جہاں بیگم ساڑھے بارہ سال کی ہوکر ۱۳۰۵ھ میں والدین کو داغ مفارقت دے گئیں - اور اسیطرح صاحبزادی - آصف جہاں بیگم نے بھی ۱۴ سال کی عمر میں ۱۳۱۲ھ میں انتقال فرمایا - نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے ۱۲۸۸ھ میں چونکہ مولوی صدیق حسن صاحب سے نکاح ثانی کر لیا تھا اسوجہ سے کچھ خانگی جھگڑے ایسے پیش آئے کہ جن سے ماں بیٹی میں باہم رنجش پیدا ہوگئی - جسکی وجہ سے ہز ہائنس نے کامل ۲۷ سال تک رنج بھری اور تنہائی کی زندگی گذاری - نہ اپنی والدہ ماجدہ سے مل سکتی ہیں نہ ارکان ریاست انسے ملنے پاتے تھے - ۱۹۰۱ء میں جب نواب شاہجہاں بیگم نے وفات پائی اسوقت عنان حکومت انکے ہاتھ میں آئی - اونہوں نے دیکھا کہ قحط اور سابقہ بدنصیبوں کی وجہ سے ریاست کی حالت نہایت ابتر تھی - آبادی تقریباً ایک ثلث گھٹ گئی تھی - خزانہ میں کل چالیس ہزار روپیہ تھے - اور اس سال کی تمام آمدنی صرف اٹھارہ لاکھ تھی -

یہ دیکھکر نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ ریاست کے کام میں مصروف ہوئیں - اور اپنے شوہر احتشام الملک عالی جاہ نواب احمد علی خانصاحب کی مدد اور مشورہ سے نہایت قابلیت کے ساتھ انتظام کرنا شروع کیا - لیکن ابھی ریاست لئے ہوئے پورے سات مہینے بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ قضائے الہی سے ۲۲ رمضان ۱۳۱۹ھ کو نواب صاحب موصوف دفعتاً انتقال کر گئے -

ہز ہائنس کیلئے یہ صدمہ نہایت سخت اور یہ موقع بڑی آزمائش کا تھا - مدت العمر کی خانہ نشینی کے بعد ریاست کا عظیم الشان بار انکے سر پر پڑا تھا اور اس بار کے اٹھانے میں

جس سچے خیر خواہ اور حقیقی مشیر سے مدد کی توقع تہی وہ یکایک اسطرح اٹھ گیا - اب ہز ہائنس کو انکی بے وقت اور اچانک موت کے بھاری صدمہ کے ساتھ ریاست کا بوجھہ بھی تنہا ہی اٹھانا پڑا -

جو لوگ ہز ہائینس کی حالت سے ناواقف تھے اور کارکن فرد نواب صاحب مرحوم کو سمجھتے تھے انکو نواب صاحب کے انتقال کرجانے سے ریاست کی اصلاح سے مایوسی ہوگئی تھی - لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد علیا حضرت نے ریاست کو ترقی دیکر اور اسکے تمام صیغو نکو اصلاح کرکے روز روشن کی طرح یہ ثابت کردیا کہ درحقیقت اصلی کارکن فرد ان ہی ذات والاصفات تھی - اونہوں نے اپنی خاموشی اور خانہ نشینی کے ۲۴ سال بیکار نہیں ہوئے ہیں - بلکہ بہت غائر نظر سے ریاست کے ہر شعبہ کو دیکھتی رہی ہیں - نوشابہ کے اس قول کی مصداق اصل میں علیا حضرت ہیں - شعر

دریں پردہ با خود بہ بازی نیم　　　شب و روز بے چارہ سازی نیم

من ارچہ زنم زن سیر نیستم　　　زکارِ جہاں بے خبر نیستم

درحقیقت وہ اپنے سر میں ایک بیدار مغز رکھتی ہیں - اس جانکاہ غم نے انکے حوصلہ کو پست نہیں کیا - اور باوجود اسکے کہ وزیر ریاست نے ہی اپنے بڑہاپے کی وجہ سے استعفا دیدیا ہز ہائنس نے خود تن تنہا ڈیڑہ سال تک ریاست کا کام انجام دیا - باوجود شدت گرما کے انہوں نے متعدد اضلاع میں دورے کئے - رعایا کی اصلی کیفیت اپنی آنکھوں سے دیکھی - اور بہت کچھ انکی شکایات کا سدباب کیا -

ایک فوری بند وبست پنجسالہ تمام ریاست میں کرایا - جس میں مستاجروں کے ساتھ ساڑھے پانچ لاکھ روپیہ کی مالیت میں رعایت کی تاکہ رعایا خوش حال رہے -

ریاست کے تمام صیغوں کی طرف اونہوں نے اپنی توجہ مبذول فرمائی - سب سے پہلے اسکی مالی حالت کی طرف متوجہ ہوئیں - اور جدید طریقہ سے اسکا انتظام فرمایا - جس

کی بدولت سال اول میں تقریباً تین لاکھ اور سال دوم میں ساڑھے چھ لاکھ کی آمد میں بیشی ہوئی اخراجات کی زیادتی پر نظر کرکے بعض فضول دفاتر کو شکست کر دیا۔ صیغہ مناصب سے بہت سے غیر مستحق تنخواہ پا رہے تھے اس میں تخفیف فرمائی۔

محکمہ عدالت کی طرف بھی توجہ کی۔ اور وکلا کے امتحان کا طریقہ مقرر کیا۔ بعض قوانین مجریہ ریاست کو از سر نو مرتب کرایا۔ اور ریاست کے اسٹامپ کی اصلاح کی۔

فوج کی طرف جو خصوصیت کے ساتھ انکی دلچسپی کا مرکز ہے زیادہ توجہ منعطف فرمائی۔ اور علاوہ رسالہ باڈی گارڈ کی اصلاح کے ریاست کی تمام فوج کو اس قابل بنا دیا کہ وہ بھی انگریزی سپاہ کی طرح بروقت ضرورت گورنمنٹ کی خدمات کر سکے۔ ایک فوجی مدرسہ بھی قائم کیا۔

پولس کی اصلاح کی۔ اور ۳۲۵ آدمی کی جمعیت کو فوج سے نکالکر ماؤنٹڈ پولس کا اضافہ کیا۔ جدید چوکیات قائم کیں جن سے جرائم میں کمی ہوئی۔ اسکے ساتھ ہی جیل میں بھی اصلاح کی لوکل سلف گورنمنٹ کے اصول پر شہر بھوپال میں جماعت انتظامیہ قائم کی۔ جسکی کارروائیوں کی اشاعت کیلئے ایک ہفتہ وار گزٹ سرکاری مطبع سے نکلنا شروع ہوا۔

ریاست میں ذرائع آب پاشی مہیا کرنے کیلئے ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار کے صرفہ سے ایک محکمہ قائم کیا۔ اور صنعت و حرفت کو رواج دینے کیلئے بھی ایک کمیٹی قائم کی۔

سب سے زیادہ جس چیز کی طرف علیا حضرت نے توجہ فرمائی وہ تعلیم ہے۔ چونکہ وہ خود تعلیم یافتہ ہیں اسلئے تعلیم کی بے انتہا حامی ہیں انہوں نے عملاً اس کی مثال قائم کی اور اپنی اولاد کو نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم دلوائی۔ اپنے چھوٹے صاحبزادہ کو علی گڈھ کالج میں بھیجا ہے جہاں وہ تعلیم پا رہے ہیں۔

ریاست میں اخوان داراکین ریاست کے بچوں کی تعلیم کے لئے الیگزنڈرا ہائی اسکول کھولا۔ مسلمان لڑکیوں کیلئے ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ سلطانیہ اور ہندو لڑکیوں کیلئے برجیس کنیا

پاٹ شالا قائم کیا۔
غریب عورتوں کی بسر اوقات کیلئے صنعت و حرفت اناث کے نام سے ایک مدرسہ چندہ سے قائم کرایا تاکہ ریاست کے لوگ آپ اپنی مدد کرنے کے عادی ہوں۔ اسمیں بھی زیادہ اپنی ہی امداد شامل رکھی۔ اس مدرسہ میں جو عورتیں کام سیکھنے کے لئے داخل ہوتی ہیں انکو عہ سے سیہ تک ماہوار وظیفہ دیا جاتا ہے۔
صاحبزادی آصف جہاں بیگم مرحومہ کے نام سے طب یونانی کی تعلیم کیلئے مدرسہ طبی آصفیہ قائم کیا۔ اور تاکہ عمدہ یونانی دوائیں دستیاب ہوسکیں یونانی ادویہ کی بھی ایک دُکان کھلوائی۔
ہز ہائنس کی تعلیمی کوشش کا دائرہ صرف اپنی ریاست ہی تک نہیں محدود رہا۔ بلکہ انکا باران فیض تمام ہندوستان پر برسا۔ ہندوستان کی کوئی مفید اسلامی انجمن یا درسگاہ شاید ہی انکے رشحات فیض سے محروم رہی ہو۔ علی گڈھ کے حامیان تعلیم نسواں کیلئے انہیں کی امداد کامیابی کا ذریعہ ہوئی۔ ندوہ اور دیوبند کے مدرسوں میں انہیں کے نسیم فیض نے ایک تازہ روح پہونکی الغرض اُن کی فیاضیونکی فہرست بہت لمبی ہے۔ اور علمی خدمات اور امداد کے لحاظ سے اسوقت علیا حضرت کا سایہ فیض ہندوستان کے مسلمانوں کے سر و پر سایہ ہما سے کم نہیں ہے۔
ہز ہائنس اپنے زمانہ ولی عہدی سے شاہی درباروں میں شریک ہوتی رہی ہیں ۱۸۷۵ء میں اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ کلکتہ میں جلسہ گراسی دربار میں شرکت فرمائی جو پرنس آف ویلس نے عطائے خطابات کیلئے منعقد فرمایا تھا پھر انہیں کے ہمراہ ۱۸۷۷ء کو دہلی کے قیصری دربار میں اور ۱۸۸۳ء میں کلکتہ کے لارڈ رپن کے دربار میں شریک ہوئیں۔
یکم جنوری ۱۹۰۳ء میں شہنشاہی دربار دہلی میں بحیثیت رئیسہ ریاست شرکت فرما ہوئیں۔
۲۴ جون ۱۹۰۴ء کو بہ تقریب سالگرہ ملک معظم ایڈورڈ ہفتم انکو جی۔ سی۔ آئی۔ ای کا خطاب ملا ۱۳۲۱ھ میں وہ مثل اپنی نانی سکندر بیگم صاحبہ کے ایک بڑا قافلہ ہمراہ لیکر حج کیلئے تشریف

لیگئیں۔ حجاز میں سلطنت عثمانیہ کی طرف سے آپکا نہایت اعزاز و احترام کیا گیا۔ اور بخیر و عافیت فریضۂ حج ادا کرکے واپس تشریف لائیں۔ واپسی پر اپنا ایک سفرنامہ حج بھی مفصل مرتب فرمایا جو شائع ہوگیا ہے۔

۱۹۰۷ء میں امیر حبیب اللہ خاں شاہ افغانستان کی آمد کے موقع پر آگرہ میں جو دربار ہوا اس میں بھی تشریف لیگئی تھیں۔ امیر صاحب نے پشتو اور فارسی میں گفتگو فرمائی۔ اور علیا حضرت کی ملاقات سے بہت خوش ہوئے۔ اور شعر پڑھا ؎

نہ انجیر شد نام ہر میوۂ   نہ مثل زبیدہ است ہر بیوہ

۱۹۱۱ء میں ملک معظم جارج پنجم کی رسم تاجپوشی کی شرکت کیلئے انگلینڈ تشریف لیگئیں۔ اور نہایت اعزاز کے ساتھ شرکت فرما ہوئیں۔ لندن کے علاوہ پیرس۔ جینوا۔ بوڈاپیسٹ وغیرہ یورپ کے مشہور شہروں کی سیر کی۔ مصر کو بھی دیکھا اور قسطنطنیہ بھی تشریف لیگئیں۔ وہاں سلطان المعظم اور سلطانہ سے ملاقات فرمائی۔

ہزہائنس کے اس سفر کے مفصل حالات انکی چھوٹی بہو شاہ بانو صاحبہ نے سفرنامہ سلطانی کے نام سے شائع کئے ہیں اسی سال پر دہلی کے دربار تاجپوشی میں شریک ہوئیں۔ اور جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب پایا۔

اس موقع پر محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ جلسہ بھی دہلی میں تھا۔ اسکے صیغہ تعلیم نسواں کے اجلاس میں بہمدردی اسلام و حمایت تعلیم نسواں تشریف لائیں۔ اور کرسی صدارت پر رونق بخش ہوکر ایک پر مغز تقریر فرمائی۔

ہزہائنس نے تاریخ بھوپال میں ایک کتاب تذکرۂ سلطانی دوسری گوہر اقبال شائع کی۔ نیز آنکی خود نوشت سوانح عمری کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوگیا ہے۔ رفاہ عام کے خیال سے انہوں نے اس سال دو کتابیں اور بھی شائع کی ہیں۔ ایک بچوں کی پرورش اور دوسری تندرستی۔

ہزہائنس کو بھی مثل اپنی والدہ ماجدہ کے تعمیر سے شوق ہے۔ اپنے لئے شہر سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کی ٹیکری پر نہایت عالیشان کوٹھی تعمیر کرائی ہے۔ جہاں اور بہت سی عمارتیں بنگئی ہیں اور اب احمدآباد اسکا نام رکھا ہے شہر کے مشرق میں عجائب خانہ نہایت عالی شان تعمیر کرایا ہے۔

ٹیلفون بھی بھوپال میں جاری کیا۔ اور برق کا محکمہ قائم فرمایا۔ جس سے برقی روشنی ہوتی ہے اور پنکھے چلتے ہیں اسکا ایک شعبہ علی گڈھ کالج میں بھی بھیجا اور ہزہائنس کے فیض سے یہاں بھی برقی پنکھے چلنے لگے۔

اب شمشی حساب سے وہ اپنی زندگی کے ساڑھے چھپین سال اور قمری حساب سے ستاون سال گذار چکی ہیں اور اپنے حکومت کے فرائض کو نہایت عالی ہمتی۔ تندہی اور دانشمندی کے ساتھ ادا کررہی ہیں۔ وہ نہ صرف اپنی رعایا ہی کے دلوں میں محبوب ہیں بلکہ ہندوستان کے تمام لوگوں اور بالخصوص مسلمانوں کی بھی۔ نہایت ہر دل عزیز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مبارک زندگی کو عرصہ تک قائم رکھے۔ اور اقبال میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین

اسلم

تقریر آنریبل میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لا صدر جلسہ شعبہ تعلیم نسواں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس آگرہ

منعقدہ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۳ء بوقت ۸ بجے شب

یہ جلسہ بلحاظ اپنی اہمیت کے کانفرنس کے دیگر اجلاسوں سے کسی طرح کم وقیع نہیں ہے شاید اگر کوئی ٹرین پہاڑ پر چڑھ رہی ہو اور ایک انجن اُسکو آگے سے کھینچے - اور دوسرا انجن پیچھے سے اپنی طرف کھینچے - تو ٹرین کی رفتار معدوم ہو جائیگی بعینہ یہی حال اس قوم کا ہے - جس میں مردوں کو تعلیم دی جائے لیکن عورتوں کو نہ دی جائے - عورتوں کو نہ پڑھانے لکھانے سے صرف ان کی موجودہ نسل ہی پر ناگوار اثر نہیں پڑتا - بلکہ آنے والی نسل پر بھی اس کا اثر نہایت ناگوار ہوتا ہے - تعلیم یافتہ عورت کی وجہ سے گھر کی زندگی نہایت خوشگوار ہوتی ہے - اور بچوں پر اسکا بہت عمدہ اثر پڑتا ہے - لہذا ضرورت ہے کہ مسلمان علی طور ہر صوبہ میں تعلیم نسواں کے لئے کوشش کریں - لاہور میں اس کام پر خاص توجہ ہے - انجمن حمایت اسلام لاہور کے ماتحت کئی پرائمری اور ایک ہائی اسکول لڑکیوں کے لئے کھولے گئے ہیں - جن میں لایق استانیاں ہیں اور ان مدارس میں مذہبی اور دینوی تعلیم دی جاتی ہے اس کے علاوہ لاہور میں کوئن میریز کالج قائم ہے جو سرکاری طور پر چلایا جاتا ہے اور ایک اور زنانہ مدرسہ بنام وکٹوریہ گرل اسکول ہے جس کے سکرٹری فخر قوم آنریبل جسٹس میاں محمد شاہدین ایک انگریز اور ایک ہندو جنٹلمین ہیں اس میں ۲ ہزار لڑکیاں پڑہتی ہیں جن میں مسلمان لڑکیوں کی بھی معقول تعداد ہے ان کے علاوہ اور بھی چند زنانہ اسکول وہاں جاری ہیں الغرض لاہور کی حالت تعلیم نسواں کے اعتبار سے قابل اطمینان ہے لیکن پنجاب کے اور شہروں میں اس مفید کام پر پوری توجہ نہیں کی گئی ہے اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ یہ اہم کام فوری توجہ کا مستحق ہے -

علی گڈھ کا زنانہ نارمل اسکول جو شیخ محمد عبد اللہ صاحب کی کوشش اور ہز ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال کی فیاضی کا نتیجہ ہے ترقی کی شاہ راہ پر چل رہا ہے اور امید ہے کہ اُس سے بہت عمدہ نتائج پیدا ہوں گے۔

تقریر مولوی سید کرامت حسین صاحب

لڑکیوں کی تعلیمی ضرورت لڑکوں کی تعلیمی ضرورت سے کسی طرح کم نہیں ہے شکر ہے کہ قوم میں عام طور سے اس کی طرف خیال پیدا ہو چلا ہے۔ لکھنؤ میں ایک مدرسہ آنریبل سر راجہ صاحب محمود آباد کی فیاضی سے جاری ہوا ہے۔ جہاں لڑکیوں کو عام دنیوی اور مذہبی تعلیم کے علاوہ امور خانہ داری کی بھی تعلیم دی جاتی ہے اور عمدہ تربیت سے تہذیب سکھائی جاتی ہے خوش نصیبی سے ایک امریکن خاتون، جو نہایت اعلیٰ تعلیمی ستندات رکھتی ہیں اور ہماری خوش نصیبی سے مسلمان ہو گئی ہیں، اپنی زندگی ہمارے اسکول کیلئے وقف کر چکی ہیں اور اپنا وطن اور مکان چھوڑ کر لڑکیوں کی دیکھ بھال کی خاطر اونکے ہمراہ اُس مکان میں رہتی ہیں جس میں کہ اُن کی شاگرد لڑکیاں رہتی ہیں۔ اس وقت ۷۰ لڑکیاں اسکول میں پڑھتی ہیں جن میں سے ۳۳ بورڈرز اور ۳۷ ڈے اسکالرز ہیں اگرچہ ہمنے قواعد میں یہ شرط رکھی ہے کہ سوائے بورڈنگ میں رہنے والی لڑکیوں کے کوئی اور لڑکی نہ پڑھے گی۔ خاتون مذکورہ کی ہمدردی کی مثال یہ ہے کہ پچھلے دنوں میں اسکول کی دو لڑکیوں کو نمونیہ ہو گیا وہ نیک دل بی بی ان کی خبر گیری کے لئے ہر وقت موجود رہتی تھیں اور ۲ رات تک مطلق نہیں سوئیں اور بیمار لڑکیوں کی اس طرح خدمت کرتی تھیں کہ اُن کی مائیں اور بہنیں بھی نہ کر سکتی تھیں۔ اسکول کی تکمیل کے لئے حسب ذیل خرچ درکار ہے۔

اور ان اخراجات کے لئے ۳ ہزار روپیہ ماہوار کی مستقل آمدنی اور ۳ لاکھ روپیہ کی

ابتدائی اخراجات عمارت وسامان وغیرہ کیواسطے درکار ہے۔ آنریبل سر راجہ صاحب محمود آباد کی فیاضی سے ایک ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی کا انتظام ہو چکا ہے۔ باقی کی نسبت امید ہے کہ قوم کی فیاضی اور توجہ سے پورا ہو جائیگا۔ گو ہیڈ مسٹرس اس مدرسہ کی ایک غیرمسلمان خاتون ہیں جنہوں نے بی اے۔ پاس کیا ہے لیکن مذہبی تعلیم کے لئے شیعہ اور سنی بی بیاں موجود ہیں۔ سُنی بی بی حافظ قران ہیں اور ترجمہ قران بھی ان کو حفظ یاد ہے وہ عربی پڑھ رہی ہیں جس سے امید ہے کہ وہ صرف ونحو کی کتابیں پڑھا سکیں گی۔ اسوقت بڑے بڑے اعلی اور شریف خاندانوں کی لڑکیاں اس اسکول میں بورڈرز کی طرح رہتی ہیں۔ مثلاً سید وزیر حسن صاحب بی اے۔ وکیل، مسٹر نبی الدبیرسٹر، سید فرید الدین صاحب، مسٹر سمیع اللہ بیگ صاحب۔ بی اے وکیل کے یہاں کی لڑکیاں اور ریاست جنجیرہ اور حیدرآباد دکن کی لڑکیاں موجود ہیں۔ تعلیم کے علاوہ یہ انتظام ہے کہ باورچی خانہ، کمروں کی صفائی، چمن کی آرائش اور دیگر کام باری باری سے مختلف لڑکیوں کے اہتمام میں رکھے جاتے ہیں۔ سینا پرونا، کشیدہ کاڑھنا وغیرہ وغیرہ سکہایا جاتا ہے تاکہ لڑکیاں خانہ داری کا کام پورے طور سے سیکھ جائیں۔ اسکول کو جاری ہوئے اب ایک سال گذرتا ہے اس میں جو فرائض ہیں اُن کا رفع کرنا اکابر قوم کا پہلا فرض ہے فی لڑکی تخمیناً بیس روپیہ ماہوار خرچ پڑتا ہے جس میں سے صرف ۵ لڑکی سے وصول کئے جاتے ہیں اور پندرہ روپیہ اسکول دیتا ہے۔ پردہ وغیرہ کا انتظام نہایت اعلیٰ ہے۔ اور لڑکیوں کی صحت بہت اچھی ہے آخر میں اراکین قوم کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس اسکول سے آپ حضرات فائدہ اٹھایئے اور اس کی امداد کیجئے۔

رپورٹ سالانہ

جناب صدر و حضرات

گذشتہ سال ہمارے لئے آندھی و طوفان کا زمانہ گذرا ہے۔ مسلمانوں کے خیالات میں نہایت انتشار تھا اور کسی بات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے ۔تمام قومی درسگاہیں ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک اور دیگر ملکی رفاہ عام کے کام ایک طور سے التوا میں پڑے تھے۔ کسی درسگاہ یا کسی انجمن کیلئے نہ کوئی چندہ دیتا تھا اور نہ کوئی مانگتا تھا۔ بہت سی انجمنوں اور مدارس پر اسکا اثر پڑا ہے۔ اور اب خدا کا شکر ہے کہ حالت سکون کی پیدا ہوتی جاتی ہے خدا ہمارے ملکی مسلمان بہائیوں کو چین عطا کرے۔ تاکہ ہمارے ملکی بہائیوں کو بھی اطمینان و چین نصیب ہو اور وہ اپنے کاموں کیطرف خاطر جمعی سے متوجہ ہو جائیں۔

یہ تو آپکو معلوم ہے کہ اس دو سال کے عرصہ میں کسی قسم کا نہ کوئی چندہ ہوا اور نہ اسقدر فنڈ جمع تھا کہ کوئی جدید کام شروع کیا جاتا۔ اس دوران میں جو کام میرے تعلق سے ہوا ہے وہ یہ ہے کہ علی گڈہ کا زنانہ بورڈنگ ہوس تیار ہو گیا ہے۔ اور اب اس میں اندازاً سو اسو لڑکیاں داخل ہو سکتی ہیں۔

بورڈنگ ہوس کیلئے بیس ہزار روپیہ ہمارے صوبہ کی گورنمنٹ نے عطا فرمایا ہے۔ جسکے لئے گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنا ہمپر واجب ہے۔ اس بورڈنگ ہوس کا افتتاح اسوقت تک بہت سے وجوہات سے معرض التوا میں رہا مگر خاص وجہ یہ تھی کہ حضور عالیہ جناب بیگم صاحبہ بھوپال جنکے دست مبارک سے افتتاح کرانے کا شروع ہی سے ارادہ تھا وہ علیگڑہ میں اسوقت تک تشریف نہ لا سکیں اور اب مارچ کے مہینہ میں حضور عالیہ نے علی گڈہ آنے کا پختہ ارادہ ظاہر فرمایا ہے۔ امید کیجاتی ہے کہ حضور عالیہ کا علیگڑہ میں تشریف لانا اور ایک بیبیوں کے بڑے جلسہ میں لڑکیوں کے بورڈنگ کا باضابطہ افتتاح ہماری آئندہ

کوششوں کو تقویت دینے والا ہوگا۔

بورڈنگ ہوس مذکور کا باضابطہ افتتاح تو مارچ میں ہوگا مگر ہمنے ارادہ کرلیا ہے کہ بورڈنگ میں لڑکیوں کو فوراً داخل کرینگے تاکہ حضور عالیہ کی تشریف آوری کیوقت ایک معقول تعداد لڑکیوں کی بورڈنگ میں موجود ہو۔

صاحبو۔ ہمارا مدرسہ جو اسوقت موجود ہے وہ اب پرائمری درجہ سے نکلکر پارسال سے سیکنڈری درجہ تک پہونچ چکا ہے۔ پارسال سے مڈل کی کلاسوں کی تعلیم دیجاتی ہے امسال دو لڑکیاں بالکل امتحان کیلئے تیار تھیں مگر گذشتہ چھ ماہ سے ہمارے پاس اعلی جماعتوں کو تعلیم دینے کیلئے کوئی اوستانی نہیں تہی۔ اوستانیوں کی تلاش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ کسی مرد سے تعلیم دلانا مناسب نہیں سمجھا۔ اسوجہ سے وہ شاید امتحان میں شریک نہ ہوسکیں نام تو اونکے بھیجدئے گئے ہیں۔ مگر اب جو ہیڈ مسٹریس صاحبہ اس مہینہ میں تشریف لائی ہیں اونکی رائے ہے کہ ان لڑکیوں کی خواندگی میں کمی رہگئی ہے اونکو امسال نہیں بھیجنا چاہیئے امتحان کی تاریخ ۹ مارچ ہے اگر اسوقت خواندگی پوری ہوگئی تو چلی جائینگی ورنہ نہیں۔

اب ہر کلاس میں دس دس پانچ پانچ لڑکیاں ایسی ہیں جن سے توقع کیجاسکتی ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک مدرسہ میں رہکر کم ازکم مڈل تک اپنی تعلیم ختم کرینگی۔ ابتک میں نے ہمیشہ یہ شکایت کی ہے۔ کہ لڑکیاں مدرسہ میں نہیں ٹھہرتیں اور جہاں اونکی عمر بارہ تیرہ سال کی ہوئی وہ چھوڑکر چلی جاتی ہیں اونکی شادیاں ہوجاتی ہیں اور ہماری محنت ایک طرح سے رائیگاں جاتی ہے کہ ہم اخبار میں پبلک کو اپنی کوشش کے نتائج نہیں دکھا سکتے۔ مگر اب بورڈنگ ہوس کے کھلنے پر امید ہے کہ یہ شکایت رفع ہوجائیگی۔

ہمنے سال گذشتہ سے انگریزی کی تعلیم کا بھی اہتمام کیا ہے۔ گو انگریزی کا مضمون اختیاری ہے مگر بعض لڑکیاں بڑے شوق سے پڑھتی ہیں اور اونکے والدین اسکو بہت پسند کرتے ہیں امسال ہمارے مدرسہ کی تعلیم میں ایک قیمتی اضافہ ہوا ہے کہ بھوپال کے مدرسہ

سے ہمکو ایک اُستانی ملی ہیں جو قرآن پاک بامعنی پڑھا سکتی ہیں - پانچ چھ ماہ سے وہ سب کلاسوں کو بامعنی قرآن شریف پڑھا رہی ہیں - اب ایک جانب سے تو بڑے بھائی صاحب کسی مدرسہ سے تعلیم پاکر آتے ہیں جو قرآن شریف کے معنوں سے قطعاً ناواقف اور دوسری جانب سے ہمارے مدرسہ کی چھوٹی بچیاں اُسی گھر میں جاکر ماباپ کو قران شریف بامعنی فرفر سُناتی ہیں - اس اِضافہ نے ہمارے مدرسہ کو بہت ہردلعزیز بنادیا ہے - اور اب جبکہ ہم شہر سے باہر جاتے کی تیاریاں کر رہے ہیں اہل شہر مصر ہیں کہ شہر میں بھی مدرسہ قائم رکھا جاوے اور جس طریقہ سے اب تعلیم ہوتی ہے وہ طریقہ بدستور جاری رکھا جاسے میں کوشش کر رہا ہوں کہ میونسپلٹی کی جانب سے امداد مل جائے تو ایک پرائمری کا مدرسہ شہر میں بدستور قایم رہے -

بورڈنگ ہوس کے کُھلنے سے ایک بڑا فائدہ یہہ ہوگا کہ علاوہ بیرونجات کی لڑکیوں کے جنکے لئے خصوصیت سے یہ بورڈنگ ہوس کھولا گیا ہے ایم اے او کالج کے احاطہ اور گرد و نواح میں مقیم حضرات کی لڑکیاں مدرسہ سے فائدہ اٹھا سکینگی - ایم اے او کالج بجائے خود ایک کالونی ہے اور سب حضرات جو وہاں پر مقیم ہیں وہ تعلیم یافتہ بزرگ ہیں - ان سب حضرات کی دیرینہ آرزو تھی کہ مدرسہ کالج سے بہت دور نہو تاکہ وہ بھی فائدہ اٹھا سکیں ہمارا جدید مدرسہ ایسے موقع پر واقع ہے کہ نہ ایم اے او کالج سے اتنا قریب کہ کسی قسم کا کوئی اور اندیشہ ہو اور نہ اسقدر دور کہ ایم اے او کالج میں مقیم حضرات اوس سے فائدہ نہ اوٹھا سکیں -

بورڈنگ ہوس کیلئے پراسپکٹس تیار ہوکر چھپ گیا ہے - اور کمیٹی نے پاس کر دیا ہے میرے پاس یہاں پر متعدد کاپیاں موجود ہیں جن حضرات کو ضرورت ہو وہ لیکر دیکھ سکتے ہیں

بورڈنگ ہوس میں دو قسم کی لڑکیاں رہسکینگی - ایک وہ جو اپنے اخراجات ادا کریں اور دوسرے وہ جنکو وظائف دیکر ٹریننگ کلاس میں بھرتی کیا جائیگا -

ہمارے پاس جو اسوقت ہیڈ مسٹرلیس ہیں وہ ایک قابل تجربہ کار معلمہ ہیں - اونہوں نے ایف اے پاس کیا ہے - فارسی اور عربی بطور سیکنڈ لنگویج کے لی تھی - آٹھ سال کا تعلیمی تجربہ ہے - بی اے تک کی خواندگی پڑھکر امتحان میں شریک نہو سکیں - سینیر کلاس ٹرننگ کا پاس کیا ہے اور ٹرننگ کلاس کو پڑہانے کا سارٹیفکٹ رکہتی ہیں -

ٹرننگ اسکول کے متعلق ایک بات یہ بھی عرض کرنیکی ہے کہ علی گڈھ میں تعلیمی کانفرنس گذشتہ جولائی میں منعقد ہوئی تھی اوسنے یہ سفارش کی ہے کہ لڑکیوں کیلئے جو ٹرننگ اسکول اسوقت موجود ہے اوسکے علاوہ دیگر مقامات پر بھی ٹرننگ اسکول کہوسے جائیں اور ایک ٹرینگ اسکول علیگڑہ میں ہماری کمیٹی کے انتظام میں کہولا جائے - ہم اوس طبقہ کی لڑکیونکو تعلیم دیکر تیار کرسکینگے جو واقعی مفید ہو سکتی ہیں - اسوقت گورنمنٹ ٹرننگ اسکول میں مسلمان لڑکیاں بہت ادنی طبقوں سے شامل ہوتی ہیں اور وہ جب دیگر مقامات پر جاتی ہیں تو وہ کچھ اچھا نمونہ طبقۂ اناث کے سامنے پیش نہیں کرتیں - اور اس لئے بجائے اسکے لوگوں کو تعلیم کیطرف رغبت پیدا ہو اولٹی نفرت پیدا ہوتی ہے - میں اپنے تجربہ کی بنا پر عرض کرتا ہوں کہ کمیٹی کا یہ خیال بالکل صحیح ہے - اسوجہ سے کمیٹی کی یہ سفارش قابل منظوری کے تھی مگر مسٹر ہگیٹ کی تعلیمی کمیٹی نے علیگڑہ کیلئے سفارش نہیں کی - میں نے سُنا ہے کہ ممبروں سے کہا گیا کہ لکھنؤ کا سرکاری مدرسہ صرف مسلمانوںکے لئے مخصوص رہیگا اور اچھے خاندانوں کی ہندو لڑکیاں اوس میں شامل نہیں ہوتیں - حالانکہ جو شکایت ہندو صاحبان کو اس مدرسہ کے متعلق ہے وہی شکایت ہمکو بھی ہے بہرحال ہمکو یہ توقع ہے کہ گورنمنٹ ہماری پورے طور پر امداد کریگی اور جسوقت ہمنے ٹرننگ کلاس کہولی اور انشاء اللہ ۱۹۱۴ء کے دوران میں کہلجاوے گی اوسوقت گورنمنٹ ہمکو اسکا نصف خرچ ضرور دیگی -

مجھے جو کچھ شبہ ہے وہ یہ ہے کہ اسوقت مسلمان لڑکیاں کافی استعداد رکہنے والی بہت کم ہیں جو ٹرننگ کلاسوں میں داخل ہو سکیں -

ہمارے مدرسہ کی سات آٹھ لڑکیاں جونیر کلاس میں داخل ہوسکتی ہیں مگر اب وہ سب مڈل تک باقاعدہ تعلیم پانا چاہتی ہیں۔ بعض مقامات سے امید دلائی گئی ہے کہ کچھ لڑکیاں وہاں سے وظیفہ کے لالچ سے آکر ٹرننگ کلاس میں داخل ہوجائنگی۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

اسوقت سب سے زیادہ دقت قابل اوستانیونکی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ جب تک ہمارے پاس کم ازکم پانچہزار تعلیم دینے والی اوستانیاں نہ ہونگی اوسوقت تک ہم کسطورپر ہر شہر اور قصبہ میں مدارس کہول سکینگے۔

اس میں قوم کے جملہ حامیان تعلیم نسواں کو سخت کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ وظائف کا انتظام کریں اور اپنے شہروں سے غریب بے تعلیم اچھے خاندانوں کی لڑکیوں کو مدرسوں میں داخل کرائیں۔ تاکہ وہ معلمہ گیری کے شریف پیشہ کو اپنی آیندہ زندگی کا مقصد قرار دلیکیں ایک جانب سے تو وہ خود ایک مصیبت اور ذلت کی زندگی سے نجات پائینگی جو بجائے خود ایک نہایت بڑا کام متصور ہوگا اور دوسری طرف سے انکی ذات سے قوم کو بیش بہا ذاتی فوائد پہونچینگے۔

حضرات۔ یہ قومی گاڑی ایک کے بوتہ کا کام نہیں ہے۔ سب ملکر اُٹھائیے کام کرنیوالوں کی ہمت بندہاتے رہیئے۔ اونکی مالی امداد کیجئے۔ اسوقت جابجا ہماری قوم کے بھی خواہوں نے تعلیم اُناث کیلئے کوشش شروع کردی ہے۔ ہمارے مخدوم محترم جناب مولوی کرامت حسین صاحب نے جناب راجہ صاحب محمود آباد کی اور اپنی ذاتی روپیہ سے ایک اچھا مدرسہ جاری کردیا ہے جسکے حالات جناب ممدوح خود اپنی زبان مبارک سے آپکے سامنے بیان فرمادینگے۔

لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے تحت میں جو زنانہ اسکول ہیں اونکو ایک علیحدہ کمیٹی ازسرنو ترتیب دے رہی ہے اور ہمارے قابل اور جوشیلے دوست مسٹر شہاب الدین صاحب اسکے لئے خاص کوشش فرمارہے ہیں۔ ہر صوبہ کی گورنمنٹ آپکی پوری امداد

کیلئے تیار ہے بشرطیکہ آپ خود بھی تیار ہوں - بقول سر جیمس لاٹوش کے تعلیم اناث کے معاملہ میں جتنے قدم رعایا آگے بڑہائیگی اوتنے ہی قدم گورنمنٹ بھی بڑہائیگی - ملک میں عام طور پر تعلیم اناث کی جانب بہت توجہ معلوم ہوتی ہے - ہر فرقہ اور قوم میں احساس پیدا ہوتا جاتا ہے - ہماری بہتری کیلئے اس سے زیادہ اچھے اور کیا آثار ہو سکتے ہیں -

عورتوں کی تعلیم کے بارے میں ایک خاص بات قابل لحاظ کے یہہ ہے کہ عورتیں اب خود بھی اپنی تعلیم میں حصہ لینے لگی ہیں - بعض وقت مرد اون سے بڑے بڑے مضامین لکھواکر اونکے دماغوں کو بادہوائی باتوں سے بھر دیتے ہیں اور وہ بھی مثل مردوں کے عملاً کچھہ کرنا نہیں چاہتیں - مگر میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ عورتوں میں بہ نسبت مردوں کے بدرجہا زیادہ عملی قوت موجود ہے - مجھے اس بات کو دیکھکر خوشی ہوئی کہ امسال لاہور کے زنانہ مدارس میں انگریزی تعلیم کا سلسلہ جاری کرنیکے متعلق جو بحث چھڑ گئی تھی اوس میں عورتوں نے نہایت ہی معقولیت سے حصہ لیا اور یہ ثابت کر دیا کہ عورتوں کے لئے کسی زبان یا علم کی کوئی حد قائم نہیں کی جا سکتی کہ صرف فلاں زبان پڑہیں اور فلاں نہ پڑہیں -

عورتوں کی انگریزی تعلیم کے متعلق آجکے جلسہ میں بھی ایک رزولیوشن ہے مجھے اُمید ہے کہ سب حضرات غور سے کوئی مناسب فیصلہ کرینگے - گو اس جلسہ کا فیصلہ کسی اسکول پر قانوناً قابل پابندی کے نہیں ہو سکتا - اور نہ اُن بچیونکی والدین پابند ہو سکتی ہیں جو اون کو انگریزی تعلیم دلانا چاہتے ہیں اور نہ زمانہ کا زبردست سیلاب کسی کے روکے سے رُک سکتا ہے مگر پھر بھی یہ ایک قومی جلسہ ہے اسمیں موافق اور مخالف آرا کا اظہار ضرور ہونا چاہئے تاکہ ہمارے بعض معتدر اخبارات کے اڈیٹروں کو معلوم ہو جاوے کہ آیا کُل قوم کا اس معاملہ میں ایک ہی خیال ہے یا کہ کل قوم اس معاملہ میں متفق نہیں ہے تاکہ آئندہ رائے دیتے وقت وہ اس بات کا لحاظ رکھیں کہ آیا کوئی شخص کل قوم کی رائے کے خلاف عمل کر رہا ہے یا صرف بعض اشخاص کی رائے کے خلاف -

مجھے چند بزرگوں کا شکریہ ادا کرنا ہے اور اسکے بعد میں اس رپورٹ کو ختم کرونگا۔
اول تو مجھے جناب میر عبدالرحمٰن صاحب اہلکار ریاست جےپور ورئیس علیگڑھ و آگرہ کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ کہ اونہوں نے چار بیگہ پختہ اراضی قیمتی تخمینی دو ہزار روپیہ کی گرل اسکول کے نام وقف کردی ہے۔ دوسرے جناب شیخ عبدالرحیم صاحب خلف جناب شیخ بخش الٰہی صاحب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے دس روپیہ ماہوار کا ایک مستقل وظیفہ زنانہ مدرسہ علی گڈہ کیلئے مقرر فرما دیا۔ میر سید نثار حسین صاحب ڈپٹی نہرلنگ خاص طور پر ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔ جناب ممدوح نے اپنے قیام علی گڈہ میں بورڈنگ کی تعمیر میں جسقدر مجھکو مدد دی ہے۔ اور کسی نے نہیں دی بعض اوقات جناب ممدوح صبح سے شام تک برابر میرے ساتھ کام کرتے رہے۔ میر صاحب موصوف قوم کے اوس برگزیدہ گروہ کے ایک فرد ہیں جس میں ہمارے مخدوم دوست مولوی بشیر الدین صاحب اور میر محمد حسین صاحب شوق بھی شامل ہیں۔ اس گروہ کا ہر فرد خالص کندن ہے۔ مثل مشہور ہے جسقدر کندن کو گھسواو تنی زیادہ آب و تاب نکلتی چلی آیگی مینے اس گروہ میں بھی وصف دیکھا کہ جس قدر زیادہ اس گروہ کے افراد میں کسی سے سابقہ پڑتا ہے اسیقدر زیادہ اوسکی خوبیاں دل پر نقش ہوتی جاتی ہیں۔ قوم کے سچے شیدائی ہیں مگر کبھی احسان نہیں جتلاتے کہ ہمنے کچھ کیا ہے۔ قوم کے لئے بہت بڑے بڑے کام کرتے ہیں مگر منہ سے یہ نہیں کہتے کہ ہمنے بھی کچھ کیا ہے۔ ہماری قوم کی جدید نسل کیلئے اِن بزرگوں کی ذات اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے۔ میر نثار حسین صاحب جب سے علیگڑھ میں آئے ہیں مینے ہر وقت اون کو کسی نہ کسی کام میں دلچسپی اور حصہ لیتے دیکھا مگر جب کبھی کرسیوں پر بیٹھنے کا وقت آیا تو سب سے پچھلی صف میں پایا۔ خدا ان چند بزرگوں کو بہت دنوں تک قوم کے سر پر سلامت رکھے۔ بیس ہزار روپیہ جو گورنمنٹ نے بورڈنگ ہوس کیلئے عطا فرمایا ہے اور جس سے ہر شخص واقف ہے۔ اوسکے لئے گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

اسی روپیہ کے حاصل کرنے میں جناب نواب محمد اسحاق خانصاحب آنریری سکرٹری کالج نے بھی بہت کوشش فرمائی اور نیز جناب آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب نے کونسل میں اسکے متعلق خاص سوال پیش کیا اور گورنمنٹ کی توجہ دلائی کہ بورڈنگ ہوس گورنمنٹ کی امداد کے بھروسہ پر شروع کیا گیا تھا اور ہورا پڑا ہے اس کے لئے روپیہ ضرور دینا چاہیئے اپنے دوست خواجہ صاحب کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

گوشوارہ آمدنی و خرچ از جنوری ۱۹۱۳ء لغایتہ دسمبر ۱۹۱۳ء

آمدنی	خرچ
۱- بذریعہ گورنمنٹ گرانٹ ماہانہ وریاستہائے خیرپور- بھوپال- ٹونک- بہاولپور- ۴۷۹۷-۱۲-۵	۱- تنخواہ ملازمان اسکول وصیغہ عمارت معہ متفرق خرچ مدرسہ- ۳۳۷۳-۱۰-۶
۲- گورنمنٹ گرانٹ برائے عمارت- ۲۰۰۰۰-۰-۰	۲- خرچ عمارت- ۱۵۰۴۲-۵-۵
۳- متفرق ۵۹-۱-۶	میزانکل ۱۸۴۱۵-۱۵-۱۱
میزانکل ۲۴۸۵۶-۱۳-۱۱	باقی ۶۴۴۰-۱۴-۰۰

عبداللہ
آنریری سکرٹری شعبہ تعلیم نسواں علی گڈھ

رزولیوشن بابتہ شکریہ بیگم صاحبہ بھوپال

صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب نے اس رزولیوشن کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا کہ "تعلیم کے ہر ایک صیغہ میں علیا حضرت بیگم صاحبہ کی فیاضی کا سرچشمہ جاری ہے اور در اصل بات یہ ہے کہ اُن کے اس فیض کی حالت میں کسی خاص عنایت کے لئے ان کا شکریہ ادا کرنا محال ہے۔ ہر ہائینس کی ذات بابرکات دنیائے مسلمانوں کیلئے باعث فخر ہے اور ہمارے ناچیز شکریئے کے اظہار سے بالاتر ہے ہم کو لازم ہے کہ ان کی درازی عمر اور ترقی اقبال کیلئے دعاگو ہوں۔ قوم اُنکی فیاضی سے ہمیشہ مستفید ہوتی رہے اور جن کاموں میں حضور ممدوحہ اس قدر دلچسپی کا اظہار فرماتی ہیں اُن کو کامیابی سے مکمل ہوتا ہوا دیکھیں حضور بیگم صاحبہ کی فیاضی کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ اس اسکول کی امداد میں حضور ممدوحہ ۳۵ ہزار کی رقم علاوہ سالانہ عطیہ کے عطا فرماچکی ہیں اور اس سے زیادہ مرحمت فرمانے کیلئے اور تیار ہیں۔

شیخ عبداللہ صاحب نے اس کی تائید میں کہا کہ "زنانہ نارمل اسکول کی ضرورت کو محسوس فرماکر حضور بیگم صاحبہ نے علی گڈھ کو اس اسکول کیلئے منتخب فرمایا اور علاوہ بیش قرار دادِ عطیات کے ہر طرح سے امداد اور ہمت افزائی فرمائی یہ اسکول ہر طبقہ کی مسلمان لڑکیوں کیلئے قائم کیا اور اپنے ہم مرتبہ رئیسوں کی ضروریات کے خیال سے زنانہ چیفس اسکول دہلی، رؤسا کی صاحبزادیوں کیلئے قایم کرنے کا ارادہ فرمایا اور اُس کیلئے خود چندہ دیا اور دیگر والیان ریاست سے جمع کیا۔ بہر خاص بھوپال میں ریاست کی لڑکیوں کیواسطے ایک اسکول جاری کیا جس میں تعلیم اور تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوتی ہے۔ لڑکوں کیلئے اگر علی گڈھ میں مرکزی مدرسہ سارے ہندوستان کا ہے تو اسی خیال سے اونھوں نے لڑکیوں کیلئے بھی یہی جگہ پسند فرمائی۔ اور اس سے

لئے جسقدر قلمے، قدمے اور درمے امداد فرمائی ہے اس کا حال اُن ہی لوگوں کو معلوم ہے جنہوں نے اس اسکول کے قایم کرنے میں حصہ لیا ہے۔ خداوندکریم حضور ممدوحہ کو مدت دراز تک اپنی درماندہ قوم کے سر پر سلامت رکھے۔

رزولیوشن تعلیم انگریزی

مسٹر احسان الحق بیرسٹر نے اس رزولیوشن کو پیش کرکے فرمایا کہ "تعلیم نسواں کا مسئلہ اسقدر صاف اور مسلمہ ہے کہ اس رزولیوشن کی تحریک کرنے میں کسی لمبی تقریر کرنے یا پُرزور دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شیخ عبداللہ صاحب نے اپنی رپورٹ میں یہ تذکرہ کیا تھا کہ قوم میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ تعلیم لڑکیوں کو دلائی جاوے یا نہیں۔ اور اگر دلائی جاوے تو کس طرح کی اور کس حد تک ہو۔ اگر تعلیم نسواں کے متعلق قوم میں کسی قسم کا شک باقی ہے تو واقعی قوم کی بدنصیبی ہے کہ وہ اپنے ایک بڑے جُزو کو اور ایسے جُزو کو جس کا اثر نئی پود پر ابتدا سے پڑتا ہے تعلیم کے فوائد سے محروم رکھے۔ لیکن مجھکو یقین ہے کہ قوم اپنی لڑکیوں کو تعلیم دلانے کی ضرورت محسوس کرتی ہے اور فقط یہ سوال ہے کہ وہ تعلیم کس طرح ہو؟

جس روز رزولیوشن کی تحریک کرنے کی مجھکو عزت حاصل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ "اب وہ وقت آگیا ہے کہ لڑکیوں کو انگریزی تعلیم بھی دیجائے اور علی گڈھ کے زنانہ اسکول میں انگریزی پڑھانے کا کافی اور مکمل انتظام کیا جائے۔"

لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانے کی تائید میں ایسے زبردست دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں جن کی صداقت میں کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔

اول یہ کہ قوم نے اب برسوں کے بعد تسلیم کیا ہے کہ مردوں کو انگریزی تعلیم دلانا لازمی ہے بہترین تعلیم وہ ہے جو بچپن سے دیجائے۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت

دلانے کا بہترین ذریعہ ماں ہے۔ پس اس وجہ سے بھی آجکل کی لڑکیاں جو کل کو مائیں بننے والی ہیں انگریزی جانتی ہوں۔

دوم یہ کہ قوم کے سیکڑوں نوجوان غیر ملکوں میں تعلیم پانے جاتے ہیں اور ہزاروں یہاں پر اعلیٰ تعلیم پاتے ہیں ایسے نوجوان جو یورپ کو جاتے ہیں وہاں کے طریقہ معاشرت اور بود و باش سے عموماً مانوس ہوکر آتے ہیں اور جو یہاں تعلیم پاتے ہیں اُن کے دل میں بھی یہ اُمنگ ہوتی ہے کہ وہ اپنی حکمران قوم کی طرح سے رہیں ہر ایک نوجوان کو یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کو بیوی ایسی ملے جو اُس کے ہم خیال ہو اُس کی پوری رفیق ہو، جس رنگ میں وہ ڈوبا ہوا ہے اُسی رنگ میں وہ بھی ڈوبی ہوئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر نوجوان یورپ سے بیویاں اپنے ہمراہ لاتے ہیں ہوم لائیف یعنی زندگی کا وہ حصہ جو انسان اپنے گھر میں بسر کرتا ہے عموماً اوسکے عادات اور اُس کے خیالات پر بہت بڑا اثر ڈالتا ہے۔ اگر کسی کی ہوم لائیف اچھی ہو اور خوشی سے گذرے تو اُس کی طبیعت بشاش ہوتی ہے، حوصلے بلند ہوتے ہیں اور وہ اپنے اور اپنی قوم کے کاموں کو قلبی اطمینان کے ساتھ کر سکتا ہے۔ اس ہوم لائیف کے پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ لڑکیوں کو بھی انگریزی تعلیم دیجائے تاکہ ہمارے نوجوانوں کو اچھی اور ہم خیال رفیق مل سکیں ایسی ہوم لائیف کی عدم موجودگی میں ہمارے سیکڑوں نوجوان اس اپنے جذبات کی وجہ سے اس امر پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ اپنا فرصت کا وقت اُن بازاری اور فاحشہ عورتوں کی نظر کریں جو اُن کے خوش کرنے کے لئے ہر طرح سے تیار ہوتی ہیں پنجاب میں انگریزی تعلیم کی ضرورت کو اس قدر محسوس کیا گیا ہے کہ انجمن حمایت اسلام کی کمیٹی نے میجارٹی سے یہ قاعدہ بنالیا ہے کہ لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دیجاے اور اس ضرورت کی سب سے بڑی زبردست تائید یہ ہے کہ وہ صاحب بھی جو انگریزی تعلیم کے مخالف تھے اب اپنی لڑکیوں کو ایک عیسائی اسکول میں

تعلیم دلا رہی ہیں۔ قوم میں اب مردوں کی تعلیم کے متعلق ہر اجلاس میں یہ رونا رویا جاتا ہے کہ ہم نے وقت پر اس تعلیم کی طرف خیال نہ کیا اور ہندوا پنی دور اندیشی کی وجہ سے ہم سے اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اب ہمارے لئے وہ کمی پورا کرنا مشکل ہے۔ اگر ہم نے اسوقت تعلیم نسواں اور انگریزی تعلیم پر توجہ نہ کی تو ہم کو چند برس بعد پھر رونا پڑے گا اور اگر ہمنے پوری توجہ سے اپنی لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانے کا بندوبست نہ کیا تو یہ فقط موجودہ نسل کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی بلکہ آئیوالی نسلوں کے ساتھ بھی ہوگا علاوہ بریں یہ امر قرین انصاف نہیں ہے کہ ہم اپنے لڑکوں کو ہر طرح کی تعلیم عموماً اور انگریزی تعلیم کثیر خرچ سے دلائیں اور اپنی لڑکیوں کو اس تعلیم سے محروم رکھیں۔ قوم کا ایک حصہ تعلیم یافتہ اور دوسرا حصہ ایک حد تک نا تعلیم یافتہ رہنے سے جو نقائص ہیں وہ پریسیڈنٹ صاحب اپنی تقریر میں بیان فرما چکے ہیں۔

تقریر حسن الدین صاحب خاموش

میں اس رزولیوشن کی تائید میں فقط اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ زمانہ کے حالات کا اب نہایت زور کے ساتھ تقاضہ ہے کہ ہم اپنی لڑکیوں کو وہ تعلیم دلائیں جس سے وہ اپنے آئیوالے بچوں کو اس جدوجہد کے لئے تیار کریں جس کے بغیر کوئی قوم اپنے سے بڑھی ہوئی قوموں سے مقابلہ کرکے کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ہم نے لڑکوں کو انگریزی تعلیم دلانے میں جو کوتاہی کی ہے اُس کا خمیازہ ہم اب بھگت رہے ہیں۔ اصلی دور اندیشی یہ ہے کہ ہم آئیوالی نسلوں کی ضروریات کا ابھی سے انتظام کریں۔

اسکے بعد ممتاز احمد صاحب طالب علم مدرستہ العلوم اور ظفر الملک ڈیٹر الناظر نے اس رزولیوشن کی مخالفت اس بنا پر کی کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ عورتوں میں انگریزی کی تعلیم رائج ہو ہماری عورتوں کو یورپین عورتوں کی طرح ملازمت اختیار کرنیکے واسطے

انگریزی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔

تقریر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب

باوجود اسکے کہ مشن اسکولوں میں بائبل کی تعلیم دیجاتی ہے۔ بعض اصحاب کو مجبوراً اپنی لڑکیاں وہاں بھیجنا پڑتی ہیں۔ اور اس سے اون پر کم سنی میں بڑا اثر پڑتا ہے۔ کوئن میری کالج میں مذہبی تعلیم کا کچھہ انتظام نہیں ہے۔ اور وہاں کی پڑھنے والیوں کو اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ گھر اکر مذہبی تعلیم حاصل کریں یہ امر مسلمہ ہے کہ بعض اصحاب کو شوق ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو مذہبی تعلیم دلائیں۔ لیکن عربی تعلیم مقدم ہے مذہبی تعلیم پر سب سے پہلے وقت صرف ہونا چاہیئے۔ جو قوم اردو کا نصاب تیار نہیں کرسکتی وہ انگریزی تعلیم کیا دلائے گی۔ ترجمے کیوں نہیں کرائے جاتے ؟

تقریر مولوی بشیر الدین صاحب اڈیٹر البشیر

مکمل اور کافی انتظام علیگڑھ میں بہتر سے موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اب وقت آگیا ہر میرے نزدیک لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانے کا ابھی وقت نہیں ہے کیونکہ اردو تعلیم کا بھی ابھی کافی انتظام نہیں ہوا ہے۔

تقریر واحد یار خانصاحب

علم کی بابتہ کیا حکم ہے ؟ چین بھی حاصل کرو۔ یعنی جس جگہ اور جس زبان میں سیلے اوسکو حاصل کرو۔ انگریزی سے کیوں تعصب ہے ؟ اگر انگلستان والے مسلمان ہوجائیں تو کیا ہماری خاطر وہ اپنی مادری زبان بھول جائیں گے ؟ زمانہ کی ضروریات کے مطابق زبان ہوتی ہے۔ انتظام ہونا چاہیئے کہ ایسی زبان میں تعلیم دی جاوے جو

سو برس بعد تک کام آوے۔

تقریر مولانا ابوالکلام صاحب آزاد اڈیٹر الہلال

اصل بحث یہ ہے کہ انگریزی کی تعلیم کا اہتمام کیا جاوے یا نہیں؟ اسلام نے فیصلہ کر دیا ہے کہ جو علم مرد حاصل کریں وہی عورتیں حاصل کریں۔ یہ اسلام کی فیاضی ہے اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ اور احسان عظیم ہے کہ اس نے جہالت کی بیڑیوں کو کاٹا اور سب سے بڑی بیڑی وہ تھی جو اس محترم فرقہ یعنی عورتوں کے ڈالی گئی تھی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اسوقت ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ تعلیم نسواں کا مسئلہ اس وقت تک صاف نہیں ہوا ہے بدبختی سے بہت سے ایسے حالات موجود ہیں جن کی وجہ سے جو لوگ تعلیم نسواں کے خواہش مند ہیں اُن کو بھی مجبوراً اس سے کنارہ کشی کرنی پڑتی ہے۔ علم ایک اعلیٰ اور ارفع چیز ہے۔ علم کو محض علم کی طرح حاصل کرنا چاہیئے۔ یہ تائید محض قران کریم کے حکم کی تعمیل ہے لیکن اگر اردو کی تعلیم نامکمل اور کافی انتظام نہیں ہوا ہے تو چند سال کیلئے اس امر کو ملتوی کر دینا چاہیئے۔

تقریر ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب

کانفرنس کا فرض ہے کہ اگر کہیں اختلاف رائے ہو تو اپنی اظہار رائے سے اُس کو مستفید کرے۔ جرمن میں عورتوں کی تعلیم کا ۱۹۰۱ء تک یہ پروگرام تھا کہ فقط جرمن زبان اور حساب کی تعلیم ہو۔ ۱۹۰۸ء میں اس کی کایا پلٹ ہو گئی۔ اور فیصلہ ہوا کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا ایک ہی نصاب ہونا چاہیئے اکثر لڑکیاں پرائمری تک پہونچتی ہیں پرائمری درجوں میں فقط اردو پڑھائی جاتی ہے سیکنڈری میں انگریزی اختیاری ہو کہ جو لڑکیاں چاہیں انگریزی پڑھیں۔

تقریر صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب

الفاظ رزولیوشن میں انگریزی لازمی نہیں ہے ۔ علی گڈھ اسکول میں اُستانیوں کو پڑہایا جاوے تو وہ انگریزی اور لڑکیوں کو پڑہا سکیں گی ۔ اسکی مخالفت میں ہزار لیکچر کیوں نہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کی خواہش ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ بی بیاں اُن کو ملیں ۔ اُستانی وہی قدر پائے گی جو انگریزی بھی جانتی ہو ۔ انگریزی پڑہانے سے محض ملازمت ہی مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے عورتیں اپنی اولاد کو بچپن سے فراخ دل کرسکتی ہیں عملی زندگی میں ہندوستانی اور انگریزی طالب علموں میں کیا فرق ہے ۔ ہم Formation of character ہی کے لئے توکوشش کرتے ہیں کیونکہ دنیا کی زندہ اور ترقی کرنیوالی قوموں سے مقابلہ کرنا ہے اور اپنی آیندہ نسل کے لئے سامان تقویت بہم پہونچانا ہے اس مسئلہ کی اہمیت کو ذرا سوچو ۔

تقریر شیخ عبداللہ صاحب

تین موجودہ اسکولوں میں سے دو میں انگریزی تعلیم کا انتظام ہے ۔ ہم بھی ایک فرد قوم ہیں ہم نے ضرورت محسوس کرلی ہے ۔ مضمون محض اختیاری ہے ۔

بالآخر قرار پایا کہ الفاظ رزولیوشن حسب ذیل ہوں :۔ اس کانفرنس کی رائے میں وہ وقت آگیا ہے کہ لڑکیوں کو انگریزی بطور اختیاری مضمون کے اور بلحاظ ضرورت حالات پڑہائی جاوے اور موجودہ اسلامی مدارس میں اس کی تعلیم کا کافی اور مکمل انتظار کیا جاوے ۔

ریویو

علیا حضرت ہر ہائینس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ تاج ہند۔ جی۔ سی۔ ایس
آئی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ فرمان روائے بھوپال ادام اللہ بالعز والاقبال نے متعدد
انگریزی کتب حفظان صحت سے مطالب اخذ کرکے اور اپنی ذاتی معلومات اور وسیع
تجربات شامل کرکے ایک کتاب بنام تندرستی تالیف فرمائی ہے جو علیا حضرت نے ہمارے
پاس بغرض ریویو روانہ فرمائی ہے۔ ہم اپنی قوم کی طرف سے عموماً اور اپنی معزز بہنوں اور
شعبہ تعلیم نسواں کی جانب سے خصوصیت کے ساتھ علیا حضرت کا دلی اور مخلصانہ شکریہ
پیش کرتے ہیں کہ باوجود ایک عظیم الشان سلطنت کی فرمان روائی کے کاموں کی مصروفیت
اور دیگر قومی اور ملکی کاموں اور اپنے صنف کی تعلیم و تربیت اور ہر قسم کی صلاح اور
بہبود کے تفکرات اور مشاغل کے علیا حضرت نے اس ضروری اور اہم کام کی طرف
توجہ فرمائی اور ملک کے مصنفین اور اہل قلم کی رہبری فرماکر ان کو مفید اور کارآمد
کتب کی تصانیف کی طرف توجہ دلائی اور اردو لٹریچر میں ایک نہایت مفید اضافہ فرمایا
یورپ کے سفر میں وہاں کے رجال اور اناث کی تندرستی دیکھکر اور تندرستی کے
حصول اور قایم رکھنے پر متعدد اخبارات رسائل اور کتب ملاحظہ فرماکر ہر ہائینس کو اس
کتاب کے تالیف کرنے کا خیال دامن گیر ہوا۔ اس کتاب میں ۳ ابواب ہیں اور
۵۴ مضامین پر مشتمل ہے پہلے باب میں ہدایات حفظان صحت ہیں۔ دوسرے باب
میں امراض متعدی سے حفاظت کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ تیسرے باب میں
اصول تیمارداری اور اُس کی واقفیت کی ضرورت اور عدم واقفیت کے نقصانات
کی چند مثالیں دیگر تیمارداری کی ضروری باتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں
۱۵۲ صفحے ہیں۔

ہر ایک مضمون کو ایسی دل آویز اور دلچسپ طریقہ سے بیان کیا ہے کہ بغیر

ختم کئے ہوئے دل نہیں مانتا۔ عبارت میں جن مقامات پر کسی قدر مشکل الفاظ استعمال کرنا پڑے ہیں اُن کے معنے فٹ نوٹ میں دیدئے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مضمون پر پوری اور مکمل معلومات بہم پہونچا کر قلم اٹھایا گیا ہے حفظان صحت اور امراض وغیرہ کے متعلق جدید انکشافات اور تجربات پورے طور پر درج کئے گئے ہیں کتاب کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی ایسے افسر اعلیٰ محکمہ حفظان صحت کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہے۔ جو اس فن میں کامل دسترس رکھتا ہے اور خود ان ہی اصول کا عملاً پابند ہے اور یہ سب اصول اوسکے ذاتی تجربات اور عمل میں آچکے ہیں اور ہندوستانی مسلمان مستورات کے روایات، مراسم اور رواج اور طرز تمدن قدیم اور جدید اور مذہبی احکام سے کامل واقفیت رکھتا ہے ہر ہائینس نے یہ کتاب دفتر رسالہ ظل السلطان بھوپال کو مرحمت فرمادی ہے اور اس کی آمدنی سے ان لڑکیوں کو وظائف دئے جائیں گے جو فن ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کریں گی یہ کتاب دفتر ظل السلطان بھوپال سے مجلد ۱۲ اور غیر مجلد ۸ کو مل سکتی ہے۔ ہر ایک مسلمان کے گھر میں اس کار آمد اور مفید کتاب کا ہونا اشد ضروری ہے۔

بچوں کی پرورش

علیا حضرت ہر ہائینس بیگم صاحبہ فرماں روائے بھوپال کی دوسری معرکتہ الآرا تصنیف بچوں کی پرورش ہے جو ۲۵۰ صفحے کی کتاب ہے اور جو ۹ ابواب اور ۱۱۳ مضامین پر مشتمل ہے۔ باب اول میں زچہ خانہ کی ضروریات اور ولادت کی احتیاجیں ہیں۔
باب دوئم میں قدرتی رضاعت۔ باب سوم میں مصنوعی رضاعت اور بچہ کی غذا۔ باب چہارم میں سونے کا طریقہ، بچے کا وزن، قد، سر حواس خمسہ، دماغ، دانتوں کا نکلنا، بولنا ٹائم ٹیبل وغیرہ کا بیان ہے۔ باب پنجم و ششم میں دوا، علاج، بیماری کی ابتدائی

علامات ، اور چند عام بیماریاں درج ہیں - باب ہفتم اور ہشتم میں زمانہ طفولیت میں جو بیماریاں ہوتی ہیں اور جو ضرورتیں لاحق ہوتی ہیں صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں - باب نہم میں ، بچہ کی نگرانی ، صحت کے اصول ، متعدی امراض اون کے علامات اور انسداد ، زہر کی شناخت و علاج ، کتے ، بلی اور دیگر جانوروں کے کاٹنے اور کسی چیز کو نگل جانے زخم ، چوٹ ، موچ وغیرہ آجانے اور دوسری ضروری باتوں مثلاً اتفاقی حوادث میں تیمارداری مریضوں کے غُسل ، غذاؤں اور مشروبات ، تعداد خوراک ، تعداد غذا ، چونے کے پانی اور عام ممنوعات کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے -

اس قدر تو ہر شخص جانتا ہے کہ بچے کی ابتدائی پرورش بالکل اوسکی ماں کے ہاتھ میں ہوتی ہے - پس پرورش کے طریقے اور انکے متعلق ضروری باتوں کا جاننا کس قدر ضروری اور لابُدی امر ہے - لیکن کیسے افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ اس اہم اور کارآمد مضمون پر کوئی مکمل کتاب ہماری زبان میں نہیں ہے -

ہزہائنس نے اسکو تالیف فرما کر ایسا عظیم الشان احسان اپنی قوم اور خاص کر فرقہ اناث پر کیا ہے جس کا شکریہ ادا کرنیکے لئے کہاں سے ہم الفاظ لاسکتے ہیں - نہ صرف موجودہ نسل بلکہ آئیوالی نسلیں ہزہائنس کی اس خاص شفقت اور بندہ نوازش سے مرہون رہیں گے - یہ کتاب انگریزی کی متعدد کتابوں سے جو پرورش اطفال پر ماہران فن ڈاکٹری کی تصنیف سے ہیں جو مستند قابلیت کے لئے شہرہ آفاق ہیں اخذ کی گئی ہے اور اس میں ہزہائنس نے اپنی ذاتی معلومات کو اور اضافہ کیا ہے - جو رائے کہ ہمنے ہزہائنس کی مولفہ کتاب "تندرستی" کے متعلق ظاہر کی ہے اوس سے کہیں زیادہ اس کتاب کے متعلق ہے اس کتاب پر مفصل ریویو کرنا ایک دوسری کتاب تصنیف کرنیکے برابر ہے اسکی پوری خوبی تو پڑھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے - نہ صرف پڑھنا بلکہ اوس پر عمل کرنے سے جو نتیجے برآمد ہوں گے اونکو دیکھکر صحیح اندازہ ہوسکیگا -

ہم اپنے اردو لٹریچر کو مبارک باد دیتے ہیں کہ اوس میں ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا اضافہ ہوا جس پر وہ جس قدر بھی ناز اور فخر کرے کم ہے۔

یہ کتاب بھی ہر ہائنس نے دفتر ظل السلطان کو مرحمت فرمادی ہے تاکہ اسکی آمدنی سے اون مسلمان لڑکیوں کو وظائف دئے جائیں جو فن ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ دفتر مذکور سے مجلد عہ کو اور غیر مجلد عہ کو ملسکتی ہے۔

منشی احمد علی خانصاحب دہلوی مصنف دکلید نقشہ کشی، مرقع الوان، وغیرہ نے اتالیق نسواں کے دس حصے تصنیف فرمائے ہیں اور ہمارے پاس برائے ریویو ارسال کئے ہیں۔

حصہ اول حساب قیمت ۸ر حصہ دوم کھانا پکانا قیمت ۱۲ر حصہ سوم سینا پرونا قیمت ۸ر حصہ چہارم انشا و مضمون نگاری قیمت ۶ر حصہ پنجم ابتدائی مصوری قیمت ۶ر۔ حصہ ششم کپڑے رنگنا اور چھاپنا۔ حصہ ہفتم گوٹہ کناری کی ٹکت قیمت ۵ر حصہ نہم مفید البنات قیمت ۱۰ر حصہ دہم انتظام خانہ داری قیمت ۱۲ر۔ ہم مصنف کی اس محنت کی قدر کرتے ہیں جو انہوں نے اس کتاب کی تصنیف میں برداشت کی ہے۔ مختلف مطالب کو نقشے اور تصویروں کے ذریعہ سے سمجھایا گیا ہے جو ہر ایک حصہ میں جابجا دئے ہوئے ہیں کاغذ اور چھپائی نہایت معمولی ہے اور ضخامت بھی ہر ایک حصہ کی بہت کم ہے اس لحاظ سے قیمت زیادہ ہے اگر مصنف صاحب اس کی نصف قیمت کردیں تو غالباً آسانی سے نکاسی ہوسکے گی۔ بہر حال انہوں نے اتالیق نسواں تصنیف فرماکر مستورات کے متعلق کتابوں میں ایک مفید اضافہ فرمایا ہے۔

جاپان میں تعلیم

اس سے قبل ناظرات و ناظرین کی عام واقفیت کیلئے ہمارے علم دوست بھائی خورشید علی صاحب رئیس حیدرآباد نے جاپان کے متعلق متعدد مضامین خاتون میں شائع کرائے تھے۔ اب حال میں ایک یورپین صاحب مسٹر لیوپولڈ کیورنے ایک مطول مضمون جاپان کی عام تعلیم پر لکھا ہے اور اوس میں اعداد و شمار سے جاپان کی موجودہ تعلیمی حالت ثابت کی ہے کہ ایشیا کے سب ممالک میں سب سے اچھی ہے اور یورپ و امریکہ کے کسی ملک سے کم نہیں ہے۔

مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں کہ جاپان نے دنیا کے کل مہذب ملکوں کی نسبت تعلیم کیطرف سب سے بعد میں توجہ کی۔ جاپان میں پہلے تو صرف تعلیم کا دروازہ انہیں لوگوں کے کھلا تھا جو اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر اونیسوی صدی کے وسط میں جاپان کو اپنی قوم کی عام تعلیم کیطرف توجہ ہوئی۔ اور جاپانیوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ آیندہ ہر فرد و بشر کو تعلیم سے بہرہ در ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ ۱۸۷۲ء ایک شاہی فرمان جاری ہوا جسکے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

"آیندہ تعلیم ہر شخص کیلئے عام ہوگی اور آیندہ سے کسی قصبہ یا گاؤں میں ایک خاندان بھی جاہل نہ رہنے پائیگا اور نہ جاپان کے کسی خاندان کا کوئی فرد جاہل رہنے پائیگا"

اس بڑے اصول کے اختیار کرنیکا یہ نتیجہ ہے کہ ۱۹۱۰ء میں منجملہ اون لڑکوں سے جو تعلیم پانے کے قابل تھے ۹۹ فیصدی اور منجملہ اون لڑکیوں سے جو تعلیم پانے کے قابل تھیں ۹۷ ½ فیصدی تعلیم پا رہی تھیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جاپان نے کسقدر حیرت انگیز ترقی کی۔ اور گذشتہ ۴۰ سال کے عرصہ میں اپنی کل قوم کو تعلیم یافتہ بنا لیا۔ علم اور ہنر کے دریا بہا دئے اور اس علمی روشنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوس شخصی سلطنت

زبردست سے مٹ بھیڑ ہوئی تو اوسکو جڑ سے ہلا دیا۔ سچی بات یہ ہے کہ تمام دنیا کی قوتیں اور اثرات ایکطرف اور تعلیمی قوت اور اثر ایکطرف چونکہ مضمون بہت بڑا ہے اسلئے ہم اوس حصہ کو جو مردوں کی تعلیم کے متعلق ہے چھوڑکر صرف اوسی حصہ کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو عورتوں کی تعلیم سے تعلق رکھتا ہے۔

زمانہ اصلاح کے شروع میں مغربی طور وطریق اختیار کرنے سے یہ اصول تسلیم کرنا پڑا کہ عورتوں کو مردوں سے کچھ کم رتبہ کی تعلیم کی ضرورت نہیں یعنی دونوں کی تعلیم ہم پلہ اور ہم رتبہ ہونی چاہیئے۔ فیاض طبع مرحوم شاہ جاپان نے ایک اصلاح یہ کی کہ ایک قانون نافذ کیا جس کی رو سے بڑی تعداد جاپانی عورتوں کی امریکہ کو بغرض حصول تعلیم روانہ کی گئی۔ لیکن قدیم روایات کو جو شادی اور طرز معاشرت کے متعلق تھیں یکایک منسوخ کر دینا آسان کام نہ تھا اور اس نئے قانون پر فوراً عمل کرانا بھی ممکن نہ تھا۔ اس لئے عورتوں کو جدید تعلیم دینا شروع کیا گیا جس کے حصول سے وہ آیندہ بہتر مائیں اور اچھی بیویاں بن سکیں۔ اس طرح عورتوں کی تعلیم کی تحریک نے ایک جانب اور سول کوڈ ۱۸۹۰ء نے دوسری طرف جس کی رو سے عورتوں کو ایسی مراعات عطا کی گئیں جو اونکے وہم و گمان بھی نہ تھیں، مل کر رفتہ رفتہ ایک ایسا طرز تعلیمی اختیار کر لیا جس سے کہ موجودہ زمانہ کی تمام ضروریات پوری ہو سکتی ہیں مغربی تمدن کی ترقی نے ثابت کر دیا کہ اس تحریک کی کسقدر ضرورت تھی جس نے اس امر کو لازمی کر دیا کہ لڑکیاں بھی اپنی معاش حاصل کرنیکے لئے مکمل تعلیم حاصل کریں۔ روز افزوں ترقی کرنے والے ملک یعنی جاپان میں مثل دیگر ممالک کے عورتوں کیلئے فن معلمی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے کیونکہ بہت سے ماہران فن تعلیم کا مقولہ ہے کہ اسکول کے بچوں کے حق میں یہ امر لابدی اور نہایت ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ معلمہ مستورات کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کریں۔ اسلئے ابتدائی اور سکنڈری اسکولوں کے لیئے

مدرسین بہم پہونچانیکے واسطے ٹرینگ کالجوں کی روزافزوں ضرورت رہتی ہے اور اس کالازمی نتیجہ یہ ہے کہ لڑکیوں کیلئے سکنڈری (نارمل) اسکول قائم کرنا پڑے سنہ۱۹۰۱ء تک سکنڈری نارمل اسکولوں میں دو نصاب مروج تھے۔ جن میں سے پہلے کی تعلیم ۴ سال تک ہوتی تھی اور اس کی صرف وہ لڑکیاں تعلیم پاتی ہتیں جن کی عمر کم از کم ۱۵ سال ہو اور جو اسکول لیونگ سرٹیفکٹ یا امتحان کے ذریعہ سے یہ ثابت کردیں کہ ابتدائی تعلیم کے مضامین پڑہانیکی اون میں کافی قابلیت موجود ہے۔ دوسرا نصاب اُن لڑکیوں کے واسطے تھا جو اپنی عمر کا سولہواں سال ختم کرچکی ہوں۔ اور اون کی تعلیم کی مدت ۴ سال رکھی گئی تھی۔ نارمل اسکولوں کے نصاب میں حسب ذیل مضامین ہیں۔

(۱) علم الاخلاق (۲) فن مدرسی (۳) جاپانی زبان دانی (۴) تاریخ (۵) جغرافیہ (۶) فن مصوری ونقشہ کشی (۷) فن موسیقی (۸) نیچرل ہسٹری (۹) ادبیات ملک چین (۱۰) ڈرل (۱۱) سینا پرونا (۱۲) اصول خانہ داری (۱۳) علوم طبعیات (۱۴) علم کیمیا (کیمسٹری) (۱۵) ریاضی (۱۶) خوش نویسی ہر ایک ہفتہ میں ۳۱ گہنٹے تعلیم ہوتی ہے۔

اگر لڑکی خواہش کرے تو پہلے کورس میں انگریزی لے سکتی ہے اور دوسرے کورس میں اصول خانہ داری اور خوش نویسی چہوڑی جاسکتی ہے۔ دوسرا کورس ایک سال میں پورا کیا جاسکتا ہے اور تعلیمی گہنٹے بجائے ۳۱ کے ۳۴ ہوجاتے ہیں۔ اور ٹائم ٹیبل سے تاریخ اور جغرافیہ خارج کردیا جاتا ہے۔

سنہ۱۸۹۵ء تک لڑکیوں کے واسطے صرف پرائیویٹ ہائی اسکول تہے پبلک اسکول اس سال تک نہیں کہولے گئے تھے اور کورس ۵ - ۶ سال میں ختم ہوتا ہے لڑکیاں ابتدائی تعلیم کے مدارس سے براہ راست ان سکنڈری مدارس میں پہونچ جاتی ہیں۔ اور ان میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے۔ (۱) جاپانی زبان (۲) انگریزی (۳) فن تحریر (۴) مصوری ونقشہ کشی (۵) فن موسیقی (۶) ڈرل علاوہ بریں اگر خواہش

کیجائے تو ماہیت فن تعلیم دستکاری اور چینی ادبیات کی بھی تعلیم دیجا سکتی ہے۔
ہر ہفتہ میں ۲۸ سے ۳۰ گھنٹہ تک تعلیم ہوتی ہے ۱۸۹۹ء میں ایک سرکاری اعلان
نافذ ہوا کہ ہر ایک ضلع میں ایک ایسی درسگاہ ہونا لازمی ہے اور مدت تعلیم ۳-۴
سال رکھی گئی ہے ۱۹۱۰ء کی سرکاری رپورٹ کے مطابق اُس سال ۱۰۹ پبلک
ہائی اسکول جاپان میں تھے جن میں ۲۵۸۲۴ لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں ان کے علاوہ
۱۰۰ پرائیویٹ گرلز ہائی اسکول تھے جن میں ۱۲۰۰۰ لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں ۱۹۱۰ء
میں ۳ سال کا کورس منسوخ کردیا گیا اور کم از کم ۴ سال کی تعلیم لازمی قرار دیدی گئی
چونکہ اس صدی کے شروع سے لڑکیوں کی بڑی تعداد نے ڈاکخانہ۔ تار اور ریلوے
کے محکموں میں ملازمت حاصل کرلی ہے اس لئے انکو ان ملازمتوں کے واسطے تیار
کرنیکے لئے معقول تعلیم و تربیت کی ضرورت محسوس کی گئی ہے اس کام کو پرائیویٹ
اسپیشل اسکول انجام دیتے ہیں گورنمنٹ بھی اس کام کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے
کوشش اور تدابیر کررہی ہے تاکہ لڑکیوں کو موجودہ سے کہیں زیادہ لبرل ایجوکیشل دینے
کا کافی بند و بست کردے جاپان کا ۱۸۹۴ء میں چین پر فتح یاب ہونا زیادہ
تر ماؤں اور بیویوں کے اثر پر محمول کیا جاتا ہے اور اسی وقت یہ طے کرلیا گیا کہ
اس کے صلہ میں ان کو اور بھی زیادہ تعلیم دینے کا انتظام کیا جاوے کیونکہ اون
کی تکمیل تعلیم کا وقت آگیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۰۱ء میں ایک یونیورسٹی بمقام ٹوکیو قائم کی گئی
جس کی اسکیم جاپان کے مشہور و معروف ماہر فن تعلیم ناروس نے ۱۸۹۶ء میں تیار
کرکے پیش کی۔
جس کے مقاصد حسب ذیل تھے (۱) لڑکیوں کی دماغی اور جسمانی قوتوں کو ترقی
دینا اور اُن کا کیریکٹر درست کرنا تاکہ وہ عملی زندگی میں کارآمد ثابت ہوں (۲) تمام
نسوانی خوبیاں اور نیکیاں پیدا کرنا لڑکیوں کی شخصیت قائم کرنا اور قوم کی آیندہ

مائیں یا بیویاں بننے کیلئے جن علوم کی اُن کو حاجت ہوگی اُن کے متعلق ضروری تعلیم کا سامان مہیا کرنا (۲) حُب وطن پیدا کرنا اور سوسائٹی کیلئے ایک کارآمد فرد بنانے کی اُن کو تعلیم و تربیت دینا۔

درحقیقت بحالت موجودہ اس یونیورسٹی کا رتبہ ایک کالج سے زیادہ نہیں ہی جس میں صرف چار مختلف شعبے ہیں اور ۳ سال کا کورس ہے اور اس میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہوتی ہے (۱) ماہیت فن تعلیم (۲) انگریزی ادبیات (۳) عام ادبیات (۴) اصول خانہ داری ہر ایک شعبہ کیلئے تیار کرنے والا ایک درجہ ہے جس کا کورس صرف ایک سال کا ہوتا ہے جاپان کا سنکڈری اسکول انگریزی گرامر اسکول کے مشابہ ہوتا ہے اور وہ کالج سے متعلق ہوتا ہے اور اسی میں ابتدائی مشق عملاً کی جاتی ہے اور انکی رہائش کا بھی انتظام ہوتا ہے بجز اُن پڑھنے والیوں کے جو اپنے والدین کے پاس ٹوکیو میں رہتی ہیں تمام لڑکیاں بورڈنگ کیلئے مجبور کی جاتی ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ خود بھی خانہ داری کے تمام شعبوں میں کام کرنے لگی ہیں تاکہ ان معاملات میں وہ کمال حاصل کرلیں اس سسٹم کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے لڑکیوں میں بے غرضی، دوستانہ اسپرٹ، سوشل عجز و انکسار اور سوشل ذمہ داری، آزادی اور اپنے پر بھروسہ کرنے کے اخلاقی صفات پیدا ہوجاتے ہیں ۱۹۰۶ء میں ۳۴۳ اُناث زیر تعلیم تھیں جن میں سے ۱۵ شادی شدہ تھیں۔ یہ اعداد نہایت تعجب دلانے والے ہیں۔

لڑکیوں کے اسپشل اسکولوں نے جاپان کے نظام تعلیم میں زبردست حصہ لینا شروع کردیا ہے۔ سرکاری تازہ ترین اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اسکولوں کی تعداد ۲۰۰ ہے جن میں ۱۰ ہزار لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ جاپان میں کھانا پکانے، سینا۔ پرونا، ریشم کاتنا۔ بننا اور رنگ سازی کے اسکول اور فن ڈاکٹری کے کالج ہیں جن میں ۳۰۰ لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ ایک شعبہ فن موسیقی کا، دایہ گری، اور فن تیمارداری وغیرہ کا بھی ہی

پیٹرس اسکول نہایت مشہور و معروف درس گاہ ہے جس کو ملکہ ڈوگر نے قایم کیا ہے اور اُسی کی زیر نگرانی ہے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں اس میں ۱۴۱ لڑکیاں تھیں جن میں سے ۲۷ اوسط درجہ کی اور ۸ شاہی خاندان کی شہزادیاں تہیں ہر ایک عمر کی لڑکی کیواسطے تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ کنڈر گارٹن ٹاؤن اسکول، اور اپر اسکول کا کورس رائج ہے علی اسکول کا تذکرہ کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے یہ ایک پرائیویٹ درسگاہ ۸۰۰ لڑکیوں کیواسطے ہے اسکی پرنسپل مسز شمودا ہے جو پیرس اسکول میں بیشتر ملازم تھی اس اسکول کے ۳ حصے ہیں (۱) ہائی اسکول (۲) آرٹ اسکول (۳) اسکول برائے تعلیم اصول خانہ داری۔ چند سال سے اس میں چینی لڑکیوں کیلئے ایک خاص صیغہ کہول دیا گیا ہے جس میں چینی اسکولوں کیلئے معلمہ بننے کی تعلیم و تربیت گورنمنٹ چین کے صرف سے دی جاتی ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نہایت مختصر سے زمانہ میں عورتوں کی تعلیم کیلئے بہت کچھ کیا گیا ہے اور گورنمنٹ جاپان اس بارہ میں اس سے بھی زیادہ کرو کہاتی اگر سررشتہ تعلیم کے افسران اپنے کام میں اسقدر زیادہ یکایک انقلاب ہوجانیکی مخالفت نہ کرتے۔ وہ موجودہ نسل کی کوشش اور اُن کے نتایج کی عمدگی کو تسلیم کرنا نہیں پسند کرتے ہیں وہ پورانی لکیر کے فقیر ہیں اور اپنے ہی پسند خاطر تعلیم ہونی چاہتے ہیں۔ یہ امر نہایت حیرت انگیز ہے کہ نوجوان تعلیم یافتہ دیگر معاملات میں تو نہایت آزادانہ رائے رکھتے ہیں لیکن اس خاص مسئلہ میں وہ بھی پورانے خیالات کے حامی ہوجاتے ہیں لیکن پورانے مدبرین مثلاً اوکوما، شہوسوا اموری مورا وغیرہ عورتوں کیلئے اعلیٰ تعلیم کے بڑے سرگرم معاونین میں سے ہیں۔ وہ اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اعتراض درست ہے کہ اکثر لڑکیاں اسکولوں میں نہایت معمولی تعلیم حاصل کرتی ہیں اور فیملی لائیف کی طرف سے لاپرواہی کرتی ہیں۔ لیکن اس کا علاج تعلیم کو کم کرنا یا محدود کرنا نہیں ہے بلکہ تعلیم کو ترقی دینا،

اور عورتوں کی تعلیم کیلئے کار آمد اسکیم تیار کرنا ہے۔ اور در حقیقت جاپانی عورتوں کا
رجحان تعلیم کی طرف اتنی تیزی سے ترقی کر رہا ہے کہ تعلیمی بورڈ مجبور ہوگا کہ اُن کے لئے
حصول تعلیم میں زیادہ آسانیاں بہم پہونچانیکے لئے حتی المقدور کوشش اور تدابیر اختیار
کرے۔ ۱۹۰۹ء میں جاپان میں تخمیناً ۲۶ ہزار اسکول مختلف اقسام کے تھے جن میں ایک
لاکھ ۲۰ ہزار معلم تھے اور ۸۰ لاکھ لڑکے اور لڑکیاں زیر تعلیم تھیں بڑے بڑے شہروں
میں پبلک لائبریریاں کھولی گئی ہیں۔ ٹوکیو کی پبلک لائبریری سب سے بڑی ہے جس میں
۳ لاکھ ۶۰ ہزار کتابیں ہیں۔ دستکاری اور صنعت و حرفت کی تعلیم کی جانب گورنمنٹ
بھی کوشش کر رہی ہے یہ بات بھی قابل تذکرہ ہے کہ جاپان کے اسکولوں میں کسی
قسم کی مذہبی تعلیم نہیں دی جاتی ہے۔ تمام دماغی اور روحانی علوم کی بنیاد یعنی
اخلاقی تعلیم کا سسٹم قرار دیدیا گیا ہے۔

اڈیٹر

عصمت کی دیوی

اُٹھنے لگی۔ مہرو اسے ہوا دیکھو تو بارہ بجنے میں کیا کسر رہگئی ہے گلبانو جلدی جلدی سے تیار ہو رہی ہے پھر دونو نے نقاب اُٹھا کر زینہ سے نیچے آتے ہی گھوڑے کو لانے کا حکم دیا (مہرو داروغہ کو مناسب ہدایت کے بعد) عبداللہ اب تم جاؤ اب ہم دیکھ لینگے عبداللہ سلام کر کے رخصت ہوا مگر دل میں حیران تھا کہ کیوں مہرو نے گھوڑوں اُلٹے نعل لگوائے ہیں جب مہرو کو معلوم ہوا کہ اب یہاں کوئی نہیں دیکھتا ہے۔ تو پھر اس نے ایک آہ دلسوز جگر سے کھینچکر آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگی۔

ع ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

پھر اللہ کا نام لیکے گھوڑے کی باگ اُٹھائی اور آن کی آن میں نظروں سے اوجھل ہو گئی ایک رات دن کی مسافت کے بعد ہوٹل نظر پڑا جس میں یہ اُترنے والی تھیں۔ دربان نے سلام کر کے گھوڑوں کو تھام لیا۔ مہرو انتہا درجہ کی تھکی ہوئی تھی انکے چاند سے چہرے ماند ہو رہے تھے۔

دربان۔ سرکار کمرے میں قدم رنجہ فرمایئے میں گھوڑوں کو تھان پر باندھکر دانہ پانی کا حکم سُناؤں۔

مہرو۔ (دل میں) الٰہی انقلاب زمانہ مجھے کیا کیا دکھا رہا ہے اور میں دیکھ رہی ہوں میں نے اتنی دلیری کی ہے جو کسی ہندوستانی لڑکی نے بھول کر بھی دل میں ایسا خیال نہ کیا ہوگا ایسی حالت کا سفر اور ہزاروں اندیشوں اور وہمونکا دلمیں گذر خدا تو ہی میرا بیڑا پار کر دے۔ میں کس قابل ہوں (بہت گھبرا کر) مجھے یہ سب مصیبتیں منظور مگر ایک زمانے بھر کے آوارہ و لیٹرے ڈاکو کیساتھ زندگی بسر کرنی ناممکن،،

گلبانو۔ پیاری مہرو تم اسقدر متردد و پریشان نظر آتی ہو مجھے ڈر

ہنو جاؤ دلکو ذرا ڈھارس دو دیکھو بہن تم بہت تھکی ہوئی ہو چلو آؤ منہ ہاتھ دہو کر کچھ کہا پی لیں - یہ دُکھڑا تو عمر بھر کا ہے خدا ہی ہم پر رحم فرمائے -

مہرو - اپنے پریشان خیالوں سے یک بیک چونک کر اُٹھ کھڑی ہوئی -

مہرو گھنٹی دبا کر - ہمارے لئے کافی کی گرم پیالیاں کچھ بسکٹ چاہئیں مہرو نے صرف ایک پیالی پر اکتفا کیا دونوں لڑکیاں اگرچہ کچھ اپنے اپکو مصنوعی عارضی سنگار سے ئے ہوئی تہیں حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را کی مصداق بنی ہوئی تہیں

مہرو کا کچھ اور ہی حسن تھا اور ہی بھبن معلوم ہو رہی تھی وہ انتہا درجے کی حسین و نازک اندام لڑکی تھی اسوقت اسکا قرمزی لباس کانوں میں فیروزے کے ہلتے ہوئے بُندے گلے میں دو لڑیوں کا موتیوں کا ہار قیمتی نفیس بروچیں دو پتلے پتلے ادہر ادہر لٹکتے ہوئے قیمتی انگوٹھیاں موتی کے جوڑ گورا گورا چہرہ مونگے کے سے ہونٹ بلا کی دلفریب تصویر تھی

مہرو (بالکل چپ سادے البیلے انداز سے کوچ پر نیم دراز ہو کر) دل ہی دل میں ہائے افسوس یہ کیسی خانہ بدوشی مہرو کیلئے لکھی تھی آہ مہرو ہرگز اس قابل نہ تھی والدین کی روح بدنصیب مہرو کے لئے تڑپ رہی ہوگی افسوس کس بے سروسامانی سے گھر سے نکل چلی ہوں یہ ننگ تو میری آنا دوا کیلئے بھی نامناسب تھا چہ جائیکہ مہرو خود اس مصیبت عظیم میں گرفتار ہوگئی ہے زمانہ کیا کہیگا چچا چچی اب مہرو کو زندہ نہ چھوڑینگے جہاں پائینگے کچا چبا جائینگے - اہی کوئی ہماری عقب میں آتا ہو پھر تو مہرو بن موت کے مر جائیگی - مگر ہاں موت بھی مہرو سے پرہیز کر رہی ہے مہرو وہ بدنصیب جسکی انتہا نہیں سچ ہے سایہ بھی اندہیرے میں انسان سے دور رہا کرتا ہے ؎

گنگارام - گنگارام - حاضر

لفافہ تم ہوٹل کے مینیجر کو دیدو -

جواب حاضر ہے ملاحظہ فرمالیں -

مہرو۔ بوا مینے سب اطمینان کرلیا ہے آیندہ ستار عیوب ہماری دستگیری فرمائیگا مینے ہوٹل منیجر کو تاکید کردی ہے ہمارا قیام ہمیشہ رازمیں رہے اور دو دو نوٹ پچاس کے علاوہ کرایہ ہوٹل کے دینے کا وعدہ کیا ہے تاکہ اسکو ذرا خیال رہے۔

گلبانو۔ پیاری مہرو میری عقل کسی طرح کام نہیں کرتی۔ میں سخت حیران ہوں کہ یہ تمنے کیا کیا۔ آئیندہ کیا حشر ہوگا۔ ذرا تو سوچو۔ آہ تمنے دو گھر برباد کئے۔ تم تو لایق قابل بہت ہمت مردانہ رکھتی ہو بھلا کوئی کہاں سے ایسا جگر لائے۔ تم تو ہرطرح مصیبت کو بوجہ اپنی دوراندیشی لیاقت و استقلال کے مناسب طور پر موجب راحت بنا سکتی ہو مگر آہ گلبانو کیا کریگی کہیں کی نہ رہی۔"

مہرو۔ (نہایت ازردہ و متفکر ہوکر) ہاں سچ ہے بالکل سچ مینے ناحق تمہیں مصیبت میں ڈالا ہے۔ آہ گلبانو اسی لئے تو میں کہتی رہی کہ للہ تم مجھے چھوڑ دو میرا خدا ہے جہاں لیجائے چلی جاؤنگی میں لاوارث ہوں خدا رکھے تم کہنے والی ایک ہندوستانی شرمیلی لڑکی ہو مگر انقلاب زمانے نے مہرو میں اور تم میں زمین آسمان کا فرق پیدا کیا تم ایک شرمیلی نازک دل لڑکی ہو مہرو ایک پتھر کا دل رکھنے والی بے شرم دنیا بھر کی بے شرم بے حیا ننگ خاندان بدنصیب لڑکی ثابت ہوئی تم ہرگز ہرگز مہرو کا ساتھ نہ دیسکوگی مہرو جانتی بھی نہیں کہ اسکو اور کہاں کہاں ٹھوکریں کھانی ہیں۔ تم مفت میں کیوں اپنی جان کو عذاب میں ڈالو للہ بہن مجھے چھوڑ دو قسم بخدا مہرو خوشی سے تم کو پہونچا ویگی تم باتیں بنا سکتی ہو کوئی حیلہ کردینا۔ "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز"

بوا میں تمہیں خوشی سے رائے دیتی ہوں کہ میرا ساتھ چھوڑ دو"

گلبانو (جو بڑی دیر سے سُن رہی تھی) مہرو سے لپٹ کر زار زار رونے لگی۔ مہرو (سخت پریشانی سے) الہی آیندہ کیا کیا جائے گھر چھوٹا وطن چھوٹا چچی چچا زبردستی مختار بیگ گھر لائے تھے اور اوسکا یہ ثمرہ ہاتھ لگا خیر مایوسی اور زیادہ ہلکان کئے دیتی ہے مہرو

تجھے استقلال سے کام لینا چاہیئے۔

باب دہم

جانعالم کی پریشانی

جسدن لڑکیاں گھر سے غائب ہوگئیں گھرمیں عجیب تعلکہ پڑگیا۔ گھر کے لوگوں نے چچا چچی نے کونہ کونہ چپہ چپہ چھان مارا۔ کہیں ہوں تو پتہ لگے کمرے میں قدم رکھتے ہی عجیب ہولناک منظر نظر پڑا دیکھا تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے داروغہ روتا پیٹتا وہ بھی فریادی ہوا کہ اصطبل سے دو گھوڑے عمدہ اور چند داروغہ کے گھر کی اشیاو غائب ہیں چچا کی جب زینے کے نیچے نظر پڑی چیخ مار کر بیہوش ہوگئے کیا دیکھتے ہیں کہ مہروکے ہی لباس کے جھتڑے خون میں تربتر پڑے ہیں پلنگ کے پاس اور زینے کے نیچے خون کے تھالے جمے ہیں۔ یقین کامل ہوگیا کسی بیدرد نے عین نکاح کی صبح ہونے کے پیشتر ہی دُلہن کا کام تمام کیا۔ مگر ہم ناظرین کو اس حیرت سے نکالکر اصلی واقعات بتانا چاہتے ہیں۔ حسن اتفاق سے ایسا واقعہ پیش آیا جو درحقیقت نہ صرف تعجب بلکہ سخت تعجب آمیز ہے۔ جسدن لڑکیاں غائب ہوئیں اوسکے صبح کو منحوس نکاح ہونیوالا تھا۔ میاں صفدر جو دولہا بنے ہیں انہیں اس رات بھر چین کہاں تھا ٹھوکریں کہانے کو دربدر پھر رہے تھے واپسی میں اگیر جو بیچارے اجنبی اور نئی سوغات لارہے تھے اوسپر شب خون مارکر اسباب لُوٹ لیا اور ساتھیوں سمیت جب مہرو کے گھر اور خاصکر اودھر کی رخ سے جدھر کمرہ تھا گذر رہے تھے دیکھا کہ کمرہ کھلا پڑا ہے اندر گھس کے مہرو کے لباس کے جھتڑے بنائے گئے اور اُن بیچاروں کے منہ میں ٹھونس کر کام تمام کیا۔ سچ ہے خدا جسکا پردہ ڈھکا رکھنا پسند کرتا ہو اونکی ہرطرح سے پردہ پوشی ہوہی جائیگی بیشک وہ ستار عیوب ہے ورنہ پیاری مہرو گلبانو کس بیدردی اور رسوائی کے ساتھ بدنام ہوجاتیں اور اُن انمول موتیوں کی آب کسقدر

جلد اتر جاتی - خدا ، بزرگ یہ منحوس گھڑی انکے دشمن پر بھی نہ لائے۔

اس افسوس ناک خبر کی افواہ سارے شہر میں پھیلی پولس نے تحقیقات شروع کی رفتہ رفتہ یہ خبر حرمان نصیب جانعالم تک پہونچ ہی گئی - جانعالم (دل ہی دل میں) الہی میں کیا سُن رہا ہوں خدا کرے کہ یہ افواہ غلط ثابت ہو جائے - نہیں نہیں میرا دل کہتا ہے کہ یہ درحقیقت غلط ہے جھوٹ ہے بہتان ہے کیا خدانخواستہ مہرو زندہ نہ رہتی اور میرے دلکو اسطرح سکون ہوتا ؟ ناممکن ناممکن - (پھر دل ہی دل میں) افوہ کسقدر سخت الفاظ ہیں کہ "مہرو ماری گئی" دیکھئے کس سفاک نے اسقدر بیدردی کی ہے - بیشک مہرو کی چچی زبردستی سے اپنے بھتیجے سے منسوب کرنا چاہتی تھیں اور مہرو بالکل راضی نہ تھی یہ خبر بھی مجھے مہرو کی سہیلی گلبانو نے دی تھی شاید یہی فساد ہوگا اور ضرور اس سفاکی و بیدردی کا بانی وہی ظالم روسیاہ ہوگا (بیتاب ہوکر) مہرو پیاری مہرو کیا تم اسقدر جلد بے مروت ہوگئیں آہ جب عازم سفر تھیں تو ہمیں بھی ہاں ہاں اپنے ادنی جانثار جانعالم کو بھی ساتھ لیا ہوتا اس بدنصیب کا کچھ تو خیال رکھتیں ہائے تمہاری وہ بھولی بھالی صورت میرے دل میں کھبی ہوئی ہے - ہائے بغیر تمہاری زیست کے جانعالم صفحہ ہستی پر ناشاد و نامراد رہگیا اب اسکو زندگی سے یاس ہو چلی آہ سہ عجب دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد۔ وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد - انہیں خیالوں میں جانعالم سر دُھن رہا تھا کہ تار کا آنا گویا ایک بجلی تھی کہ اسپر گر پڑی - رسید دیکر تھراتے ہوئے ہاتھوں سے لفافہ چاک کیا - گھبرا گھبرا کر دیکھ رہا ہے مگر پریشانی نے اسقدر بوکھلا دیا ہے کہ کچھ سمجھ نہیں سکتا جب اسنے بدقت تمام تار ختم کیا ایک آہ جگر سوز کے ساتھ سر پکڑ کر رہگیا - قریب تھا کہ دیوانہ ہو جائے جانعالم کو جب چچا چچی کے پاس سے تار آگیا اسکو یقین ہوگیا کہ مہرو اب افسوس زندہ نہیں رہی - تار چچی نے اس لئے دیا ہے کہ جانعالم کہیں ان لوگوں سے بدظن نہو جائے۔

جانعالم خاصہ دیوانا ہو رہا تھا پہروں بادیہ پیمائی کیا کرتا خورد و نوش سبھی کچھ اُسپر حرام
تھا ہر وقت ہر لحظہ پیاری مہرو کی یاد اسکے طفلی کا زمانہ اسکے آخیری مرتبہ جدا ہوتے وقت
کی حسرت بھری نگاہ یہ سب اور ساتھ ہی ہزاروں امیدوں بھرے دل کا ولولہ یہ سب
ایسی تیر و نشتر کی سی باتیں تھیں کہ وہ زندگی سے بیزار جان سے اجیرن ہو رہا تھا مگر خودکشی
گناہ کبیرہ سمجھ رہا تھا وہ صاحب ایمان تھا پاک و شریف دل سینے میں رکھتا تھا وہ
اگرچہ مہرو کیلئے ناامید ہو چکا تھا اسکی آرزوئیں اُمیدیں حسرتیں خاک میں ملچکی تھیں ظالم
چچی نے مہرو کے ساتھ اور ساتھ ہی جانعالم پر سخت ظلم کیا تھا مگر وہ محض مہرو کی خیریت
سے خوش ہونیوالا ہر حالت میں اسکی راحت کا طلبگار تھا وہ چاہتا تھا مہرو جہاں کہیں
رہے ہمیشہ خوش رہے۔ اور زندہ۔ مگر جب سُنا کہ مہرو ماری گئی ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ
اسوقت جانعالم کے دل کی کیا کیفیت ہوگی۔

باب یازدہم

رہرو تشنہ لب نہ گھبرانا
اب لیا چشمۂ بقا تو نے

مہرو کا خط

ہیں یہ خواب تو نہیں

حسب معمول جانعالم اپنے کمرے میں اُداس پریشان متفکر بیٹھا کچھ سوچ رہا ہے
کہ ملازم نے ایک رنگین لفافہ پیش کیا۔ خدا جانے اس لفافے میں کیسا جادو رکھا تھا
کہ اسکے زخم خوردہ دل پر بجلی کا کام کیا اور وہ بے اختیار رونے لگا۔
جانعالم (دل میں) آہ کسقدر پیاری مرحومہ کے خط سے مشابہ ہے بالکل وہی خط کا
مضمون پڑھکر سراپا حیرت بنگیا۔

جانعالم (بے اختیار ہوکے) ہیں یہ خواب تو نہیں ! الہٰی میں سوتا ہوں یا جاگ رہا ہوں

"مہرو" اور "ہوٹل میں" اور "زندہ" الہٰی خواب ہے یا عالم بیداری ہے۔ خط کو بار بار دیکھ رہا

ہے اور مجسّم حیرت بنا ہوا ہے۔ خط کا مضمون ناظرین کے سامنے پیش کرنا ہی مناسب معلوم ہو رہا ہے

خط یہ ہے۔ بھائی جانعالم۔

تمہیں سخت تعجب ہوگا کہ بدنصیب مہرو ہوٹل میں کہاں آئی کا تعجب و حیرت بالکل بیجا بہت درست

مگر مہرو کی قسمت میں جو بدا ہے ہوکر رہیگا میں چند دنوں سے ہوٹل میں ٹھیری ہوں نہیں معلوم

میں آیندہ کہاں ٹھیرونگی۔ لوگ مجھے بے حیا بے غیرت ننگ خاندان کہینگے۔ زمانہ ہر طرح سے

مہرو کو بدنام کرنے کے درپے ہو رہا ہے۔ مگر بدنصیب مہرو نے جو دل میں ٹھانی ہے وہی

کریگی۔ کیونکہ اس میں سچ پوچھئے تو مہرو بھی مجبور ہے بلکہ زمانہ و گردش بخت جو کروائیگی

اسکے لئے مہرو بھی صبر و استقلال کے ساتھ تیار ہے کلبا تو میری شریک رنج و راحت

ہین بھائی۔ مہرو ملتجی ہے کہ گم نام مہرو کی زندگی کی کسی کو خبر نہو۔ فقط

غم نصیب مہرو - از پرنس آف ویلیز ہوٹل

جانعالم (دل میں) "ہوٹل لکھنے کو تو لکھا ہے شہر کا پتہ نہیں چلتا معلوم ہوتا ہے کہ

شہر سے دور کہیں قریہ سے خط ڈاک میں ڈالا گیا ہے۔ اس نام کا ہوٹل ایک بمبئی میں ضرور

ہے اور یہ خط یقینا وہیں سے بھیجا گیا۔ ۵ درد فرقت سے تڑپتا ہے جگر۔

اب چلینگے ہم تلاش دوست میں۔ جب تک صفحہ دنیا پر جانعالم زندہ باقی ہے وہ مہرو کو

ضرور ڈھونڈ نکالیگا۔ ورنہ جانعالم تجھے ڈوب مرنا چاہیئے کہ ایک کم عمر لڑکی نے وہ ہمت

کی ہے کہ میں سراپا حیرت بنگیا"
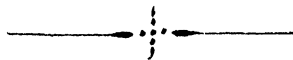
باب دوازدہم

مہرو ڈاکوؤں کے پھندے میں

؎ جرأت دل بھی زن و مرد پہ موقوف نہیں۔
کام ہمت کا دکہاتے ہیں دکھانے والے۔
بزدل ہے وہ جو مرنے سے ڈرتا ہے

مہرو۔ بہن گلبا تو جاگتی ہو! ہمارے چلنے کا وقت ہو رہا ہے۔ گلبا تو بہن چلو چلو خنک خنک ہوا چل رہی ہے بہت فرحت بخش وقت ہے دونوں لڑکیاں گھوڑے کی باگ اٹھائے بڑی تیزی سے جا رہی ہیں۔ مہرو دل میں " افسوس کہیں چین قسمت میں نہیں لکہا ہے اس لیٹرے نے ہمیں یہاں بھی رہنے نہیں دیا آہ مہرو کے لئے پردۂ دنیا پر کہیں جگہ سکون کی باقی نہیں رہی زمین سخت ہے آسماں دور ہے"
مہرو اپنی قسمت سے ہر طرح مجبور ہے "تھوڑی دیر گذری کہ گھڑی نے ٹن ٹن ٹن تین بجائے چاند کی دھندلی دھندلی روشنی لب سڑک درختوں کی قطاروں کا سایہ کبھی اندہیرا کبھی اوجالا۔ مہرو اسی رفتار پر چلتی ہوئی ذرا کی ذرا دم لینے کو جوڑ کی عجیب مصیبت کا سامنا ہوا۔ قسمت نے عجیب گل کھلایا۔ لیجائے طلسم میں پھنسایا۔ مہرو نے چلنے کا ارادہ کرکے باگ اٹھائی کہ ایک سیٹی کی آواز زور سے سنائی دی۔ جانا کہ راہگیر ہیں۔ تھوڑی بھی دیر نہ گذری کہ کسی نے گھوڑے کی باگ روکی۔ مہرو گھبرا کر جو دیکہتی ہے اپنے آپکو ایک مسٹنڈے ڈاکو کے ہاتھ میں گرفتار پایا۔ سمجھی کہ وہی بدمعاش صفدر ہے پھر تو کاٹو تو لہو نہیں بدن میں قریب تھا کہ طائر روح قفس عنصری سے پھڑک کر پرواز کرے۔ لیکن "کام ہمت کے دکھانے ہیں دکہانے والے"۔ اوسنے ہوش و حواس درست کرکے (دلیری کے لہجہ میں) اے شخص تو کون ہے کس لئے ہمارا سد راہ ہو رہا ہے اگر بھوکا ہے

تو کہدے کہانے کو دینگے ننگا ہو تو کہدے پہننے کو دینگے یہ بدتہذیبی ہے کہ سرراہ یوں
باگ روکنے کی جرأت کرے کسی حاجت پر سائل ہوا ہے کہدے تو حاجت روائی کریں
ورنہ کسی غلطی سے تو نے دہوکہ کہایا ہے تو لے تجھے ہم معاف کئے دیتے ہیں اپنا راستہ
لے کچھ خوف نہ کر۔ ڈاکو کو پھر بھلا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اگرچہ جہرو کی گفتگو سے وہ کسی قدر
متاثر تو ہوا مگر کہنے لگا۔ یہ باتیں کسی اور سے کیجئے۔ آپ ہمیں بھلا کیا دینگی۔ آپ اپنی خیر
منائیے۔ کمبخت ڈاکو نے جہرو کے ان قیمتی الفاظ کی ذرا قدر نہ کی۔ سچ ہے۔
ع تربیت نا اہل راچوں گردگاں بر گبند است۔ وہ بھلا جہرو کی قدر منزلت کیا جانے
جہرو اے شخص تو اگر اپنی اماں چاہتا ہو تو ہمکو چھوڑ دے ہمارا سفر ملتوی ہو رہا ہے
ورنہ تیری خیر نہیں۔
ڈاکو بیگم صاحبہ ایسی دہمکیاں کسی اور کو سنائیے یہ یہہ۔ وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اُتار
دے۔ ہم اپنا فرض منصبی ادا کرینگے۔
جہرو۔ تو کیا چاہتا ہے روپیہ؟ اگر روپیے کی طلب ہے تو لے یہ سو روپیہ کے نوٹ
اور اپنا راستہ پکڑ۔
دوسرا ڈاکو۔ بھلا ان سے کیا ہوگا ہم پورے طور پر آپکا محاصرہ کرینگے۔ تم تو اب
ہماری اختیار کی چیز ہو چاہیں جان سے ماردیں چاہیں زندہ چھوڑیں چاہیں فقیر بنائیں
چاہیں اپنا مالک و مختار پھر تو سب ڈاکو آپکے زیر فرماں بنے رہیں گے۔ (دل ہی دل
میں لرز کر) آپکا حسن جمال ایسا نہیں ہے کہ چھری کی تیز دہار سے بگاڑیں یا ملیامیٹ کریں
جہرو۔ فرط غیظ سے کانپ کر او بدزبان بدتمیز ڈاکو تو نے ایسی گستاخی کی ہے خنجر آبدار
سے اسکا مزہ چکھاؤں۔
ڈاکو۔ (جہرو کے تحکمانہ لہجے کو سنکر اور اسکے حسن کی رعب وداب سے ڈرکر مگر بظاہر
ہنس کر) آپ جیسی نازک اندام لیڈی کو بھلا چھری خنجر سے کیا واسطہ مجھے

ڈر لگتا ہی کہ کہیں نزاکت کی وجہ سے زبان میں زخم نہ آگیا ہو آپ ہمیں کیا ماریں گی ہم آپ مر رہے ہیں سے ذبح کیجئے نہ مجھے میں تو یونہیں مرتا ہوں - آپ کیوں لیکے یہ الزام بڑے ہوتے ہیں
مہرو (نہایت پریشان ہوکر) چل مردود تو نے کیا سمجھ رکھا ہے -
ڈاکو - بیگم صاحبہ ابھی تو آپکا ادب اسوقت تک ملحوظ رکھا گیا ورنہ (با ہستگی) ابھی ابھی خاتمہ ہو جاتا -
مہرو - گستاخ کیا مرنے سے بار بار ہمیں ڈرائیگا - بزدل ہے وہ جو مرنے سے ڈرتا ہے بتا کیا تو چاہتا ہے کہ پولس میں اطلاع دی جائے -
ڈاکو - یہاں سے جب نجات ملے بھی -
مہرو (بے حد خشم آلودنگاہوں سے دیکھکر) لو دیکھو اب پھر کہے دیتی ہوں کہ میری مسافت میں خلل انداز نہو -
ڈاکو - آپ جو ہمارا وقت کھو رہی ہیں بیگم اسقدر باتیں نہ سنائو ہم نے بہت سا وقت آپ کی خاطر صرف کیا اسکا عوض لیلیں -
مہرو - کی رگ ہاشمی جوش میں آئی اسکی شرافت اسکی ہمت وخودداری ان الفاظ کے سننے کی تاب نہ لاسکی وہ اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سنبھل کر بیٹھی اور ایک بارگی چہرے کا نقاب الٹ کر نعرہ اللہ اکبر کا بلند کر کے میان سے وہ چمکدار بجلی کی سی تلوار نکالی جو گھر سے نکلتے وقت مہرو نے اپنے قرمزی رنگ کے لباس میں چھپائی تھی نقاب کا اٹھنا تھا کہ ایک بجلی کوندھ گئی رعب حسن سے بدمعاشوں کی ہمت پست ہو چلی - نعرہ اللہ اکبر کے ساتھ ہی اپنے گھوڑے صبا رفتار کو مہمیز لگائی کہ وفادار گھوڑے نے بھی اچک کر اس زور سے ایک ٹاپ ڈاکو کے سینے میں لگائی کہ وہ زمین پر لوٹ گیا اور مہرو نے کھلے ہوئے اول وغیظ وغضب سے تھرتے ہوئے ہاتھوں سے جھک کر ایک وار ایسا کیا کہ ڈاکو کا کام تمام ہوگیا تمام ڈاکو سے ایک کارراز تو آید مردان چنیں کنند

رجسٹرڈ نمبر اے (۱۲۷)

خاتون

جلد ۱ | بابت ماہ فروری و مارچ ۱۹۱۴ء | نمبر ۲ و ۳

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی۔اے۔ ایل ایل۔بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

باہتمام عنایت خاں صاحب

مطبع ریاض ہند علی گڑھ میں چھپا

شیخ محمد عبداللہ بی اے پبلشر

خاتون

۱ - یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (۳ روپیے) اور ششماہی (۱۲ عہ) ہے

۲ - اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳ - مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہو نگے مطلق کامیابی نہیں ہو سکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

۴ - ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاوے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو، تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگے ہیں۔

۵ - ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶ - اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اس کو خریدنا گویا آپ اپنی مدد کرنا ہے۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لئے تیار کیا جائے گا۔

۷ - تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
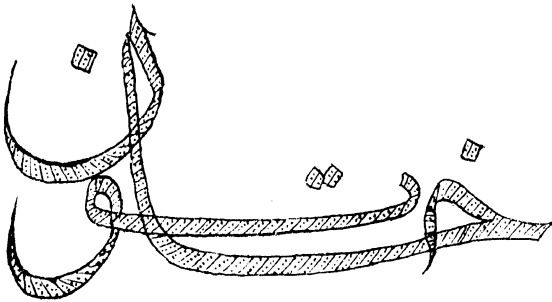
ہرہائینس بیگم صاحبہ بھوپال کا ورود مسعود علی گڑھ میں

تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے والوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہی کہ زمانہ عروج
اسلام میں کیسی کیسی باکمال اور قابل فخر مسلمان خواتین گذری ہیں اور اُنھوں نے کیسے کیسے
کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اور اس امر کو باور کرنیکے لئے ہمارے روبرو علیا حضرت
ہرہائنس بیگم صاحبہ کی زندہ مثال موجود ہی۔ علیا حضرت نے اپنی پرائیوٹ اور پبلک لائف سے وہ
نمونہ قوم اور ملک کے روبرو پیش کیا ہی جس پر مسلمانانِ ہندوستان جسقدر فخر کریں اور جسقدر
نازاں ہوں کم ہی۔ اگر قوم میں ایسی اعلیٰ درجہ کی چند مثالیں اور نظر آنے لگیں تو ہم ضرور ترقی

یافتہ قوم کہے جانیکے مستحق بن سکتے ہیں۔

علیاحضرت کو قومی کاموں سے عموماً اور ہمارے کالج اور شعبہ تعلیم نسواں سے جو خاص ہمدردی اور دلی دلچسپی ہی اُسکی دوسری مثال نظر نہیں آتی اور علیاحضرت کا اس قدر دور و دراز فاصلے سے سفر کر کے محض اپنی قومی درسگاہ کی خاطر یہاں تشریف لانا ایسا زبردست واقعہ ہی جس کو نہ صرف ہم بلکہ آنے والی نسلیں نہایت فخر کے ساتھ یاد رکھیں گی۔ ہر ہائینس ۲۵ اور ۲۶ فروری ۱۹۱۴ء کی درمیانی شب کو بذریعہ اسپشل ٹرین مع ہر ہائینس بیگم صاحبہ جنجیرہ علیگڑھ اسٹیشن پر رونق افروز ہوئیں۔ جناب نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب بہادر آنریری سکرٹری۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب۔ مسٹر ٹول اور دیگر معززین نے اسٹیشن پر استقبال کیا اور ہر ہائینس جناب نواب صاحب بہاسو کی کوٹھی میں مقیم ہوئیں۔

۲۶ فروری کو ہر ہائینس جناب نواب صاحب بہاسو کی مہمان ہوئیں اور ۲۶ فروری کا دن ہر ہائینس نے منتظمین کالج کو باریاب کرنے میں صرف فرمایا۔

صدر دفتر کانفرنس کا سنگِ بنیاد

۲۷ فروری ۱۹۱۴ء کو نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب بہادر، نواب مزمل اللہ خاں صاحب اور مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب ہر ہائینس کے فرودگاہ پر تشریف لیگئے اور ہر ہائینس سے درخواست کی کہ صدر دفتر کانفرنس کا سنگ بنیاد نصب کرنیکے لئے ہر ہائینس تشریف لے چلیں۔ چنانچہ ہر ہائینس ان حضرات کے ہمراہ بوقت ۱۰ بجے دن تشریف فرما ہوئیں صدر دفتر کانفرنس کی تعمیر کے لئے صاحب باغ کے متصل ایک وسیع قطعہ حاصل کیا گیا ہی جو مدرسۃ العلوم کی ملکیت ہی یہ مقام مختلف رنگوں کی بیرقوں، جھنڈیوں، گملوں، اور گلدستوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ جلسہ کے لئے شامیانوں کا ایک خوبصورت پنڈال تیار کیا گیا تھا اور ایک مصنوعی عالیشان دروازہ نصب کیا گیا تھا۔

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب اور دیگر ممبران سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی نے ہر ہائینس کا دروازہ تک استقبال کیا جسوقت ہر ہائینس دروازہ سے پنڈال میں داخل ہوئیں تو جملہ حاضرین تعظیم اور مراسم خیر مقدم نہایت جوش کے ساتھ بجا لائے اور ہر ہائینس نے کرسی صدارت کو زینت عطا کی۔ سب سے اول مولانا مولوی عبدالحق صاحب بغدادی پروفیسر عربی نے قرآن مجید کی تلاوت کی جس کے دوران میں تمام حاضرین جلسہ سرو قد کھڑے رہے اور ہر ہائینس کے حکم سے نوبت بند کردی گئی۔ جواب بھی بج رہی تھی جناب میجر سید حسن صاحب بلگرامی نے اڈریس پیش کئے جانے کی اجازت طلب کی جس کے عطا ہونے پر صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب جائنٹ سکرٹری کانفرنس نے حسب ذیل اڈریس پڑھا۔

اڈریس من جانب ممبران سنٹرل سٹینڈنگ کمیٹی آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

بحضور علیا حضرت قدر دان فیض رسان ہر ہائینس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ تاج ہند۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای فرمانروائے بھوپال دام لہا الاقبال!

حضور عالیہ!

ہم ممبران سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نہایت ہی عجز و ادب کیساتھ سرکار عالیہ کا سپاس ادا کرتے ہوئے یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ ہم آج کے دن کو اس قومی انجمن کی تاریخ میں سب سے بڑا اور قابل یادگار دن تصور کرتے ہیں، کیونکہ گو اس کانفرنس کے آغاز کو ۲۸ سال کا عرصہ ہوچکا ہے اور اس زمانہ میں قومی بیداری اور تعلیم کے عظیم الشان مقاصد کے حصول میں کانفرنس بہت کچھ خدمت ادا کرچکی ہے، لیکن

جس طرح ہر شے کی تاریخ میں کمال پر پہونچنے کے لئے قدرت کی طرف سے ایک ساعت مقرر ہوتی ہے۔ اُسی طرح خالق اکبر کو جو کام اس قومی تحریک سے لینا مقصود ہے اس کے ظہور میں آنے کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں۔ اور یہ حقیقت کسقدر پُر امید اور فرحت افزا ہے کہ آج اس کی ابتدا سرکار عالیہ کے مبارک ہاتھوں سے ہونیوالی ہے۔

سرکار عالیہ کا مہمات سلطنت کو ملتوی فرماکر اپنے پایہ تخت سے اتنا دور دراز سفر طے کرکے ایک قومی ضرورت کے انصرام کے لئے یہاں رونق افروز ہونا ایک عدیم المثال واقعہ اور ہمارے فخرو مباہات کا بلند ترین زینہ ہے۔ پس ہم جس حد تک بھی حضور عالیہ کا شکر ادا کریں وہ کم ہے۔ ہم فدویان اگر حاضر حضور ہوتے تو یہ امر رسم دعوت کے موافق تھا، مگر ہماری التجا پر حضور عالیہ کا تکلیف فرماکر یہاں تشریف لانا ہماری گردنوں کو بار احسان سے جھکا رہا اور اور دلوں کو فرط مسرت سے وجد میں لاکر مولانائے روم کے اس قول کی تصدیق کر رہا ہے کہ

تشنگان گر آب جویند از جہاں ؎
آب ہم جوید بعالم تشنگاں

۲۔ حضور عالیہ! سرکار کا جو درجہ آج ملک اور گورنمنٹ اور سوسائٹی میں ہے، انسانی زبان اس کے اظہار پر قادر ہوسکتی ہے۔ حکومت کے جس تخت پر سرکار عالیہ جلوہ افروز اور دنیاوی اقتدار کی جس بلندی پر آج ممتاز ہیں انسانی دماغ اس کا اندازہ کرسکتا ہے اور الفاظ اس کو ادا کرسکتے ہیں۔ لیکن حضور عالیہ! یقین فرمائیں کہ انسانی اور قومی ہمدردی کا جو چشمہ سرکار کی پیشانی پر تاباں ہے۔ انکی انتہا کو پہونچنا یا انکی پوری قدرومنزلت کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے۔ حقیقت میں یہ آسمانی برکت و رحمت کے آثار ہیں اور اس کے لئے ہمارے عاجز و مسرور دل اُس ذوالجلال کے حضور میں سر بسجود ہیں جس کے فضل وکرم کا یہ اصلی ظہور ہے۔ سرکار عالیہ کا یہاں تشریف لانا اور اس قدر زحمت گوارا فرمانا یہ سب اُس درد کا نتیجہ ہے جو سرکار عالیہ کے دل میں قوم کی افسردہ حالت کے متعلق جاگزیں ہے، اور

اور اس حقیقت سے انجام ہیں دماغ کی تحریک ہی جس کی زندگی بخش شعاعیں ملک کے تاریک سے تاریک مقامات کو منور اور قوم کے مردہ سے مردہ دلوں کو تازگی پہنچا رہی ہیں۔ جبکہ سرکار عالیہ نے اپنی شاہانہ بلندی کو چھوڑ کر اپنے فراخ دل اور روشن دماغ کو ہم غریبوں کی بہبودی کی طرف رجوع کردیا ہی تو ہمارے مشکور دلوں سے بے اختیار بارگاہ ایزدی میں یہ دعا نکلتی ہے کہ جو دل ہماری بہتری کی دھن میں محو ہی وہ ہمیشہ خوش و خرم رہے اور جو ذات ہماری سرپرستی کے لئے ہر وقت تیار ہی اس پر خالق ذوالجلال کے خاص فضل و کرم کا سایہ برقرار رہے۔ آمین !!!

۳۔ حضور عالیہ! اس کی ضرورت نہیں ہی کہ ابتدا سے اس وقت تک اس کانفرنس کے ذریعہ سے جو کام ہوئے ہیں ان کی تفصیل بیان کی جائے۔ صرف اسقدر عرض کردینا کافی ہی کہ اس قومی انجمن کے سب سے بڑے تین مقصد تھے۔ اول یہ کہ مسلمان جو ہندوستان جیسے وسیع ملک کے مختلف صوبہ جات میں منتشر ہیں ان کو ایک جگہ جمع ہو کر اپنی قومی حالت اور مقاصد پر غور کرنے اور باہمی مشورہ سے بہتری کے ذرائع پیدا کرنے کا خوگر بنایا جائے، دوم یہ کہ اس ملک کے مسلمانوں کے ذہن نشین کیا جائے کہ موجودہ پستی اور فلاکت کا اصلی سبب ہمارا علمی اور اخلاقی افلاس ہی اور اس کا علاج صرف تعلیم اور تربیت ہی، تیسرے یہ کہ اس ملک اور ہماری قوم کے خاص حالات کے لحاظ سے ہماری قوم کی جو تعلیمی ضرورتیں ہیں انکو با اثر طریقے سے گورنمنٹ عالیہ کے حضور میں پیش کر کے امداد کی درخواست کی جائے۔

۴۔ ان تینوں اہم مقاصد میں جو کچھ کامیابی ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بتیس برس پیشتر ہمکو کچھ معلوم نہ تھا کہ اُترّا اور دکھن میں ہمارے بھائیوں کا کیا حال ہی، پورب اور پچھم میں ان کی کیا کیفیت ہی، برہما کے مسلمانوں میں شاید کسی کے نام سے بھی آگاہی نہ تھی، وسط ہند اور سندھ میں ہمارے ہم مذہبوں کی جو مشکلات ہیں انکی ہمیں کچھ اطلاع نہ تھی، نہ اسکی خبر تھی کہ مشرقی بنگالہ میں اسلامیوں پر کیا گذر رہی ہے، نہ اس سے واقفیت تھی کہ مبئی اور

مدارس میں مسلمانوں کو کن دشواریوں سے مقابلہ ہے۔ لیکن آج محض اس کانفرنس کی بدولت نہ صرف مختلف صوبجات کے مسلمانوں کی حاجات اور خواہشات سے ہم آگاہ ہیں بلکہ ہر مقام کے سربرآوردہ مسلمان اکابر ایک دوسرے سے ذاتی طور پر بھی آشنا ہیں۔ سرسید علیہ الرحمہ کے مشن کو دور دراز مقامات میں پہونچا کر قوم کے ادنہاؤں کو اس کانفرنس نے علی گڑہ کے مرکزی دار العلوم کی طرف راغب کیا ہے۔ اور اس طرح پر وہ رشتہ اخوت (جس کا شیرازہ صدیوں سے بکھرا ہوا تھا) از سرنو مرتب اور قائم ہو رہا ہے اور اس کا جو ثمر اور نتیجہ انجام کار ہونیوالا ہے اس کا اندازہ اہل بصیرت آسانی سے کر سکتے ہیں۔ کانفرنس کے زمانہ سے پیشتر قوم پر جو عالمگیر تاریکی چھائی ہوئی تھی اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ قومی مرض کے علاج کے متعلق جو غلط فہمی اور پریشانی خیالات میں تھی اس کے بیان کی بھی حاجت نہیں۔ قومی فلاح کے رستہ کی تلاش میں جو گمراہی پھیلی ہوئی تھی اس کے یاد دلانے سے بھی اس وقت کچھ فائدہ نہیں۔ صرف اسقدر عرض کر دینا کافی ہے کہ قومی بہتری اور ترقی کا اصلی راز جہاں تک صحیح تعلیم و تربیت میں مخفی ہے اس کا پتہ اسی کانفرنس کے ذریعہ سے قوم کو ملا ہے۔ تعلیم و تربیت کا جو اصلی مفہوم ہے اور جس کے فراموش کر دینے سے قوم جہل اور اخلاقی کمزوریوں کے گرداب میں مبتلا ہو گئی اس مقدس مفہوم کو از سر نو قوم کے دلوں اور دماغوں میں اسی کانفرنس نے جاگزین کیا اور قومی بیداری اور نئی زندگی کے خیالات کی تخم افشانی اسی کانفرنس کے ذریعہ سے ملک میں ہوئی، جس کا نتیجہ اب یہ ہے کہ تمام صوبجات اور جملہ ملک میں تعلیم کی طرف توجہ ہو گئی اور قومی مرض کے علاج کے لئے اب عام طور پر اس نسخہ تعلیم کی تلاش ہے۔ یہاں تک کہ قوم کے وہ طبقے جو ان باتوں کو بیس برس پیشتر کفر اور الحاد کی حدود میں شمار کرتے تھے وہی اب خود اس میدان میں امتیاز حاصل کرنے پر فخر کرتے ہیں، دو سال قبل مسلم یونیورسٹی کی تحریک کو قوم میں جو عالمگیر قبولیت حاصل ہوئی وہ بہت کچھ اُس علمی اور اخلاقی تخم افشانی کا نتیجہ تھا جو سالہا سال سے کانفرنس قوم کے دلوں اور دماغوں میں کرتی رہی تھی، اور اس زمانہ

میں ہر ایک صوبہ اور ضلع میں تعلیم گاہوں کے لئے اکابر قوم جو کوششیں کر رہے ہیں یہ اُس عالمگیر انقلاب اور بیداری کا نتیجہ ہی جس کے پیدا کرنے میں سب سے زیادہ اس کانفرنس کا حصہ ہی۔ محض اخوت اسلامی کے احساس اور تعلیمی مقاصد و مسائل کے حل کرنے اور سمجھنے ہی میں قوم کو اس کانفرنس سے علمی اور حقیقی مدد نہیں ملی بلکہ ایک بڑی خدمت اس نے یہ بھی کی ہی کہ مختلف صوبوں کے مسلمانوں کی مقامی اور خاص حالتوں کے لحاظ سے جو تعلیمی ضروریات تھیں ان کو وقتاً فوقتاً گورنمنٹ عالیہ کے حضور میں پیش کیا۔ کیونکہ اس میں ذرا بھی شک بھی نہیں کہ نہ صرف موجودہ حالت میں بلکہ اب سے مدتوں تک ہم اپنے واجبی حقوق حاصل کرنے میں گورنمنٹ کی توجہ اور انصاف کی سخت ضرورت ہی اور تعلیم کی تمام شاخوں میں حکام گورنمنٹ کی اعانت درکار ہی، اس مقصد کے حصول کے لئے کانفرنس نے نہ صرف مسلمانوں کی خاص تعلیمی حالت کے متعلق جو گورنمنٹ کا فرض اور اس کی ذمہ داری ہی اس کو بھی زور اور اصرار کے ساتھ جتایا، جس کا نتیجہ اب وہ سرکلر چٹھی ہی جو گورنمنٹ ہند کی طرف سے لوکل گورنمنٹوں کے نام جاری ہوئی ہی جس میں گورنمنٹ عالیہ نے مسلمانوں کی تقریباً تمام اُن خاص تعلیمی ضرورتوں کو تسلیم کرلیا ہی جن کے لئے کانفرنس سالہا سال سے کوشاں تھی اور اب یہ مسئلہ لوکل گورنمنٹوں کے زیر غور ہی اور خدا کے فضل سے ہز ایکسلنسی لارڈ ہارڈنگ کی گورنمنٹ کی فیاضانہ پالسی اور سر ہارکورٹ بٹلر کی ہمدردی سے ہماری توقع ہی کہ آیندہ کے لئے ہمارے قومی تعلیمی پروگرام کی تبدیلی کے لئے بہت کچھ راستہ صاف ہو جائیگا۔

۵۔ کانفرنس کے جو تین بڑے مقاصد تھے اُن میں جو کچھ کامیابی اس وقت تک ہوئی اُن کو مختصراً عرض کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ گزشتہ دس سال میں جو مختلف قسم کے عملی کام ہوئے اُنکی مجمل کیفیت یہ ہی کہ ۵۳ مقامات میں لوکل کمیٹیاں قائم ہوئیں جن کے ذریعہ سے مختلف اضلاع میں غریب مسلمانوں کو سرکاری مدارس میں فیس کی مدد دیکر داخل کرایا گیا۔ سفیروں کے ذریعہ سے ابتدائی مکاتب اور ابتدائی مدارس قائم ہوئے اور مسلمانوں کے متعلق

اعداد جمع کیے گئے تعلیمی اور اخلاقی مضامین رسالوں کی شکل میں ہزاروں کی تعداد میں طبع کر کے مفت تقسیم کیے گئے۔ اعلیٰ تعلیم انجنیری، ڈاکٹری، اور ٹریننگ کے لیے متعدد وظائف مختلف صوبجات کے طلبا کو دیئے گئے؛ چنانچہ اس وقت تو سو روپیہ ماہوار کے قریب مختلف صوبوں کے طلبا کو جاتا ہے۔ اپنے مقصد اولین کے پہلو بہ پہلو دوسرے مفید مقاصد کی طرف بھی کانفرنس نے برابر اپنی توجہ جاری رکھی اور جب ضرورت ہوئی مختلف اغراض کے لیے متعدد شعبے قائم کیے عام تعلیم سے جداگانہ عورتوں کی تعلیم پر غور کرنے کی حاجت تھی۔ اس لیے صیغۂ تعلیم نسواں علحدہ قائم کیا گیا۔ کانفرنس کے ساتھ زنانہ مصنوعات کی نمائش قائم کی گئی اور انعامات و دیگر وسائل سے ان مصنوعات کو ترقی دینے کی کوشش کی گئی اور ہر سال رقم کثیر اس پر صرف کی گئی۔ اس قسم کی کوششوں سے جو فوائد مترتب ہوئے وہ ایسے نہیں کہ ہم انکو شمار و اعداد سے ظاہر کر سکیں۔ مگر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اس ذریعہ سے تعلیم نسواں کی طرف بہت زیادہ توجہ ہوئی۔ اس میں شبہ نہیں کہ جس طرح عام اشاعت تعلیم میں دقتیں پیش آئی ہیں اسی طرح عورتوں کی تعلیم میں دقتیں پیش آرہی ہیں۔ لیکن کانفرنس ان دقتوں پر برابر غالب آتی جاتی ہے اور اس مسئلہ کے متعلق بہت کچھ تعصبات رفع ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں۔ اکثروں نے تعلیم نسواں کے فوائد اور ضروریات کو تسلیم کر لیا ہے وہ بھی جلد یا بدیر اس ضرورت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہونگے۔ شیخ محمد عبد اللہ صاحب بی۔ اے ایل ایل بی کے تحت میں اس صیغہ نے مستقل حیثیت حاصل کر لی ہے، اور علی گڑھ میں زنانہ اسکول کی بنا پڑ چکی ہے جو دوسرے اسکولوں کے لیے بمنزلہ نمونہ کے ہوگا۔ ہمیں یقین واثق ہے کہ حضور عالیہ کی سرپرستی میں یہ صیغہ بہت جلد زیادہ سے زیادہ ترقی حاصل کر لیگا۔

۲۔ دوسرا صیغہ اصلاح تمدن اگرچہ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا؛ تاہم اپنے قلیل زمانہ میں اس نے مفید کام انجام دیئے اور "عصر جدید" کے ذریعہ سے اس نے بڑی حد تک تہذیب الاخلاق کی ضرورت کو پورا کیا۔ صیغہ ترقی اردو ابتداءً زیر نگرانی شمس العلما علامہ

شبلی نعمانی اور بعد ازاں مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی زبان اردو کی بہت کچھ خدمت انجام دے چکا ہے۔ متعدد کتابیں زبان اردو میں ترجمہ و تالیف ہو کر شائع اور مقبول ہوئیں۔ اب یہ صیغہ اپنے موجودہ سکرٹری مولوی عبدالحق صاحب بی اے کے تحت میں بہت بڑی ترقی کے آثار ظاہر کر رہا ہے۔ اور امید ہے کہ اس کے نتائج زیادہ مفید اور کارآمد صورتوں میں پبلک کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اور جیسا کہ اخبارات اور انجمن ترقی اردو کی تازہ ترین سالانہ رپورٹ سے معلوم ہے، سرکار عالیہ اور دیگر برگزیدہ محبان و سرداران قوم نے کارکنان انجمن کی جو ہمت افزائی فرمائی ہے اُس سے آئندہ کے لئے نہایت خوش گوار اُمیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔ اور یقین واثق ہے کہ اس حالت میں یہ انجمن ہماری قومی زبان کی حفاظت و ترقی کے متعلق خاطر خواہ خدمات انجام دے سکیگی۔

۷۔ علاوہ ان کاموں کے صدر دفتر کانفرنس کے ذریعہ سے سال بھر برابر مختلف قسم کے کام ہوتے رہتے ہیں۔ کانفرنس میں جو رزولیوشن پیش ہوتے ہیں ان کو یادداشتوں کے ساتھ مختلف صوبوں کی گورنمنٹوں اور رؤسا کی خدمت میں بھیجنا، اجلاس سالانہ کی رپورٹ کا اہتمام، پراونشل کانفرنسوں، اور لوکل کمیٹیوں اور متعدد اصحاب قوم جو تعلیمی امور میں رائے اور مشورہ دریافت فرماتے ہیں ان سے خط و کتابت، یا ٹیچرس کانفرنس کے انعقاد کے متعلق ضروری انتظامات، سالانہ اجلاس کانفرنس کے لئے مقام کا تعین اور اس کے متعلق مختلف اقسام کے کاموں کو انجام دینا، ایسے حصص ملک جیسے مشرقی بنگالہ، سندھ اور کشمیر اور صوبہ سرحدی میں (جہاں مسلمانوں کی آبادی خاص طور پر زیادہ ہے) وہاں کے مسلمانوں میں بیدار کرنے اور انکی تعلیمی ضرورتوں پر وہاں کی گورنمنٹوں کو متوجہ کرنے کے متعلق خاص تدابیر کرنا، اور اسی قسم کے دوسرے کام برابر سال بھر تک انجام پاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مشرقی بنگالہ کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کے متعلق ایک مفصل یادداشت گورنمنٹ میں بھیجی گئی، سندھ کے مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم پھیلانے کے لئے پیسہ فنڈ کی اسکیم قرار دیگئی، کانفرنس کی

طرف سے کشمیر میں ڈپوٹیشن بھیجا گیا جس نے وہاں کے مسلمانوں کے تعلیمی مسئلہ کو پورے طور پر مطالعہ کر کے ہز ہائنس مہاراجہ صاحب بہادر کے حضور میں ایڈریس پیش کیا جس کا نتیجہ انشاء اللہ عنقریب ظہور پذیر ہوگا۔ پشاور میں تحریک کی گئی کہ وہاں کانفرنس کا اجلاس ہو تاکہ وہ قوی دماغ جن میں ہر قسم کی ذکاوت غفلت کے پردوں میں چھپی ہوئی ہے اور وہ پُرقوت دل جنمیں ہر قسم کی اولوالعزمی اور مردانگی وحشت اور جہل کی وجہ سے پژمردہ ہو رہی ہے وہ علم کے ذریعہ سے روشن اور تازگی حاصل کریں، اور اس طرح افغانی دلوں اور دماغوں میں جو علمی اور اخلاقی جواہر کی کانیں دبی پڑی ہیں۔ ان سے کل قوم مالا مال ہو جائے اس قسم کی کوشش پنجاب میں پراونشل کانفرنس قائم ہونے کے متعلق کی گئی۔ غرضکہ اس قسم کے کام صدر دفتر کانفرنس کے ذریعہ سے ہوتے رہتے ہیں۔

۸۔ سرکار عالیہ! علیا حضرت کی اجازت سے مختصر طور پر کانفرنس کی سرگزشت عرض کر دی گئی۔ لیکن جس طرح ایک زندہ وجود کی عمر میں مدارج ہوتے ہیں اور بتدریج ابتدائی منزلیں طے ہو کر درجہ کمال کی طرف ترقی ہوتی ہے اسی طرح اس کانفرنس کی ابتدائی حالت ختم ہو کر اس کوشش کے دائرہ میں وسعت اور استحکام کا وقت آگیا ہے۔ قومی اخوت اور جمہوری تحریک کا آغاز، مقاصد کی اشاعت، اور قومی تعلیمی ضرورتوں کا مطالعہ ایک حد تک ہو چکا، موجودہ حالت کا اقتضا یہ ہے کہ جو قومی ضرورتیں مسلم اور مقدم ہیں اُن کو عملاً پورا کرنے کے لئے جو پروگرام ہو اس کی تکمیل پورے عزم و استقلال کے ساتھ شروع کی جاوے۔

۹۔ جس عمارت کی بنیاد آج حضور عالیہ کے دستِ مبارک سے رکھی جاتی ہے وہ فی الحقیقت اُس مقصد اور خیال کی مجسم تشکل ہوگی جس کا اظہار ہم حضور عالیہ کی خدمت میں کر رہے ہیں۔ کیونکہ جس نظام کو یہ عمارت پورا کریگی وہ ہماری ناچیز رائے میں اس وقت قوم کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

۱۰۔ یہ امر مسلم ہے کہ ہماری قوم کی حالت نہایت پست ہے۔ یہ بھی ہر ایک سمجھدار

فرد قوم کو معلوم ہے کہ ہماری پستی کا اصلی سبب ہمارا علمی اور اخلاقی افلاس ہی۔ اس سے بھی اب کسی کو انکار نہیں کہ اس علمی اور اخلاقی افلاس کا علاج تعلیم و تربیت ہی جس کو قوم کا بڑا حصہ سمجھنے لگا ہی جس کی ہمکو ضرورت ہی۔ اور ہر ایک صوبہ اور ضلع میں ایک حد تک یہ خواہش بھی پیدا ہو گئی ہے کہ تعلیم اور تربیت کا سامان مہیا ہو۔ مگر افسوس یہ ہی کہ بعض اسباب ہماری تعلیمی تحریک میں حائل ہیں جنمیں زیادہ اہم یہ ہیں:۔

(۱) ہماری تعلیمی ترقی بہت کچھ گورنمنٹ کی توجہ اور امداد پر منحصر ہے اور گورنمنٹ کی توجہ اور مدد بڑی حد تک ان مصالح اور حالات کے تابع ہی جو اس ملک کی خاص حالت کا نتیجہ ہیں۔ اگر مسلمانوں کی خاص ضروریات اور حقوق کی حفاظت نہ کی جاوے تو اُن کے اسی کس مپرسی کی حالت میں رہ جانے کا اندیشہ ہی جس میں آج ہماری قوم پڑی ہوئی ہے

(۲) مختلف صوبجات اور اضلاع کے مسلمانوں میں تعلیم کی خواہش پیدا ہو گئی ہے لیکن ان کو یہ معلوم نہیں کہ اس کے وسائل کیسے مہیا کریں، اور کس طریقے سے حصول مقصد میں کوشش کریں۔ اور اس لئے کوئی عملی نتیجہ انکی خواہش کا نہیں نکلتا۔

(۳) جہاں جہاں تعلیم کی خواہش اور تحریک پیدا ہوتی ہے وہاں ایک بڑی دقت یہ پیش آتی ہی کہ نفاق کا زہریلا مادہ جو ہماری تنگ دلی میں مخفی ہی جوش میں آکر ہماری اچھی سے اچھی تحریکوں کو پامال اور ناکام کر دیتا ہے۔ ان واقعات اور حالات کے لحاظ سے اشد ضرورت ہی کہ ایسی فکر و کوشش کی جاوے جو مذکورہ بالا دقتوں کا مقابلہ کر سکے اور قوم کی تعلیمی تحریک کو تمام صوبجات میں محفوظ رکھنے اور کامیاب بنانے میں باا ثر ثابت ہو۔

۱۱۔ حضور عالیہ! اس قسم کی کوشش کا خاکہ اور پروگرام قوم کے سامنے عرصہ سے موجود ہے؟ یعنی یہ کہ ہر ضلع میں ایک لوکل کمیٹی ہو، ہر صوبہ کے اضلاع کی کمیٹیاں اپنے اپنے صوبہ کی پراونشل کانفرنس کے تحت میں ہوں اور کل صوبوں کی پراونشل

کانفرنسوں کا تعلق ایک مرکزی کانفرنس سے ہو۔ وہ قوم جو مختلف صوبوں اور دور دراز مقامات میں منتشر ہو اور جس کی خاص ضرورتوں اور مشکلات ہر ایک صوبہ اور مقام کی خاص حالتوں کے تابع ہوں۔ اس کی فلاح کے لئے کسی موثر کوشش کا طریقہ سوائے جمہوری اصول پر عمل کرنے کے اور کوئی نہیں ہے۔ اور جمہوری تحریک کے لازمی اعضا یہی ہیں جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ پس ہر ایک زندہ قومی نظام کو وجود میں لانے کے لئے لازمی ہے کہ قوم کی منتشر توجہ اور قوت کو ایک مرکز پر لایا جاوے۔ چنانچہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بطور مرکزی انجمن کے موجود ہے اور اکثر صوبجات میں پراونشل کانفرنسیں اور اضلاع میں لوکل کمیٹیاں ہیں۔ اس طرح پر قومی جمہوری نظام کا خاکہ یا قالب موجود ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہے محض کالبد ہی ہے، یا اس میں جان بھی ہے، حقیقت یہ ہے کہ پورے طور پر اس قالب میں جان نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے قلب میں جو حرکت اور قوت ہونی چاہیئے وہ معدوم ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وجود کا قلب وہ عضو ہے جو کل نظام کا مرکز ہے، یعنی یہ کانفرنس۔

۱۲۔ جس طرح زندہ جسم میں قلب کی حرکت اور حالت پر کل اعضا کی کیفیت منحصر ہے اسی طرح اس قومی نظام میں اس مرکزی کانفرنس کی حالت پر کل تحریک کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ زندہ جسم میں قلب کا بڑا کام یہ ہے کہ ہر ہر عضو میں اس کی ضرورت کے مطابق خون پہنچا دے۔ اسی طرح مرکزی انجمن کا یہ کام ہونا چاہیئے کہ ہر ایک صوبہ اور ضلع کی انجمن کی ضرورتوں کے مطابق تعلیمی معلومات اور ہدایات بہم پہنچا دے، مگر کوئی قلب کتنا ہی زبردست اور نخرک کیوں نہو جسم کو زندہ نہیں رکھ سکتا جبتک معدہ سے کافی اور عمدہ قسم کا خون مہیا نہو۔ اس لئے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مرکزی کانفرنس

اس صدر کے لئے کوئی عضو ایسا بھی ہونا چاہیئے جو معدہ کے قائم مقام ہو۔ ہماری ناچیز رائے میں جو کام زندہ جسم میں معدہ کرتا ہے وہی کام اس کانفرنس میں صدر دفتر لیکن صدر دفتر کانفرنس معدہ کا کام صرف اسی وقت انجام دے سکتا ہے جب اسمیں ضروری سامان اور معلومات کا کافی ذخیرہ موجود ہو، اور اس قسم کے ذخیرہ سے قوم کی ضرورتوں کے مطابق اور مناسب حال صحیح اصول اور عملی طریقے اخذ کرنیکے لئے کافی قابلیت کا اسٹاف ہو

۱۳۔ مسئلہ تعلیم کے متعلق وہ سامان جس کے لئے ضروری معلومات اخذ ہو سکیں اصولاً تین قسم کے ہوسکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ تعلیم کی جسقدر شاخیں ہیں، مثلاً تعلیم مذہبی، تعلیم نسواں، تعلیم اطفال، پرائمری، سکنڈری، اعلی تعلیم، تعلیم صنعت وحرفت اور ان کے متعلقات اور وہ جن اصول اور جن طریقوں پر مختلف ملکوں اور قوموں میں رائج ہیں (خاص کر جو اصول اور طریقے کامیاب ثابت ہوئے ہیں) انکی نسبت کافی معلومات صدر دفتر میں ہونا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ اس ملک کے مختلف صوبوں میں گورمنٹ کے صیغہ ہائے تعلیمات کے جو اصول اور قواعد ہیں انکی بابت پورا ذخیرہ دفتر میں موجود رہے۔

تیسرے یہ کہ اس ملک کے مختلف صوبوں کے مسلمانوں کی جو تعلیمی ضرورتیں ہیں انکے جو مکاتب یا مدارس اور تعلیمی انجمنیں یا کمیٹیاں موجودہ ہیں اُن کے صحیح حالات دفتر میں فراہم رہیں۔

۱۴۔ لہذا صدر دفتر کا کام بھی اصولاً حسب ذیل تین حصوں میں تقسیم ہونا چاہیئے ایک حصہ میں وہ کام ہو جس کے ذریعہ سے مختلف قسم کی تعلیموں کے لئے ہمارے مناسب حال اصول قرار دیئے جاسکیں۔ مثلاً مذہبی تعلیم۔ اس کی نسبت ٹرکی، عرب، اور

مصر میں جو اصول اور طریقے رائج ہیں ان کے متعلق ہمارے صدر دفتر کانفرنس میں کافی معلومات کا خزانہ موجود ہونا چاہیئے۔ یعنی مختلف عمر کے بچوں کو جو مذہبی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں وہ دفتر میں مہیا ہوں اور وہاں کی گورنمنٹ کی طرف سے مذہبی تعلیم کے متعلق سرکاری مدارس میں جو انتظام ہو اُس کے متعلق جو قواعد وغیرہ ہوں اُن کے نسبت دفتر میں کافی معلومات موجود رہیں۔ اسی طرح یورپ اور امریکہ میں مذہبی تعلیم کی نسبت جو عملی تجاویز اور قواعد ہوں اُنکی اطلاع بھی ضروری ہے۔ نیز اُن ممالک میں بچوں کو اخلاقی مضامین کی جو تعلیم ابتدا سے ہوتی ہے اور جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں وہ ہمارے یہاں ہونا چاہیئیں غرضکہ یورپ، امریکہ اور جاپان میں جس جس قسم کی تعلیم ہوتی ہے اور جن طریقوں سی ہوتی ہے اور جن کتابوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے سب کے متعلق کافی معلومات کا ذخیرہ ہمارے دفتر میں رہنا چاہیئے۔ اور جو ذخیرہ موجود ہو اُس سے ہماری قوم کی ضرورتوں کے مطابق اصول اخذ کرنا اور نصاب تیار کرنا صدر دفتر کے ایک حصہ کا کام ہونا چاہیئے۔

دوسرے حصہ کا تعلق اس ملک کے مختلف صوبجات کے سرکاری تعلیمی صیغوں سے ہونا چاہیئے۔ سرکاری صیغہ تعلیمات کے جو اصول اور قواعد مختلف صوبوں میں رائج ہیں اس کے متعلق پورا ذخیرہ معلومات کا صدر دفتر میں رہنا چاہیئے۔ ان اصول اور قواعد میں جو امور مسلمانوں کے تعلیمی مقاصد اور ضرورتوں کے موافق نہ ہوں یا خلاف ہوں انکی نسبت گورنمنٹ عالیہ یا لوکل گورنمنٹوں کے حضور میں مناسب عرضداشت مرتب کرکے بھیجنا اس حصہ کا کام ہونا چاہیئے۔ نیز گورنمنٹ کی طرف سے ترقی تعلیم کیلئے جو سہولتیں یا جو حقوق قرار دیئے گئے ہوں انکی نسبت مسلمان پبلک کو اطلاع دینا بھی اسی صیغہ کے سپرد ہونا چاہیئے۔ غرضکہ کل وہ تعلیمی کام و مقاصد جن کا واسطہ اور تعلق ایک طرف گورنمنٹ یا حکام گورنمنٹ سے ہو اور دوسری طرف اُن وسائل اور مواقع سے ہو جن کے ذریعہ سے اس ملک کے مسلمان گورنمنٹ کے تعلیمی انتظام سے

عملاً فائدہ اُٹھاسکیں، یہ سب اسی صیغہ کے تحت میں ہونا چاہیئے۔ صدر دفتر کے تیسرے حصہ کا تعلق تمام قومی تعلیمی انجمنوں اور درسگاہوں اور اُن اسکیموں سے ہونا چاہیئے جو مختلف صوبجات میں مقامی حالات کے موافق مسلمانوں کی ترقی تعلیم کے متعلق درپیش ہوں۔ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور علی گڑھ کالج سے لیکر دور دراز صوبجات تک کی انجمنیں اور مکاتب تک اس صیغہ کا اثر پہونچنا چاہیئے۔ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے مقاصد اور اجلاسوں کو کامیاب کرنیکے علاوہ پراونشل کانفرنسوں اور ان کے ماتحت ڈسٹرکٹ کمیٹیوں پر بھی پوری توجہ رہنا چاہیئے۔ مجوزہ مسلم یونیورسٹی کے قیام میں اس کانفرنس نے جو کوشش کی ہی اُس کا ذکر ہوچکا ہے۔ لیکن اسی کیسا بڑی ضرورت یہ ہو کہ ہر ایک صوبہ کے صدر مقام اور بڑے شہروں میں مسلمانوں کے خاص کالج ہوں اور اضلاع کے صدر مقام میں ہائی سکول قصبات میں اسلامیہ مڈل اسکول اور دیہات میں مکاتب قائم ہوں یا جو موجود ہیں انکی اصلاح ہوکر مفید بنائے جائیں۔ اس قسم کی کل تحریکیں اور ہر ایک تحریک کی تائید کے لئے مسلسل کوشش اس صیغہ کا کام ہونا چاہیئے۔

۱۵- حضور عالیہ! صدر دفتر کانفرنس کے کام کا جو خاکہ اوپر پیش کیا گیا ہی کوئی اسے شیخ چلی کا منصوبہ تصور کرے تو تعجب نہ ہوگا۔ ہماری قومی ہمت اسقدر پست، عملی قوت مضمحل اور وسعت خیال اسقدر محدود ہوگئی ہو کہ خود ہمارے دلوں میں اپنے متعلق بدعقیدتی راسخ ہوگئی ہو اور وہ تجاویز جو ایک زندہ قوم کے لئے معمولی بات ہی ہمارے لئے ناممکن العمل معلوم ہوتی ہیں۔ ورنہ جو معیار صدر دفتر کانفرنس کے کام کا سطور بالا میں عرض کیا گیا ہے اس حد تک بلکہ اس سے بدرجہا عظیم الشان ہو جیسا کہ اس کانفرنس کا ہے کیا اُس کے لئے اس قسم کی تجویز کوئی غیر معمولی تجویز ہی؟ بہر حال اس اسکیم کی نسبت کچھ بھی خیال ہو ہم نہایت ادب مگر کامل یقین اور پورے وثوق کے ساتھ یہ عرض کرینگے کہ نہ تو ہماری قومی تحریکیں قانون قدرت کی پابندیوں سے آزاد ہیں اور نہ ہماری کوشش کسی طلسم کے

اثر سے بار آور ہو سکتی ہے۔ جن اصول اور طریقوں سے نوع انسان کا با اقبال حصہ آج کامیابی کے میدان میں بازی لے جا رہا ہے جبتک ہم بھی اُنھی اصول اور طریقوں کو اختیار نہ کرینگے ہم ہرگز مراد کو نہیں پہونچ سکتے پس اب ہو یا آیندہ، موجودہ خادمان قوم کے ذریعہ سے ہو یا آیندہ آنیوالوں کے ہاتھوں سے، قومی زندگی اور اقبال کا آغاز اُسی وقت ہوگا جبکہ ہم اپنے تعلیمی تحریک کے پیمانے کو اپنے قومی مقصد کے شایان شان قرار دینگے اور اُسکی کامیابی کے لئے اپنی جمہوری کوشش کا ایسا نظام قائم کرینگے جو محبوب اصول پر مبنی ہو۔ اور جس کے ذریعہ سے قوم کی تمام منتشر قوتیں اور تحریکیں ایک سلسلہ میں جکڑ جاویں۔ پس اب وقت ہے کہ اللہ جل جلالہ کا نام لیکر ہماری تعلیمی تحریک کی جو شان اور عظمت ہے اُس کے اقتضا کے مطابق سعی کا پیمانہ وسیع اور بلند کرکے پورے عزم کے ساتھ کام شروع کیا جاوے۔

۱۶۔ لیکن حالت یہ ہے کہ صدر دفتر کانفرنس کے پاس نہ مکان ہے نہ کافی اسٹاف۔ مکان کے لئے صرف ایک کمرہ ایک چھپر کے بوسیدہ بنگلہ میں ہے جسمیں نہ اہلکاروں کے بیٹھنے کے لئے کافی جگہ ہے اور نہ کتابوں وغیرہ کے رکھنے کی گنجایش۔ اسٹاف کے متعلق کیفیت یہ ہے کہ ابتدا سے ۱۹۰۵ء تک کوئی دفتر کانفرنس کا نہ تھا۔ کالج کے دفتر میں ایک کلارک پندرہ روپیہ ماہوار کا رہتا تھا۔ ۱۹۰۶ء سے کانفرنس کے علٰحدہ دفتر کا آغاز ہوا۔ اسوقت سے جون ۱۹۰۹ء تک دفتر میں دو اہلکار رہے۔ جولائی ۱۹۰۹ء سے صدر دفتر کی ابتدا ہوئی۔ اُس وقت جو دستگیری حضور عالیہ نے فرمائی اور عالی جناب نوابزادہ جنرل حاجی حافظ عبید اللہ خاں صاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای کمانڈر انچیف افواج بھوپال، ریاست بھاولپور بہ توجہ عالی جناب خان بہادر آنریبل مولوی رحیم بخش صاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای پریسیڈنٹ کونسل آف ریجنسی، والا جناب راجہ سر محمد علی محمد خاں صاحب بہادر کے، سی ایس آئی تعلقدار محمود آباد، عالی جناب نواب صاحب بہادر والی مانگرول، عالی جناب نواب بہادر سچین، عالی جناب نواب صاحب بہادر والی مانا وادر، عالی جناب خان بہادر

نواب محمد مزمل اللہ خاں صاحب رئیس بھیکن پور اور دیگر اکابر و عمائد نے جو سرپرستی فرمائی اُس کی بدولت صدر دفتر میں سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ قائم ہوا اور ایک اور زائد کلارک کا اضافہ ہوا۔ اس کا جو نتیجہ ہوا وہ اُس عملی کام سے ظاہر ہے جو اُس زمانہ میں ہوا۔ لیکن اس نئے انتظام کے مطابق کام صرف ۱۹۱۰ء کے آخر تک ہوا۔ ۱۹۱۱ء میں مسلم یونیورسٹی کی تحریک شروع ہوئی اور کانفرنس کا تقریباً پورا عملہ یونیورسٹی کے دفتر کے سپرد کر دیا گیا۔ ۱۹۱۲ء تک یونیورسٹی کا کام ہوتا رہا۔ ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۳ء میں جو مصائب اسلامی دنیا پر نازل ہوئے اُن کی وجہ سے قوم کی توجہ اور خیالات میں جو انتشار رہا اُس کا بہت زیادہ اثر کانفرنس کے کام پر پڑا۔ اس لئے جس کام کا آغاز ۱۹۰۹ء میں کیا گیا تھا اُس کے سلسلہ میں سخت رکاوٹ پیدا ہوگئی اور ہماری رائے میں سب سے بڑی مصیبت اس ملک کے مسلمانوں کے لئے یہ پیدا ہوئی کہ گزشتہ دو سال میں قوم کا جو رجحان رہا اور جن خیالات کا اثر پبلک پر پڑا اُس کے سبب سے قوم کی توجہ بہت زیادہ تعلیمی معاملات سے ہٹ گئی اور تعلیمی تحریک کو جس مجموعی اور جمہوری کوشش کی ضرورت ہے اُس میں سخت خلل واقع ہوگیا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ گذشتہ چالیس سال میں اس مقصد میں جو کامیابی ہوئی تھی ایک حد تک اُس کو بھی صدمہ پہونچ گیا۔ اس لئے قوم کے بلند ترین مقاصد کا اقتضا یہ ہے کہ اس نقصان کی تلافی کے لئے پوری سعی کی جائے۔ ہماری ناچیز رائے میں اس مقصد کے حصول کے لئے یہ کانفرنس بہترین آلہ ہوسکتی ہے اور اس لئے اس کے صدر دفتر کی اصلاح اور ترقی ازبس ضروری ہے۔

۱۷- حضور عالیہ! جس کام کو اس وقت سرکار عالیہ انجام دینے والی ہیں اُس کی اہمیت اور ضرورت مذکورۃ الصدر حالات اور واقعات سے بخوبی ظاہر ہے۔ صدر دفتر کیلئے عمارت اور اسٹاف کی ضرورت ہے۔ اس مکان کے لئے جو نقشہ قرار دیا گیا ہے وہ دو منزلہ عمارت ہوگی۔ نیچے کی منزل میں ایک بڑا ہال اور چھ بڑے کمرے علاوہ غسلخانوں

وغیرہ کے ہونگے اور اوپر کی منزل میں چھ کمرے ہونگے۔ اس طرح پر کل عمارت میں ایک ہال اور ۱۲ بڑے کمرے اور چھوٹے کمرے ہونگے۔ تجویز یہ ہے کہ ایک کمرہ تعلیم مذہبی کی معلومات کے لئے اور ایک کمرہ تعلیم نسواں کے لئے مخصوص کیا جاوے اور باقی کمرے ملک کے ایک ایک صوبہ کے متعلق آئے جائیں۔ ہر ایک صوبے کے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات اور وہاں کے سرکاری صیغہ تعلیم کے متعلق تمام کاغذات اور حالات کا ریکارڈ ایک ایک جدا جدا کمرے میں رہے۔ اس طرح امید ہے کہ یہ عمارت ایک مدت تک صدر دفتر کی ضروریات کے لئے کافی ہوگی۔

۱۸۔ حضور عالیہ! اگر ہم یہ عرض کریں تو بے جا نہو گا کہ کانفرنس اپنی ابتدائی منزلیں طے کرنیکے بعد اب دوسرے دور میں قدم رکھنے والی ہے، اور اس کے شباب کا زمانہ قریب آرہا ہے۔ اس ترقی اور مراد کو پہونچنے میں سرکار عالیہ کی سرپرستی کا جو حصہ ہے وہ قوم کے دل سے کبھی فراموش نہو گا۔ حضور عالیہ نے اس عمارت کو اپنے نام نامی سے موسوم ہونیکی جو دائمی عزت بخشی ہے یقین فرمایا جاوے کہ اس کی برکت اس اینٹ اور پتھر کی عمارت ہی تک محدود نہ رہیگی بلکہ جس فراخ دل اور روشن ضمیر دماغ کا وہ ظہور ہے اس کا عکس آیندہ نسلوں کے ممنون دلوں اور معترف دماغوں میں ہمیشہ ہمیشہ پڑتا رہیگا اور سرکار عالیہ نے جو مثال قائم کی ہے وہ مثل ایک چشمہ رحمت کے ابدالآباد تک جاری رہیگی۔ ہماری قدرت نہیں کہ ان مراحم خسروانہ کا کماحقہ شکریہ ادا کرسکیں۔ اس اس سب کے لیے ہم کیا اور ہماری زبان کیا جو شکریہ ادا کرسکے۔ اس کا اجر اصلی تو اُس ذات اقدس کے دست قدرت میں ہے جس کے افضال کا یہ ظہور ہے، اور شکریہ وہ نسلیں علی الدوام کرتی رہینگی جو اس برکت اور رحمت سے ہمیشہ مستفید ہونگی۔ اسلئے ہم اپنی اس ناچیز عرضداشت کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں کہ :-

اجر بخشد خدائے کہ کردہست یادری ۔۔۔ با آن کساں کہ ناصر و یاور ندا شتند

ہم ہیں حضور سرکار عالیہ کے نہایت شکر گزار اور فرماں بردار

(ممبران سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ)

نواب محمد مزمل اللہ خاں صاحب نے زرین خریطہ میں رکھکر ہر ہائینس کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا ہر ہائینس نے ایڈریس قبول فرماکر جواب مرحمت فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کانفرنس کو اپنے مقاصد میں ایک حد تک ضرور کامیابی ہوئی ہے۔ آپ لوگ اب پراونشیل کانفرنسیں اور لوکل کمیٹیاں قائم کر رہے ہیں ان کے تعلقات مرکزی کانفرنس سے اس قسم کے ہونے چاہئیں جن سے ہماری کوششوں کا شیرازہ درہم برہم نہو جائے بلکہ دل خوش کن اور مفید نتایج مرتب ہوں۔ مکاتب کا اجرار اور قدیم مکاتب کی طرف آپنے جو توجہ کی ہے اُن سے مجکو اُمید ہے کہ وہ ضرور نتیجہ خیز ثابت ہوگی مدارس دینیات کی نصاب میں اگر ضروری ترمیم و ترقی کر دی جائے تو کیسے عمدہ نتیجے پیدا ہوں۔

ہر ہائنس نے سالانہ اجلاس میں بہت زیادہ تجاویز پیش ہونے پر اعتراض کیا کہ اتنی بہت سی تجاویز پر عمل نہیں ہو سکتا ہے اور مثال کے طور پر بیان کیا کہ اصلاح تمدن کا صیغہ آپ کو بند ہی کرنا پڑا۔ رپورٹ سالانہ کے متعلق مفید مشورے دیئے۔ آپ نے تعلیم یافتہ حضرات سے یہ توقع ظاہر کی کہ اس علمی اور نئی روشنی کے زمانہ میں جب محمدن یونیورسٹی کا اہم مسئلہ درپیش ہے اور روز بروز تعلیمی ضروریات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے یہ تعلیم یافتہ جماعت اس مرکز تعلیم میں ایسی منتخب جماعت ہو جو قومی کشتی کی ناخدائی کرے اور کانفرنس کی کامیابی کی نہایت پر زور دلہجہ میں دعا فرمائی۔

ایڈریس کا جواب مرحمت فرمانے کے بعد بسم اللہ کہکر ہر ہائنس نے سنگ بنیاد نصب

فرمایا۔ اس کے بعد نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب نے جواب ایڈریس کا شکریہ نہایت موزوں اور پرجوش الفاظ میں ادا کیا۔

ہز ہائنس کی تشریف لیجانیکے وقت آنریری سکرٹری صاحب نے کالج کے چند یورپین پروفیسروں کو پیش کیا، اس کے بعد صاحب موصوف کی تجویز پر تین نعرہائے مسرت نہایت جوش و خروش کے ساتھ بلند کئے گئے۔ روانگی کے وقت ہز ہائنس نے صاحبزادہ آفتاب احمد صاحب سے ارشاد فرمایا کہ دفتر کانفرنس کی تعمیر کا تخمینہ لیکر میرے پاس آنا چنانچہ شام کو صاحبزادہ صاحب تخمینہ لیکر ہز ہائنس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہز ہائنس نے دفتر کانفرنس کی تعمیر کے لئے ۲۵ ہزار روپیہ مرحمت فرمانے کا وعدہ فرمایا۔

کالج کا ایڈریس

۲۸ فروری سنہ ۱۹۱۴ء کو دن کے ایک بجے ہز ہائنس کالج میں تشریف فرما ہوئیں نواب محمد اسحٰق خاں صاحب۔ خان بہادر نواب مزمل اللہ خاں صاحب۔ اور مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب نے ہز ہائنس کی فرودگاہ پر اور دیگر ٹرسٹیان نے اسٹریچی ہال کے دروازہ پر ہز ہائنس کا استقبال کیا۔ اسٹریچی ہال خوب بھرا ہوا تھا اور اُس کی مغربی بالائی گیلری پر ہز ہائنس بیگم صاحبہ جنجیرہ اور دیگر معزز بیرونی اور مقامی خواتین کی نشست تھی۔ علاوہ دیگر یورپین اصحاب کے مسٹر ڈبلو۔ ایس میرس۔ سی۔ آئی۔ ای کلکٹر و مجسٹریٹ علی گڑھ بھی تشریف رکھتے تھے جن کو ہز ہائنس کی خدمت میں انٹروڈیوس کیا گیا۔

مولوی نظام الدین حسن صاحب نے ہر ہائنس سے ایڈریس پڑہے جانے کی اجازت طلب کی جس کے ملنے پر آنریری سکرٹری صاحب بہادر نے ایڈریس پڑہا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ایڈریس کے شروع میں ہر ہائنس کا نہایت پرجوش الفاظ میں خیر مقدم اور تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اور محمڈن یونیورسٹی کے لئے جن حضرات نے عملی کوشش میں اور معقول عطیے مرحمت فرمائے ہیں اُن کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ ظاہر کئے گئے۔ اس کے بعد کالج کی روز افزوں ترقی، عمارت کی توسیع تعلیم و تربیت کے حالات بیان کئے گئے پھر کالج کے سرپرستوں کے نام بیان کئے گئے جن کی استعانت سے کالج چل رہا ہے اسی سلسلہ میں حاجی احمد سعید خاں صاحب رئیس بھیکن پور کا تازہ عطیہ مسجد کے متعلق بیان کیا گیا۔ آخر میں ہر ہائنس کا دوبارہ شکریہ ادا کیا گیا۔

مولوی حبیب الرحمن صاحب شروانی نے خریطہ میں رکھکر ہر ہائنس کے حضور میں اڈریس پیش کیا۔ ایڈریس قبول فرماکر ہر ہائنس نے جواب مرحمت فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کالج کے معاونین میں دو قسم کے لوگ شامل ہیں اوّل وہ جنہوں نے قائم کیا تعلیم کی اشاعت کی اور اس کی شہرت کو دنیا میں پھیلایا، دوسرے وہ جنہوں نے یہاں کی تعلیم سے استفادہ حاصل کیا۔ پس ان دونوں میں اگر کوئی کدورت یا کشیدگی پیدا ہو تو وہ قومی بدبختی کی علامت ہے۔ اور نصیحت کی کہ ہر خرد و بزرگ کو اتفاق سے کام کرنا چاہیئے اس کے بعد ہر ہائنس نے یورپین اسٹاف کو اور طلبا و ٹرسٹیان کو نہایت بیش بہا نصیحتیں کیں شیعہ و سنی طلبا میں اختلاف پیدا ہونے پر سخت افسوس اور دلی صدمہ ظاہر کیا اور انسے توقع کی کہ اپنے پیشرو طلبا کی طرح وہ بھی ایسے اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کرینگے جن سے اس کالج کی گذشتہ عظمت اور شہرت قائم رہے۔ آخر میں ہر ہائنس نے اس درس گاہ کی سرسبزی، آبادی اور استحکام کے لئے دعا فرمائی۔

اس کے بعد میجر سید حسن صاحب بلگرامی نے ہر ہائنس کے احسانات کا منجانب ٹرسٹیان شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد مولوی عبدالحق صاحب بغدادی نے عربی زبان میں ہر ہائنس کے لئے حفظان و نصرت الہی۔ طول عمری و اقبال۔ اور اُس سے اہل ملک اور مسلمانوں کے متمتع ہونے۔ ممدوحہ کے دین و دنیا۔ اموال و اولاد اور ملک و رعایا میں برکت اور ان کے اور حضور ملک معظم اور حکومت ہند کے مابین اتحاد اور اتفاق کے مستحکم تر ہونے کی دعا کی جن کے دوران میں جملہ حاضرین بآواز بلند آمین پکارتے رہے اور مولٰنا نے ایک عمدہ عربی نظم بھی پڑھی۔

اس کے بعد قاضی جلال الدین صاحب ٹیچر مدرسۃ العلوم نے مندرجہ ذیل نظم پڑھی جسکو تمام حاضرین جلسہ نے بہت پسند کیا۔

نظم

ماسٹر قاضی جلال الدین صاحب

بعد حمد اور نعت خیر الانبیا
اپنے کالج کو کہوں میں مرحبا

حبذا اے کالج فرخندہ فال
مرحبا! اے موردِ اہل کمال

تربیت گاہِ مسلمانان تو ہی
درسگاہِ خاص ہندوستاں تو ہی

ہے لقب تیرا گذرگاہِ شہاں
تو بنا ہے مکتبِ شہزادگاں

تو ہی رشکِ گنبدِ افراسیاب
طاقِ کسریٰ کو ہے تجھ سے پیچ و تاب

قصر دارا تیرے آگے پست ہے
قلعۂ جم مینت اور تو ہست ہے

تو بنا ہی مرجع ہر خاص و عام
تو ہی ہندوستان کا دار السلام

اسٹیرچی ہال تیرے تخت پر ،،
جارج خامس ہو چکے ہیں جلوہ گر

ہز مجسٹی قیصر و بانوے شاہ ،، ،،
جن کے قدموں سے بڑی اعزاز و جاہ

کر گئے اکسیر تیری خاک کو
اوج پر تیرے ہی رشک افلاک کو

ہز مجسٹی شاہ کابل بعد ازاں
تیرے ڈائس پر ہوئے جلوہ کناں

لارڈ کرزن لارڈ منٹو نامدار
اُن کے جملہ پیشرویان کبار

کر گئے اجلاس تیرے تخت پر
فخر ہے ہم سب کو تیرے بخت پر

والیانِ ملک و نوابانِ ہند
از حدود شرق تا کشمیر و سندہ

تیری عزت کو دوبالا کر گئے
موتیوں سے تیرے داماں بھر گئے

قرطبہ کی یاد ہو جس کو اگر
دیکھ لے آکر تیرے دیوار و در

دیکھنا ہو گر نظامیہ کا دور
درس کا دیکھے یہاں آکر وہ طور

علم کی مجلس میں ہے تو مثل شمع
تیرے گرد آکر ہوئی ہر قوم جمع

سندھی و بلوچی و افغان و ترک
حیدرآبادی و از میسور کرگ

برہمی اسامی و چترالوی ،،
لکھنوی و دہلوی و مالوی

خیلے از گجرات و خیلے از ہزار
جمعے از مدراس و جمعے از بہار

کابلی ہے کاٹھیاواری کیساتھ
ہے عرب کے ہاتھ میں ہندی کا ہاتھ

زندہ دل پنجابیانِ خوش سیر
آگرہ والوں سے ہیں شیر و شکر

بصرہ و بحرین و مسقط اور کویٹ
لڑکے جاوا تک سے تو لایا سمیٹ

بورہ و میمن کا تو مامن ہے آج
خوجگان ہند کا مسکن ہے آج

عالمانِ جرمن و برطانیہ ،
ہندی و بغدادی و ایرانیہ

ہیں مسلماں اُنکے زیر تربیت
جن سے ہے کالج کی قدر و منزلت

جن کا نگراں طبقۂ اعلیٰ ہے آج — جس کے ونڈر بنا اورنگ و تاج
اسٹریچی ہال تیرے تخت پر — جلوہ فرما کون ہے بے کر و فر
چار سو جس کی سخا کی دھوم ہے — جس کا ممنون ہند و شام و روم ہے
فیض سے جس کے نہیں ہرگز بچا — کوئی شعبہ دفترِ اسلام کا
آلمائٹی میں مادرِ عالمہ — ہے نشانِ رحمت و فضلِ خدا
بیگمِ بھوپال سلطانِ جہان — افتخارِ کشورِ ہندوستان
پاسبانِ قلعۂ دینِ متین — پاسدارِ گنبدِ شرعِ مبین
دولتِ افضال و سرکارِ کمال — ابرِ نیسانِ کرم بحرِ نوال
دردمندِ قوم ہے ماں کی طرح — قوم کے قالب میں ہے جاں کی طرح
عمر ہو دولت ہو اور اقبال ہو — حکمراں سرکار ہوں بھوپال ہو
مدحِ ممدوحہ سے تو قاصر رہا — مانگ لے ربّ سے جلال اب تو دعا

اَللّٰھُمَّ بارِک لھا فی دینِھا وَدُنیاھا و اموالھا و اولادھا وحشمتھا و اقبالھا و غیرھا وَافضالھا۔ اللھم انفع بھا جمیع المسلمین۔ وانشر خیرھا بین العٰلمین۔ (آمین)

اس کے بعد شریک جلسہ یورپین خواتین ہر ہائینس سے انٹروڈیوس کی گئیں۔ نیز ترکی ڈیلیگٹس کمال بے اور عدنان بے اور توفیق بے انٹروڈیوس کئے گئے آخر میں خواجہ عبدالمجید صاحب کی تجویز سے تین نعرہائے مسرت ہر ہائینس کے لئے بلند کئے گئے۔

کالج کلب

شام کے چار بجے ہر ہائینس کالج کلب میں تشریف فرما ہوئیں۔ خان بہادر نواب مزمل اللہ خاں صاحب نے مولوی ابوالحسن صاحب آنریری سکریٹری کلب کو اور مولوی ابوالحسن صاحب نے ممبران کلب کو ہر ہائینس کے حضور میں پیش کیا اور کالج کلب کے قواعد کی ایک کاپی زرین خریطہ میں رکھکر نذر کی۔ ہر ہائینس نے ارشاد فرمایا کہ بھی گڑہ میں ایک لیڈیز کلب بھی قائم ہونا چاہیے اور کلب ہی میں ہر ہائینس نے مولوی عبدالحق صاحب بغدادی اور ماسٹر جلال الدین صاحب کو خلعت عطا کیے جانے کا حکم صادر فرمایا۔

کرکٹ ایٹ ہوم

کالج کلب سے ہر ہائینس میدان کرکٹ میں تشریف فرما ہوئیں جہاں پر پرنس میجر حمید اللہ خاں صاحب نے بحیثیت کرکٹ کپتان ہر ہائینس کو ایٹ ہوم پر مدعو کیا تھا۔ ہر ہائینس نے کرکٹ کلب کو دو سو روپیہ ماہوار کا مستقل عطیہ منظور فرمایا ہے۔

یونین کلب

کرکٹ کلب سے ہر ہائینس یونین کلب میں تشریف لے گئیں جہاں پر ممبران کلب حاضر تھے اور دیر تک کلب کے حالات دریافت فرماتی رہیں۔

زنانہ مدرسہ علی گڑھ

(جناب ہر ہائنس حضور عالیہ بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کی تشریف آوری)

یہ بات بہت دنوں سے طے شدہ تھی کہ حضور عالیہ جناب بیگم صاحبہ بھوپال کے دست مبارک سے زنانہ بورڈنگ ہاؤس علی گڑھ کا افتتاح ہوگا۔ ابتدا میں ہماری یہ خواہش تھی کہ حضور عالیہ ہی کے ہاتھ سے سنگ بنیاد بھی رکھا جائے مگر سنگ بنیاد کے وقت حضور عالیہ علی گڑھ میں رونق افروز نہو سکیں اس لیئے ہماری درخواست پر جناب لیڈی پورٹر صاحبہ نے ۲ نومبر ۱۹۱۱ء کو بورڈنگ ہاؤس کا سنگ بنیاد رکھا۔ سنگ بنیاد کے بعد اس بڑی عمارت کی تعمیر اور تکمیل کے لئے جو دقتیں برداشت کرنا پڑیں وہ گزشتہ واقعات سے متعلق ہے اور اب ہم اس وقت گزشتہ واقعات کو یاد دلاکر غالباً کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک ایک اینٹ اور ایک ایک ردا اس عمارت کا ہماری ایک ایک دقت اور ایک ایک تکلیف کا باعث ہوا ہے۔ اول تو ہمارے پاس روپیہ نہ تھا، روپیہ کی فراہمی کی فکر میں جو جو تکلیفیں اُٹھانی پڑیں اُن کا ذکر کرنے سے اب کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں ان تمام دقتوں اور مخالفتوں کی مصیبتیں برداشت کرنیکے بعد اس وقت جو کام کی موجودہ صورت کی طرف نگاہ ڈالتا ہوں تو خدا کی حضور میں بیساختہ دل شکر ادا کرنیکی طرف مائل ہو جاتا ہے کہ خدا نے مجھ سے کوئی کام ایسا لیا جس کا فائدہ اُسکی مخلوق کو پہونچنے والا ہے۔ مگر جو کچھ اس وقت تک ہو چکا ہے وہ ہمارے آئندہ سخت دشوار کام کے مقابل میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔ خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں نہایت عجز اور خلوص سے دعا ہے کہ وہ اس قومی کام میں جو موجودہ زمانہ کے جملہ دیگر کاموں سے بڑھکر زیادہ اہمیت رکھتا ہے ہماری دستگیری کرے۔ ہمارے دلوں اور ارادوں میں قوت

دے اور ہماری سچی کوششوں میں برکت دے۔

حضور عالیہ ۲۵ر فروری کو رات کے ۱ بجے علی گڑھ میں رونق افروز ہوئیں۔ لوکل ممبران کمیٹی مدرسۂ نسواں و لوکل ٹرسٹی صاحبان و ممبران اسٹاف علیگڈھ کالج اسٹیشن پر موجود تھے۔ جب گاڑی اسٹیشن پر پہونچی تو باری باری سے سب حاضرین نے سیلون میں جاکر حضور عالیہ سے شرفِ قدمبوسی حاصل کیا۔ اور پھر حضور عالیہ سیلون سے نکلکر موٹر میں بیٹھکر قیام گاہ میں تشریف لیگئیں دوسرے روز صبح کو یہ خاکسار اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب اور مولانا مولوی نظام الدین حسن صاحب حضور عالیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور عالیہ نے اُس وقت مختلف امور کے متعلق گفتگو فرمائی اور منجملہ اُن کے مولوی نظام الدین حسن صاحب سے "اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَاءِ" کا صحیح مفہوم دریافت کیا اور فرمایا کہ لوگ اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ خدا نے مرد کو عورت پر حکمراں بنایا ہے۔ اور فرمایا کہ کیا یہ مطلب صحیح ہے یا نہیں۔ مولوی نظام الدین حسن صاحب جو ایک بڑے عالم اور بزرگ ہیں اُنھوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب لوگ غلط سمجھے ہوئے ہیں کسی لفظ سے حکمراں کے معنی نہیں نکلتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مرد اور عورت میں کسی بات پر اختلاف ہو تو مرد کی رائے زیادہ باوقعت اور قابل ترجیح کے سمجھی جائے کیونکہ بوجہ وسعت تجربہ اور معاملہ فہمی کے مرد کی رائے بہ نسبت عورت کے زیادہ صائب ہوتی ہے۔ اس کے بعد سرکار عالیہ نے فرمایا کہ قرآن پاک کے اس حکم سے کہ "اپنی ردائیں کرکے نکلا کرو" صاف ظاہر ہے کہ منہ پر نقاب ڈال کر نکلنے کا حکم ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس حکم کی صراحت اسی آیت میں موجود ہے کہ یہ حکم ایسی عورتوں کے لئے ہے جنکو لوگ پہچان کر دق کرسکتے تھے۔ بہرحال حضور عالیہ اور مولوی نظام الدین حسن صاحب کی گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ جس قسم کا پردہ اس وقت یا قدیم زمانہ میں بلادِ اسلامی مثل عرب، مصر، شام، ٹرکی وغیرہ کے ہے وہ شرع شریف کے احکام کی کافی طور پر پابندی سمجھی جاسکتی ہے اور اُس سے زائد جو سختی کیگئی ہے وہ رواج سے متعلق ہے۔ ۲۶ر تاریخ کو حضور عالیہ نے اور کوئی کام نہیں کیا۔ علی گڑھ کی بعض بعض بیبیوں نے اور

بعض معزز اصحاب نے قدمبوسی کی عزت حاصل کی۔

۲۷ فروری کی صبح کو سرکار عالیہ نے کانفرنس کے دفتر کا سنگ بنیاد رکھا اور سہ پہر کو بہت سی بیبیوں سے ملاقات کی۔ ۲۸ تاریخ کو ٹرسٹیوں کا ایڈریس لیا اور اُن کے جواب میں ایک نہایت موثر تقریر فرمائی جو جداگانہ اس رپورٹ میں شائع کیجاتی ہے۔ یکم مارچ کی صبح کو قریب ۹½ بجے کے حضور عالیہ نے مجھکو یاد فرمایا اور جب میں حاضر ہوا تو زنانہ کانفرنس جو "اُس روز" قائم ہونیوالی تھی، اُس کے متعلق ایک نہایت ہمدردانہ اور مدبرانہ مشورہ دیا۔ میں نے سرکار عالیہ کو یقین دلایا کہ جس بات کا بعض لوگوں کو اندیشہ ہے وہ غلط ہے میں عبداللہ بیگم کو کبھی مشورہ نہ دونگا، کہ وہ کانفرنس کی سکرٹری شپ کو منظور کریں کیونکہ اوّل تو اُن کے پاس مدرسہ کا بہت بڑا کام ہے جسکو وہ بڑی جانکاہی سے انجام دے رہی ہیں اور دوسرے علی گڑھ میں بعض مہربان ایسے موجود ہیں جن کے دل میں کبھی یہ خیال نہ گذرے گا کہ میں نے اپنی ملکی بہنوں کی ہمدردی اور خیر اندیشی سے اس کانفرنس کے قائم کرنیکی تحریک کی ہے۔ بلکہ اُن کے دل میں "معاً" یہ خیال جائیگا کہ اس کے قائم کرنے سے میری یہ غرض تھی کہ اس کی سکرٹری عبداللہ بیگم ہوں۔ حضور عالیہ نے کمال مہربانی سے خود اس کانفرنس کا پریسیڈنٹ ہونا منظور فرمایا۔ میں اُسکے بعد رخصت ہوا اور قریب گھنٹہ بھر بعد حضور عالیہ بھی زنانہ بورڈنگ ہاؤس میں رونق افروز ہوئیں اوّل حضور عالیہ اُس شامیانہ میں جاکر رونق افروز ہوئیں جو بغرض رسم سنگ بنیاد "دارالسلطانیہ بورڈنگ ہاؤس" نصب کیا گیا تھا۔ یہ جلسہ مردانہ تھا اسمیں ممبران اسکول کمیٹی، لوکل ٹرسٹیان ممبران اسٹاف۔ اور دیگر معززین شریک تھے سب سے اوّل جناب مولنا عبدالحق صاحب حقی بغدادی نے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔ اُس کے بعد اس خاکسار نے بحیثیت سکرٹری مدرسہ جدید بورڈنگ ہاؤس کی ضرورتوں کے متعلق ایک مختصر سی تقریر میں کچھ واقعات حضور عالیہ کے گوش گذار کئے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

حضور جناب سرکار عالیہ تعلیم اُناث کی ضرورت اور موجودہ حالت کے متعلق جو کچھ ہمکو عرض

کرنا تھا وہ ہم اپنے اڈریس میں عرض کر چکے ہیں جو آج کسی دوسرے موقع پر حضور عالیہ کے
سامنے پیش کیا جائیگا۔ جہاں پر ہم مردوں کو جانے کا اختیار و اجازت نہیں ہے۔ البتہ اس جدید
ہوسٹل کے متعلق جس کا سنگ بنیاد حضور عالیہ اپنے دست مبارک سے نصب فرمانیوالی ہیں۔
ہمنے اپنے اڈریس میں صرف درخواست کی ہے اور اس کی ضرورت کے متعلق کچھ عرض نہیں کیا
اس لئے میں مختصر طور پر یہاں پر حضور عالیہ کی خدمت میں اس جدید ہوسٹل کے متعلق چند ضروری
امور عرض کرنا چاہتا ہوں، یہ ہوسٹل ہمارے ابتدائی نقشہ عمارت کا نصف حصہ ہے۔ حضور عالیہ
موجودہ تعمیر شدہ ہوسٹل کی ہیئت کو دیکھکر خود بخود اندازہ فرماسکیں گی کہ ہمکو یہ ہوسٹل ہر حالت
میں تیار کرانا ضروری ہے۔ ہمارے پاس اگر ابتدا سے روپیہ کافی ہوتا تو غالباً اس وقت یہ
موقع جہاں پر حضور عالیہ سنگ بنیاد قائم فرمانیوالی ہیں کسی عمارت کی صورت میں نظر آتا۔
ابتدائی مجبوری کی وجہ سے ہم نے اس عمارت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور شروع ہی سے
یہ خیال ہمارے دلوں میں نہایت مضبوطی سے موجود تھا کہ دوسرا ہوسٹل ہم حضور عالیہ کے
نام نامی سے موسوم کرینگے۔

آج ہم حضور عالیہ کے تہ دل سے ممنون ہیں کہ ہماری دیرینہ آرزو برآئی اور حضور عالیہ نے
سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس کے سنگ بنیاد کا نصب فرمانا منظور فرمایا۔ ضرورت ہمکو یہ ہے کہ ہمارا
موجودہ ہوسٹل ایک سو طالبات کے لئے تعمیر ہوا ہے۔ مگر چونکہ ہمارے پاس کوئی جداگانہ
لیکچر روم یا اسکول کی عمارت نہیں ہے اسلئے اسی ہوسٹل کے تیرہ کمرے جن میں سے بعض
کمرے دو دو کے بجائے ایک ہی بنایا گیا ہے تعلیم کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔ اس طور
پر تیرہ کمرے رہائش طالبات کے دوسرے کام میں لائے جاوینگے۔ اور چونکہ استانیوں کے لئے
بھی کوئی جداگانہ مکان نہیں ہے۔ اس لئے اسی ہوسٹل کے چھ کمرے رہائش استانیوں کیلئے
مخصوص ہوگئے ہیں، ایک کمرہ بالفعل بطور شفاخانہ کے رہیگا اور ملازموں کے رہنے کے لئے
کونہ کا ایک کمرہ مخصوص کرنا پڑیگا۔ اس طور پر منجملہ ۴۰ کمروں کے ہمارے پاس صرف ۱۷ کمرے

رہے جاتے ہیں جو مشکل سے پچاس بورڈروں کے لئے کافی ہونگے۔ علاوہ بریں ڈائننگ ہال نہیں ہی نماز پڑھنے کا کوئی علٰحدہ کمرہ نہیں ہی اور سب سے بڑی دقت یہ ہی کہ موجودہ احاطہ ہماری کل ضروریات کے لئے ہرگز کافی نہیں ہے۔ جو ۵۰ لڑکیاں اس ہوسٹل میں رہینگی وہ بھی آسائش سے نہیں رہسکیں نہ ہم اُنکے کھیل و تفریح کے لئے ضروری قطعات آراضی اُن کو دلسکتے ہیں۔ اور نہ اُستانیوں اور ملازموں کے لئے کسی موقع پر علٰحدہ مکان بنا سکتے ہیں۔ ہم پردہ کی چہار دیواری کے اندر اُن کے لئے وہ کل سامان ضروری بہم پہونچانا چاہتے ہیں جس سے اُن کو قریب قریب وہی فوائد حاصل ہوں جو ہمارے کالج میں ہماری قوم کے لڑکو کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس وقت جہانتک اندازہ کیا جاتا ہے ہمارے موجودہ کمرے عرصہ سال ڈیڑھ سال میں بالکل پُر ہو جائینگے۔ ۱۶ لڑکیاں تو پارچ کے مہینے میں داخل ہو جاوینگی اور ۴۵ درخواستیں ہمارے پاس موجود ہیں اُن میں سے بھی کچھ لڑکیاں تو ضرور داخل ہونگی۔ اور جبتک سلطانیہ بورڈنگ ہوس تعمیر ہوتا۔ اُس وقت تک ہمکو یقین ہی کہ ہمارا موجودہ ہوسٹل بالکل بھر جائیگا۔ حضور عالیہ ہمارے دل میں اس خواہش کا پیدا ہو جانا کہ ہم اس مدرسے کے متعلق حضور عالیہ کی کوئی یادگار قائم کریں۔ اُن احسانات اور عنایات کا اعتراف ہی جو حضور عالیہ اس مدرسے کے حال پر فرماتی رہی ہیں۔ یوں تو جو انسان اپنے ہمجنسوں پر احسان کرتے ہیں اُنکی یادگاریں شکرگذار دلوں پر کندہ ہو جاتی ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ کسی گزشتہ محسن کی یاد تازہ کرتی رہتی ہیں اور صدیوں یہ گہرے نقش کسی کے مٹاے سے نہیں مٹ سکتے۔ مگر ظاہری یادگاریں بھی جبکہ وہ ایک خیر دائمی کی شکل میں قائم ہوں جیسے کہ درس گاہیں یا نہریں وغیرہ وہ بھی کسی کے گذشتہ احسانات کی یاد تازہ کرنیکے لئے ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ ہی وجہ ہی کہ ہمنے حضور عالیہ کی یادگار اس مدرسے سے جو قومی مدرسہ ہی اور جس کی نسبت ہمکو یقین ہی کہ وہ اُس وقتتک قائم رہیگا جبتک ہماری قوم میں احساس قومیت باقی رہیگا وابستہ کیا ہے۔ ہمکو اسبات کا یقین ہے کہ ہماری آیندہ نسلوں کی بچیاں جو اس ہوسٹل میں رہکر تعلیم

پائینگی اور جب اُن کو حسب معمول اس کے در و دیوار سے اُنس ہو جائیگا اور اپنے مابعد کی زندگی میں اپنے گھروں میں ہمیشہ وہ فخر سے ذکر کیا کرینگی کہ ہم نے سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس میں رہکر تعلیم پائی ہے تو حضور عالیہ کے احسانات کی یاد نسلاً بعد نسلٍ تازہ ہوتی رہیگی۔

حضور عالیہ اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت ہمارے پاس اسقدر روپیہ نہیں کہ ہم اس ہوسٹل کی تعمیر فوراً ہی شروع کردیں اور جلد سے جلد زمانہ میں اس کی تکمیل کردیں مگر ہمکو اس میں اگر اندیشہ ہے تو صرف تاخیر کا ہے باقی اس ہوسٹل کی تعمیر کی تکمیل کے متعلق ہمکو ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے کہ ہم اسکو تعمیر نہ کراسکیں گے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس روپیہ نہیں تو اُس سے مراد صرف مدرسہ کے کارکنوں سے ہے نہ کہ قوم سے، قوم کے پاس خدا کے فضل سے بہت روپیہ ہے اور وہ قوم جس کی سرتاج حضور عالیہ جیسی فرماں روا ہوں اور جس قوم میں اور بکثرت باہمت فیاض طبع بزرگ موجود ہوں کیا وہ قوم ایک پچاس ہزار کی لاگت کا بورڈنگ ہوس کی تعمیر میں قاصر رہیگی۔ ہمکو کئی اشخاص قوم نے وقتاً فوقتاً پچاس پچاس ہزار روپیہ بلکہ اس سے بھی زائد منٹو سرکل کے بورڈنگ ہوس اور دیگر بورڈنگ ہوسوں کے لئے عطا فرمائے ہیں اس سے ہمکو اپنی قوم کی فیاضی امید افزا معلوم ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم خدا کے بھروسہ پر اپنی ضرورتوں کو محسوس کر کے کام کو شروع کر دیتے ہیں اور اکثر دیکھا ہے کہ وہ کام پورا ہو ہی جاتا ہے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ بورڈنگ ہوس جلد سے جلد تیار ہو جائے تاکہ وہ خاتون جو حضور عالیہ کے بے نظیر کاموں کی سب سے زیادہ معترف اور مداح ہیں یعنی ہز ایکسیلنسی لیڈی ہارڈنگ صاحبہ وہ حضور عالیہ کی موجودگی میں اور نیز ملک کی سیکڑوں بیگمات کی موجودگی میں جو حضور عالیہ کو اپنی صنف کی سرتاج سمجھتی ہیں۔ اس بورڈنگ ہاؤس کا افتتاح کریں یہ ہمارا ایک خواب ہی جس کا پورا کرنا قوم کے ہاتھ میں ہی۔ ہم اخیر میں نہایت ادب اور عجز کے ساتھ اپنے دلی شکریہ کا اظہار کرتے ہیں کہ حضور عالیہ نے ہماری درخواست منظور فرمائی اور سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس کے سنگ بنیاد کے قائم کرنے کا قصد فرمایا۔ اس کے

بعد حضور عالیہ نے ایک نہایت مختصر اور موثرانہ تقریر فرمائی۔ چونکہ سرکار عالیہ نے زیادہ تر اس تقریر میں اس خاکسار کو اپنا مخاطب بنایا اور خاکسار کی ہمت افزائی فرمائی اس لیئے اس تقریر کا یہاں پر درج کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ تقریر ختم کرنے کے بعد نواب محمد اسحاق خاں صاحب آنریری سکرٹری کالج کو جو بہت قریب کھڑے تھے مخاطب کرکے فرمایا کہ دیکھئے میں سنگ بنیاد نصب کرتی ہوں، مگر کہیں ایسا نہو کہ اس عمارت کی تکمیل کی طرف توجہ نہو اور یہ ایسا ہی پڑا رہے۔ آپ سب لوگوں کو ملکر اتفاق سے عورتوں کی تعلیم کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں عورتوں کی حالت کیسی پست ہے۔ مجھکو امید ہے کہ میری قوم کے مرد اب تعلیم نسواں کی طرف اسی درجہ توجہ کرینگے جسقدر لڑکوں کی تعلیم کی طرف توجہ کر رہے ہیں۔ یہ کہکر سرکار عالیہ نے سنگ بنیاد نصب فرمایا۔

سنگِ بنیاد

غالباً یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ سب سے اول جب ہمدرد مربی نے مدرسہ نسواں علیگڈہ کی دستگیری کی وہ حضور عالیہ جناب سرکار بیگم صاحبہ والیہ بھوپال تھیں۔ حضور عالیہ نے شروع ہی میں سو روپیہ ماہوار کا عطیہ مرحمت فرمایا تھا اور ابتک وہ عطیہ برابر باقاعدہ دو سو روپیے سالانہ اضافہ کے ساتھ مل رہا ہے۔ اس خاکسار کے دل میں بوجہ اعتراف احسان حضور عالیہ کے اول تاریخ سے یہ خیال تھا کہ حضور عالیہ کی کوئی یادگار اس مدرسے کے متعلق قائم کی جاوے مگر کام بالکل نیا تھا کوئی چیز ہمارے پاس ایسی نہ تھی جو حضور عالیہ اور پبلک کو ہم دکھا سکتے کہ یہ مدرسہ زندہ رہیگا اور آیندہ ترقی کریگا۔ بہت دنوں تک پبلک کے خیالات یہ رہے ہے کہ یہ ایک محض شخصی طبع آزمائی ہے۔ بھلا لڑکیوں کے مدرسے اور بورڈنگ ہاؤس مسلمانوں میں کبھی کامیاب ہو سکتے ہیں مگر جو کسی نے کہی اُس کو ٹھنڈے دل سے سُن لیا اور اپنا اصلی نصب العین ہر وقت اپنے سامنے رکھا اور جب سے اسکول اور بورڈنگ ہاؤس قائم

کرنے کا خیال دل میں ہوا کبھی ایک لمحہ بھی اُس کو اپنے دل سے محو نہیں ہونے دیا۔ اور چونکہ خدا کسی کی سچی محنت کو رائگاں نہیں کرتا اسلئے آج مجھکو یہ کہنے کا موقع ضرور حاصل ہے کہ مجھکو اپنی کوشش میں ناکامیابی نہیں ہوئی اور جو کچھ میں کرسکا اُس کا ثمرہ خدا نے مجھکو عطا فرمایا آج قوم کے لئے ایک ایسی درس گاہ کا آغاز دکھائی دیتا ہے جس کو دیکھتے ہوئے یہ توقع ہوتی ہے کہ اب یہ مرنیوالا نہیں ہے اور اگر خدا کی تائید اسی طرح پر شامل حال رہی تو یہ سہ روز افزوں ترقی کریگا۔ اب مجھکو اس بات کا خیال پیدا ہوا کہ حضور عالیہ سے خواہش کی جاوے کہ بورڈنگ ہاؤس کو اپنے نام نامی سے موسوم کرنیکی اجازت عطا فرمائیں اور اپنے دست مبارک سے اُس کا سنگ بنیاد بھی نصب فرمائیں۔ اوّل جب ہم نے اس کے متعلق درخواست کی تو حضور عالیہ کو اسمیں پس وپیش ہوا کہ سردست ایک دوسرے ہوسٹل کے لئے سنگ بنیاد رکھنے کی کیا ضرورت ہی مگر حضور عالیہ کے علی گڑہ تشریف لانے پر جب واقعات سے ضرورت ثابت ہوگئی تو حضور ممدوحہ نے کمال مہربانی سے سنگ بنیاد کا نصب کرنا اور بورڈنگ ہاؤس کو سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس کے نام سے موسوم کرنا منظور فرمایا۔

اس بورڈنگ ہاؤس کے لئے سنگ بنیاد پر عبارت لکھواتے وقت میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن پاک کی کوئی آیت جو ایک سنگ بنیاد کے لئے موزوں ہو وہ اس پر کندہ کرائی جاوے۔ چنانچہ مولوی سعید احمد صاحب اُس وقت میرے پاس دفتر میں بیٹھے تھے میں نے اُنسے خواہش کی کہ وہ کوئی آیت ایسی تبلائیں جو سنگ بنیاد کے لئے موزوں و مناسب ہو۔ مولوی سعید احمد صاحب کی زبان سے بیساختہ یہ آیت نکلی اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جڑ اُسکی مضبوط ہی اور شاخ اُسکی آسمان پر ہے میں سمجھتا ہوں کہ سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس کے بنیاد کے لئے اس آیت سے بڑھکر کوئی آیت موزوں نہیں ہوسکتی تھی اور گو کل آیتیں قرآن شریف کی الہامی ہیں مگر بعض وقت ہماری ضرورتوں کے وقت بھی الہامی طور پر بھی اُن کے متعلق ہماری یاد تازہ کیجاتی

ہے اور اس موقع پر بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک طرح سے میرے دوست مولوی سعید احمد صاحب
کے دل پر القا رہی ہوا کہ وہ یہی آیت مبارک اپنی زبان سے نکالیں۔ میں اُمید کرتا ہوں
کہ ایک زمانہ آئیگا کہ سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس میں اس آیت مبارک کے برکات کا اثر ظہور پذیر
ہوگا، اور سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس کی طالبات ہماری قوم اور ملک کے لئے باعث فخر ہونگی
سنگ بنیاد کے نصب کرنیکے بعد حکیم فدا حسین صاحب نے ایک نظم پڑھی اور پھر ہمارے
کالج کے مشہور شاعر مولوی جلال الدین صاحب نے نہایت پُر اثر نظم پڑھی اور اس کے بعد
صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے ایک فصیح و بلیغ تقریر میں اور نہایت موزوں الفاظ میں حضور
عالیہ کا شکریہ ادا کیا، اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ اور حضور عالیہ زنانہ ہوسٹل کے اندر تشریف
لیگئیں، جہاں پر کم و بیش ۳۰۰ قومی خواتین اور نیز یورپین لیڈیاں اور مدرسۂ نسواں کی طالبات
اور اُستانیاں حضور عالیہ کے استقبال کے لئے موجود تھیں۔ بیبیوں نے بڑے پھاٹک پر
حضور عالیہ کا استقبال کیا۔ محمود بیگم صاحبہ و عبد اللہ بیگم صاحبہ نے دیگر خواتین سے حضور عالیہ
کا تعارف کرایا اور مسز ہارووڈ نے یورپین لیڈیز سے جناب ممدوحہ کا تعارف کرایا اُسکے
بعد ہمارے مدرسہ کی اُستانی شفاعت بیگم صاحبہ نے قرآن شریف کی تلاوت فرمائی۔

رسم افتتاح

بورڈنگ ہاؤس کا وسطی بڑا کمرہ جلسہ کے لئے سجایا گیا تھا، اسی کمرہ میں ایڈریس
کا دینا اور زنانہ کانفرنس کے جلسہ کا انعقاد تجویز ہوا تھا اس لئے یہ بات بھی مناسب سمجھی گئی کہ
اسی بڑے ہال میں رسم افتتاح بھی ادا کی جائے۔ چنانچہ بڑے ہال کے درمیانی دروازہ میں
قفل ڈالدیا گیا اور یہ تجویز ہوا کہ جب حضور عالیہ قفل کھولکر اندر جائیں تو سب بیبیاں اُن کے
پیچھے پیچھے جاکر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ جائیں اور حضور عالیہ کی کرسی صدارت کے لئے ہال
کے مغربی حصہ میں ایک چبوترہ بنایا گیا تھا جس پر علاوہ حضور عالیہ کی کرسی کے دو تین کرسیاں

اور ایسی معزز اور مقتدر خواتین کے لئے جیسی ہر ہائنیس بیگم صاحبہ جنجیرہ ہیں رکھدی گئی تھیں۔ چونکہ بڑے ہال کے دروازے بالکل نئے تھے اُن کے کھولنے اور بند کرنے میں اکثر دقت رہتی تھی۔ اس لئے میں نے علی الصباح بڑھئی کو بلا کر اس کے نیچے کی لکڑ تھوڑی چھلوا دی تھی مگر باوجود اس کے ہماری قومی خواتین کو اس دروازہ کے کھولنے میں بہت کچھ زور آزمائی کرنی پڑی۔ اور آخر دروازہ کھولکر رہیں جس پر ہر ہائنیس بیگم صاحبہ جنجیرہ نے فرمایا کہ کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم نسواں کا کام بہت دشوار ہے مگر ہم اس دشواری کو حل کرنے میں ضرور کامیاب ہونگے۔ جب حضور عالیہ کرسی صدارت پر رونق افروز ہوگئیں تو سب سے اوّل عبد اللہ بیگم نے منجانب کمیٹی مدرسہ نسواں ایڈریس پڑھکر سنایا۔ ایڈریس کے بعد حضور عالیہ نے اُس کا جواب فرمایا۔ یہ ایڈریس اور جواب دونوں اس رپورٹ میں جداگانہ چھاپے جاتے ہیں۔ حضور عالیہ کے جواب کے بعد محمود بیگم صاحبہ نے حضور عالیہ کا شکریہ ادا کیا پھر ایڈریس اور خریطہ حضور عالیہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے بعد حضور عالیہ اور دیگر حاضرات کو ہار پہنائے گئے اور جلسہ افتتاح ختم ہوا۔ جلسہ افتتاح کے ختم ہوتے ہی زنانہ کانفرنس کا جلسہ شروع ہوا۔
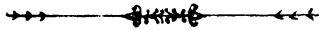
بحضور علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ تاج ہند جی، سی ایس، آئی، وجی، سی، آئی، ای فرمانروائے بھوپال دام ملکہا و سلطنتہا

حضور عالیہ

ہم ممبران کمیٹی مدرسہ نسواں علی گڑھ نہایت ادب کے ساتھ حضور عالیہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ہمکو آج حضور نے اپنے خیر مقدم کرنے کی عزت عطا کی ہے۔

حضور عالیہ! ہماری تاریخ کا دور ترقی اگرچہ ایسی خواتین کے حالات سے پُر ہے جن پر قوم اسلام ناز کرسکتی ہے۔ لیکن اس زمانہ میں جبکہ ہمارے تنزل کی کوئی حد نہیں رہی ہے صرف حضور عالیہ کی ایک ایسی ذات ہے جو ہم مسلمانوں کے لئے باعث فخر ہے اور ہم اُس کو بڑی سے بڑی ترقی یافتہ اقوام کے مقابلہ میں پیش کرسکتے ہیں۔ اور اس کو ہم خدا کی ایک بڑی نعمت تصور کرتے ہیں کہ اس گئی گزری حالت میں بھی ہماری قوم میں ہمکو ایک ایسی روشن ضمیر فرمانروا خاتون کی مثال ملتی ہے۔

حضور عالیہ، بلا شائبہ مبالغہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ ایک دقیق اور باریک بیں مؤرخ کو جو اعلیٰ صفات کسی زمانہ کی خواتین میں فرداً فرداً نظر آتے ہیں، اُن سب کو ہم اس زمانہ میں حضور عالیہ کی ذات قدسی صفات میں مجتمع پاتے ہیں۔

حضور عالیہ، عورت کو صنف نازک کہا جاتا ہے اور اُس کا دائرہ حکومت گھر کی چار دیواری تک محدود سمجھا جاتا ہے اُس میں ملک داری اور اعلیٰ انتظام کی قوتوں کو تسلیم نہیں کیا جاتا لیکن بھوپال کی مشہور حکمراں بیگمات نے اس دعوے کو غلط ثابت کر دیا ہے، اور پھر حضور عالیہ نے جو اس سلسلہ کی آخری فرمانروا ہیں اُن تمام صفات کو مکمل صورت میں دکھلا دیا ہے جو ایک مدبر بیدار مغز اور ہمدرد فرمان روا کے لئے مایۂ ناز ہوتے ہیں۔

اصلاحات ملکی میں حضور عالیہ کی حیرت انگیز قابلیتیں درحقیقت تاریخ کا ایک روشن باب ہیں، اور جو لوگ کہ بھوپال ایڈمنسٹریشن سے واقف ہیں اور جنہوں نے کہ اُن تقریروں کو پڑھا ہے جو والسرایان ہند لارڈ منٹو اور لارڈ ہارڈنگ اور سینٹرل انڈیا ایجنسی کے انچارج افسروں نے کی ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح سے محسوس کر سکتے ہیں کہ حضور عالیہ نے اپنے ایسے ملک میں جس کے قرب و جوار میں ترقی کی مثالیں موجود نہ ہوں، صرف اپنی خداداد قابلیت اور ذاتی کوشش سے کسقدر ترقی فرمائی ہے۔

گوہر اقبال سے جو حضور عالیہ کی ایک بیش بہا تصنیف ہے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ذاتی کوشش میں حضور عالیہ کو کیسی کیسی دقتیں اور ناقابل برداشت تکلیفیں اُٹھانی پڑی ہیں، ایک سیاح جو اس بارہ سال کے عرصہ سے پہلے بھی بھوپال گیا ہو وہ بادی النظر میں بھی اُن ترقیات کو دیکھ سکتا ہے جو حضور کے دور حکومت میں ہوئی ہیں۔

حضور عالیہ کی صفات عالیہ اور اُس رعایا پروری، قومی ہمدردی، اور دلسوزی نے جو بیسیوں موقعوں پر ملک و قوم کے مشاہدہ میں آئی ہے تسخیر قلوب کا کام کیا ہے، حضور عالیہ کی اُس قومی ہمدردی کا کیونکر شکریہ ادا کر سکتے ہیں جو ہم نے سنہ ۱۹۰۳ء کی تہنیت تاجپوشی کے ایڈریس میں حضور عالیہ کے قلم خاص سے دیکھی تھی۔ اور پھر ابھی تک ہمارے دلوں پر اُس تقریر کے الفاظ نقش کالحجر ہیں جو گزشتہ پرآشوب زمانہ میں لارڈ منٹو کے سامنے اسٹیٹ ڈنر کے موقع پر فرمائی تھی، اور باوجود اس کے کہ رؤسا و امراء ہند کے شاہزادوں کے لئے ہندوستان

ہیں متعدد ہیٔپنس کالج ہیں، حضور نے اپنے چھوٹے صاحبزادہ کی تعلیم کے لئے اپنے قومی کالج کو منتخب فرمایا، اور پھر ہم نے حضور عالیہ کی تربیت مادرانہ کے وہ عظیم الشان نتائج دیکھے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ ماں کے ہاتھ میں اولاد کے کیرکٹر اور اخلاق کو عمدہ سانچے میں ڈھالنے کی کیسی زبردست طاقت ہے، اور ایسی طاقت کا اندازہ خود حضور عالیہ نے ابتدا ہی سے فرمایا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ حضور نے تعلیم نسواں کی اشاعت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا خاص بھوپال میں عام زنانہ تعلیم کی ترقی، ملک کے لئے عموماً اور ہماری قوم کے لئے خصوصاً ایک سب سے بڑی مثال ہے۔

اسی کے ساتھ حضور عالیہ نے عورتوں کی بہترین سوسائٹی قائم کرنے کے لئے جو زنانہ کلب قائم فرمایا ہے۔ اُس سے عورتوں میں اخلاقی اور قومی احساس کی بنیاد قائم فرمائی ہے اور اس امر کو ہم کلب کی رودادوں میں نہایت نمایاں پاتے ہیں، کہ کس طرح بھوپال کی عورتوں نے قومی کاموں میں کس دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا ہے۔

تاریخ اسلام میں اکثر بیگمات کا تذکرہ ہے جنھوں نے علمی سرسبزی کے فوائد عامہ کے لئے مدارس اور کالج قائم کئے، بورڈنگ ہاؤس بنوائے۔ علما اور فضلا کی تنخواہیں مقرر کیں، تصانیف اور تالیفات پر انعام دیئے، لیکن یہ اُس وقت کی باتیں ہیں جبکہ دولت ہماری قوم کے قدموں پر نثار تھی، ہمارے عہد عروج کی بہار تازہ تھی دنیا کا علم اور عَلَم ہمارے ہاتھ میں تھا، ہماری قوم مبدء علم سمجھی جاتی تھی، اور قومی یونیورسٹیاں بکثرت جاری تھیں اور اُن میں ہر ایک ملک اور قوم کے طالب علم آتے تھے۔

لیکن ہم آج بھی جبکہ سلطنت برطانیہ کے سایۂ عدل وعاطفت میں جہالت اور پستی کی تاریکی سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں، اپنی قوم میں ایک ایسی ہنرمند خاتون کا وجود پاتے ہیں جو علمی سرپرستی اور قومی تعلیم میں امداد دینے کے لئے ہر وقت آمادہ وتیار ہے۔

مدرسۂ نسوان علی گڑھ روز اوّل سے حضور عالیہ کا ہر طرح سے مرہون احسان تھا ہی

مگر علاوہ اس کے اس وقت بھوپال کے منبع جود وکرم سے ہندوستان کی کل اسلامی درسگاہیں
اور رفاہ عام کے کام سیرابی حاصل کر رہی ہیں اور وہ بیش بہا امدادیں جو حضور عالیہ کے عہد مبارک
میں ریاست سے محمدن یونیورسٹی، محمدن کالج، ندوۃ العلما، نظارت المعارف القرآنیہ،
طبیہ کالج دھلی، محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کو ملی ہیں، وہ نہ صرف موجودہ نسلوں کے لئے بلکہ آیندہ
نسلوں کے لئے بھی اس زمانہ تک جبتک کہ نسلوں کا سلسلہ اور تاریخی یادباقی و قائم رہیگی
موجب شکرگذاری رہینگی۔

حضور عالیہ، بلحاظ اپنی خاص حالت اور واقعات زمانہ جو ہماری آنکھوں کے سامنے
سے گذرے ہیں ہم سرکار عالیہ کی جملہ فیاضیوں اور علمی سرپرستی کے کاموں میں تعلیم نسواں کی
سرپرستی کو خاص اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حضور عالیہ سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ تعلیم
نسواں کی طرف سے عام طور پر بہت ہی غفلت کی جارہی ہے۔ ہندوستانیوں کو بالعموم
اور مسلمانوں کو بالخصوص تعلیم و ترقی اُناث کا ہنوز احساس ہی پیدا نہیں ہوا۔ اپنی تحریروں اور
تقریروں میں بہتیرے لوگ لفظی حمایت و ہمدردی کو صرف کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر عملاً کوئی
شخص کچھ بھی کرنے کو تیار نہیں ہے۔ تعلیم نسواں کے رستہ میں ایک ایک قدم پر کچھ تو قدرتی
طور پر دقتیں موجود ہیں اور کچھ دقتیں قصداً پیدا کی جاتی ہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا اور لوکل
گورنمنٹوں کو تعلیم اُناث کی طرف بہت کچھ توجہ اور خیال ہے۔ مگر جبتک باشندگان ملک خود
اس مرحلہ کو طے کرنے اور اس پیچیدہ گتھی کو سلجھانے کے لئے مستعد نہو جائینگے گورنمنٹ کی
فیاضی اور توجہ اور خاص خیال ہمارے ملک کی مستورات کو منزل ترقی کے زینے تک پہنچانے
میں کامیاب نہونگے۔ ہم ایک جانب سے اپنی رعایا پرور گورنمنٹ کے ممنون ہیں کہ اسکو ہماری
ہر قسم کی ترقی کی طرف توجہ ہے اور دوسری جانب سے اپنے ہمعصر اہل وطن قومی اصحاب کی
حالت پر افسوس آتا ہے کہ وہ اس زمانہ میں بھی جبکہ کل مہذب دنیا میں علم کے چشمے جاری ہیں اور
ادنی اور اعلی اُنسے سیراب ہورہے ہیں وہ اپنی مستورات کو تشنہ دہان رکھنے کو غیرت

اور شرافت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضور عالیہ، اس وقت ہندوستان میں چند در چند وجوہات سے تعلیم اُناث کے بارے میں ہماری توقعات صرف حضور عالیہ کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اس وقت حضور عالیہ ہندوستان میں صرف ایک ہی خاتون ایسی ہیں جو گدی نشینی کا شرف رکھتی ہیں۔ اور تاریخ اس بات کی قطعی اور نہایت قابل وثوق شہادت دیتی ہے کہ بہت بڑے بڑے کام اور قومی اور ملکی اور بعض حالتوں میں مذہبی انقلابات کی ابتدا اُن اشخاص سے ہوئی ہے جن کے سروں پر تاج اور جن کے ہاتھوں میں عصائے حکومت تھا۔ پس حضور عالیہ کو اس وقت اپنی ملکی بہنوں کو تاریکی اور جہالت کے گڈھے سے نکالنے کا جس قسم کا موقع حاصل ہے وہ بات کسی اور خاتون کو حاصل نہیں ہے۔ حضور عالیہ اپنی مثال سے، اپنے رتبے سے، اپنی نصیحت سے اور اپنے عمل سے ملک اور قوم کے سامنے وہ نمونہ پیش فرما سکتی ہیں کہ جسکو دیکھ کر دوسروں کو چون وچرا کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے اور سب کہہ اٹھیں کہ ہماری پستی کا باعث جہالتِ اُناث ہے۔ اور اگر ہم ترقی کر سکتے ہیں تو اُناث کی امداد سے کر سکتے ہیں صرف مردوں کو تعلیم دلا کر ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

ہم کو شکر گذاری کے ساتھ اپنی رائے کے اظہار کا موقع حاصل ہے کہ حضور عالیہ جو کچھ اس وقت کر رہی ہیں وہ ہماری توقعات کو بہت مضبوط کرنیوالا ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ حضور عالیہ خود اپنے ہاتھ سے تعلیم اُناث کی ترقی و تعلیم کے لئے ایسی درسگاہیں قائم فرما جائینگی جن سے ہماری آیندہ نسلیں صدیوں تک مستفید ہوتی رہینگی۔

حضور عالیہ، مدرسۂ نسواں علی گڑھ کی توجہ سے ایک مفید درسگاہ ہونے کا درجہ حاصل کرنیوالا ہے اور اُمید ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قوم میں آیندہ اس کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوگی۔

گو پبلک نے اس وقت تک اس کی مالی امداد کچھ زیادہ نہیں کی مگر ہماری قوم کی

روشنخیال خاتونیں اور مرد اس مدرسہ کو ایک خالص قومی درسگاہ سمجھتے ہیں اور ہر شخص کا یہ خیال ہے کہ یہ ہمارا اپنا مدرسہ ہے۔ یہ خیال اس مدرسہ کے حق میں ازبس مفید ہے اور جوں جوں قوم اس کے فوائد سے آگاہ ہوتی جائیگی اسکی ہر طرح کی امداد بھی اپنے اوپر فرض خیال کرنے لگے گی۔

علی گڑھ کل ہندوستان کے مسلمانوں کا تعلیمی مرکز ہے۔ علی گڑھ کے لئے اس سے زیادہ اور کوئی امر باعث خامی نہ ہوتا کہ یہاں پر صرف مردوں کی تعلیم کا انتظام ہوتا اور عورتوں کی تعلیم کے لئے کچھ انتظام نہ کیا جاتا۔ مگر باوجود بہت سی دشواریوں اور جھگڑوں کے اب ایک پودا قائم ہوگیا ہے جو بفضل خدائے عزوجل دن بدن بڑھتا ہی دکھائی دیگا اور ہماری قومی بہنیں بھی اس کے سایہ میں اُسی طور پر امن سے بیٹھ سکیں گی جس طور پر ہمارے قومی کالج میں ہمارے مردوں کو بیٹھنے کا موقع حاصل ہوا ہے۔ ہماری آیندہ یونیورسٹی اس چھوٹے سے پودے کو کسی وقت میں ایک تناور درخت بنا کر اسکو اس قابل کردیگی کہ قومی اُناث اُس سے عظیم فوائد حاصل کریں جس طرح کہ قومی ذکور کالج سے نفع اُٹھا رہے ہیں۔ اور ایک وقت ایسا آئیگا کہ ہماری مستورات کے لئے یہ درسگاہ جس کا افتتاح آج حضور عالیہ کے مبارک ہاتھوں سے ہو رہا ہے ایک ایسا سرچشمہ فیض بنے گا جس سے اُن کو پوری سیرابی و تر و تازگی حاصل ہوگی۔

حضور عالیہ اس بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر کے لئے جسکا سنگ بنیاد جناب لیڈی پورٹر صاحبہ نے رکھا تھا۔ اور جس کا افتتاح حضور عالیہ فرمانے والی ہیں۔ ہم سب سے زیادہ اپنی فیاض گورنمنٹ کے ممنون و مشکور ہیں۔ اس بورڈنگ ہاؤس اور اس کے متعلق مکانات و خرید اراضیات پر اس وقت تک تخمیناً مبلغ ساٹھ ہزار روپیہ صرف ہوا ہے۔ منجملہ اُس کے ۳۵ ہزار روپیہ بذریعہ عطیہ گورنمنٹ صوبہ متحدہ ملا ہے اور باقی روپیہ پرائیویٹ چندوں سے وصول کیا ہے۔

حضور عالیہ! ہماری ایک دیرینہ خواہش یہ بھی ہے کہ ہم اس درسگاہ کے متعلق حضور عالیہ

کی یادگار قائم کریں۔ قومی کام بہت دنوں تک قائم رہتے ہیں۔ گو اشخاص کچھ زیادہ دنوں تک موجود نہیں رہ سکتے، موجودہ نسلیں تو حضور عالیہ کے نام کا نقش اپنے دلوں پر اسقدر گہرا رکھتی ہیں کہ اگر سوتے میں بھی کسی کے کانوں میں حضور عالیہ کے مبارک نام کی بھنک پڑتی ہوگی تو اس کی زبان سے شکر گزاری اور ممنونیت کا کلمہ نکلتا ہوگا۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ اس قومی مرکزی درسگاہ کے ساتھ حضور عالیہ کے اسم والا کو کوئی ایسی خصوصیت دیجاوے کہ آیندہ نسلیں اسکو دیکھکر اپنی محسنہ کو ہمیشہ یاد کرتی رہیں۔ اور اظہار احسانمندی کرتی رہیں۔ اس خیال سے ہمنے یہ تجویز کی ہے کہ ایک بورڈنگ ہوس بہ لاگت ۵۰ ہزار روپیہ حضور عالیہ کی خاص یادگار میں تعمیر کرائیں اور اسکو حضور عالیہ کے مبارک نام سے موسوم کریں یعنی اس کا نام **سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس** رکھیں۔ گو ہمارے پاس اس وقت روپیہ نہیں ہے مگر ہماری قوم ایک زندہ قوم ہے اور حضور عالیہ کے بے نظیر کاموں کا سکہ ہر شخص کے ہر دل پر بیٹھا ہوا ہے۔ لہذا ہم اپنی قوم کی فیاضی کے بھروسہ پر حضور عالیہ سے استدعا کرتے ہیں کہ حضور عالیہ آج ہی سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس کا سنگ بنیاد بھی نصب فرما دیں۔

حضور عالیہ آپ اپنی چشم مبارک سے ملاحظہ فرما رہی ہیں کہ ہم نے اس بورڈنگ ہاؤس میں سب سے زیادہ جس بات کا لحاظ رکھا ہے وہ پردہ کا بندوبست ہے۔ مسلمان لڑکیاں اس بورڈنگ ہاؤس میں رہکر وہ جملہ فوائد جو آجکل کی عمدہ درسگاہوں سے حاصل ہو سکتے ہیں حاصل کر سکیں گی اور اسی کے ساتھ وہ اصول صفائی اور حفظان صحت سے واقف ہو کر اپنی اولاد کو صحت اور تندرستی کے ساتھ زندگی بسر کرنیکے طریقے سکھا سکیں گی۔

کسی مرد کو اس چہار دیواری کے اندر آنے کی اجازت نہیں اور کسی لڑکی کو اس چہار دیواری سے باہر جانے کا حکم نہیں۔ کوئی رستہ کسی قسم کا بجز ایک پھاٹک کے جو بند رہتا ہے اور جس کا محافظ باہر ایک چوکیدار اور اندر ایک عورت ہے آنے جانے کا نہیں ہے۔ استانیاں ہر وقت بورڈنگ ہوس میں رہیں گی اور سب لڑکیاں انکی زیر نگرانی رہینگی۔

غرضکہ جو کچھ انسان کی قوت اور طاقت اور سمجھ کے احاطہ کے اندر ہے اُس میں کوئی دقیقہ احتیاط کا اُٹھا نہیں رکھا ہے۔ مگر جو آیندہ آنے والی باتیں صرف پاک پروردگار کے علم اور اختیار میں ہیں ہمکو اسمیں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہے۔

حضور عالیہ۔ ہم کو اپنے گزشتہ سہ سالہ تجربہ سے اس بات کا پورا یقین ہوگیا ہے کہ پردہ رکھنے والی لڑکیاں جبتک پردے کے بورڈنگ ہوس میں رہکر ایک کافی زمانہ تک تعلیم حاصل نہ کریں وہ ہرگز تعلیم یافتہ نہیں ہوسکتیں۔ ہم لڑکیوں کو تعلیم یافتہ بنانا چاہتے ہیں محض اُس قسم کی شُد بُد کے ہم ہرگز حامی نہیں جو اکثر لوگوں کے خیال میں ہے۔ اور جس کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ لڑکیوں کو اپنے ہی گھروں میں اُستانیاں رکھ کر تعلیم دلائی جائے۔ جو لوگ وسعت اور مقدرت رکھتے ہوں وہ البتہ اپنے گھروں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ استانیاں رکھ کر لڑکیوں کو تعلیم دلاسکتے ہیں۔ مگر قوم میں ایسے بامقدرت اشخاص معدودے چند ہونگے اور اگر ایسے اشخاص نے کوئی معقول انتظام اپنی لڑکیوں کی تعلیم کا کیا بھی تو اُس سے قومی تعلیم کو کوئی نفع نہیں پہونچ سکتا۔ قوم میں اس وقت تین کروڑ کے قریب عورتیں ہیں اور اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی صوبے میں تو تعلیم یافتہ مستورات کا ایک فیصدی اور کسی میں نصف فیصدی کا تناسب ہے۔ اور اس قلیل تعداد میں بھی بکثرت ایسی مستورات ہیں جو صرف حرف شناس ہیں یا زیادہ سے زیادہ خط لکھ لیتی ہیں۔ واقعی تعلیم یافتہ تو شاید دس ہزار میں ایک عورت بھی نہ نکلے گی۔ پس قومی تعلیم کے لئے اسکولوں اور پردے کے بورڈنگ ہوسوں کے سوائے اور کوئی طریقہ عام اور عمدہ تعلیم دلانے کا نہیں ہے

ہم اُمید کرتے ہیں کہ علی گڑہ کا مدرسہ ایک دن ہماری توقعات کو پورا کریگا اور یہاں سے واقعی تعلیم یافتہ لڑکیاں بہت جلد نکلنا شروع ہوجائینگی۔

حضور عالیہ سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ اس وقت ملک میں سب سے زیادہ ضرورت اُستانیوں کی ہے۔ اب بورڈنگ ہوس کھلنے کے بعد سب سے اوّل کام جس کی طرف خاص توجہ ہوگی وہ ٹریننگ کلاس کا جاری کرنا ہے۔ ٹریننگ کلاس کے جاری کرنیکے لئے اسوقت

تک نہ ہمارے پاس سامان تھا اور نہ تعلیم یافتہ لڑکیاں ملتی تھیں کہ ہم ان کو ٹرننگ کلاس میں داخل کرسکیں۔ اب خدا کے فضل سے خود ہمارے مدرسے کی بہت سی لڑکیاں ایسی ہیں جو ٹریننگ کلاس میں داخل ہوسکتی ہیں اور نیز باہر کی لڑکیاں بھی آکر بھرتی ہوسکتی ہیں۔

حضور عالیہ، جیسے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی کوشش کے بعد کہے کہ کوشش میری ہر کام کا انجام دینا خدا کے اختیار میں ہے۔ اسی طور پر ہم اس بورڈنگ ہوس کی تعمیر اور افتتاح کے بعد یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم نے نہایت خلوص کے ساتھ اس کام میں کوشش کی ہے اب خدا تعالیٰ بزرگ و برتر ہمارے کام میں برکت دے اور ہماری ملکی بہنوں کو اس کے فوائد سے متمتع فرمائے۔

ہم اخیر میں حضور عالیہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ حضور عالیہ نے خاص ہماری ہمت افزائی کے لئے بھوپال سے علیگڑھ تک کا سفر گوارا فرمایا اور آج ہم کو یہ اڈریس پیش کرنے کی عزت بخشی ہے جسمیں ہمارے سچے دلی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

تقریر

قدردان فیض رسان علیا حضرت نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج ہند جی سی ایس آئی وجی، سی آئی، ای فرماں روائے بھوپال دام اقبالہا

بجواب

اڈریس ممبران کمیٹی مدرسہ نسواں علیگڈہ بتقریب افتتاح مدرسہ واقع یکم مارچ ۱۹۱۴ء

ممبران کمیٹی!

میں آپ کے اُن عنایت آمیز خیالات کا جو آپ نے میرے متعلق اپنے اڈریس میں

ظاہر کئے ہیں تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔

ترقی تعلیم اُناث کا راستہ اتنا دشوار گذار ہے اور ہمارا ملک اتنا وسیع اور ہماری خاص ضروریات کا مسئلہ اتنا پیچیدہ ہے کہ فقط میری کوششیں اُس وقت تک نتیجہ خیز نہیں ہو سکتیں جب تک کہ تعلیم یافتہ طبقہ جو شاہراہ ترقی میں سب سے آگے ہے اس کار خیر کی جانب پوری سرگرمی کے ساتھ متوجہ نہو۔ میں آپکے اس خیال کی ممنون ہوں کہ اس وقت ہندوستان میں چند در چند وجوہ سے تعلیم اُناث کے بارہ میں آپ کی توقعات صرف میری ذات سے وابستہ ہیں میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ حتی الامکان میں نے اشاعت تعلیم اُناث کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مگر میری کوششوں کے بار آور ہونے کا انحصار ملکہ میری تمام توقعات کی وابستگی تعلیم یافتہ حضرات سے ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس معاملہ میں سست رفتاری سے کام لینگے تو میں کیا گورنمنٹ عالیہ کی کوششوں سے بھی عمدہ نتائج مرتب نہیں ہو سکتے تعلیم اُناث کے راستہ میں سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ ابھی تک ہماری قوم کو اس اہم ضرورت کا پورا احساس نہیں ہوا۔ گذشتہ چند سالوں میں کسی قدر ہم نے ترقی ضرور کی ہے اور تعلیم اُناث کا چرچا ملک میں ہو چلا ہے مگر پھر بھی تعلیم یافتہ طبقے میں زیادہ تر یہی دیکھتی ہوں کہ والدین لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کی تعلیم کو چنداں ضروری تصور نہیں کرتے۔ اگر کچھ توجہ بھی کی تو صرف بلا معنی قرآن مجید اور معمولی نوشت و خواند سکھا کر اپنے نزدیک دینی اور دنیوی تعلیم سے فراغت حاصل کر لی۔

ابھی تک اس امر کا احساس ہم لوگوں میں نہیں ہوا ہے کہ گھر کی چار دیواری کے اندر بھی ہماری خواتین کی ضروریات ایسی اہم ہیں جیسی کہ لڑکوں کے لئے کسب معاش کی تعلیمی ضروریات، اور ان ضروریات کو عمدہ طرح سے انجام دینے کے لئے لڑکیوں کو تعلیم و تربیت کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ لڑکوں کے لئے۔

حضرات! ہماری تکالیف و مشکلات میں صرف اسی وقت تخفیف ہوگی اور ہمارے

تعلیمی وسائل اسی وقت مکمل ہونگے جبکہ تمام قوم میں بیداری کے آثار نمایاں ہو جائیں ان آثار کے نمایاں ہونے میں ہمارے تعلیم یافتہ حضرات ہی کو نمایاں حصہ لینا ہوگا۔ آپنے اپنے ایڈریس میں فرمایا ہے کہ ہماری قوم میں تعلیم کی اس قدر کمی ہے کہ نہونے کے برابر ہے مردم شماری کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی صوبہ میں تو تعلیم یافتہ مستورات کا ایک فیصدی اور کسی میں نصف فیصدی کا تناسب ہے۔ اور اس قلیل تعداد میں بھی بکثرت ایسی مستورات ہیں جو صرف حرف شناس ہیں آپ کا یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ واقعی تعلیم یافتہ تو شاید دس ہزار میں ایک عورت بھی نہ نکلے گی۔

صاحبان! اس کی وجہ یہی ہے کہ تعلیم اناث کا چرچا ہندوستان میں لڑکوں کی تعلیم کے بہت بعد شروع ہوا ہے۔ اور اب تک بالمقابلہ نہایت ہی کم ہے۔

دنیا کے تمام ممالک میں عورتوں کی تعلیمی ترقی مردوں کے بعد شروع ہوئی ہے علم و فضل میں پہلا قدم مرد ہی ہمیشہ آگے بڑھاتے ہیں مگر تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی محسوس ہونے لگتا ہے کہ مرد اور عورت ترقی کی ایک ہی گاڑی میں دو پہیے ہیں اگر دونوں پہیوں کی رفتار برابر نہو تو ترقی کی رفتار قائم نہیں رہ سکتی۔ ہندوستان میں اشاعت تعلیم کے ابتدائی حالات اگر آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ ہی دیکھیں گے کہ فقط لڑکوں ہی کے تعلیم کے مسئلہ سے بحث کی گئی ہے۔ ورق کے ورق اور کتابیں کی کتابیں دیکھ جائیے مگر شاید ہی کہیں تعلیم اناث کا تذکرہ برائے نام ملے تو ملے۔ غرض یہاں تک اس پر فراموشی کا پردہ ڈالا گیا ہے کہ جو ہماری قدیم تعلیم تھی اس کو جدید تعلیم کے اعتراضات نے برباد کر دیا اور بجز اعتراضات دو صدیوں سے ہم نے کچھ نہیں سنا لیکن این ہم غنیمت است یہ تو اب جب لڑکوں کی تعلیم کی ہوا ذرا تیز چلنے لگی اور قوم کا ایک ہاتھ بے کار ہونے کے باعث طرح طرح کی رکاوٹیں اور تکلیفیں خود کو محسوس ہونے لگیں تو عورتوں کی تعلیم کی جانب توجہ شروع ہوئی۔

واقعی سب سے اہم اور ابتدائی ضرورت ہمارے لئے یہ ہے کہ قوم میں تعلیم اُناث کا احساس پیدا کیا جائے۔ یہ احساس آپ تعلیم یافتہ حضرات ایجوکیشنل کانفرنس، اخبارات اور دیگر ذرائع سے ہی پیدا کر سکتے ہیں۔ محمدن ایجوکیشنل کانفرنس نے مختلف صوبہ جات میں تعلیمی ضرورت کے مسئلہ پر شد ومد سے جلسے کئے، تقریریں ہوئیں اور دلچسپ عنوان کے فصیح و بلیغ مضامین پڑھے گئے مگر لڑکوں کی تعلیم کے مقابلہ میں تعلیم اُناث کے لئے کسی قدر سرگرمی کم ظاہر کی گئی اور اس کی وجہ وہی عدم احساس کی مشکل ہے جو اس خاص مسئلہ میں ہماری قوم میں عام طور پر پائی جاتی ہے اور جس کے حل کرنے میں ہماری تعلیمی کانفرنس کو ابھی بہت صبر و استقلال سے کام لینا ہوگا۔

میں اب نصاب تعلیم کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔ جب قوم میں تعلیم اُناث کی ضرورت ہی عام طور پر نمایاں نہ ہو تو نصاب تعلیم ابتدا ہی میں کیونکر مکمل ہو سکتا ہے۔ لیکن تاہم اس جانب متوجہ رہنا چاہیے اور نا اُمید نہ ہونا چاہیے۔ آپ اپنی یونیورسٹیوں ہی کے نصاب کو دیکھئے کہ کس طرح بتدریج ترقی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ اور محمدن یونیورسٹی کی ضرورت کے لئے سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ ہماری قوم کے لئے ایک علیحدہ موزوں و مکمل نصاب ہونا چاہیئے۔ میرے خیال میں سردست یہ ضرور ہے کہ ابھی ہماری خواتین کے لئے ایک موزوں و مکمل نصاب تیار نہیں ہو سکتا۔ اگر ترقی کی رفتار قائم رہی تو انشاءاللہ رفتہ رفتہ ایک عمدہ نصاب بھی ہماری ضرورتوں کے لائق تیار ہو جائیگا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم اپنی کوششوں میں غفلت کرنے لگیں اور نصاب کی طرف سے مایوس ہو کر بیٹھ جائیں۔ نہ اس کے یہ معنی ہیں کہ سردست جو نصاب میسر ہے اور کتب درسی بہم پہنچ سکتی ہیں اور جن کے لئے ہم گورنمنٹ ہند کے محکمہ تعلیم کے مرہون منت ہیں ہم اُنکی جانب سے اس بنا پر بے توجہی کریں کہ ہمارے لئے وہ موزوں نہیں۔ جب بہتر سامان میسر نہیں ہے تو جو کچھ اور جسقدر میسر ہے اس ہی سے فائدہ اُٹھانا لازم ہے۔ گورنمنٹ ہند

کے زنانہ مدارس کے نصاب اور کتب درسی ہی کو اس وقت لیجئے، ان ہی میں کچھ تغیر و تبدل
یا اضافہ کیجئے۔ آہستہ آہستہ استقلال کے ساتھ موزوں کتابوں کے ترجمے کرائیے، اگر خدا را
خواب غفلت سے بیدار ہو جئے۔

تھوڑا عرصہ ہوا مجھکو پنجاب کے اخبارات میں یہ بحث دیکھکر بہت تعجب ہوا تھا کہ ہم
اپنے زنانہ مدارس میں یا خواتین کے نصاب میں انگریزی شامل کریں یا نہیں۔ کیفیت تعلیم
اناث کی یہ ہے کہ دس ہزار خواتین میں ایک بھی شاذ و نادر ہی تعلیم یافتہ ہوگی۔ اور علاوہ
ازیں ہماری خواتین کو فارسی اور عربی ہی میں کونسی کمل استعداد میسر یا ممکن ہے جیسی
انگریزی حارج ہو رہی ہے یا اس کے حارج ہونے کا احتمال ہے۔ اور زبان انگریزی نے
ایسا کونسا قصور کیا ہے کہ لڑکوں کے لئے تو یہ کیمیاے اصلی اور بیچاری لڑکیوں کے لیئے
سم قاتل تصور کی جاتی ہے۔ ترقی کا پہلا زینہ ابھی کوسوں دور ہے۔ بحث مباحثے تو بعض اوقات
ایسے ہوتے ہیں کہ گویا تعلیم اناث کا آفتاب نصف النہار پر پہونچ گیا ہے۔

صاحبان!

میں اپنی رائے یہی دونگی کہ جو کچھ میسر ہے اس سے فائدہ اُٹھائیے اور جو نصاب ملتا
ہو اُس کو غنیمت سمجھئے مگر آگے قدم بڑہائیے اگر بعض خواتین انگریزی پڑہنا ضروری تصور
کرتی ہیں یا اُن کے والدین اور اعزہ اُن کے لئے لازم سمجھتے ہوں تو فرمائیے کہ کیا وجہ
ہو سکتی ہے جو اُن کے لئے یہ دروازہ بند کر دیا جاوے۔ اور آپ کالجوں اور یونیورسٹیوں
میں عمدہ عمدہ ڈگریوں سے ملقب ہوں۔

حضرات!

لڑکیوں کے نصاب میں انگریزی ضرورت کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے بسا اوقات
یہ فراموش کر دیا جاتا ہے کہ لڑکوں کی تعلیم کے متعلق بھی یہ بحث ایک دفعہ پیش آچکی ہے
گزشتہ صدی کی ابتدا میں ہندوستان کی تعلیمی و اخلاقی حالت نہایت ابتر تھی۔ وہ در

اشاعت تعلیم میں طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں، ہمارے حکمران مدبروں نے تعلیم کے مسئلہ پر مختلف نقطۂ خیال سے نظر ڈالی اور بہت سے اصولی و فروعی امور میں باہمی اختلاف ہوئے مگر سب سے اہم مسئلہ یہی تھا کہ آیا نئی اعلیٰ تعلیم انگریزی زبان میں ہو یا ہندوستانی زبانوں میں ۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے کی مشہور تحریر کی بنا پر گورنمنٹ ہند نے یہی فیصلہ کیا کہ ملک کی تمام اعلیٰ تعلیم انگریزی زبان میں ہو اور یہ ہمارے ملک کی خوش قسمتی تھی کہ یہ امر اس طرح طے پایا۔ ہمارے ملک کی مختلف زبانوں کے ذریعہ سے ہرگز وہ فوائد ظہور پذیر نہ ہوتے جو اعلیٰ تعلیم کے رائج کر دینے اور اصلی سرچشمہ تک تشنہ لبوں کے پہنچ جانے سے ہوئے۔ کتابوں کے ترجمے فقط ابتدائی مراحل میں مدد دیا کرتے ہیں اور تکمیل علم کے لئے اصل سرچشمہ تک پہنچنا بہت ضروری ہوا کرتا ہے۔ خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں یونانی زبان نہ جاننے کی وجہ سے اُن علوم و فنون میں جو مسلمانوں نے یونانیوں سے لئے اور جن کا ترجموں پر زیادہ انحصار تھا بہت سی خامیاں رہگئیں۔

اگر لڑکوں کے لئے انگریزی اعلیٰ نصاب میں داخل نہ کی جاتی تو ہمارے ملک کے آفتاب علم پر بہت سا گرد و غبار چھایا رہتا۔

حضرات! میں دعوے سے کہتی ہوں کہ جب ہندوستان میں تعلیم اناث کی زیادہ ترقی ہوگی اور ابتدائی مراحل طے ہو جائیں گے تو لڑکیوں کے اعلیٰ نصاب میں انگریزی تنہا ضروری تصور کی جائیگی۔ اور انگریزی کو داخل نصاب کئے بغیر اعلیٰ تعلیم کے مدارج میں ہرگز کام نہ چل سکے گا۔

بالفعل لڑکیوں کے نصاب تعلیم کو بے جا طور پر محدود کرنے سے عمدہ فوائد ہرگز ظہور پذیر نہیں ہو سکتے۔ ماؤں سے لڑکے لڑکیاں دونوں پیدا ہوتے ہیں اور دونوں کی تعلیم و تربیت کا ابتدائی مرحلہ ماں کی زیر توجہ ہی طے ہوتا ہے۔ مگر ہندوستان میں اور خصوصاً ہماری قوم میں، ہم ابھی تو صنف ضعیف کے تعلیمی مسئلہ میں ابتدائی تعلیم کا مرحلہ ہی طے

کر رہے ہیں اور اس ہی مرحلہ کا انتظام زیر غور ہے۔ اعلیٰ تعلیم ابھی کسی قدر دور ہے۔

حضرات!

اب میں چند الفاظ طریقۂ تعلیم اناث کی بابت کہونگی کیونکہ یہ مسئلہ بھی نہایت اہم اور قابل توجہ ہے تعلیم اناث کے لحاظ سے ہم اپنی قوم کو تین حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔ اول حصہ تو اُن امرا کا ہے جو گورنسز کے ذریعہ سے اپنی لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ دوسرا حصہ اُس طبقے کا ہے جو اپنی لڑکیوں کو زنانہ مدارس میں بھیجتے ہیں۔ یا بھیجنا چاہتے ہیں۔ تیسرا حصہ اُن اصحاب کا ہے جن کو زنانہ مدارس کی تعلیم پر ابھی تک پورا اعتماد نہیں اور جو اُستانیوں کے ذریعہ سے ہی اپنی لڑکیوں کو تعلیم دلانا روا رکھتے ہیں۔ ہم کو قوم کے پہلے حصے سے اس وقت بحث نہیں ہے بلکہ ہمکو حصہ دوم و سوم کی تعلیمی ضرورت کے وسائل پر غور کرنا ہے اور جس قدر آپ غور کرینگے اسی نتیجہ کو پہنچیں گے کہ ہمارے ملک میں زنانہ مدارس و بورڈنگ ہاوسیز کی تعداد زیادہ ہونی چاہیئے کیونکہ اُستانیوں کا بھی بغیر عمدہ زنانہ مدرسوں اور بورڈنگ کے انتظام کے تیار ہوتا ناممکن ہے۔ اُستانیوں کو فقط طریقۂ تعلیم سیکھنے کے لئے اتنے سال نہیں چاہئیں جتنے کہ اُنکو وہ معلومات حاصل کرنے میں صرف کرنے پڑینگے جن کی بنیاد پر طریقۂ تعلیم کی عمارت تیار ہوسکتی ہے۔ فقط طریقۂ تعلیم حاصل کرنے کے لئے اُستانیوں کو سال دو سال کی تعلیم کافی ہے مگر طریقۂ درس سیکھنے کی قابلیت پیدا کرنیکے لئے اُن کے واسطے عام علمی معلومات بے انتہا ضروری ہیں جو کہ وہ عمدہ زنانہ مدارس میں کئی سالوں کے تعلیم کے بعد ہی حاصل کرسکتی ہیں۔ اس لئے خواہ طبقۂ دوم ہو یا طبقۂ سوم میری رائے میں تعلیمی ضروریات مدرسوں ہی سے پوری ہوسکتی ہیں۔

بہت سے زنانہ مدارس ہمارے ملک میں موجود ہیں اور ایک معقول تعداد مشنری اسکولوں کی بھی ہے مگر صاحبان جبتک ان مدرسوں میں خاص پردہ کی ضروریات کا پورا انتظام نہیں ہوگا اُس وقت تک ہماری قوم کے حضرات اُن کے طریقۂ تعلیم پر بالفعل

پورا اعتماد نہیں کر سکتے اور میں اُن کے خیالات سے متفق ہوں کہ ہمکو اپنے مذہبی پردہ کا ویسا ہی حامی ہونا چاہیئے اور جب تک کہ ہماری قوم میں مذہبی تربیت کی تکمیل ہو اُس وقت تک جو پردہ کہ اس وقت رائج ہے اُس کا ہونا ضروری ہے۔ میں ان مدرسوں پر کسی قسم کا اعتراض ہرگز نہیں کرتی یہ مدارس ملک میں ہمارے کام میں معقول امداد دے رہے ہیں اور ہم کو اُن کے مہتمموں اور منتظموں کا ہر طرح ممنون ہونا چاہیئے۔

میں اس وقت مسلمان لڑکیوں کی ضروریات سے بحث کر رہی ہوں اور اُن کے لئے پردے کے انتظام سے آراستہ مدرسوں اور بورڈنگ ہاؤسیز کو نہایت ضروری خیال کرتی ہوں، جسقدر ہماری قوم کو اُن پر زیادہ اعتماد ہوتا جائیگا اور روشنی پھیلتی جاویگی اُسی قدر ہماری تلامذہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جائیگا۔ فقط اُستانیوں کی اُمید موہوم پر بیٹھ جانا اور کچھ نہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اوّل تو میری ذاتی رائے میں اتنی اُستانیاں ہی کیونکر پیدا ہو سکتی ہیں جو تمام مقامات کی ضروریات کے لحاظ سے کافی ہوں۔ علاوہ ازیں ایک شہر میں سات آٹھ اُستانیاں علیحدہ علیحدہ مکانات پر تعلیم دیکر وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتیں جو اُسی شہر میں سات آٹھ اُستانیوں کا مدرسہ اور بورڈنگ پہنچا سکتا ہے۔ میں یہ ہرگز نہیں کہتی کہ آپ اُستانیوں کی طرف سے غفلت کیجئے۔ ہرگز نہیں! اکثر حضرات کے خاندانوں کے لئے ابھی اُستانیوں کی ضرورت ہے اور رہیگی۔ مگر آپ اُستانیاں بھی بغیر ایک معقول مدرسہ و بورڈنگ ہاؤس کے ہرگز مہیا نہیں کر سکتے اسی امر کے متعلق ایک اور مسئلہ جس کی بابت میں اپنا خیال ظاہر کرنا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ یورپین و نیٹو کرسچین لیڈیز کو زنانہ مدرسوں میں ملازم رکھنا چاہیئے یا نہیں؟ مجھکو جیسا کہ آپنے اپنے ایڈریس میں فرمایا ہے بھوپال کے زنانہ مدرسوں کے انتظام کا معقول تجربہ ہے اور میں اس تجربہ کی بنا پر کہتی ہوں کہ اشاعت تعلیم کے ابتدائی زمانہ میں یورپین اور نیٹو کرسچین لیڈیز کے بغیر اچھی طرح کام نہیں چل سکتا، رہا اُن پر پوری نگرانی رکھنا یہ آپ کا اور آپ کی خواتین کا فرض ہے۔

صاحبان! جب کہ لڑکوں کے ہائی اسکولوں اور کالجوں میں یورپین پروفیسروں اور ہیڈماسٹروں کے بغیر ترقی دشوار ہے۔ حالانکہ آپ کی قوم میں ایسے افراد پیدا ہو گئے ہیں جو انگریزی ہی کی قابلیت میں انگریزوں کے ہر طرح ہم پلہ ہیں تو آپ طبقۂ اناث میں کیونکر توقع کر سکتے ہیں کہ بغیر یورپین یا کرسچین لیڈیز کے کام چلے اور کام بھی اچھا ہو۔ اُستانیوں کا بھی آپ کے یہاں قحط ہو اور پھر آپ یورپین و نیز کرسچین لیڈیز سے امداد نہ لیں تو یہ فرمائیے کہ آپ کی تلامذہ کو تعلیم کون دیگا۔

صاحبان! ہماری قوم کو عمل ہونا چاہیئے اور جب تک آپکے یہاں قابل خواتین پیدا ہوں آپ کو دیگر اقوام سے اُن کی خدمات مستعار لینا لازم ہوگا۔ ورنہ آپ خود غور فرمائیے کہ کیونکر کام چل سکتا ہے۔ ہاں انتخاب میں ہر طرح غور و احتیاط کیجیئے۔ دیکھیئے آپ کے کالج کے طلبا بھی بعض یورپین پروفیسروں کو کس الفت سے ابتک یاد کرتے ہیں اس لئے اساتذہ کی تلاش میں ہمدردی و الفت کا جو یا رہنا بہت ضروری بلکہ بے انتہا ضروری ہے۔ تعلیم میں خواہ لڑکوں کی ہو یا لڑکیوں کی وہی اُستاد بہترین نتائج پر پہنچ سکتا ہے جو الفت کے سکہ کو کالج کی حدود میں جاری کرے اور ہمدردی کی زنجیر سے اپنے شاگردوں کو مقید رکھے۔ محبت کا سودا دست بدست ہوتا ہے۔ اُستاد شاگردوں سے محبت کرے تو بھلا کوئی وجہ ہی کہ شاگردوں کو اُستاد سے الفت نہو۔ غرض آپ انتخاب کر کے ہر طرح موزوں اُستانیاں رکھے مگر جبتک آپکی قوم ایسی اُستانیاں پیدا نہ کرے تب تک بہ مجبوری دیگر اقوام سے انکی خدمات مستعار لینی پڑینگی۔

ممبران کمیٹی!

سنہ ۱۹۱۲ء کی کانفرنس کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اس زنانہ مدرسہ میں ۷۰ طالبات تعلیم پاتی ہیں مجھکو یہ معلوم نہیں کہ روزانہ حاضری کا اوسط کیا ہے۔ مگر میں اُمید کرتی ہوں کہ روزانہ تعداد ہر طرح قابل اطمینان ہوگی آپ کے عطیوں کی سالانہ

آمدنی ساڑھے چار ہزار کے قریب ہے مگر تمام مصارف کی میزان ڈھائی ہزار سے زیادہ نہیں۔
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو تلامذہ کافی بہم نہیں پہونچتیں اور مدرسہ کو کامیاب کرنیکے
لئے اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ تلامذہ کی تعداد میں اضافہ ہونے کی تدابیر پر غور کیا جائے
مجھے اُمید ہے کہ اس بورڈنگ ہاؤس کی وجہ سے جس کی رسم افتتاح میں آج ادا کرتی ہوں
اگر اس کے ساتھ آپنے قابل قدر نگرانی کے اسباب بہم پیدا کرادئیے تو ضرور تلامذہ کی تعداد میں
کافی اضافہ ہوگا اور استانیوں کی رہایش کا اگر انتظام ہوگا تو اُن کے دستیاب ہونے میں
سہولت ہوگی۔

ممبران کمیٹی!

آپ کو سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئیگی کہ گیارہ بارہ برس کی عمر کے بعد ہماری قوم کی
زیادہ تر تلامذہ مدرسہ کی تعلیم سے علیحدہ ہو جائینگی اور اسی وجہ سے میرا یہ خیال ہے کہ تعلیم
نسواں کے مسئلہ کا جہاں تک ہماری قوم سے تعلق ہے ہم کو فی الحال زیادہ تر ابتدائی اور
درمیانی تعلیم کا انتظام کرنا چاہئیے اعلیٰ تعلیم ہماری خواتین میں سرعت سے ابھی نہیں پھیلے گی
اُس کے لئے وقت چاہئیے جس قدر آپ کے زنانہ درس گاہوں کی تعلیم پر قوم کو زیادہ اعتماد
ہوتا جائیگا اُسی قدر زیادہ تلامذہ زنانہ مدارس میں داخل ہونگی اور پھر خود بخود اعلیٰ تعلیم کا مسئلہ
بھی پیدا ہو جائے گا۔ میں دیکھتی ہوں کہ اس مدرسہ کی حکمران جماعت میں مردوں کی تعداد
۶۳ اور لیڈی ارکان کی تعداد ۹۰ ہے لیکن میں نہیں جانتی کہ اس حکمران جماعت میں سے
کسقدر عملی طور پر مدرسہ کی حکمرانی کرتے ہیں ۸۰ تلامذہ کے مدرسہ کے لئے ۱۵۳ تعداد کی
حکمران جماعت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

مجھکو کانفرنس کی رپورٹ سے یہ معلوم ہوکر خوشی ہوئی کہ اس مدرسہ کو علی گڑھ کالج کے
ٹرسٹیوں نے اپنی عام نگرانی میں لے لیا ہے۔ میں یقین کرتی ہوں کہ ٹرسٹی صاحبان اس
مدرسہ کی عام نگرانی کے بجائے خاص نگران کرینگے اور شیخ عبداللہ اور اُن کی اہلیہ صاحبہ

کی قابل قدر کوششیں عمدہ طرح سے بارآور ہونگی، اور ہماری تعلیم یافتہ خواتین جن کا قیام علی گڑھ میں ہے یا جو اس کو اپنا قومی ترقی گاہ سمجھتی ہیں اس میں دلچسپی کا ثبوت دینگی۔

قصیدہ بتقریب افتتاح مدرسۃ النسواں علیگڑھ

(مصنفہ جناب حکیم فدا حسین صاحب مارہروی)

یگانہ والیۂ مستطابۂ بھوپال — کہ جنکے فیض سے چھوٹا بڑا ہے مالا مال
زہے نصیب علیگڈہ کی خاکِ پاک کے ہیں — کہ وہ امیدِ قدمبوس میں ہے پامال
بیان اُنکی صفاتِ حمیدہ کا کیا ہو — زباں بریدہ قلم اُنکی وصف میں ہے لال
حضور ہی کے یہ سب دم قدم کا ہے جلوہ — کہ خارِ خارِ گلستانِ علم اب ہے نہال
حضور ملکۂ علیا تھیں مادرِ اوّل — متمم اُنکی ہوئیں آپ ازرہِ افضال
بناتِ قوم جمک سے بنیں بنات النعش — ہلال سے وہ ہوئیں بدر یہ بڑا ہے کمال
زنانہ مدرسہ قائم ہوا علیگڑہ میں — حضور کی ہے یہ رأفت حضور کا ہے نوال
کیا ہے دستِ مبارک سے افتتاح اسکا — ہوا قدومِ ہمایوں سے اس کو فخرِ کمال
خدا کا شکر ہے اُس کا ہے عین یہ انعام — کہ سرپرست دیا ایسا صاحب اجلال
جو لوگ صاحب رائے رزیں ہیں کہ وقار — وہ ایک عمر میں اب دیکھ لیں اناث و رجال
یہ نورِ تام لیے شمس بازغہ نے دیا — کہ لڑکیاں ہوئیں ماہِ تمام مثلِ ہلال
تمام لڑکیاں گاتی ہیں آپ ہی کا گیت — کہ سرپرست ہماری ہیں بیگم بھوپال
دعا ہے حق سے کہ یہ مدرسہ زنانہ فدا — عروج پائے ہمیشہ زروئے حال و قال
مدام کوکبِ اقبال و فرّ تلج الہند — رہے چمکتا بتائیدِ ایزدِ متعال
ہمیشہ عرشِ کرامت بزیرِ نقشِ نگیں — بزیر پائے ہما نشِ کرسی اجلال

تاریخ افتتاح مدرسۂ نسواں علی گڑھ

(از مولوی حافظ سید علی احسن صاحب مارہروی)

زیبندہ عورتوں کیلئے بھی ہیں یہ علم — جیسے نقوش کندہ نگینوں کے واسطے

ہوں کیوں یہ پست جبکہ ہیں جہد عروج قوم — بام بلند چاہیئے زینوں کے واسطے

ذی علم ہو کے علم سے محروم کیوں رہیں — کیا مار گنج ہیں یہ خزینوں کے واسطے

صد شکر انکی کوشش عبداللہ سے ہوا — یہ دن نصیب خانہ نشینوں کے واسطے

بنیاد درس گاہِ خواتیں ہوئی تمام — یعنی کھلا مکان مکینوں کے واسطے

آئے حضور بیگم بھوپال کے قدم — نقش قدم ہیں جنکے جبینوں کے واسطے

زیبا ہے فخر عالم اسلام کے لئے — وہ رہنما ہے دوسری دینوں کے واسطے

ذاتِ حضور عالیہ وہ بحر فیض ہے — لنگر ہے جس کا نام سفینوں کے واسطے

کی رسم افتتاح ادا درس گاہ کی — دی علم کی امانت امینوں کے واسطے

احسن اس افتتاح کی تاریخ اب کہو،
مکتب یہ کھولا پردہ نشینوں کے واسطے

سنہ ۱۳۳۲ھ

نظمِ جلالی

جو ماسٹر قاضی جلال الدین صاحب نے زنانہ اسکول کے سنگ بنیاد کے نصب ہونے کے موقعہ پر پڑھی

خدا جانے یہ بیداری ہے یا ہے عالمِ رؤیا — کہ اک ساعت میں بدلا کچھ سے کچھ ہی رنگ دنیا کا
ہوا جو جل رہی تھی تابشِ خورشیدِ سوزاں سے — کسی کے ابرِ فیض و جود نے اس کو کیا ٹھنڈا
زمیں کل جس پہ تھے خار و خسک کے جھنڈ اڑتے — وہاں پر آج ورد و یاسمن ہے اور گلِ لالہ
در و دیوار، چھائی جن پہ تھی وحشت نحوست کی — وہ اب آرائش و رونق کی اک تصویر ہیں گویا
وہ جن کو اپنے خوابِ ناز سے مہلت نہ تھی دم بھر — تگ و پو سے وہ دن اور رات کے تھکتے نہیں اصلا
وہی جو آج سے کچھ پہلے محو خود پرستی تھے — انھیں کو دیکھتے ہیں نفس کُش اور قوم پر شیدا
جہالت پر جہاں تھا فخر اور غرّہ حماقت پر — انھیں میں آج ہی ہر نوع کی تعلیم کا چرچا
خدایا کس مسیحا دم نے بخشی زندگی سب کو — الٰہی کس ید طولیٰ نے بدلا قوم کا نقشہ
وہ ماہِ آسمانِ فیض و جود و بذل و احساں ہے — وہی مہرِ سپہرِ بخشش و اکرام سر تا پا
وہ جس کے بحرِ عمانِ سخا کا فیض آگیں ہے — مسلمانوں کا ہر صیغہ، کہ کالج ہے فقط تنہا
وہ امّ المسلمینِ ہند اور غمخوارِ ملت ہے — وہ ہے والیۂ بھوپال دامت عزّہا و حشمتہا
نمیدانم چساں مسطور سازم وصفہائے او — کہ نور از پردۂ ظلمت بروں آرد تجلی را
نہیں حجر البنا سلطانیہ دار الاقامہ کا — یہی پتھر بنے گا سنگ قصرِ ملتِ بیضا
کہیں پرسش نہ تھی عالم میں عاجز جنسِ نسواں کی — بالآخر دستِ سلطانی سے اسکی ہوتی ہی تھا
موافق اور مخالف دیکھ لیں گے چند سالوں میں — کہ یہ کاغذ کا نقشہ رفعتِ افلاک تک پہونچا
حضورِ عالیہ جبتک مسلمان قوم کی گاڑی — نہیں ہے چلنے والی ہو نہ جبتک دوسرا پہیا
حضورِ عالیہ جبتک نہ نسلیں بارور ہونگی — انھیں جبتک نہ جھولے میں ملے تعلیم کا موقعا

خدایا ظل سلطانی ہمیں ہو یہ دعا یاصل + بریں فرقِ مبارک کامیابی کا بندھے سہرا

زنانہ کانفرنس علیگڑھ

سب سے اول عبداللہ بیگم نے ہر ہائنس سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال اور دیگر معزز خواتین کا خیر مقدم کیا جو بیرونجات سے شرکت جلسہ کے لئے تشریف لائی تھیں۔ اس کے بعد زہرہ فیضی بیگم صاحبہ نے تحریک کی کہ ہر ہائنس جناب سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال کانفرنس کی صدر منتخب کی جائیں اور مسز شاہدین صاحبہ نے اسکی تائید کی اور حضور عالیہ باتفاق رائے جملہ حاضرات کرسی صدارت پر تشریف فرما ہوئیں۔ اُس کے بعد حضور عالیہ نے پریسیڈنشل ایڈریس پڑہا اور پریسیڈنشل ایڈریس کے بعد رزولیوشن پیش ہوئے۔ جو مندرجہ ذیل پروگرام میں مندرج ہیں۔ جملہ رزولیوشن مذکورہ بالا باتفاق رائے حاضرین پاس ہوئے اور بعد پاس ہونے رزولیوشن اور انتخاب عہدہ داران کانفرنس کے حضور عالیہ نے بحیثیت صدر انجمن کے اپنی خاتمہ کی تقریر فرمائی اور کانفرنس کا جلسہ برخاست ہوا۔ اس کے بعد گارڈن پارٹی میں حضور عالیہ اور دیگر کل خواتین شامل ہوئیں، اور پھر حضور عالیہ موٹر میں سوار ہو کر بھیا سوہاؤس میں تشریف لیگئیں۔ جس وقت حضور عالیہ بڑے پھاٹک سے بہمراہی ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ اور جناب زہرہ فیضی صاحبہ بورڈنگ ہاؤس کے پھاٹک سے برآمد ہوئیں اُس وقت یہ خاکسار پھاٹک کے باہر موجود تھا۔ حضور عالیہ نے جلسہ کی کامیابی پر بہت مسرت ظاہر کی اور مجکو مبارک باد دی اور اسی طور پر جناب ہر ہائنس نواب بیگمصاحبہ جنجیرہ نے بھی بڑی گرمجوشی کے ساتھ مجکو مبارک باد دی اور جناب زہرہ فیضی صاحبہ نے نہایت مہربانی کے

الفاظ میں فرمایا کہ اس پیمانہ کی کانفرنس مسلمان خواتین میں کبھی نہیں ہوئی اور عبداللہ بیگم کے متعلق بھی بہت تعریف اور مہربانی اور ہمدردی کے الفاظ فرمائے۔ میں نے حضور عالیہ کا اور اُنکی ہمراہی دیگر دو نوں قوم کی معزز و برگزیدہ خواتین کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد حضور عالیہ اپنے قیام گاہ پر تشریف لیگئیں۔

مجھکو آخر میں اپنی اُن جملہ قومی بہنوں کا شکریہ ادا کرنا ہے جو دور دراز مقامات سے جلسہ کی شرکت کے غرض سے تشریف لائیں۔ بہنات کا ہمکو اس کانفرنس میں پورا اندازہ ہوگیا کہ عمدہ تعلیم انسان کی ہمت اور نیک ارادوں میں کسقدر تقویت دیتی ہے۔ تعلیم یافتہ خواتین نے قومی کام کی غرض سے دور دراز سفر کی زحمت گوارا کی اور باوجود پردہ کی دقتوں کے اسلامی خواتین اس اول کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائیں۔

حضور عالیہ جناب سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال کی احسانمندی کے اظہار کے بعد ہم جناب ہر ہائینس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ کو اپنے خاص شکریہ کا مستحق سمجھتے ہیں کہ اُنھوں نے بمبئی سے یہاں تک کا سفر اس کانفرنس کی شرکت کے لئے گوارا فرمایا اور کانفرنس کی کامیابی میں پوری مدد دی۔ جناب مسز حامد علی (شریفہ بی بی) کا بھی ہم شکریہ ادا کرتے ہیں کہ وہ جلسہ میں شریک ہوئیں اور اپنی بے نظیر خوبیوں کا اثر یہاں کے دوسری ملنے والی بیبیوں کے دلوں پر چھوڑا۔

جناب مسز شاہدین صاحبہ کی نسبت یہ سنا گیا ہے کہ دیگر خواتین نے بہت ہی اچھی رائے قائم کی اُنکی بات بات سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک خالص دل رکھنے والی بی بی ہیں اور اُنکی تعلیم و تربیت کا اثر اُنکی ہر دو صاحبزادیوں میں نمایاں معلوم ہوتا تھا۔ جناب فاطمہ بیگم صاحبہ اڈیٹر شریف بی بی اور جناب مسز یعقوب صاحبہ اڈیٹر تہذیب نسواں اور جناب نذر سجاد صاحبہ سابق اڈیٹر پھول اور جناب زہرہ فیضی صاحبہ ہماری قوم کی اُن بیبیوں میں ہیں جنکی نسبت آئندہ نسلیں اعتراف کرینگی کہ وہ ہندوستان کی

خواتین کی تعلیم کی شاہراہ میں سب سے اوّل اپنی دوسری بہنوں کی راہ نما بنی تھیں۔ مجھکو اس بات سے خوشی ہوئی کہ ہماری انھیں جوشیلی بہنوں نے کانفرنس کے کام میں زیادہ دلچسپی لی۔ ہمارے علی گڑھ کی خواتین میں سے جناب محمود بیگم صاحبہ و جناب بلقیس بیگم صاحبہ وجناب نفیس دُلہن صاحبہ وجناب آفتاب بیگم صاحبہ خاص طور پر شکریہ کی مستحق ہیں کہ انھوں نے علاوہ کانفرنس میں گہری دلچسپی لینے کے مہمانوں کی آؤ بھگت میں اور خاطر مدارات میں پوری مدد دی۔ محمود بیگم صاحبہ اور آفتاب بیگم صاحبہ اور بلقیس بیگم صاحبہ نے تو اپنے گھر کی سب چیزیں مہمانوں کے لئے وقف کردی تھیں۔ علی گڑھ کے ممبروں میں سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق جناب میر نثار حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر ٹھرگنگ ہیں۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ مجھکو مدد نہ دیتے تو کانفرنس کا اسقدر بڑا کام مجھسے کبھی نہ ہو سکتا۔ اُنھوں نے میرے ساتھ اسقدر ہمدردی کی کہ اپنا تمام کیمپ مع چوکیداروں چپراسیوں اور خلاصیوں کے بورڈنگ ہاؤس کے متصل لاکر ڈالدیا۔ اور تین چار روز تک برابر رات دن کام کرتے رہے۔ نہ اُن کو سونا نصیب ہوا اور نہ مجھکو۔ اُنکی قومی ہمدردی بے مثل ہے۔ خدا اُن کو اس کا نیک اجر دے۔

جناب صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب۔ جناب حاجی نواب محمد اسحاق خاں صاحب جناب عامر مصطفےٰ خاں صاحب۔ جناب حاجی موسیٰ خاں صاحب نے بھی اپنی چیزیں استعمال کے لئے مرحمت فرمائیں اُن کا بھی دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ علی گڑھ شہر میں سے جناب شیخ حافظ محمد ابراہیم صاحب سوداگر نے مجھکو فراہمی اشیا میں بڑی مدد دی میں اُنکا بھی دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بعض اصحاب نے مدد دینا تو درکنار جب اُن سے مدد چاہی گئی تو انکار کیا اور کہا کہ ہمارے ہاں سے کوئی چیز نہیں ملسکتی۔ ان صاحبوں کا بلا انکی شکایت کے .... ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ آیندہ قومی جلسوں کے موقعوں پر خودغرضی سے کام نہ لیں۔

ہمکو اس کانفرنس کے انتظام میں بعض دقتیں پیش آئیں اور جیسا کہ انتظام ہم کرنا چاہتے تھے نہ کر سکے۔ ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑی دقت جس کا ہمکو مقابلہ کرنا پڑا وہ علی گڑھ کی نمائش تھی۔ علی گڑھ میں جب نمائش ہوتی ہے تو تمام ضلع کی اشیاء میز کرسی۔ خیمہ۔ شامیانہ۔ نمائش میں چلا جاتا ہے۔ اس بھاری دقت کے حل کرنے میں ایک مدد تو ہمکو حضور ہز ہائینس جناب نواب صاحب رامپور نے دی کہ تین بڑے بڑے خیمے ہمارے لئے اپنے کرایہ سے بھجدیئے اور اپنے ہی کرایہ سے ان کو واپس منگایا جب حضور نواب صاحب ممدوح کا دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ مگر ان خیموں کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کے مہیا کرنے میں سخت دقت پیش آئی اور آخیر وقت تک اشیاء کی آمد کا برابر تار بندھا رہا۔ علاوہ نمائش کے کالج میں ۲۸ر تاریخ کی شام تک جلسے رہے اور سب کالج کی اشیاء ان جلسوں کے لئے استعمال کی گئیں۔ چنانچہ ۲۸ر فروری اور یکم مارچ کی درمیانی شب میں رات بھر کرسیاں اور شامیانے ڈھلتے رہے اور صبح بھی کام ہوتا رہا۔ اور حضور عالیہ کی تشریف آوری سے صرف آدھ گھنٹہ قبل ہم کرسیوں وغیرہ کا پورا انتظام کر سکے اس وقت کی وجہ سے بعض جزیات میں ابتری ہوئی جس کا ہمکو افسوس ہوا۔

ہمکو ایک بات کا خاص طور پر ذکر کرنا ضروری ہے کہ تعلیم نسواں کے دو بڑے ارکان یعنی سید مولانا مولوی ممتاز علی صاحب اور حاجی مولوی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار اس جلسہ کی شرکت کے لئے لاہور سے تشریف لائے اور جہاں پر جنگل میں یہ خاکسار خیمہ لگائے پڑا تھا وہیں پردہ بھی تشریف لائے اور قیام فرمایا۔ جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جن کے دلوں میں درد ہوتا ہے وہ ہی دنیا میں کچھ کام کر سکتے ہیں اور اگر ہمارے مقاصد متحد ہوتے ہیں تو وہ فروعات میں اگر ہم میں کبھی اختلافات بھی ہوں لیکن اصلی کام کے وقت سب ایک مرکز پر جمع ہو جاتے ہیں۔ میں ان دونوں صاحبوں کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ اب میں اس تمہید کو ختم کرتا ہوں۔

اس موقعہ پر بعض معزز خاتون نے براہ اسلامی ہمدردی مدرسہ کی امداد کے لئے چندے یکمشت یا ماہواری مرحمت فرمانے کا وعدہ فرمایا اُن کی فیاضی اور ہمدردی کے لئے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

(۱) جناب ہر ہائنس بیگم صاحبہ جنجیرہ — صما ر
(۲) جناب مسز شاہدین صاحبہ۔ ۱۸ (ماہ نزوصول)
(۳) جناب مسز سلطان احمد صاحبہ۔ ۵ (عے وصول)
(۴) جناب نفیس دلہن صاحبہ۔ ۵ ماہوار
(۵) جناب محمود بیگم صاحبہ۔ ۵ر ماہوار
(۶) مسز خواجہ صاحبہ۔ ۵ ماہوار

زنانہ کانفرنس کے رزولیوشن

رزولیوشن نمبر ۱۔ اس جلسہ کی رائے میں ہندوستان کی مسلمان خواتین کی ایک کانفرنس قائم ہونی نہایت ضروری ہے اور جلسہ ہذا اُس کا پہلا جلسہ سمجھا جاوے اور کانفرنس کے مقاصد حسب ذیل قرار دیئے جائیں۔

(۱) ہندوستان کی خواتین میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنا۔

(۲) لڑکیوں کی دینی اور دنیاوی تعلیم کے وسائل بہم پہونچانا اور تعلیم اُناث کے راستے میں جو دقتیں حائل ہیں اُن کو رفع کرنا

(۳) امور خانہ داری میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اور جن کی وجہ سے قومی تمول اور شائستگی پر بُرا اثر پڑتا ہے اُن کی اصلاح کرنا اور اُن مقاصد کو حسب ذیل تدابیر سے حاصل کرنا۔

الف۔ سالانہ یا دو سال میں ایک مرتبہ خواتین کی کانفرنس کا جلسہ کسی ایسے شہر میں منعقد کرنا جہاں کی خواتین مدعو کریں۔ اور جبتک اس قسم کا انتظام نہو علی گڑھ کے زنانہ مدرسہ میں کانفرنس کا جلسہ منعقد کرنا۔

ب۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں اور اضلاع کے صدر مقامات پر اس انجمن کی شاخیں قائم کرنا، اور اُن کے ذریعہ سے انجمن کے مقاصد حاصل کرنا۔

ج۔ جو اخبارات اور رسائل تعلیم اور اصلاح تمدن خواتین کی خدمت کر رہے ہیں اُنکی اشاعت بڑہانا اور اُن کو ترقی دینا۔

د۔ زنانہ مدارس قائم کرنے کی تجاویز قوم کے سامنے پیش کرنا اور علی گڑھ کے مدرسہ کی ترقی کی کوشش کرنا۔

ہ۔ علی گڑھ کے مدرسہ اور بورڈنگ ہاؤس میں مختلف اضلاع سے لڑکیوں کے داخل کرانے کی کوشش کرنا تاکہ کل قوم اُس سے فائدہ اٹھا سکے۔

و۔ خواتین کے پڑھنے کے لئے ایسی کتابوں کی تصنیف و تالیف کی کوشش کرنا، جن میں علمی مضامین اور اعلیٰ خیالات ہیں اور بالخصوص ایسی کتابوں کی تصنیف و تالیف کا انتظام کرنا جن سے پرورش اولاد اور امور خانہ داری میں مدد مل سکے۔

۲ - اس کانفرنس کی پریسیڈنٹ حضور سرکار عالیہ ہرہائینس بیگم صاحبہ بھوپال قرار پائیں۔

اور سکرٹری نفیس دلہن صاحبہ، اہلیہ مولوی حبیب الرحمن صاحب مقرر ہوئیں۔

۳ - یہ بھی قرار پایا کہ کانفرنس کا صدر دفتر علی گڑھ میں ہو۔ ایک کارکن کمیٹی بنائی گئی جس کے دس ممبر علیگڈہ کے رہنے والے حسب ذیل قرار پائے۔

(۱) محمود بیگم صاحبہ (۲) بیگم آفتاب احمد خاں صاحبہ (۳) بلقیس بیگم صاحبہ ہمشیرہ

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب بیرسٹر۔ (۴) بیگم حاجی موسیٰ خاں صاحب۔ (۵) عبداللہ بیگم صاحبہ (۶) مسز خواجہ عبدالمجید صاحبہ (۷) نفیس دلہن صاحبہ (۸) سکندر جہاں بیگم صاحبہ (۹) بیگم نواب محمد اسحاق خاں صاحب۔ (۱۰) خواجہ سعید جہاں صاحبہ

اور بیرونجات سے ۷ بیبیاں ممبر قرار دی گئیں۔

(۱) مسز سجاد حیدر صاحبہ دہرہ دون (۲) سعیدہ احسان الحق صاحبہ جلندھر۔ (۳) زہرہ فیضی صاحبہ بمبئی (۴) مسز رفعار اللہ صاحبہ بھاول پور (۵) مسز شاہ دین صاحبہ مقام لاہور۔ (۶) اقتدار دلہن صاحبہ بھوپال۔ (۷) بیگم راجہ نوشاد علی خاں مراد آباد۔

کانفرنس کی ممبر وہ تمام بیبیاں ہونگی جو ۵ر سالانہ ادا کرینگی۔

۴۔ قرار پایا کہ کمیٹی کا جلسہ ہر ماہ میں ہوا کریگا اور مع سکرٹری ۵ ممبروں کی حاضری کا کورم ہوگا۔ اور کمیٹی انتظامیہ کا جلسہ ششماہی ہوگا جن میں سکرٹری اور ۷ ممبروں کی حاضری کا کورم ہوگا۔

۵۔ قرار پایا کہ کارکن کمیٹی اپنے اور کمیٹی انتظامیہ اور نیز کانفرنس کے قواعد مرتب کر کے گشت کرائیگی اور تحریری آرار کا لحاظ کر کے اپنے کسی جلسہ میں قواعد پاس کردیگی اور آیندہ جو جلسہ کانفرنس کا ہو اُسمیں ان قواعد کی منظوری حاصل کریگی۔

۶۔ قرار پایا کہ اس کانفرنس کی رائے میں کسی مسلمان لڑکی کی شادی ۱۶ سال کی عمر سے قبل اُس کے والدین کو نکرنی چاہئیے صغرسنی کی شادیوں کی وجہ سے علاوہ دیگر قباحتوں کے لڑکیاں کافی وقت تک مدارس میں تعلیم نہیں پاسکتیں۔

۷۔ قرار پایا کہ اس جلسہ کی رائے میں ہر شہر میں جو لوکل انجمن کانفرنس ہذا کی قائم ہو وہ کم از کم ایک لڑکی کو اپنے شہر سے وظیفہ دیکر مدرسہ نسواں علی گڑھ میں داخل کرائے تاکہ کچھ زمانہ کے بعد کل شہروں میں مقامی اُستانیاں ملسکیں

۸۔ قرار پایا کہ یہ جلسہ صاحبزادی بر جیس جہاں بیگم مرحومہ پوتی ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال اور بیگم صاحبہ سچین کی افسوسناک قبل ازوقت موت پر اظہار رنج و ملال کرتا ہے۔

خریداران خاتون سے ہماری التجا

رسالہ خاتون عرصہ دس سال سے اس خاکسار کی اڈیٹری میں شائع ہو رہا ہے
اس دوران میں جو کچھ خدمت پبلک کی اور بالخصوص اپنے ملکی بہنوں کی اس رسالہ نے
کی اُس کے عرض کرنیکی مجھے زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ ہندوستانی نالائق پریس کی وجہ
سے مجھکو بھی کوفت رہی اور خریداران کو بھی شکایت رہی کہ کبھی وقت پر رسالہ نہیں نکلتا
مگر دیر سے یا وقت پر رسالہ برابر جاری رہا۔ میں نے اپنے خریداروں یا پبلک سے کبھی اس
رسالہ کی امداد کے لئے اپیل نہیں کیا، اس کا کل بار میرے سر پر رہا ہے۔ اجراء کے وقت
کل روپیہ میں نے اپنی ذات سے صرف کیا اور اُس کے بعد بہت سے رسالے مفت غریب
لڑکیوں کو دیئے گئے اُن کا بھی بار ہمیشہ میرے ہی سر پر رہا۔ مگر اب اس بار کا اُٹھانا کچھ
دشوار سا ہو رہا ہے، اور میں اپنے خریداروں سے بطور مشورے کے دریافت کرنا چاہتا ہوں
کہ آیا میں اب رسالہ کو بند کر دوں یا وہ میری کچھ امداد کرنا پسند کرینگے۔ اگر اس وقت ۲۰۰
خریدار اس رسالہ کے بڑھ جائیں تو اس کی پھر وہی حالت ہو جائیگی جو کبھی تھی اور میں اپنی
ذات سے جو کچھ ہمیشہ بار اُٹھاتا رہا ہوں وہ تو بدستور میرے سر رہیگا لیکن ۲۰۰ خریداروں کے
اضافہ سے موجودہ تخفیف ضرور ہو جائیگی اور رسالہ بدستور جاری رہیگا۔ میرے خیال میں ہمارے
خریداروں میں بعض بعض ایسے بااثر خریدار ضرور ہیں کہ اگر وہ تھوڑی سی بھی توجہ کریں تو یہ
کام بآسانی ہو سکتا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ہمارے قدیم خریدار جن کے اور میرے
درمیان ہمیشہ رسالہ خاتون خیالات کی یکسوئی کا ایک رشتہ بنا رہا ہے وہ اس میری
التجا کے پڑھنے کے بعد مجھکو مناسب مشورہ دینگے کہ آیا میں اس رسالہ کو بند کر دوں یا وہ میری

کچھ امداد کرسکیں گے۔

(محمد عبداللہ اڈیٹر)

شادی کا تحفہ

ذیل کا خط نقل ہے ایک نیاز نامہ کی جو تقریبًا دو سال قبل ایک عزیز دوست محمد سیف الدین شباب کے نام لکھا گیا تھا۔ بعض احباب کے اصرار سے ناظرین خاتون کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

پیارے سیف۔

اس چٹھی کے ساتھ میں ایک ایسا خدمت گذار تمہارے لئے بھیجتا ہوں جس کی تم کو اس وقت سخت ضرورت ہے۔ یہ تمہاری شادی میمنت آبادی کی مبارک و مسعود تقریب میں میرا ناچیز تحفہ ہے۔ تم جانتے ہو اس قسم کے تحائف میں دلی جذبات کو دیکھا جاتا ہے کہ کس جذبۂ محبت کے ساتھ وہ تحفہ پیش ہوا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ اس قسم کی آزمائش میں میرا تحفہ گو بظاہر کتنا ہی حقیر سہی لیکن اندرونی جذبات کی فراوانی میں کسی سے کم نہ ہوگا۔ تمکو اس وقت ایک ایسے خدمت گزار کی ضرورت تھی کہ وہ نہ تمہارا طرفدار ہو اور نہ تمہاری دلہن کا بلکہ بالکل بیغرضی کے ساتھ وہ تم دونوں کی خدمت اس انداز سے بجالائے جو تمہارے تمہاری بیوی کے باہمی تعلقات کو اور زیادہ پُرلطف اور مستحکم بنا سکے تم جانتے ہو کہ اس طرح کی خدمت "گھڑی" سے بڑھکر کوئی نہیں ادا کرسکتا۔

اس قسم کے تحفہ سے میری ایک خاص غرض یہ بھی ہے کہ تمہیں یاد دلاؤں کہ اب تمکو بھی اس گھڑی کی طرح اپنے اوقات میں پابندی اور باقاعدگی اختیار کرنے کا وقت آگیا ہے یہ گھڑی میری طرف سے ہمیشہ یہ خدمت بجالایا کریگی کہ تم کو یہ بتلاتی رہے کہ تم اپنا سارا وقت اپنے ان دوستوں میں نہیں بسر کرسکتے جو تمہاری پیاری بیوی کی

تشریف آوری کے قبل تمہارے مونس اور تمہارے ساتھی تھے۔ اب تم اول کی طرح اس گھڑی کی مدد کے بغیر گذارہ نہیں کرسکتے۔ تم اب آگے کی طرح اپنے وقت کے تنہا مالک نہیں ہو اس لئے تم اسی طرح آزادی اور بے پروائی کے ساتھ اس کو اپنے احباب کی نذر نہیں کرسکتے بلکہ اب تمھیں بڑی احتیاط اور " انصاف " کے ساتھ اپنی اوقات کو تقسیم کرنیکی ضرورت ہے اور اس ضرورت کی تکمیل میں یہ گھڑی مدد دینے کے لئے بڑی خوشی کے ساتھ حاضر رہیگی۔

اسی کے ساتھ تمہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کو تم اب وہ تم نہیں ہے جو ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ بروز جمعہ کی صبح کے چھ سات بجے تک تھے لیکن سیف! تمھاری موجودہ ذمہ داری بھی تمھیں کبھی ان حقوق سے سبکدوش نہیں کرسکتیں جو تمھارے محبان باصفا کی طرف تم پر عائد ہیں۔ گو تمہیں اب اس درجہ دیسے انس ومحبت اس قسم کی غمخواری وہمدردی وغیرہ کی ضرورت نہیں رہی ہے جو کل تک تھی مگر تمہیں انس محبت کے اقسام وانواع کا لطف حاصل ہونے اور ان کے باہمی فرق معلوم کرنے کے لئے اور اس کے سوا خود بمقتضائے فطرت تم اب بھی اپنے احباب کی ضرورت اور احتیاج رکھتے ہو۔ پس یہ گھڑی تم کو اپنی محترم رفیق زندگانی کے ساتھ کافی وقت صرف کرنے کے بعد اپنے احباب کے لئے بھی کچھ وقت نکالنے کی کوشش میں بہت کچھ مدد دیگی۔

غرض یہ گھڑی جب تم اپنی پیاری دلہن کی ناز آفرینیوں کے لطف ومسرت میں منہمک ہو کر دنیا ومافیہا سے مدہوش بنجاؤگے تو ہم غریبوں کی اور جب اپنے دوستوں کی صحبت میں بیٹھکر وہاں کی دلچسپیوں میں غافل ہوجاؤگے تو اپنے نہایت اہم اور معزز فریضہ کو یاد دلا دیا کریگی۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تم کو ایسے وفادار خدمتگاروں کی سخت ضرورت ہے اور اور اسی ضرورت کو محسوس کرکے میں یہ خدمتگار بھیجتا ہوں جو نہایت بیغرضی کے

اپنی خدمت بجالائیگا۔

اُمید ہی کہ تم اس کو قبول کرکے مجھکو ممنون کروگے۔ والسّلام۔

راقم

سیّد خورشید علی

کہانیاں

(بچوں کے لئے)

گزشتہ سے پیوستہ

شاہ دانہ

صوفیہ باوجودیکہ ایک خوشحال گھرانے کی لڑکی تھی۔ مگر اُس کا کمرہ جیسا کہ باہر سے خوشنما اور خوبصورت تھا۔ ویسے ہی اندر سے میلا کچیلا تھا، وہ کبھی اس کا انتظام نہیں کرتی تھی۔ اور جب اُسکی ماں اُس کو نصیحت کرتی تھی تو وہ سُن کر ٹال دیا کرتی تھی ایک دن دوپہر کو وہ اپنی اچھی سی ساری پہنکر باہر جانے کے لئے تیار ہوئی۔ جبکہ وہ اپنے کمرہ کے کواڑ بند کر رہی تھی۔ اُسکی ایک پڑوسن نے شاہ دانوں کی بھری ہوئی ٹوکری لاکر اُس کی کرسی کے نیچے رکھدی۔ صوفیہ اپنی ماں کے ساتھ گاؤں میں سیر کرنے کو چلی گئی۔

شام کو جبکہ اندھیرا ہوگیا تھا وہ اپنے گھر واپس آئی۔ اور اپنا کمرہ کھولکر کرسی پر بیٹھ گئی وہ سنبھل کر بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ کرسی کی کمانی ٹوٹ گئی اور صوفیہ شاہ دانوں کی ٹوکری میں گر پڑی، جب اُس کی ماں روشنی لیکر اندر آئی تو اُس نے دیکھا کہ تمام شاہ دانے کچل گئے ہیں

اور اُن کا رس بہ رہا ہے جس سے صوفیہ کی تمام ساری اسقدر خراب ہوگئی کہ دوبارہ پہننے کے
قابل نہ رہی اُس کی ماں نے اسقدر نقصان ہوجانے پر اُس کی گوشمالی کی۔ اور کہا کہ تم کو اپنے
کمرہ کا انتظام کرنا کسقدر ضروری تھا۔ اگر ہر چیز کو قرینے سے رکھتیں۔ تو آج یہ نوبت نہ آتی
کہ تمھاری قیمتی ساڑی خراب ہوجاتی ہے۔ قدرت نے یہ تمہارے پھوہڑپن کی سزا تم کو
دی ہے آیندہ احتیاط رکھو۔

جو تمام چیزوں کو اپنی جگہ پر نہیں رکھتے ہیں۔
وہ بہت رسوائی اور نقصان میں مبتلا ہوتے ہیں

بیروں کی تقسیم

مسٹر سجاد تعطیل کے دن اپنے چاروں بچوں اور بی بی کو لیکر اپنے دادا کے باغ میں سیر
کرنے کو گیا۔ وہ ایک انگور کے پتّے پر چار بیر لایا ایسے زرد جیسے سونا اور اسقدر بڑے جیسے انڈا
اُس نے عاجزی سے کہا کہ اور بیر پکے نہ تھے آپ لوگ انہیں کو آپسمیں تقسیم کر لیں۔ اس نے
ہنسی سے کہا کہ ان کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ان کے ٹکڑے نہوں اور سب کو مل جائیں
اس کی چھوٹی لڑکی سنبلہ نے کہا کہ ابا جان! میں ان بیروں کو پانچ آدمیوں میں تقسیم کردونگی
مگر مجھے آدمیوں کے ساتھ ان بیروں کو جمع کرنے کی اجازت دیجئے۔ اس نے کہا کہ ہم دو بہنیں
اور ایک بیر۔ تین ہوئے۔ دو بھائی اور ایک بیر تین ہوئے۔ ایک اماں اور دو بیر تین ہوئے
اس طرح سب ٹھکانے سے لگ جائیں گے۔ سنبلہ کے بھائی بہن اس تقسیم سے خوش
ہوئے۔ لیکن ماں نے محبت سے تاکید کی کہ ہر ایک بھائی کو ایک ایک بیر دینا چاہیئے پھر
اپنی لڑکی کو اس کی ہوشیاری اور تیز فہمی کے صلہ میں نہایت خوبصورت پھولوں کا
ایک گلدستہ دیا اور اُسکی بہت عزت کی۔

کو دانائی اور ہوشیاری دونوں خوش کرسکتے ہیں لیکن ایک مہربان دل ان سب پر سبقت لیجاتا ہے

صبر کی بوٹی

کلّو۔ اور بدّھو، دو ملازم ایک قصبہ کو بھیجے گئے۔ اور دونوں کو پھلوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں اپنے سروں پر لیجانا پڑیں۔ کلّو راستہ چلتے بڑبڑاتا تھا۔ اور کبھی کبھی بیٹھ جاتا تھا لیکن بدھو نہایت خوش خوش چلا جاتا تھا۔

کلّو نے کہا کہ تم کیوں اس طرح ہنس رہے ہو۔ حالانکہ تمھاری ٹوکری میں بھی اسیقدر بوجھ ہے جسقدر میری ٹوکری میں ہے۔ اور تم مجھسے زیادہ مضبوط بھی نہیں ہو۔ بدھو نے جواب دیا کہ میں ایک بوٹی اپنے پاس رکھتا ہوں۔ اس لئے مجھے بوجھ ہلکا معلوم ہوتا ہے۔ کلّو نے کہا آہ یہ چھوٹی بوٹی بہت قیمتی ہے جس سے بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ مجھے بھی تھوڑی سی دیدے بدھو نے جواب دیا کہ کلّو یاد رکھو جو تمام محنتوں اور تکلیفوں کو ہلکا کردیتی ہے وہ "صبر" کی بوٹی ہے

اگر بوجھ پر صبر ہو گیا

تو ہم بہت خوشی سے راستہ طے کرینگے۔

اخروٹ

دو لڑکوں نے ایک گاؤں کے قریب ایک اخروٹ کے درخت کے نیچے اخروٹ پڑا پایا۔ سعید نے کہا کہ یہ میرا حصہ ہے کیونکہ پہلے میں نے اس کو دیکھا ہے۔ رشید نے چلاکر کہا۔ نہیں یہ میرا حصہ ہے کیونکہ پہلے میں نے اس کو اٹھایا ہے دونوں آپسمیں شوروغل مچا کر لڑنے لگے۔ ایک بڑا لڑکا ٹھیک اُسی وقت وہاں آگیا۔ اور کہنے لگا کہ میں اس جھگڑے کو چکائے دیتا ہوں وہ دونوں لڑکوں کے بیچ میں کھڑا ہوگیا۔ اور اخروٹ کو توڑکر کہنے لگا۔ یہ آدھا چھلکا اُس کا حصہ ہے جس نے پہلے اخروٹ کو دیکھا۔ اور یہ دوسرا آدھا چھلکا اُس کا حصہ ہے جس نے اخروٹ کو پہلے اُٹھایا۔ اور یہ گودا میں لونگا کیونکہ میں نے فیصلہ کیا ہے۔ اُس نے

ہنسکر کہا کہ "یہ قانون" کے موافق چلنے کا نتیجہ ہے۔

جو اپنے پڑوسیوں کو قانون پر چلاتے ہیں
یہ یاد رکھو کہ وہ اُنکو سخت نقصان دیتے ہیں

ناشپاتی کا درخت

بوڑھا "حاجی بختیار" اپنے مکان کے سامنے ایک بڑے ناشپاتی کے درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ اور اس کا پوتا ناشپاتی چن رہا تھا جب وہ اس پھل کی اچھی طرح تعریف نہ کرسکا تب اُس کے بوڑھے دادا نے کہا۔ میں تم سے اس درخت کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اس جگہ کس طرح آیا۔ چالیس برس سے زیادہ عرصہ ہوا۔ میں ایک مرتبہ یہاں کھڑا تھا جس جگہ تم اس درخت کو دیکھ رہے ہو۔ یہ جگہ بالکل خالی تھی۔ میں نے اپنے امیر پڑوسی سے ایک دن کہا۔ کہ افسوس میں بہت جلد قانع ہو جاتا۔ اگر میری مالیت میں ایک ہزار روپیہ کا اضافہ ہو جاتا۔ پڑوسی نے جو عقلمند آدمی تھا مجھ سے کہا کہ اگر تم امیر بننا چاہتے ہو تو مجھ سے پوچھو کہ تمھیں کیا کرنا چاہئے، ادھر دیکھو جس جگہ تم کھڑے ہو۔ اس جگہ ایک سوراخ میں ایک ہزار روپیہ رکھا ہے۔ صرف تھوڑی سی محنت کر کے تم انھیں نکال سکتے ہو۔ میں اُس وقت ایک جوان لڑکا تھا۔ میں نے اسی رات کو ایک بہت بڑا گڑھا کھودا۔ لیکن افسوس کہ اس محنت اور تکلیف کے معاوضہ میں میں نے ایک ڈامر بھی نہیں پایا۔

صبح کے وقت جب اُس پڑوسی نے وہ گڑھا دیکھا۔ اُس نے ہنسکر کہا کہ او بے وقوف لڑکے میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ خیر میں تم کو ناشپاتی کا ایک پودا دیتا ہوں تم اس کو اس گڑھے میں بو دو۔ کچھ عرصہ کے بعد یہاں سے ڈالر جلوہ افروز ہونگے۔ میں نے اس پودے کو یہاں بو دیا وہ بڑھا۔ اور اب اسقدر بڑا اور شریف درخت ہے جس کو تم دیکھ رہے ہو۔ یہ قیمتی درخت اب سے کئی برس پہلے مجھے ایک ہزار روپیہ سے زیادہ دیچکا ہے۔ اور یہ سرمایہ ہمیشہ قائم رہیگا

اور میں اپنے امیر پڑوسی کی اس ضرب المثل کو نہیں بھولا ہوں کہ
وہی لوگ امیر ہیں اور وہ ہر وقت خوش رہینگے
جو اپنی عقل سلیم سے تعلق رکھتے ہیں

قیصر (بھوپال)

خوش خبری

ناظرین و ناظرات خاتون کو ہم یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ ہمارے رسالہ میں ابتدا سے آجتک جسقدر مسلمان خواتین کے حالات شائع ہوئے ہیں اب ان کا ایک مکمل مجموعہ ،، خواتین ،، کے نام سے شائع کیا جائگا۔

چونکہ سلسلہ خواتین اسلام میں سب سے زیادہ جس نے دلچسپی لی تھی وہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری ہیں۔ اُنھوں نے اُن خواتین کے حالات اس رسالہ میں شائع کئے جو ابتک اُردو میں لکھے نہیں گئے تھے۔ اس لئے ہم نے اس مجموعہ کی اشاعت کا کام انہیں کے سپرد کیا تاکہ وہ نظر ثانی کر کے اپنی طرف سے شائع کریں۔ صاحب موصوف نے خوشی سے اس کام کو اپنے ذمہ لیا۔ اور ہم کو معلوم ہوا کہ نہایت غور و تعمق کے ساتھ نظر ثانی کرنے کے بعد اب اُس مجموعہ کو پریس میں طبع ہونے کے لئے بھیجدیا ہے۔ اور عنقریب یعنی تقریباً دو ماہ کے عرصہ میں یہ مجموعہ چھپ کر تیار ہو جائگا۔

وہ خاتون کی تقطیع اور کاغذ پر نہایت عمدگی کے ساتھ لکھکر چھاپا جائگا اور تقریباً ڈھائی سو صفحہ کا مجموعہ ہوگا۔ اسمیں حسب ذیل خواتین کے حالات ہیں۔

حضرت خدیجہؓ۔ حضرت فاطمہؓ۔ حضرت عائشہؓ۔ حضرت صفیہؓ۔ حضرت اسماءؓ

حضرت ام عمارہؓ۔ حضرت ام سلمہؓ۔ حضرت خنساؓ۔ حضرت خولہؓ۔ حضرت رابعہؒ
حضرت سیدہ نفیسہؒ۔ زبیدہ خاتون۔ ترکان خاتون۔ شجرۃ الدر۔
یہ سب حافظ محمد اسلم صاحب کی لکھی ہوئی ہیں۔

رضیہ بیگم .... نوشتہ محمد شفیع صاحب۔
گلبدن بیگم .... وحید احمد صاحب۔
چاند بی بی .... عابد حسین صاحب
نورجہاں بیگم .... وحید احمد صاحب
ممتاز محل .... نفیس دلہن صاحبہ
جہاں آرا بیگم .... مولوی محبوب الرحمن صاحب بی اے۔
اجودھیا بائی .... بنت نصر الدین حیدر صاحبہ۔
روشن آرا .... مولوی محبوب الرحمن صاحب۔
زیب النسار ....
صاحب جی .... " " ثانی "
قدسیہ بیگم .... مولوی محبوب الرحمن صاحب۔
قرۃ العین .... سید خورشید علی صاحب۔
عزیز النسار .... فاطمہ بیگم صاحبہ۔
نواب سکندر بیگم .... حافظ محمد اسلم صاحب
نواب شاہجہاں بیگم ....
نواب سلطان جہاں بیگم ....

ہم امید کرتے ہیں کہ ناظرین و ناظرات اس مجموعہ کو دیکھکر خوش ہونگی۔ اسکی خریداری کی فرمائش دفتر خاتون یا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری علیگڈھ کالج کے پتہ سے ہونی چاہئے۔

عصمت کی دیوی

نہیں یہ بات ناممکن ہے ایک عورت ذات کا بلا خوف وخطر سفر کرنا مناسب حال نہیں۔ الٰہی کیا
کیا کروں کس مصیبت میں آگئی۔ پھر کچھ سوچ کر جو شہر آگے آنیوالا تھا اس کے ہوٹل میں مقیم
رہی مگر ایک لمحہ اس کو چین نہ تھا، ہر وقت متفکر پریشان۔ اُس نے مناسب جانا کہ ایک آیا
نوکر رکھ لی جائے کیونکہ اکیلے غیر ملک غیر جگہ کیونکر بسر ہوگی چنانچہ اُس نے ایک آیا مریم نامی
کو مقرر کیا۔ مریم ہر وقت اس بات کی متلاشی رہا کرتی کہ کس طرح مہرو کے دلی انتشارات کا
سبب دریافت ہو۔ مگر مہرو نے کوئی موقع اسکو نہیں دیا۔ ایک دن مریم جب لکھے اخبارات
ہاتھ میں لئے مہرو کے دینے کو جا رہی تھی دیکھا کہ مہرو بیہوش پلنگ پر پڑی ہوئی ہے اُس کے
ہاتھ پاؤں یخ ہو چلے ہیں اس کے ماتھے کے شکن اُس کا اُترا ہوا چہرہ اس کے ہاتھ پاؤں کی
وضع صاف طور پر بتا رہی ہے کہ وہ کچھ سوچتے سوچتے بیہوش ہو گئی ہے۔ مریم گھبرائی ہوئی اُلٹے
پاؤں بھاگی اور ہوٹل کے تیسری منزل سے ایک سند یافتہ نوجوان ڈاکٹر کو لوا لائی۔ ڈاکٹر نے
جونہی کمرے میں قدم رکھا، غم نصیب مہرو کو دیکھتے ہی سکتے کی سی حالت طاری ہوگئی۔ حتیٰ کہ
اُس نے مریضہ کے حالات کی تفتیش بھی نہ کی۔

مریم چونکہ جہاندیدہ تھی کہنے لگی صاحب مہربانی کر کے حالت پر غور فرمائیں جو بہت نازک
ہو رہی ہے وہ کرسی پاس کر کے بیٹھ گیا اور اس کو ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگا۔ تھوڑی
دیر کے بعد مہرو نے جونہی آنکھ کھولی دیکھا کہ ایک ڈاکٹر بیٹھا بڑی سرگرمی سے علاج معالجہ
میں مصروف ہے۔ مہرو نے کسقدر حیرت و شرم کے ساتھ اپنے آپ کو سمیٹ کر ڈاکٹر پر نظر ڈالی
ڈاکٹر نے بڑی تپاک و گرمجوشی سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ بیچاری مہرو سنکر بہت بہت تھینکس
کہنے لگی اس کے بعد مہرو کامل ایک ماہ سخت علیل رہی تاہم اُس نے بہت کچھ ہمت اور

استقلال سے کام لیا۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ اس کس مپرسی کی حالت میں صحت یاب ہوتی۔ سچ ہے
کون بیکس کا معاون ہے بجز ذات خدا ؎

باب چہاردہم

بخت برگشتہ کی تاثیر کہاں جاتی ہے
فال کھولوں تو کھلے ہاتھ میں قرآن اُلٹا

ڈاکٹر کی زیادتی

مہرو اگرچہ صحت پا چکی تھی مگر حد درجہ کی نحیف و کمزور ہو گئی وہ چاہتی تھی کہ جبتک پوری طرح اچھی نہو جاؤں چندے اور یہیں قیام کروں۔ ایک دن میز پر وہ کچھ لکھ رہی تھی کہ اس کی آیا نے ایک بڑا سا گلاب اپنی مالکہ کے لئے میز پر رکھا اور پنکھا جھلنے لگی۔ تھوڑی دیر گذری ہوگی کہ کسی نے ایک کارڈ پیش کیا۔ اس وقت مہرو کا چہرہ عجیب اُتار چڑھاؤ کرنے لگا۔ ساتھ ہی آیا مریم بھی تیور کو بدلکر کھڑی ہو گئی۔

مہرو۔ کچھ سوچ کر۔ بلا لو۔

اب مہرو اور ڈاکٹر اپنی اپنی جگہ مہر سکوت لگائے بیٹھے ہیں۔ پھر ادھر اُدھر کی باتیں شروع ہوئیں اثنائے گفتگو میں ڈاکٹر مہرو کی حالات زندگی سننے کا شائق ہو گیا۔ مہرو اگرچہ لڑکی تھی مگر اُس نے نہایت دانشمندی سے ہر ایک جواب کو ادا کیا۔ ڈاکٹر ہر وقت اسی سوچ میں رہا کرتا کہ کس طرح اس ہندوستانی لڑکی کو میں خوش کر سکتا ہوں۔ ایک دن اُس نے نہایت خوبصورت پھولوں کا گلدستہ تیار کرا کے مہرو کے لئے بھیجا۔ اُس نے انکار کیا اور کہلا بھیجا کہ مہرو کو ان چیزوں کی

خواہش نہیں۔ اگرچہ یہ بہت کافی جواب اس کے لئے تھا مگر بیچارا ڈاکٹر دوسرے دن خود آموجود ہوا۔ ڈاکٹر ایک خوشنما سرخ پھولوں کا بٹن ہول پیش کر کے مِس مہرو اگرچہ تم نے کہدیا ہے کہ تمہیں پھولوں سے شوق نہیں رہا۔ لیکن یہ بٹن ہول تمہارے لئے موزوں ہے اور تم اس کے قابل ہو چونکہ تم ایک نازک دماغ لیڈی ہو تمہیں پھولوں کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ سنکر مہرو کو جو کھٹکا کہ ڈاکٹر کی طرف سے تھا وہ یقین کو پہونچا۔ اس کا تردد حداعتدال سے بڑھگیا اس وقت تو اُس نے دل کو سنبھالا مگر ڈاکٹر کے جانے کے بعد زار وقطار رونے لگی۔

مہرو۔ دل میں افسوس جو میں کئی دن پیشتر سمجھ چکی تھی وہی ہوا۔ میں دیکھتی تھی جب آپا مریم اخبارات لانے باہر جایا کرتی ڈاکٹر بہر دن چھیڑ چھیڑ کر مہرو کے حالات دریافت کرنے لگتا۔ افسوس اے فلک تو نے خوب کمر باندھی ہے۔ ایک مہرو ہی تیرے مظالم کے لئے دنیا میں باقی رہگئی ہے۔ افسوس ؎ زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا۔ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔

خدایا زمانہ مہرو سے اسقدر بدلا ہوا ہے کہ کیا کہا جائے۔ کوئی ظلم نہیں ہے جو مہرو پر نہوا ہو۔

؎ ستم دیکھتے ہیں جفا دیکھتے ہیں + دکھاتا ہے جو کچھ خدا دیکھتے ہیں۔

آہ یہ مہرو کی آزمائش ہو رہی ہے۔ اے فلک آزمائے جا آزمائے جا۔

بہت سویرے ایک عمدہ قیمتی گاڑی لب سڑک کھڑی ہے مہرو ہوٹل سے چلنے کی تیاری میں مصروف پائی جاتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں مہرو اسٹیشن پہونچگئی، اور بڑی بے صبری کے ساتھ آنیوالی گاڑی کی منتظر ویٹنگ روم کے دریچوں سے دیکھ رہی ہے۔ اسکی پریشانی و انتشار میں جو اس کے مونس وہمدم ہیں یہاں بھی چین لینے نہیں دیتے۔ وہ کسی کے آنے کے خیال سے سخت متردد پائی جاتی ہے۔ ..... ڈاکٹر۔ اپنی جگہ دل میں۔ ہائے وہ کدھر چلی گئیں۔ کاش مجھے اس کے دلی خیالات سے آگاہی ہوئی ہوتی کہنے کو تو وہ برائے نام ہندوستانی لڑکی ضرور ہے مگر اس کے عادات نشست و برخاست اس کے خصائل ہمت و استقلال ہندوستانی لڑکیوں سے جداگانہ ہے۔ آہ کیونکر میں اسکو بھول سکتا ہوں۔ نہیں ہرگز نہیں بھول سکتا ہوں۔

ہندوستانی لڑکیوں کو اس حسین خوبصورت نیک لڑکی پر فخر کرنا چاہیئے۔ میں تو اسکو ضرور ڈھونڈ نکالونگا۔ یہ کہتا ہوا پہونچا تو سیدھا تیر کی طرح اسٹیشن پر

مریم۔ جلدی سے پردے کی اوٹ میں آکر ہاں بیوی وہ آگئے وہ آگئے۔

مہرو۔ کون ڈاکٹر؟۔

مریم۔ ہاں بی بی وہی۔

ڈاکٹر۔ ہاتھ ملاکر۔ مس مہرو تم نے یہ کیا کیا۔ ہمیں اطلاع بھی نہوئی کیا میں یہ دریافت کرسکتا ہوں کہ کہاں جاؤگی۔

مہرو۔ ڈاکٹر صاحب میرا خیال تھا کہ آپ کہیں باہر تشریف رکھتے ہیں میرا خیال بھی اسقدر جلد یہاں سے جانے کا نہیں تھا۔ مگر رات میں بھائی جان کا آنا آیا ہے کہ وہ بضیب اعدا سخت بیمار ہیں اور مجھے آنے کو کہا ہے۔

ڈاکٹر۔ کہاں جاؤگی؟

مہرو۔ جہاں مجھے جانا ضروری ہے میں بتا نہیں سکتی کہ کہاں ٹھرونگی۔ بھائی جان نے امرتسر سے تار بھیجا ہے۔ وہ راستے میں علیل ہوگئے ہیں وہیں سے تار بھیجا ہے۔

ڈاکٹر۔ (دبی آہ کے ساتھ) جاکر ہمیں بھول جاؤگی؟

مہرو۔ (چیں بہ جبیں ہوکر) میں کس قابل ہوں کہ آپ کو یاد رکھوں۔

ڈاکٹر۔ تو کیا بھول جاؤگی ؟

مہرو۔ بھلا کوئی اپنے محسن کو بھول سکتا ہے؟

ڈاکٹر۔ بس یہی ؟

مہرو۔ ڈاکٹر صاحب اور اس سے زیادہ بھلا کیا کرسکتی ہوں میں آپ کا مطلب سمجھ نہیں سکتی

ڈاکٹر (خوش ہوکر) اچھا تو یہ وعدہ کرو جاکر خط لکھوگی۔

مہرو۔ اگر آپکی یہی مرضی ہے تو۔

ڈاکٹر۔ مرضی! یہ تو میری دلی آرزو ہے کہ تم مجھے خط لکھکر شرف بخشو
مہرو۔ (نفرت اور خشم آلود نگاہوں سے دیکھکر) جناب ڈاکٹر صاحب مہرو ان باتوں کی تاب نہ لاسکیگی اسکو شرمندہ نہ کیجئے۔

ڈاکٹر۔ آہ ابھی سے دق ہوگئیں۔ مہرو اُسکو کس پر چھوڑ کر جاؤ گی جو ایک خطرے میں تمہارے سبب سے پڑا ہوا ہو۔

مہرو (گھبراکر سادگی سے) خدانخواستہ میں اور آپ کو خطرے میں ڈالوں، میں اور آپکے آرام اور چین میں خلل انداز ہوں۔ جناب ڈاکٹر صاحب معاف رکھئے مجھے ایسی باتوں سے اُلجھن ہوتی ہے۔ بھائی جان کی علالت نے ہوش وحواس کھودیئے اس پر آپکی گفتگو نے تازیانے کا کام دیا۔

ڈاکٹر۔ گھبراؤ نہیں میں تمہیں کیوں اُلجھاؤنگا۔ مہرو اسقدر بے رُخی نہ کیا کرو اسقدر رُکھائی نہ دکھاؤ۔ ایسا ظلم تم جیسی نازک دل لیڈی کے لئے مناسب نہیں۔

مہرو۔ (آنسو بھرکر نہایت پریشانی سے) آہ میں کیوں کسی پر ظلم وستم روا رکھوں میری یہ خو نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب آپ مجھے خواہ کچھ ہی کہیں مگر مہرو اپنی طبیعت سے مجبور ہے چاہیں آپ ظالم قرار دیں چاہیں کچھ ہی کہیں۔

ڈاکٹر۔ ہاں ہاں تم ظالم نہیں ہو، تمہارا حسن تمہیں ظالم بنائے دیتا ہے۔

مہرو کو دنیا تاریک معلوم ہورہی تھی بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔ ہزار ضبط کرتی جاتی ہی مگر آنسو ہیں کہ مچلے ہوئے بچے کی طرح رخسار پر ٹپ ٹپ گر رہے ہیں۔ آہ سچ ہے ؎

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو

رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

ڈاکٹر۔ تو خفا نہو میں جاتا ہوں مگر ایک مظلوم کا خون تمہاری گردن پر رہیگا اسکو یاد رکھنا۔ یہ الفاظ اُس نے ایسے کہے جو مستقل ارادہ کر چکا ہے کہ اپنی جان دیدے۔

مہرو (دل میں گھبرا کر) خدا کے لئے مہرو کو گنہگار نہ بناؤ اسکی تاب ہرگز نہیں۔

ڈاکٹر۔ مہربانی کر کے ان التجاؤں کو میری طرف سے قبول کر لو۔

مہرو۔ دل میں ؎ بخت برگشتہ کی تاثیر کہاں جاتی ہے + فال کھولوں تو کھلے ہاتھ ہیں

قران اُلٹا۔ (ظاہر میں گاڑی آنیوالی ہے ٹائم قریب ہو چلا۔ اب تو مجھے تیار رہنا چاہیئے۔

ڈاکٹر۔ اور میرا سوال یوں ہی رہیگا۔

مہرو۔ سنئے جناب ڈاکٹر صاحب میں ایک شریف زادی ہوں خدانخواستہ کچھ ایسی ویسی نہیں ہوں، آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں میں بزرگوں کی رائے ، بزرگوں کی تجویز سب پر مقدم ہے۔ اور اس سے زیادہ میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔

ڈاکٹر۔ آہ جان بوجھ کر مجھ سے اُلّو بنا یا نہیں جاتا۔ بزرگوں کی رائے سے تمہیں کیا مطلب ہر ایک شخص اپنے دل کا آپ مختار ہوا کرتا ہے۔

مہرو۔ نہایت ترش رو ہو کر۔ ہاں ہاں ہم اُن سے زیادہ کوئی کام خوش اسلوبی سے نہیں کر سکیں گے۔ ڈاکٹر صاحب خدا کے لئے اس ناممکن گفتگو کا سلسلہ اب دکیئے۔

ڈاکٹر۔ تو کیا تم چاہتی ہو کہ تمھارے عزیزوں سے اس کا تذکرہ کیا جائے؟

مہرو۔ نہایت برافروختہ ہو کر۔ سنئے ڈاکٹر صاحب کوئی بدنصیب لڑکی یہ کبھی گوارا نہ کریگی کہ یوں اس طرح اس کی مٹی پلید ہو جائے۔ ہمارے پیارے مذہب اسلام میں ایسی بیاہ شادی حرام ہو گی۔

ڈاکٹر۔ (نہایت استقلال کے ساتھ) تو تم چاہتی ہو کہ میں بھی تمہارا مذہب اختیار کروں۔

مہرو (نہایت پریشان ہو کر) یہ آپکی مرضی پر منحصر ہے۔ مسلمان جو ہو گا دولتِ عقبےٰ پائیگا اس کا بڑا رتبہ ہوگا۔ خدا کی رحمت رسول کی شفاعت کا مستحق بنے گا۔ اور میں کہتی ہوں جب آپ کا سا مستقل مزاج مسلمان بنے گا تو اور عیسائی کو مسلمان بنا چھوڑیگا۔

ڈاکٹر۔ اور بس یہی؟

مہرو۔ اور کیا چاہیئے؟ آپ سمجھ نہیں سکتے ہیں کہ مسلمان کا کیسا رتبہ ہے۔ مسلمان کا حامی مددگار ہر وقت خدائے بزرگ ہے۔ مہرو اسوقت اپنے کل عزیز اقارب سے آپکی تعلیم کرائیگی اور اپنا محسن جانیگی۔

ڈاکٹر۔ اور بس؟

مہرو۔ "اور بس" کے کیا معنی۔ سنئے جناب ڈاکٹر صاحب آپکی گفتگو محض ناممکن محض ہے سو مہرو آپکو حضرت عیسیٰ مسیح کی قسم دیکر یقین دلاتی ہے کہ ان باتوں سے مہرو سخت گھبراتی ہے اسکے خلاف مرضی گفتگو سننے کی اسمیں ہرگز تاب و طاقت نہیں رہی۔

ڈاکٹر (ذرا ترش رو ہوکر) مہرو تم ایک لائق لیڈی ہو تمھاری تعظیم مجھ پر فرض ہے ورنہ میں تمہیں بتا دیتا کہ کسی مظلوم [illegible] کا کیا نتیجہ پیدا کرتا ہے (غصے کو روک کر) اور رت تھا مگر سنا تم نے!

مہرو (لاپروائی کے ساتھ) میں کسی طرح آپ کا مطلب سمجھ نہیں سکتی مہربانی کرکے مجھے معاف رکھیں۔

یہ سنکر ڈاکٹر کے رخسار پر مثل ایک کمزور دل عورت کے چھم چھم آنسو بکھرنے لگے اور وہ نہایت آزردگی اور بے دلی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔

تھوڑی ہی دیر میں گاڑی پلیٹ فارم پر پہونچی مریم نے بیگ اٹھالیا۔ مہرو جلد جلد قدم اٹھائے فرسٹ کلاس میں جا بیٹھی۔ مگر مہرو کے دل کی عجیب کیفیت ہورہی تھی۔ دنیا اسکی نظروں میں خاک معلوم ہونے لگی۔ دل ہی دل میں کہا کرتی۔ کہتی ہے کہ الٰہی اب کہاں جاؤں۔ دیکھوں یہ تیسرا سفر میرے لئے کیا نتیجہ لاتا ہے۔ افسوس پہلی مرتبہ ہوٹل سے مجھے مجبوراً نکلنا ہی ہوا۔ ورنہ جانعالم کا خط مجھے بہت کچھ مدد دیسکتا۔ مگر افسوس بدبخت صفدر نے وہاں بھی مجھے چین لینے نہ دیا، وہ تو خیر گزری ٹھیک طور پر انھیں اطلاع نہوئی کہ میں وہاں تھی وہ تو صرف لوٹ مار کے لئے آنکلے تھے۔" مہرو ان خیالوں میں مستغرق پائی جاتی ہے

مریم نے کئی مرتبہ پوچھا بھی کہ بی بی کچھ کھاؤ گی؟ مگر اس نے وہ بھی خواہش نہیں کی الفٹ سے اسکو روک دیا کرتی۔ یونہی گاڑی ہوا سے باتیں کرتی ہوئی جارہی ہے اور مہرو کے گھونگریالے بال ہوا کی تیزی میں اُڑ اُڑ کر اس کے ماتھے پر بکھر رہے ہیں۔

باب پازدہم

"آہ مل کر کھو گئی"

کیوں گلبانو تم یہ سچ کہتی ہو نا؟ مہرو کو ڈاکوؤں نے کہاں گھیرا تھا۔

گلبانو۔ بھائی جانعالم میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ پیاری مہرو کو کمبخت ڈاکوؤں نے گھیرا تھا۔ آہ نہیں معلوم پیاری مہرو کہاں ہیں۔ انھوں نے راستے میں جب اپنے آپ کو ڈاکوؤں میں گھرا پایا تو اشارتاً مجھ سے کہا کہ واپس ہو جاؤ راستہ خطرناک ہے۔ میں نے چاہا کہ ہوٹل سے پولس کی مدد لیجاؤں جب تک میں جاؤں جاؤں وہاں کچھ نہ تھا۔ یہ کہکر رونے لگی۔

جانعالم۔ کیوں روئے جاتی ہو۔ رو نہیں۔ اگر پیاری مہرو زندہ سلامت ہوگی تو آخر کار ایک دن ہم سے مل ہی جائیگی، یہ وعدہ تو میری جان کے ساتھ ہے۔ گلبانو تعلیم یافتہ لڑکی ضرور تھی مگر مہرو اور گلبانو میں فرق حد درجے کا تھا۔ جانعالم بہت جلد گلبانو کی طبیعت سے واقف ہوگیا تھا۔ جانعالم نے مہرو کی کل کیفیت گلبانو سے سن پائی تھی اسکو یقین تھا کہ وہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے۔ ہمت و استقلال مہرو میں مردوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ وہ ضرور ایسا بندوبست کریگی کہ جہاں رہے جان و عزت آبرو سے رہیگی۔ مگر جانعالم سخت متردد تھا

کہ مہرو کو کس طرح ڈھونڈھ نکالوں یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ زندہ بھی ہے یا انقلاب زمانہ نے اسکو جان سے تنگ کر دیا ہے۔ اس نے کئی مشہور معتبر اخباروں میں اشتہار دلوائے انعام بھی مقرر کئے۔ اور سخت بے چینی سے انتظار کر رہا ہے کہ دیکھیں کہاں اور کس طرح کس وقت پتہ چلتا ہے۔

ایک دن وہ حسب معمول اخبار بینی تجسس بھری نگاہوں سے کر رہا تھا۔ کہ یک بیک اس کا چہرہ حیرت و تعجب اور خوشی سے چمک اٹھا۔ اخبار پانیر کے دوسرے کالم کا مطالعہ کر رہا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ "گریٹ ایسٹرن ہوٹل ۲۴ جون بمقام کلکتہ بوقت صبح روانہ ہو گئی۔ اس سے کئی دن پیشتر وہ برابر یہیں مقیم رہی"

جانعالم کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ مہرو خدانخواستہ دنیا میں نہیں رہی۔

جانعالم۔ (دل میں) مگر یہ وعدہ تو میری جان کے ساتھ ہوگا۔ جبتک میں اور وہ پردہ دنیا پر زندہ رہینگے ایک دن ضرور مل ہی جائینگے۔ یہ کہکر اس نے ایک آہ سرد کے ساتھ کہا کہ وہ آہ ملکر کھو گئی،، جانعالم نے سوچ کر کہا کہ کلکتہ اسٹیشن ماسٹر کو تار دینا چاہیئے۔ جانعالم ادھر ان تجویزوں میں مصروف پایا جاتا ہے ادھر ڈنر سے پہلے ڈاکٹر جو اخبار بینی میں مصروف تھا اس کی نظر جب اس کالم پر پڑی سراپا حیرت بنگیا۔ اس کے دماغ میں عجیب و غریب خیالات [illegible] اٹھ رہے تھے گویا کہ ایک راز تھا کہ اس پر منکشف ہو رہا تھا سخت پیچ و تاب کھا کر کہنے لگا: کاش مجھے معلوم ہوتا کہ مہرو اس حالت میں سفر کر رہی ہے کس بلا کی ذہین لڑکی ہے کس قدر اس نے مجھے دھوکہ دیا۔ محض غلط تھا۔ اس کے کوئی بھائی نہ تھا۔ اس نے مجھے سخت دھوکہ دیا۔ یقیناً اس میں کوئی بڑا راز پوشیدہ ہے۔ افسوس (دونوں پاؤں زور سے زمین پر مار کر) میں نے کیسی غلطی کی۔ اس نے مصمم ارادہ کیا کہ اگر ڈاکٹر کے سینہ میں دل، دل میں کچھ بھی حرارت ہے اور رگوں میں خون ہے تو وہ ضرور مہرو کو ڈھونڈھ نکالیگا

غرضکہ ادہر ڈاکٹر اُدہر جانعالم اسکی تلاش میں روانہ ہوپڑے۔
ڈاکٹر دل میں، اگر مہرو نہ ملی تو خیر میں جانعالم سے ہی ملکر کسی نہ کسی طرح اصلی حالت دریافت کرونگا۔

تلاش ہے اُن کو میرے رازدان کی
عجب نکلی ہے ترکیب امتحان کی

آہ مہرو ہماری مصیبت زدہ مہرو کسقدر دردبھری تیری کہانی ہے اور کسقدر کانٹوں بھرا تیرا افسانہ ہوگیا۔ خدائے بزرگ تیرا محافظ و مددگار رہے اور ہماری بھی دعائیں تیرے ساتھ بمصداق اس کے کہ۔

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست
تا پنداری کہ تنہا میروی۔

زنانہ گرلس اسکول میں شریک ہوگئی

اور

نئی مصیبت

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑگئی ہائے یہ کیسی مرے اللہ نئی

مہرو۔ دل میں بجز اس کے کوئی تدبیر کاربند نہوگی کہ کسی مشہور گرلس اسکول میں

ہیڈ مسٹرس ہوجاؤں۔ اگرچہ خدا نے مجھے بہت کچھ اپنی عنایت سے دے رکھا ہے مگر مناسب حال ہے کہ اپنی تدبیر پر کاربند ہوں۔ آخر کار صاحب نے پسند کیا اور وہ سردست بیس روپے کی ملازم ہو رہی۔ حالانکہ اس کی لیاقت اس کی آدمیت انسانیت اس سے کئی درجے بڑی ہوئی تھی۔ اگر چاہتے تو اسکو اسکول انسپکٹرس بنا دیتے۔ مگر اس نے یہ بھی گوارا کیا۔ جسدن وہ اسکول کی طرف سے تنخواہ کے نام سے پاتی اسی دن نیک کاموں میں للہ لگا دیا کرتی۔ ابتدا میں تو کسی نے خیال بھی نہ کیا مگر آخر تا بکے رفتہ رفتہ لوگوں نے اس کی حالت پر گہری نظر ڈالی۔ کیونکہ مہرو چند ہی دن میں اسکول میں بہت کچھ شہرت اور ہر دلعزیزی پیدا کر چکی تھی حتی کہ دوسری استانیاں مہرو پر رشک کرنے لگیں۔ لڑکیوں نے دل کھول کر جان توڑ کر پڑھنا شروع کیا، اور جبتک مہرو اسکول میں رہتی وہ بے انتہا دلچسپی لیا کرتیں۔ اسکول کی رونق ہی اور ہو گئی کیا بہ لحاظ نفاست و پاکیزگی کیا بہ لحاظ علمی لیاقت و اخلاق۔ مہرو کے اخلاق حمیدہ ایسے نہ تھے جو چھپے رہتے۔ بلکہ جس طرح پھول سے بو چاک داماں ہو کر پھیلتی ہے اس طرح مہرو کے اخلاق نے [illegible] زیادہ ہر دلعزیزی پیدا کر لی۔ یوں تو سب استانیوں کو اس بات کی ٹوہ لگی ہی رہا کرتی تھی کہ مہرو کون ہے۔ مگر سب سے زیادہ انسپکٹر صاحب کو ایک بے چینی سی ہو رہی ہے۔ اُنھوں نے مصمم ارادہ کیا کہ جبتک میں اس معمہ کو حل نکر لوں اس سے باز نہ آؤنگا۔ رات کا وقت دھیمی دھیمی روشنی سے لمپ جل رہا ہے۔ مرزا سجاد ایک آرام کرسی پر بے چین سے لیٹے کچھ سوچ رہے ہیں (مرزا سجاد دل میں) افسوس میں کس طرح اس نیک دل خاتون کے حالات دریافت کر سکتا ہوں۔ آہ وہ ایک پردہ نشین خاتون ہے میں کس طرح اس مخمصے سے نکل سکتا ہوں (پھر یک بیک) نہیں ضرور میں دریافت کرونگا۔ سوچتے سوچتے چہرے پر یکبارگی سُرخی دوڑ گئی۔ میز پر جا بیٹھے کچھ سوچ سوچ کر لکھنے لگے۔

چار بج رہے ہیں بیچاری مہرو اپنے فرائض خانگی سے فارغ ہو کر کچھ سوچ کر رو رہی ہے

اسکی آنکھوں سے برابر آنسو جاری ہیں۔

کسی نے گھنٹی بجائی۔ آیا مریم جو مہرو کے موزے درست کر رہی تھی۔ مہرو نے سر اٹھا کر مریم کی طرف دیکھا۔ دیکھو تو گھنٹی بج رہی ہے (دل میں) نہیں معلوم کس نے گھنٹی بجائی ہے خدایا اور نئی مصیبت تو کوئی نہوگی۔ مریم نے ایک لفافہ پیش کیا۔ مہرو خط پڑھکر "سجاد مرزا دو مجھ سے ملنے کے خواستگار گھر پر آ گئے۔" یہی الفاظ تھے جو بار بار رُک رُک کر اس کی زبان سے نکل رہے تھے۔ اسکو پھر از سرنو متفرق خیالوں نے آ دبایا۔ بار بار ڈاکٹر والا معاملہ پیش نظر آ کر اس کو سخت پریشانی ہو رہی تھی۔ آخرکار بہت دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا کہ مریم ذرا کہو باہر جا کے کہ اس کا جواب ڈاک میں ڈالا جائیگا۔

مہرو۔ (دل میں) ہر حالت میں مجھپر لازم ہوگا کہ میں خط کا جواب دوں آخر وہ انسپکٹر ٹھیرے۔ یہ سوچ کر وہ خط لکھنے لگی۔

سجاد مرزا۔ سخت بیقراری کے ساتھ منتظر تھے کہ دیکھیں جواب میں کیا آتا ہے۔ انکی نظر بار بار دروازے پر جمی [illegible] تھی۔ [illegible] رہے تھے۔ ؎

آہٹ پہ کان در پہ نظر دل میں اشتیاق
کچھ خو ہی ہو گئی ہے ہمیں انتظار کی،

حامل رقعہ کو آتے دیکھکر نگاہوں سے پہلے الفاظ کو ٹٹولا بہت بیصبری کے ساتھ پوچھنے لگے۔ کیوں جی اتنی دیر تم نے کہاں لگائی۔ ہمیں انتظار میں اتنی دیر ٹھیرنا پڑا۔ لاؤ تو چھٹی کہاں ہے۔

جہانگیر۔ صاحب میں نے تو دیر نہیں لگائی ہے جس راہ گیا اسی راہ لوٹا۔ ہاں البتہ بیگم صاحبہ کے کہلا بھیجنے میں جو تاخیر ہوئی اس کا قائل ہوں۔ اور چھٹی تو کسی نے مجھے نہیں دی کہا ہے کہ پوسٹ سے جواب دیا جائیگا۔

سجاد۔ او نامعقول تمہیں چاہیے تھا کہ بغیر چھٹی لیئے واپس نہوتا۔ اس خطا پر تمہیں دو روپیہ

جرمانہ دینا ہوگا۔ دو روپئے ہم نے تمہارے نام جرمانہ کیا ہے۔ ملازم آزردہ ادھر کو کھسکا۔ ادھر سجاد مرزا کچھ مایوسی کچھ بے چینی اور غصے کے سبب آنکھیں نیلی پیلی کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔

مہرو سوچ رہی ہے کہ کیا جواب لکھا جائے۔ سجاد مرزا کا خط سامنے کھلا پڑا ہے جس کا مضمون یہ ہے:

جناب استانی صاحبہ سلمہ

"آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ امسال نئے رولس تیار ہونیوالے ہیں لہذا آپ کو ضروری ہوگا کہ چند ضروری باتیں مجھ سے دریافت کرلیں۔ جہاں باری باری سے اور استانیاں بھی آئینگی آپ کو بھی آنا ضرور ہوگا۔ اگر یہ نہیں ہوسکتا تو آپ کے لئے رعایت کی جاتی ہے کہ بندہ خود ہی آپ کے دولت خانہ پر حاضر ہوگا۔ اطلاع دینی مجھ بہ حیثیت انسپکٹر ہونیکے لازمی ہے لہذا اطلاع دیدی گئی ہے۔

الراقم سجاد مرزا۔ انسپکٹر

[illegible] اٹھایا حسب ذیل خط لکھنے لگی۔

صبح کا وقت جب سجاد مرزا حقے کے دم لگا رہے ہیں ڈاک کا وقت قریب [illegible] خط پیش کیا۔ خط دیکھتے ہی خوشی سے چونک پڑے چونکہ زنانہ خط معلوم ہو رہا تھا اور اسی شہر کی مہر لگی ہوئی تھی خط کھولتے ہیں مگر اشتیاق اس درجہ بڑھا ہوا کہ خط کھولنا لفافہ چاک کرنا دوبھر تھا۔ خدا خدا کرکے لفافہ چاک کیا گیا بڑی بیصبری کے ساتھ اشتیاق بھری نگاہوں سے دیکھکر پڑھنے لگا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

جناب والا۔ تسلیم

بہامی نامہ صادر ہوا مسرت ہوئی یہ معلوم ہوکر کہ اسکول ترقی پذیر ہے خدا کرے دن دونی ترقی ہوجائے۔ بندی منتظر رہیگی کہ کب رولس تیار ہونگے اور کب عاجزہ کے پاس پہونچیں گے یہ آپکی ذرہ نوازی اور کسر نفسی ہے کہ آپ اس غریب خانہ پر تشریف فرما ہوں۔ ورنہ یہ ایک

ناممکن سی بات ہے۔ نیز یہ لکھکر جناب کو معلوم کروانا بھی شاید نامناسب نہو کہ بندی آجکل بجز اسکول کے کہیں آنے جانے کو بالکل تیار نہیں ہے۔ میں بہت خوشی سے فارم کی منتظر رہونگی

فقط۔ راقمہ۔ پردہ نشین معلمہ گرلس اسکول۔

قیافہ شناسی کہہ رہی تھی کہ سجاد مرزا کی حالت کیا ہو رہی ہے۔ دل پر تیر دلشت لگ رہے ہیں۔

سجاد مرزا (دل میں) اب کیا تدبیر کرنی چاہیئے۔ اس نے اس بلا کا دماغ پایا ہے کہ صرف چند لفظوں میں مجھے ایسا جواب دیا کہ مجھپر گھڑوں پانی پڑگیا۔ مگر مجھے ضرور اس رمز سے آگاہ ہونا چاہیئے یہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے۔ سجاد تیری زندگی کو اس نے بے لطف کیا۔ کچھ ہی کیوں نہو مجھے کامیابی کی کوشش چاہیئے۔ اور تدبیر کرونگا۔"

جمعہ کا دن ہے مہرو کے پاس اس مبارک دن کی اور ہی قدر و منزلت ہوا کرتی تھی۔ یہ اس کے عبادت کا بہترین روز تھا۔ گھر کی صفائی نماز و وظیفہ نہانے دھونے کا سب کچھ انتظام خاص کر کے جمعہ کے دن نہایت پابندی سے کیا کرتی۔

سہ پہر کا وقت ہے۔ مہرو صاف دیالک کشادہ کمرے میں ایک کرسی پر عجیب انداز سے بیٹھی ہوئی کچھ ڈرائنگ کر رہی تھی یک بیک گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرتی ہوئی ٹہلنے لگی گویا کہ وہ اپنے دلی انتشارات کو دبانے کی کوشش کر رہی ہے مگر اسکے امکان سے باہر ہے۔ اس وقت اس کا دہانی ڈریس [illegible] سرخ ( ) بو بالوں کا بندھا ہوا بہت دلفریب تصویر تھی۔ مہرو اپنے خیالوں میں مستغرق ہے کہ گاڑی کی غیر معمولی کھڑکھڑاہٹ نے اسکو پریشان کیا۔

مہرو۔ مریم۔ مریم دیکھو یہ گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ کیسی۔

مریم۔ (باہر سے واپس ہوکر) بی بی کارڈ لیجئے۔

مہرو۔ (چونک کر) فوراً کہلا بھیجا کہ مریم کہدو کہ بات کرنے کو کوئی عذر نہیں بسر و چشم

حاضر ہوں گر افسوس کہ اب وقت نہیں رہا حمام خانے میں ہیں۔ سجاد کی حالت کوئی اس وقت دیکھتا تو سراپا حیرت ہوتا۔ کچھ تو پشیمانی رنج و غم سب پر طرہ مایوسی نے نیم جان کر دیا۔ اگر ٹھہرتے ہیں وضعداری قبول نہیں کرتی، اگر جاتے ہیں تو پشیمانی شرمساری ہوئی جاتی ہے۔ آخر کار بڑی اندوہناک حالت میں روانہ ہو پڑے۔

مہرو۔ دل میں۔ افسوس یہ دوسری مصیبت آئی ؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی ہائے یہ کیسی مرے اللہ نئی

(یکا یک) خدا نکرے۔ انسپکٹر صاحب نے اگر مجھے تنگ کیا تو میں ضرور اسکول چھوڑ دونگی کیا مجھے غرض پڑی ہے کہ "زر دادن و درد سر خریدن" والا معاملہ کروں۔ خدا نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے خدا نکرے کچھ اسکول کی طرف سے تو میں لیتی نہیں اور نہ مجھے ضرورت ہے۔ پھر کیا ضرورت پڑی ہے کسی کے ملازم بنے رہیں۔ اور کسی کی رعایت کسی کے احسانات کا کسی کو موقع دیا جائے ؎

احسان ناخدا کے اٹھائے مری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

باب شانزدہم

"مریم ذرا اس سے ہوشیار رہو"

؎ آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں

مہرو ایک دن جب اسکول سے واپس گھر آ رہی ہے اُس نے دیکھا کہ ایک معمر عورت

متفرق اشیاء مثلاً کرسیوں کی گدیاں، لیس بردچین کی متفرق کتابیں لئے کھڑی ہے۔
مہرو نے دیکھکر اس کی طرف توجہ نہ کی۔ نہ اسکو عام لڑکیوں کی طرح ہر ایک باہر پھرنے والی
عورتوں سے خلط ملط ہونا پسند آتا تھا۔ سہ پہر میں جب مہرو اکیلی اوداس بیٹھی ہوئی چائے
پی رہی تھی۔ مریم نے کہا۔ بی بی کوئی عورت چند اشیاء برائے فروخت لئے پھر رہی تھی میں نے
اُس کو آنے کے لئے کہا تھا حکم ہو تو بلا لاؤں۔
مہرو۔ (لاپروائی سے) تمہاری خوشی ہے تو بُلا لاؤ مگر مریم ایسی جاہل عورتیں اکثر بڑی دھوکہ
باز ہوتی ہیں۔
مریم۔ لیجئے بی بی حاضر ہے۔
خانم۔ جھک کر سلام کرکے کھڑی ہو گئی۔
مہرو۔ کیوں بڑی بی کیا لائی ہو۔
خانم۔ بلائیں لوں۔ حضور کے قابل تو یہ نہیں ہیں اگر حضور کے پسند خاطر ہو تو جانوں
محنت ٹھکانے لگی۔ ولایتی لیسیں۔ بیل بوٹے تھوڑی بہت کتابیں وغیرہ ہیں۔
مہرو۔ بڑی بی ہمیں ولایتی چیزیں اچھی نہیں لگیں۔ ہاں کچھ دیسی ہو تو ہمیں دو۔
خوشی سے خریدینگے۔
خانم۔ قربان جاؤں آپ یہ کیا کہتی ہیں بجز آپ کے آج تک کسی نے مجھسے دیسی اشیاء
کی خواہش نہیں کی، ولایتی اشیاء کی بڑی قدر و وقعت ہوا کرتی ہے۔ اسی خیال سے میں
آج تک ولایتی چیز کی خرید و فروخت میں لگی ہوئی ہوں۔ یہ لیجئے دو چار دیسی اشیاء بھی
موجود ہیں برسوں سے پڑی ہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں (گلاب کے پھول ادنی پیش کرکے)
مہرو۔ خانم بڑے افسوس کی بات ہے کہ دیسی بیبیاں اور ہندوستان کی اشیاء
نہ خریدیں اسکی قدر نہ کریں۔ جبھی تو ہمارا ہندوستان صنعت و حرفت میں اسقدر پیچھے پڑا
ہوا ہے کیا بلحاظ مالی کیا بلحاظ تمدنی ہر طرح ہمارا ہندوستان ترقی د باقی دارد)

زنانہ انجمن حامیِ تعلیم نسواں ڈیرہ دون

کی

کارگزاری

ہم نہایت مسرت کے ساتھ انجمن حامی تعلیم نسواں ڈیرہ دون کی کارروائی درج ذیل کرتے ہیں۔ ہم نذر سجاد صاحبہ کی کوشش اور سرگرمی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے سچی ہمدردی اور درد قومی سے متاثر ہو کر تعلیم نسواں کا بندوبست ڈیرہ دون میں فرمایا ہے۔ اُن کو باوجود مخالفتوں کے پوری کامیابی اپنے ارادہ میں ہوئی، پھر افسوس کرتے ہیں کہ انجمن اسلامیہ ڈیرہ دون ایسی تنگ خیال واقع ہوئی ہے کہ تعلیم نسواں کا خود بندوبست کرنے یا کم از کم امداد دینے کی بجائے۔ اُس نے مخالفت کی۔ تعلیم نسواں کی ترویج میں ہر مقام پر ایسے ہی روڑے اٹکائے جاتے ہیں لیکن ممبران انجمن حامی تعلیم نسواں کو آزردہ خاطر ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ نتیجہ دیکھ کر مخالفت خود کافور ہو جائیگی۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ڈیرہ دون کے باحمیت مسلمان اس زنانہ انجمن کی پوری امداد کریں گے اور اسکول گو ابھی ابتدائی حالت میں ہے۔ انشاءاللہ ایک روز نہایت اعلیٰ درجہ کی درسگاہ بنجائیگا۔ ہم نذر سجاد صاحبہ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اُن کو اپنی سعی میں اسقدر کامیابی حاصل ہو گئی ہے اور دعا کرتے ہیں کہ بہت جلد یہ مکتب ایک اعلیٰ درجہ کے اسکول کی شکل اختیار کرے۔ (اڈیٹر)

مجھے یہاں رہتے قریباً ایک سال کا عرصہ ہوا اس درمیان میں برابر یہ سوچتی رہی کہ کوئی مفید کام کرنا چاہیئے۔ اور وہ سوائے مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت و خیالات پر غور کر کے خاموش رہی۔ یہ نہ تو کوئی ایسا بڑا شہر نہ یہاں کی مسلمان آبادی میں قومی ضروریات کا احساس۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں اس جگہ اہل دولت و علم معزز زردسا

کا وجود نہونیکے برابر ہے۔ بایں حالات ایسے فرقۂ جاہل و کمزور کا کیا کہنا جسے جہالت کی گہری نیند نے بیہوش کر رکھا ہے۔ ہیں کسی کام کا نام لیتی تو کس سہارے و اُمید پر۔ اور ابتدا کرتی تو کیسے ۔ ۔ ۔ ؟
دن یونہی گذرتے گئے لیکن مجھپر یہ بہت گراں تھا کہ اسی زمین ڈیرہ دون پر دیگر ترقی یافتہ خوش قسمت اقوام کے زنانہ گلشن تعلیم کس سرسبزی و شادابی کے ساتھ لہلہا رہے ہیں۔ علاوہ مشن گرلز ہائی سکول کے کہ جسمیں ہر حصہ ملک کی کرسچین لڑکیاں داخل ہیں۔ اور "ہندو گرلز اسکول" بھی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر چل رہے ہیں۔ اور ہماری یہ حالت ہے کہ مسلمان لڑکیوں کے لئے معمولی مکتب کا انتظام بھی نہیں یہ بھی نہ سہی۔ اتنا بھی مشکل ہے کہ اُستانی گھر پر ہی قران شریف و اُردو نوشت و خواندگی قابلیت پیدا کراتے ہو کسے زنانہ تعلیم کا نام ہی نہیں۔ سخت رنج ہوا۔ یہ معلوم کر کے کہ جو ۲-۴ اصحاب اپنی بیٹیوں کو پڑھانا چاہتے ہیں اُنھوں نے مجبوراً لڑکیاں مشن سکول میں داخل کر رکھی ہیں ننھی بچیاں جنہیں اپنے مذہب کی ذرا بھی خبر نہو مشن کی تعلیم کا اُن پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ یہ سب دیکھ سُنکر رات دن کڑھتی تھی آخر نہ رہا گیا اور گزشتہ جنوری سے ایک زنانہ انجمن کی بنیاد ڈالنیکا خیال پختہ کر کے اس کا اعلان کر دیا۔ پھر کیا تھا شہر بھر میں میری مخالفت کا چرچا ہو گیا۔ یہاں تک کہ مسجدوں میں بعض مسلمانوں نے میرے خیال پر تقریر کی اور گناہ بتایا۔ لیکن مجھپر اس کا کچھ اثر نہوا یہ جانتی تھی کہ ایک بڑی مخالفت کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ اپنا ارادہ قائم رکھا۔ لیکن جس مخالفت کا افسوس ہوا وہ یہاں کی اسلامیہ انجمن کی طرف سے ہوئی جس سے کہ مجھے امداد کی اُمید تھی کیونکہ مردانہ انجمن اسلامیہ ڈیرہ دون کا فرض تھا کہ لڑکیوں کی تعلیم کا بھی بندوبست کرتی۔ لڑکوں کے مدرسے کی چنداں ضرورت نہ تھی جو انجمن نے قائم کر رکھا ہے اور یہی قاعدہ ہے کہ جہاں جہاں اسلامی انجمنیں قائم ہیں تعلیم نسواں کا کچھ ضرور انتظام کر رکھا ہے۔ انکی حوصلہ افزائی و امداد در کنار سب سے پہلے سکرٹری انجمن نے سخت حوصلہ شکن الفاظ میں میرا دل توڑا جسپر یہ بھی ہو گذرا۔ میں نے پرواہ نہ کی۔ اور اپنی مجوزہ زنانہ انجمن کی ابتدائی میٹنگ اپنے ہی مکان پر کی ۲۸ رجنوری سنہ ۱۹۱۴ء کا وہ مبارک دن تھا جبکی ادنیٰ کارروائی کا نتیجہ یہاں کا زنانہ اسلامیہ

مدرسہ ہوگا۔ ایک بجے وقت جلسہ کا مقرر تھا۔ ۲ بجے تک قریباً ۸ بیگمات تشریف لے آئیں تو کارروائی شروع ہوئی۔

یہاں کے معزز رئیس خان بحف علیخان صاحب و سید علی حسن صاحب کی بیگم صاحبان انجمن مذکور کی پریسیڈنٹ و وائس پریسیڈنٹ مقرر ہوئیں اور بیگم یعقوب علی خاں صاحبہ اسسٹنٹ سکرٹری سب سے پہلے میں نے انعقاد جلسے کی ضرورت و مقصد انجمن یعنی زنانہ مدرسہ قائم کرنیکی تجویز بیان کی جس کی اسسٹنٹ سکرٹری صاحبہ نے تائید کی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری تجویز پسند عام ہوئی اُسیوقت چند بیگمات نے اپنی اپنی لڑکیاں مجھے دکھائیں کہ ہم ان کو مدرسہ میں داخل کرینگے خواہ کوئی کچھ کہے۔

قرار پایا کہ فی الحال تعلیم مفت ہوگی اور غریب لڑکیوں کو تختی کتاب۔ سلیٹ وغیرہ بھی اسکول ہی سے دی جائیگی۔ لیکن اس کا ضروری خرچ چلانے کے لئے بھی تو روپیہ کی ضرورت ہے جس کا یہ انتظام ہونا چاہیئے کہ مددگار بیبیاں اپنا اپنا نام ممبران انجمن میں لکھوا کر حسب حیثیت ماہواری چندہ مقرر کریں جس سے سر دست کام شروع کیا جائے۔ اور فہرست چندہ کھولیگئی۔ بیس روپیہ ماہوار کے وعدے لکھائے گئے۔ اور جلسہ برخاست ہوا۔

اس بیس روپیہ کی ماہانہ رقم کی خوشی کوئی میرے دل سے پوچھے۔ بس جان لیا کہ مدرسہ قائم ہوگیا۔ اس کے بعد اسکول کے انتظام کی فکر ہوئی۔ کرایہ مکانات یہاں بیحد گراں ہے۔ پھر معلمہ اگر باہر سے بلائی جاوے تو کم از کم بیس تو وہ تنخواہ ہی لیلے باقی کیا رہا۔ یہاں ایک مسلمان استانی ایسی ملی جو صرف قرآن شریف درمعمولی اُردو پڑھا سکتی ہے مگر لکھنا اور حساب بالکل نہیں جانتی انگریزی و دستکاری تو الگ رہی۔ کوئی عیسائی عورت مقرر کروں تو یہ خیال کہ شروع میں ہی لوگ مدرسے سے بدظن نہو جائیں مگر یہ اچھا ہوا کہ اسی وقت پر خیال کرکے ممبران انجمن بیگمات نے ہی رائے دی کہ کرسچین لیڈی ٹیچر رکھنی چاہیئے جو اسکول کو باقاعدہ چلا سکے۔ میں نے شکر کیا اور ایک عیسائی عورت جو مڈل پاس ہے اور ۳ سال تک ایک اسکول میں ٹیچری بھی کر چکی ہے مقرر کرلی

اسکول کی ابتدائی حالت پر ترس کھا کر اس نیکدل عورت نے بھی بہت ہی معمولی تنخواہ منظور کرلی - ایک ممبر بیگم صاحبہ نے اپنا چھوٹا سا مکان ۳ ماہ کے لئے مفت دیدیا - بعد اس کے جولائی سے کرایہ چار روپیہ ماہوار لینگی - مکان میں ۲ چھوٹے چھوٹے کمرے ایک برآمدہ اور مختصر سا صحن ہے یہ سب طے کرکے مدرسہ جاری کردیا گیا - فی الحال کوئی افتتاحی جلسہ وغیرہ نہیں کیا گیا - نہایت خاموشی کے ساتھ ۲۴ فروری ۱۹۱۴ء کو ۹ بجے صبح سے تعلیم شروع کرادی گئی - دونوں استانیاں وطالب علم لڑکیاں صبح ہی مدرسہ میں آگئیں - ۹ بجے میں مع بیگم نجف علی خاں صاحبہ و بیگم ظل حسنین صاحبہ پریسیڈنٹ انجمن کے یہاں پہونچگئی - بیگم محمود خاں صاحبہ (مالکہ مکان) نے مدرسہ خوب آراستہ کررکھا تھا - تینوں کمروں و برآمدوں میں فرش تھا - پھول وگملوں سے سجایا ہوا تھا - ایک کمرہ میں ننھی بچیاں جو ابھی صرف قاعدہ بغدادی و اردو قاعدہ پڑھنے کے قابل ہیں ایک قطار میں بٹھائی گئی تھیں - اور انسے بڑی جو قرآن شریف پڑھتی ہیں - اور اردو کی پہلی کتاب انکی الگ قطار تھی پہلے مسلمان استانی نے خیر و برکت کے لئے خود قرآن شریف کی چند آیات باآواز بلند پڑھیں - پھر لڑکیوں کا سبق سنکر قرآن شریف کا سبق دیا اور ۱۰ بجے مسز الیس صاحبہ نے ان سب کا امتحان لیکر نئے سبق دیئے - ۵ لڑکیاں اچھی ہوشیار ملی ہیں جو انگریزی اور حساب بھی سیکھتی ہیں - اور سلائیوں پر بننا بھی سیکھ رہی ہیں - اور قرآن مجید ختم کرچکی ہیں عمریں انکی ابھی بارہ سال سے کم ہیں باقی پندرہ قاعدہ پڑھتی اور گنتی سیکھتی ہیں - اول دن بیس داخل ہوئی تھیں - ابتک پچیس ہیں - نیچے درجہ کی لڑکیاں تو سیکڑوں ملسکتی ہیں - مگر میں اسکول کو شرفا لڑکیوں سے بھرنا چاہتی ہوں -

مسلمان معلمہ ۹ بجے صبح سے ۴ بجے سہ پہر تک مدرسہ میں حاضر رہتی ہے اور کرسچین معلمہ ۱۰ بجے سے ۱ بجے تک - جب فنڈ نے فنڈ کو ترقی دی انکی تنخواہ میں اضافہ کیا گیا تو وہ بھی تمام دن رہا کرینگی -

دوسرے دن ہماری انجمن کا دوسرا ماہواری جلسہ تھا - میں نے وہ بھی اپنے مدرسے

ہی میں کرنا مناسب و ضروری جانا اس خیال سے کہ سب بیبیاں اپنا اسکول بچشم خود دیکھ لیں۔
گو مکان تنگ تھا جس سے آنیوالی بیگمات کو تکلیف ہونے کا خیال تھا مگر بیگم محمود خاں صاحبہ نے
اس کو نہایت آرام دہ بنا دیا۔ ایک کمرہ میں لڑکیاں بٹھادی گئی باقی تمام میں کرسیاں ڈال کر
مہمان بیگمات کی نشست گاہ بنائی گئی اور کسی کو تکلیف نہیں ہونے پائی۔ ۲۵ر فروری ۱۹۱۴ء
ایک بجے دن وقت جلسہ مقرر تھا۔ ۳ بجے تک جب کل بیگمات جمع ہو چکیں تو بیگم معزز شریف صاحبہ
کی صدارت میں کارروائی شروع ہوئی۔

پہلے خاکسار نے ماہانہ حساب وغیرہ سنایا۔ جو فروری کے وصول شدہ چندہ میں سے سامان
اسکول پر صرف ہوا تھا۔ پھر اور ضروریات بتائی گئیں۔ مثلاً ایک پردہ دار سواری کی اشد ضرورت
جو ادھر محلوں کی اور پردہ دار لڑکیوں کو مدرسہ میں پہنچائے۔

تجویز ہوا کہ سواری فی الحال رکشا (یہ پردہ دار چھوٹی سی آرام دہ سواری ہوتی ہے جس کو
قلی کھینچتا ہے) مقرر کیا جاوے۔ جو کم از کم معمولی قیمت پر پچاس میں ملیگا۔ اور دس روپیہ ماہوار کا
ایک قلی ملازم رکھا جائیگا۔ سردست انجمن کے پاس یکمشت قیمت رکشا ادا کرنے کو پچاس روپیہ
نہیں ہیں اس لئے قسط وار دس روپیہ ماہوار دیئے جایا کرینگے اور دس روپیہ تنخواہ قلی تو بیس روپیہ
ماہوار کا خرچ بڑھا اس کا بندوبست ہونا چاہیئے۔

یہ سنکر ہمدرد قوم بیگم شریف صاحبہ پریسیڈنٹ جلسہ ہذا نے وعدہ کیا کہ رکشا کی فکر نہ کرو
میں اپنا رکشا اسکول کو مفت دونگی۔ ہاں تنخواہ قلی کا انتظام دیگر بہنیں اسیوقت کرلیں۔

ایک بڑی فکر تو کم ہوئی رکشا ملگیا۔ اب قلی کے لئے چندہ شروع ہوا۔ بعض بیبیوں نے اپنے
ماہانہ چندہ میں چار آنے کا اضافہ کیا۔ مگر افسوس کہ ماہواری آمدنی پانچ روپیہ سے اوپر نہو سکی
اس جلسہ میں بیس روپیہ کے وعدے جنوری کے جلسے میں ہوئے تھے اور پچیس روپیہ تک صرف
اس جلسہ میں آمدنی پہنچی۔ خرچ ہے چالیس کا خدا مسبب الاسباب ہے۔ جس نے اتنا کیا وہی اور بھی
دیگا۔ نیز اختتام جلسہ کے وقت خاکسار نے یہ بھی بیان کر دیا کہ اس جلسہ سے خرچ چائے کیک وغیرہ

وغیرہ بند کیا جاتا ہے۔ بایں خیال کہ ہمارا جلسہ بوجھل ہو جائیگا اور کوئی بی بی اپنے مکان پر جلسہ کرنیکا حوصلہ نہ کر سکیگی۔ اور جس نے کیا بھی تو فضول دس پندرہ روپیہ کا خرچ ہے۔ ایک ایک پیالی چا و بسکٹ سے آپ کا کچھ فائدہ نہوگا۔ اور کرنیوالی کے روپیہ ضائع ہو جایا کرینگے۔ اس لئے بہتر ہے کہ انجمن کے جلسہ کو ہر ایک بہن اپنا ہی جلسہ جانکر خاطر تواضع کی متوقع نہوں۔ "ہر ایک خود مہمان خود میزبان ہے"۔ یہ تجویز بھی سب نے پسند کی۔ اور آیندہ سے یہ رسم اُٹھا دی گئی۔ مگر آیندہ جلسہ کو بیگم محمود صاحبہ نے چا وغیرہ دی۔ میرے منع کرنے پر بھی نہ مانا اور اسکول قائم ہونیکی خوشی میں شیرینی بھی تقسیم کی۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ اور سب بیبیاں اپنے اسکول سے خوش و مطمئن رخصت ہوئیں۔

شکر گزار ہوں اُن مسلمان خواتین کی جن کی کوشش سے مجھے اسقدر جلد کامیابی کی شکل نظر آئی۔ کہ انجمن کا ابھی دوسرا جلسہ نہونے پایا تھا کہ مدرسہ قائم ہوگیا۔ ورنہ یہ سوال انجمنوں کا کچھ نتیجہ نظر نہیں آتا۔ خدا کا ہی فضل شامل حال ہے کہ مجھے ایک حد تک کامیابی ہوئی۔ فقط

(خاکسار) نذر سجاد۔ از دیرہ دون

تعلقات زن و شو

قصبات میں عموماً اور شہروں میں بھی بعض گھرانوں میں پہلے ایسا دستور تھا کہ جو مرد از راہ ہمدردی یا تقاضائے انسانیت اپنی بی بی کی رضا جوئی یا اُن کے دکھ سکھ کا خیال اور لحاظ رکھتے اُن کو "زن مرید" کہا جایا کرتا تھا اور اُن کے اس شریفانہ عادت کو کمزوری قرار دیکر اُن کے دوست احباب یا رشتہ دار ہر موقع پر اُن پر آوازے کسا کرتے تھے۔ برخلاف اس کے بیوی کی خواہشات کی پرواہ نہ کرنا اور اُن کے ساتھ بے التفاتی برتنا قابل تعریف لوازمات مردانگی میں شمار ہوتا تھا۔ اسی ادنیٰ دستور کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ مرد اپنی بیوی کو عموماً ضمیر واحد سے

مخاطب کرتے تھے اور تحریر میں بھی اُنکی نسبت ضمائر واحد استعمال کئے جاتے تھے (جیسے تو - تیرا - اُسے - اُس کو وغیرہ) لیکن اب اشاعت تعلیم اور اُس کی بدولت فرائض وحقوق کے احساس کی وجہ سے یہ بُرا دستور قریب قریب متروک ہوگیا ہے گفتگو میں تو اب ضمیر واحد کا رواج جاتا رہا لیکن تحریر میں کبھی کبھی اس پُرانے رواج کی اب بھی جھلک نظر آتی ہے جو یقیناً ایک معیوب امر ہے۔ اس اخلاقی فروگذاشت کے لحاظ سے حال میں عالی جناب نواب وقارالملک بہادر نے مجھے تنبہ کیا۔ میں نے اثنائے مراسلت میں جناب ممدوح کو اپنی اہلیہ کی علالت اور اُن کے علاج کی غرض سے دہلی پہونچنے کی اطلاع دی تھی۔ اس اطلاعی عریضہ میں غالباً میں نے یہ لکھا تھا کہ "میری اہلیہ عرصہ سے علیل ہے اور اُس کے علاج کی غرض سے میں دہلی جارہا ہوں"۔ نواب وقارالملک بہادر کے حسن اخلاق کا تو یہ حال ہے کہ سخت اشتعال طبع کی حالت میں اُن کی زبان سے ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کی نسبت بھی کبھی ضمیر واحد کا استعمال نہیں ہوا۔ لہذا میرے الفاظ نواب صاحب قبلہ کو ناموزوں معلوم ہوئے چنانچہ جناب ممدوح نے اپنے ایک نوازشنامہ میں مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ "وہ جناب اپنے محل کی نسبت ہمیشہ واحد کا صیغہ استعمال کرتے ہیں اور ضمیر واحد سے کام لیتے ہیں۔ یہ کیوں؟ آپ ہی پر منحصر نہیں۔ میں نے بعض اور بڑے بڑے مہذب حضرات کو بھی اس غلطی میں مبتلا پایا۔ بیوی اور شوہر کے تعلقات دودستوں کیسے ہیں اور اسلام میں بیوی کی جو قدر ومنزلت ہے وہ کسی طرح بھی اس سلوک کی مقتضی نہیں ہے۔ لیکن خدا معلوم یہ کردہ رسم ہم لوگوں میں کیوں جاری ہوگئی ہے اور مجھکو امید ہے کہ آیندہ آپ اس کا بہت ہی خیال رکھینگے۔ میری نگاہ سے جب ایسی تحریر گزرتی ہے یا اس قسم کی ضمائر کے ساتھ کوئی آواز میرے کان پڑتی ہے تو مجھکو بہت ہی تکلیف ہوتی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ جمع کی ضمیر کام میں نہ لائی جاوے۔ میری اس گذارش کو یقین ہے کہ آپ مہربانی سے معاف کرینگے۔ بلکہ کسی اخبار میں اپنی طرف سے اس کے متعلق مضمون لکھکر اس مغالطہ کی اصلاح فرمائینگے جو بسا اوقات عامۃ الورود ہے"۔ نواب صاحب قبلہ کا یہ نوازشنامہ دیکھکر مجھے اپنی فروگذاشت پر بہت ہی ندامت ہوئی۔ انشاءاللہ تعالیٰ مجھ سے تو آیندہ یہ لغزش نہوگی۔ مگر جناب موصوف

کی ایما کے مطابق مجھے اس مبحث پر کچھ لکھنا ضرور تھا لیکن نواب صاحب قبلہ نے اپنے مختصر اور جامع الفاظ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُس پر کوئی اضافہ کرنا میری قابلیت سے بالاتر ہے سمجھنے والوں کے لئے جناب موصوف کے یہی الفاظ کافی و وافی ہیں میں نے اس مضمون کی اس زمانہ پرچہ میں اشاعت کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ خود بیبیاں بھی نفس مضمون سے آگاہ ہوکر مردوں کی طرف سے نواب صاحب قبلہ کی منشا کی تعمیل کرانے میں اپنے رسوخ اور اثر سے بھی کام لیں اور ایسا کرنا گویا مردوں کی مدد کرنا ہے۔ فقط

(خاکسار)

از دہلی ۷ مارچ ۱۹۱۴ء

ادریس احمد

جنرل سپرنٹنڈنٹ صدر دفتر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ریویو

نالۂ شبلی } یہ ایک مختصر مجموعہ علامہ شبلی نعمانی کی نظموں کا ہے جو گزشتہ زمانہ میں اخبار ہمدرد اور زمیندار میں شائع ہو چکی ہیں۔ تمام نظمیں اسلامی تاریخ اور اسلامی اخلاق سے علاقہ رکھتی ہیں اور ان کی تعریف صرف اسقدر کردینا کافی ہے کہ علامہ شبلی نعمانی جیسے زبردست مورخ اور ادیب کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ شروع میں ڈاکٹر انصاری صاحب مولوی ظفر علی خاں صاحب اور مسٹر محمد علی اڈیٹر کامریڈ و ہمدرد کی تصاویر ہیں جن کے نام پر کتاب معنون کی گئی ہے مولانا شبلی کا بھی فوٹو دیا گیا ہے۔ کتابت، کاغذ اور چھپائی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ یہ کتاب مولوی محمود احمد صاحب ہیڈ کلرک دفتر کانفرنس علی گڑھ نے مرتب فرمائی ہے اور صاحب موصوف کے پتہ سے بہ **قیمت ۸ر** ملسکتی ہے۔

رسالہ چیچک اس رسالہ کو حکیم محمد اصلح صاحب نے تالیف فرمایا ہے جو مارہرہ ضلع ایٹہ کے خاندانی طبیب ہیں۔ اس رسالہ میں چیچک پیدا ہونے کے اسباب اور اسکی علامتیں چیچک کی مختلف قسمیں حفظ ماتقدم اور چیچک کے معالجات نہایت وضاحت اور خوبی کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔ حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب اور لالہ مان سنگہ صاحب سکرٹری آل انڈیا طبی کانفرنس نے رسالہ مذکور کے متعلق نہایت اعلیٰ درجہ کی رائے ظاہر فرمائی ہے گذشتہ طبیہ کانفرنس منعقدہ امرتسر میں بھی یہ رسالہ پیش کیا گیا تھا اور مولف کی محنت اور قابلیت کی داد دینے کے واسطے کانفرنس کی جانب سے مؤلف کو غالباً سند ملنے والی ہے اور کانفرنس نے شکریہ ادا کیا ہے۔ یہ رسالہ اس قابل ہے کہ ہر ایک خواندہ عورت کے ہاتھ میں رہے تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے مرض چیچک سے ناواقفیت کے باعث اکثر معصوم بچوں کی جانیں ضائع جاتی ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ اگر اس رسالہ کا مطالعہ کرکے اُس کے اصولوں پر عمل کیا جاوے تو بہت سے بچے اس موذی مرض کا شکار ہونے سے محفوظ رہیں گے۔ حکیم فیروزالدین صاحب اڈیٹر رسالہ رفیق الاطبا، لاہور نے اس کو اپنے مطبع میں طبع کیا ہے اور دفتر رفیق الاطبا سے بہ **قیمت** ۴ر مل سکتا ہے۔

وکیلِ نسواں یہ کتاب اعجز رقم ادرحکیم محمد ولی صاحب علوی کسمنڈی کے پُرزور قلم کا نتیجہ ہے مصنف نے کتاب کو ۵ ابواب پر تقسیم کیا ہے (۱) عورت کے فضائل (۲) عورت کے حقوق (۳) عورت کی مظلومیت (۴) مظالم کے اسباب (۵) مظالم کے انسداد کی تدابیر۔ آخر میں عورتوں کے حق میں فیصلہ اور مجرب علاج۔ اس کتاب کی تصنیف میں مصنف کو بڑی سخت محنت اور جانفشانی برداشت کرنا پڑی ہوگی۔ کتاب مذکور کے مطالعہ کے بعد کوئی منصف مزاج اور سمجھدار شخص حقوق نسواں کا مخالف نہیں رہ سکتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اشاعت تعلیم نسواں کا یہ کتاب ایک زبردست ذریعہ ثابت ہوگی۔ چھپائی اور کاغذ معمولی ہے اور **قیمت** صرف ۸ر ہے اور کتاب مذکور جناب محمد صابر صاحب منیجر مطبع صدر مجلس صوبہ گلبرگہ شریف سے مل سکتی ہے۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۷۱

خاتون

نمبر ۵	بابت ماہ مئی ۱۹۱۴ء	جلد ۱

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سیکشن

فہرست مضامین

باہتمام منشی عنایت خاں

در مطبع ریاض ہند واقع علی گڈھ مطبوع گردید

خاتون

۱- یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شایع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۲ آنہ ہی۔

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پہیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی نداق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پہیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اسطرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

۴- ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا جاوے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور نداق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی انکو ضرورت محسوس ہو، تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکہنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷- تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈہ ہونی چاہئے۔

رانی سنجوگتا

رانی سنجوگتا قنوج کے فرمانروا جے چندر کی بیٹی تھی۔ خداوند عالم نے اسے نہایت حسین وجمیل پیدا کیا تھا ظاہری حسن وخوبصورتی کے ساتھ اس کی طبیعت میں ایسی خوبیاں تھیں کہ دور دور تک اسکے چرچے تھے۔ اس شہرت نے ہندوستان کے بڑے بڑے شاہزادوں کو اسکا گرویدہ بنا دیا۔ ہر ایک کی آرزو تھی کہ حسن وجمال کی باکمال دیوی سنجوگتا اسکی شریک زندگی بنے سنجوگتا کے باپ جے چندر کو بڑی دقت کا سامنا تھا وہ پریشان تھا کہ کس شاہزادہ کیساتھ اپنی مایۂ ناز لڑکی کی قسمت وابستہ کرے ایک کو انتخاب کرنا تمام دوسروں کو اپنا مخالف بنانا تھا اور راجہ جے چند ان سب شہزادوں کی خصومت سے بچنا چاہتا تھا آخر کار اس امر کے تصفیہ کی بہترین شکل اسنے اختیار کی اور اس زمانہ کے قاعدہ کے مطابق سوئمبر کا جلسہ منعقد کیا۔ سوئمبر میں اطراف واکناف کے تمام راجہ جمع ہوئے اور دہلی کی سلطنت

سکے مالک پرتھی راج کے سوا ہندوستان کا کوئی شاہزادہ ایسا باقی نہ تھا جو اس جلسہ میں نہ آیا ہو اگرچہ جے چندر اپنی ہمسایہ حکومتوں سے لڑائی مول لینا پسند نہ کرتا تھا لیکن اسکی وجہ اسکی کوئی کمزوری نہ تھی بلکہ اس کی عظمت و قیمت بہت تھی۔ تمام راجہ مہاراجہ اسکی عزت کرتے تھے۔ سارے ملک میں اسکی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اسلئے باوجود دعوت کے پرتھی راج کے نہ آنیکو اُسنے بڑی بے عزتی سمجھی اور سخت برہم ہوا ذلیل کرنے کے طور پر جے چندر نے پرتھی راج کا ایک مٹی کا پتلا بنا کر نوکروں کے لباس میں حقارت کیساتھ اُس مقام پر کھڑا کردیا جہاں سوئمبر کی رسم ادا ہونیوالی تھی جب شاہزادے اس جگہ جمع ہوچکے تو جے چندر نے اپنی پیاری بیٹی سنجوگتا سے استدعا کی کہ وہ جلسہ میں آئے اور اپنی پسند کے مطابق شوہر انتخاب کرے جلسہ میں پہنچکر سنجوگتا نے پہلے چاروں طرف دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ ایک گشت لگائی۔ جب وہ تمام شہزادوں کو دیکھتی ہوئی فرمانروائے دہلی پرتھی راج کے پتلے کے پاس پہنچی تو اس نے اپنے گلے کا ہار نکالا اور اس مٹی کی مورت کو پہنا دیا۔ بہادر سنجوگتا کی اس دلیری کو دیکھکر سب لوگ دم بخود ہوگئے۔ جے چندر کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ غصہ کے مارے وہ آپے سے باہر ہوگیا حکم دیا کہ فوراً اس ناہنجار لڑکی کو قید کردیا جائے۔ حکم کی اسیوقت تعمیل ہوئی اور غریب سنجوگتا محض اپنے مغرور باپ کی شیخی کو صدمہ پہنچانیکے جرم میں زندان کی مشقت میں گرفتار کی گئی۔ ناکام شاہزادے اپنی مایوسی کا رنج کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔

جب پرتھی راج کو اس واقعہ کی خبر پہنچی کہ کس طرح قنوج کی شاہزادی نے اخلاقی جرات اور ضمیر کی آزادی سے بجا طور پر کام لیا اور اس قابل ستایش فعل پر اسکے ساتھ کسقدر ناجائز ظالمانہ سلوک کیا جارہا ہے تو وہ فوراً مظلوم سنجوگتا کی حمایت کے لیے کھڑا ہوگیا۔ آناً فاناً اُسنے جنگ کی تیاری کی اور بہت جلد جے چندر کے مقابلہ کے لیئے پہنچ گیا۔ ایک سخت جنگ کے بعد جے چندر کو شکست فاش ہوئی۔ پرتھی راج مظفر و منصور راج کماری سنجوگتا کو لیکر دہلی واپس ہوا دہلی پہنچکر نہایت تزک و احتشام سے اسنے سنجوگتا کیساتھ

شادی کر لی۔

اس زمانہ میں مسلمان فاتحین بڑے بڑے دریاؤں اور پہاڑوں کو کھندلتے اور روندتے یکے بعد دیگرے ہندوستان میں آنے شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب ۱۱۹۱ء میں پہلی مرتبہ شہاب الدین محمد غوری فتح و نصرت کے جھنڈے اڑاتا ہوا تھانیسر تک پہنچا ہے تو اسوقت پرتھی راج ہی دہلی میں سر آرائے سلطنت تھا۔ پرتھی راج نے اس جوانمردی کیساتھ محمد غوری کی مزاحمت اور مدافعت کی کہ اسے ناکام لوٹنا پڑا۔ اسکے بعد ۱۱۹۳ء میں پھر سلطان شہاب الدین غوری ہندوستان پہنچا اور اب کی دفعہ وہ کچھ اس انداز سے آیا کہ بڑے بڑے سورماؤں کے کلیجے دہل گئے۔ اس مرتبہ جب پرتھی راج سلطان غوری کے مقابلہ کو نکلا ہے تو اسے اپنی کامیابی سے مایوسی تھی لیکن وہ شیردل۔ بلند ہمت جوانمرد اپنی اخیر سانس کو بھی اپنے ملک کی حمایت میں صرف کرنیکا عزم کر چکا تھا۔ رانی سنجوگتا جو پرتھی راج کی شریک رنج و راحت تھی رزم و بزم ہر موقع پر ساتھ رہتی تھی راجہ اُس سے اسقدر محبت کرتا تھا کہ اُسے گھڑی بھر کے لیئے بھی اپنے پاس سے جدا کرنا شاق گزرتا تھا چنانچہ جب پرتھی راج مقابلہ کی غرض سے اپنے دارالسلطنت سے روانہ ہوا ہے تو رانی سنجوگتا اسکے ساتھ تھی مگر آخر وقت جب بالکل ناکامی کے آثار پیدا ہو گئے اور ناکامی کی شکلیں نظر آنے لگیں تو عورتوں کی حفاظت و ولدہی کے لیئے رانی کا دہلی چلا جانا ضروری سمجھا گیا۔ جسوقت رانی سنجوگتا اپنے بہادر شوہر سے رخصت ہونے لگی تو پرتھی راج نے کہا:-

”پیاری بیوی! الیقین کیجیو کہ میں کبھی جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے میدان جنگ کو چھوڑنے اور لڑائی سے مُنہ موڑنے کی ذلت نہ گوارا کرونگا۔ مجھے یقین کامل ہے کہ میرا ہر سپاہی اور ہر ساتھی بھی ضرور میرا ساتھ دیگا؛“

رانی نے کہا:-

”پیارے شوہر! میں بھی ایسے ہی خیال سے رخصت ہو رہی ہوں۔ اگر میں

دہلی نہ جاؤں تو بیچاری عورتیں اپنے آپ کو بچا نہ سکیں گی۔ اسوقت انکی دہشت وخوف زدگی کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔ مگر یاد رکھنا جب غنیم کی فوج دہلی میں داخل ہوگی تو انہیں ایک زندہ عورت کی صورت نہ دکھائی دیگی"۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب پرتھی راج نے اپنے تمام رفیقوں اور ساتھیوں کے ہمراہ میدانِ جنگ میں لڑتے لڑتے جان دیدی تو فتحمند فوج آگے بڑھی اور شہر میں پہنچکر وہ حسرتناک چتا دیکھی جس میں نازک اندام وغیرت مند رانی سنجوگتا اپنی تمام ساتھیوں کے ساتھ جلکر راکھ ہو گئی تھی فقط

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

نصائحِ ارسطو

(سلسلۂ گذشتہ)

(۲۱) ہر امر میں حیلہ سے کام نکلتا ہی لیکن قضا و قدر میں بے سود ہوتا ہی۔

(۲۲) تحمل و بردباری اور تدبیر سے کام کرنیوالے اشخاص کبھی نادم نہیں ہوتے۔

(۲۳) فکر سے کام کرنیوالے اشخاص ہمیشہ سلامتی میں رہتے ہیں اور عجلت ہمیشہ ہلاکت میں ڈالتی ہی۔

(۲۴) دوستوں اور احبابوں کی مصیبت اور تکالیف پر اظہار ملال و رنج کرنا صبر کرنے سے اچھا ہی اور اپنی مصیبت پر ہائے وائے کرنیسے صبر کرنا اولی ہی

(۲۵) دولت و نعمت کے نیست و نابود کرنے کے لیئے ظلم سے زیادہ کوئی شے نہیں"

(۲۶) عوام الناس کے آرام و آسایش کے لیئے اس سے افضل و برتر نہیں کہ حکام کریم النفس رحم دل اور صلاح جو ہوں اور عوام الناس کو نقصان پہنچانیوالے اور پریشان

دمضطرب بنانے والا اس سے زیادہ دوسرا امر نہیں کہ حکام مفسد ہوں اسلیے کہ حاکم و محکوم کے درمیان ایسا واسطہ ہی جیسا روح اور جسم کا کہ بغیر روح جسم کا وجود ناممکن ہی"

(۲۷) رشک سے ہمیشہ پرہیز لازم ہی لیکن ایسا رشک جسکی بدولت اصلاح ہوتی ہو اختیار کرنا ضروری ہی"

(۲۸) زہد و تقوی الیقین سے اور یقین صبر سے اور صبر فکر سے حاصل ہوتا ہی"

(۲۹) استغنا کو قناعت میں ڈھونڈنا چاہیئے کیونکہ محض مال و دولت کے سبب خواہ وہ کثیر المقدار کیوں نہو غنا حاصل نہیں ہو سکتا"

(۳۰) اس عالم موجودات میں ہر شئے پیدا کی ہوئی مِلسکتی ہی لیکن وقت و عمر میسر نہیں ہوتا اسی سبب سے وقت و عمر کی قدر و منزلت کرنا سب سے افضل و برتر ہی"

(۳۱) علماء کی صحبت اور کتب حکمیہ کے مطالعہ کرنے سے فرحت بخش زندگی حاصل ہوتی ہی"

(۳۲) عالم ہمیشہ اپنی جہالت کو پہچان سکتا ہی اسیلے کہ وہ اپنے آپ کو جاہل سمجھتا ہی پس جو شخص آپ کو جاہل سمجھا کرتا ہی وہ ہمیشہ کسی نہ کسی امر کے معلوم کرنے میں ساعی رہتا ہی"

باقی آیندہ

(خادم الاطبا محمد اصلح مارہروی)

تقریر خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی

بمقام ووکنگ مسجد لندن

اسلام میں عورتوں کا رتبہ

اسلام سے پیشتر عورتوں کا درجہ نہایت ادنی قسم کا تھا وہ مثل اسباب یا بازار کے

خرید و فروخت اشیائے کے خیال کیجاتی تھیں اسلام پر تعدد ازدواج کا الزام لگایا جاتا ہے لیکن یہ کوئی مذہبی عقیدہ کا مسئلہ نہیں ہے خاص خاص حالتوں میں اسکی اجازت دی گئی ہے کوئی عورت بچہ دینے کی قابلیت سے فطرتاً معرا ہو قبیلوں کی باہمی جنگ وجدال اور عورتوں کی کثرت مردم شماری اور لاچاری کا عمدہ علاج کثرت ازدواج ثابت ہوا۔ ہمارے پیغمبر صاحب نے اس مسئلہ پر پورے طور پر غور کیا انہوں نے اگرچہ خود کئی شادیاں کیں لیکن اپنی امت کے لیئے ایسے شرائط اور پابندیاں عائد کردیں کہ تہذیب و شائستگی کی ترقی کیساتھ تعدد ازدواج ہی معدوم ہو جاوے مشرق میں تعدد ازدواج پر شاذ و نادر ہی عمل کیا جاتا ہے۔ آپکے یہاں بحالت موجودہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہے اور ناجائز اولاد کی تعداد حیرت انگیز ترقی کرتی جاتی ہے اگر عورتیں اپنے حقوق حاصل کرلیں اور بدچلنی روکدی جاوے تو ایک شادی سے بہتر اور پسندیدہ کوئی شے نہیں ہوسکتی ورنہ قابل اعتراض تعلقات کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے تو دوسری شادی کرلینا ہزار درجہ بہتر ہے۔

(مترجمہ شان الہی)

اسلام میں حقوق نسوان

ترجمہ تقریر خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی بمقام ووکنگ مسجد لندن

باوجود اسکے کہ مغربی تہذیب میں پیشتر سے عورتوں کے حقوق مقرر تھے لیکن مغرب کو

ترقی کرتے ہوے ۱۹ صدیاں گذر گئی ہیں اس دوران میں عورتوں کو چند سوشل حقوق
تو البتہ حاصل ہو گئے ہیں لیکن قانونی حقوق تمام عیسائی دنیا میں عورتوں کے اب
بھی برائے نام ہیں۔ چند سال پیشتر تک انگلستان میں بھی کسی عورت کو اپنے شوہر سے
آزاد رہ کر کوئی حق حاصل نہ تھا منکوحہ عورت کا قانونی حق نہایت حقارت آمیز تھا اسلام
میں عورت اپنی جائداد کی قطعی طور پر مالک ہوتی ہے اور وہ خود اسکو منتقل کر سکتی ہے اور اس سے
لطف اٹھا سکتی ہے وراثت کے معاملہ میں اسلامی قانون تمام دیگر قوانین سے نہایت
افضل اور اعلے ہے۔ عورت اپنے شوہر، بھائی باپ اور بیٹے کی وارث ہو سکتی ہے۔
اگر کسی مرد کے حصہ میں وہ شریک ہے تب بھی اس کے حقوق آزاد رہیں گے وہ اپنی
مرضی کے بموجب معاہدہ کر سکتی ہے اور بلا دست اندازی شوہر کے اپنے حقوق پا سکتی ہے
شادی کے معاملہ میں بلا اسکی مرضی کے کسی کے ساتھ اس کی شادی نہیں ہو سکتی
ہے اور شادی ہو جانے پر بھی اسکی شخصیت نہیں جاتی رہتی ہے۔ اسلام میں شادی ایک
قسم کا سول معاہدہ ہے جسکے شکست ہونے پر شوہر کو ایک رقم بطور تاوان کے جسکا تعین
نکاح کے وقت ہو گیا تھا ادا کرنا ہوگا (اسکو مہر کہتے ہیں) قرآن مجید کی بہت سی
آیتوں کا حوالہ دیکر خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اسلام میں زوجہ کا آئڈیل۔ محبت شفقت
اور پیار ہے نہ کہ محکومی اور غلامی ہمارے قرآن نے انجیل کی یہ تعلیم نہیں دی کہ " تیری
تمام خواہشیں تیرے شوہر کی مطیع ہونگی اور وہ تجھپر حکمرانی کریگا "

آپنے افسوس کیساتھ اس اعتراض کی تردید کی کہ اسلام کی رو سے عورتوں
میں کسی قسم کی روح نہیں ہے اور وہ بہشت میں داخل نہ ہو گی۔ قرآن مجید نے عورتوں
اور مردوں دونوں کو یکساں ہدایت کی ہے اور دونوں کو موقعے دیئے ہیں آنحضرت
صلعم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا خاتون جنت مانی جاتی ہیں حضرت
مسیح علیہ السلام کی تعلیم کے بموجب روزہ رکھنے اور خداوند کریم پر ایمان لانے سے

روحانی ترقی حاصل ہوسکتی ہے لیکن اس میں قرآن کی تعلیم نے حسب ذیل اضافے اور کیئے ہیں۔ خدا کی مرضی پر چلنا۔ عبادت۔ سچائی۔ صبر۔ عاجزی۔ سخاوت اور فیاضی کرنا۔ قرآن کی تعلیم کے بموجب مرد اور عورت دونو یہ روحانی صفات حاصل کرسکتے ہیں۔

مترجمہ
(شان الٰہی)

سخاوت میموریل گرل اسکول کلکتہ

مولوی سخاوت حسین صاحب مرحوم ولایت کے تعلیم یافتہ صوبہ بنگال میں ڈپٹی مجسٹریٹ تھے اپنی حیات میں مرحوم نے فرقہ اناث کی سوشل اور تعلیمی ترقی کے لیئے بیحد کوشش کی لیکن مرحوم کو اپنے خیال کی تکمیل کا موقع نہ ملا اپنے انتقال سے چند روز قبل اپنے دس ہزار روپیہ تعلیم نسوان کے لیے ہبہ کردیا اور اپنی بیوی کو وصیت کی اپنی باقی زندگی اسی کام میں گذارنا چنانچہ مسز سخاوت حسین نے پانچ سال ہوئے کہ کلکتہ میں سخاوت میموریل گرل اسکول قایم کیا اور خود اُسکے سپرنڈنٹ ہیں مسز سخاوت حسین علاوہ عربی فارسی کے بنگالی اور انگریزی زبان میں کافی قابلیت رکھتی ہیں انگریزی میں اُن کی کتاب سلطانہ ڈریم اور بنگالی میں موتی چور کافی شہرت حاصل کرچکی ہیں اسکے علاوہ انھوں نے اور بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اپنے شوہر کی افسوسناک قبل از وقت موت کا سوگ چند روز منا کر انہوں نے اولاً بھاگل پور میں ایک زنانہ مدرسہ قائم کیا لیکن چند ایسے واقعات ناگزیر پیش آگئے ہیں جن سے وہ اسکول نہ چل سکا مگر اپنی ہمت نہ ہاری اور ۱۹۱۱ء میں کلکتہ میں سخاوت میموریل گرل اسکول قائم کیا آجکل اس اسکول میں چالیس لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں ۴۔ مئی کو اس اسکول کا سالانہ جلسہ ہوا

جس کی صدر نشین کمشنر ریسیڈنسی کی بیگم مسز مونا ہن تہیں جلسہ میں تقریباً ڈیڑھ سو مسلمان معزز خاتونیں شریک تہیں اور انکے علاوہ بہت سی بنگالی اور پارسی لیڈیاں تہیں۔ بہت سی لڑکیوں نے نہایت خوش الحانی کیساتہ مختلف قسم کے اشعار پڑہے۔ اسکے بعد مسز سخاوت حسین نے اولاً انگریزی میں سالانہ رپورٹ پڑہی اور پہر اردو میں تقریر کی اگرچہ آپکی قابلیت انگریزی میں بہ نسبت اردو کے نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے لیکن اردو تقریر بہی نہایت برجستہ اور توقع سے زیادہ شستہ اور بامحاورہ تہی رپورٹ میں اپنے دو دقتوں کا خصوصیت کے ساتہ تذکرہ کیا اولاً لڑکیوں کو شہر کے مختلف مقامات سے سواری میں لانیکا انتظام دوسرے استانیوں کے ملنے کی دشواری۔ اور یہ توقع ظاہر کی زنانہ نارمل اسکول علیگڈہ اور زنانہ اسکول لکہنؤ سے امید ہے کہ قابل استانیاں چند سال بعد مہیا کر سکے گا۔

حسب ذیل حصہ تقریر کا نہایت موثر تہا جس سے ناظرات اور ناظرین خاتون کو غالباً دلچسپی ہوگی "میری زندگی کا ایک وہ نہایت نازک زمانہ تہا جب ایک صبح کو میں اخبار میں دیکہتی ہوں کہ برہما بنک کا دوالہ نکل گیا جہاں اس اسکول کا دس ہزار روپیہ جمع تہا جو میرے مرحوم شوہر نے تعلیم انسواں کے لیئے چہوڑا تہا۔ میرے سامنے ساری دنیا تاریک معلوم ہوتی تہی اور میں اسوقت یہی چاہتی تہی کہ جس حصہ زمین پر میں کہڑی ہوئی ہوں وہ پہٹ جاے اور میں پیوند زمین ہو جاؤں۔ ہجوم یاس و غم رنج و الم میرے ہمراہ تہے اور کچہ عرصہ کے لیئے میں اسکول کا خاتمہ سمجہ چکی۔ آپ غور کریں کہ میری زندگی کے آئندہ یوں پامال ہوں اور میں دیکہوں لیکن یکایک اپنے تئیں سنبہالا اور استقلال کی باگ کو ہاتہ سے نہ چہوڑا جسکے دوسرے روز اپنی پونجی جو میرے شوہر نے میرے لیے چہوڑی تہی فوراً منتقل کردی اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میرا ایثار کسطرح قابل تحسین نہیں کیونکہ میں اسکول بہبودی کے لیے اور اپنی بہنوں کی ترقی کے لیے اپنی جان تک حاضر کر چکی ہوں۔"

رشان الہی

یونیورسٹی سے کس طرح فائدہ حاصل کرنا چاہیے

تقریر مسٹر فشر ممبر پبلک سروس کمیشن بمقام کلکتہ

میری زندگی کا زیادہ تر حصہ یونیورسٹی ہی کے کام میں صرف ہوا اور لندن میں رہنے والے ہندوستانی طلبا کا مجھکو وسیع تجربہ حاصل ہے اسلیے میں آج چند خیالات ہندوستانی طلبا کے روبرو پیش کرتا ہوں شاید وہ ان سے کچھ تمتع حاصل کر سکیں گے۔

دنیا میں اولاً یونیورسٹیاں اس غرض سے قائم کی گئی تھیں کہ علم انسانی کے دائرہ کو وسعت دیں اور غالباً یونیورسٹی کے روبرو یہ مقصد نہایت اعلیٰ وارفع۔ نہایت شریفانہ اور اسکے ساتھ نہایت دشوار بھی تھا۔ لیکن یہ مقصد جیسا دشوار اور اعلیٰ وارفع تھا ویسے ہی صرف بہت کم طلبا اسکے حصول کی طرف توجہ بھی کرتے تھے۔ انگریزی اور جرمنی یونیورسٹیوں میں بھی بہت کم ایسے طلبا ہوتے تھے جو پورے طور پر علمی تحقیقات اور جدید انکشافات کے کام میں منہمک رہتے تھے۔ لیکن ہندوستان میں اس قسم کے طلبا کی تعداد غالباً اب بھی بہت ہی قلیل ہے۔ اگرچہ بہت سے طلبا ایسے دائمی کام میں مشغول اور مصروف ہو سکتے نہیں لیکن انکو کم از کم یہ تو معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ یہ کام کیسا ہی لیکن زمانہ طالب علمی ہی میں اُنکو علمی زندگی بسر کرنے کے قواعد اور اصول سے آگاہ ہو جانا ضروری ہے اور اُنکو علم اور اہل علم کی قدر و منزلت کرنا سیکھنا چاہیے۔ اور دوران تعلیم ہی میں اُنکو علمی مذاق پیدا ہونیکی تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔ جو آیندہ زندگی میں اُنکے لیے کارآمد اور ممد و معاون ثابت ہو۔ یونیورسٹی کو ڈگریاں حاصل کرنیکی اور امتحانات پاس کرنے کی مشین تصور نہ کرنا چاہیے یونیورسٹی کا صرف یہ مقصد نہیں ہے کہ ڈگری حاصل کرکے اپنے

نام کے آخر میں آپ ڈگری کے حروف کا اضافہ کرنا سیکھ جائیں اس میں شک نہیں کہ امتحانات پاس کرنا اور ڈگریاں حاصل کرلینا ایک بہت عمدہ کام ہے لیکن دنیا میں خواہ آپ تمام امتحانات پاس کرلیں ساری ڈگریاں حاصل کرلیں لیکن بغیر علمی مذاق حاصل کیے ہوئے آپ دنیا میں فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں اور جب تک طبیعت میں شگفتگی اور سرگرمی نہو آپ اپنے برادران کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ہیں مجھکو معلوم ہے کہ انگلستان سے بھی بہت زیادہ ہندوستان میں یہ مرض عالمگیر ہے کہ یونیورسٹی کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد کتابیں بند کیکے رکھدیجاتی ہیں اور پھر مطالعہ کتب سے کسی قسم کی دلچسپی نہیں رہتی ہے جس شخص نے یہ طرز عمل اختیار کیا ہے درحقیقت اُس نے یونیورسٹی کی تعلیم سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھایا ہے۔ یونیورسٹی کا مقصد تو یہ ہے کہ مدت العمر کے لیئے علمی مذاق طبیعت میں پیدا کرے۔ یونیورسٹی تو وہ مقام ہے جہاں پر کہ دماغی محنت کرنے اور لٹریچر کی خوبیاں اور سائنس کی سچائیاں دریافت کرنے کی تعلیم اور تربیت دیجاتی ہے بقول لسٹ کرٹن صاحب "ہر شخص کو باقاعدہ زندگی بسر کرنی چاہیئے" مثلاً ۸ بجے صبح کے ناشتہ کرنا لیکن ہندوستان کے لیئے یہ موزوں نہیں۔ ہندوستانی طلبہ کے لیئے میں رائے دونگا کہ باقاعدہ زندگی بسر کرنے کے لیئے دس بجے شب کے سونا اور ۵ بجے صبح کو اُٹھنا چاہیئے۔ اگر صرف ان دو باتوں کی وہ پابندی کرنے لگیں اور ورزشی کھیلوں کا تماشہ دیکھنے کی بجائے مستعدی اور شوق کیساتھ کھیلنے کے عادی ہوجائیں تو ان باقاعدہ پابندیوں سے انکی تندرستی پر ایسا اچھا اثر پڑیگا جو آیندہ زندگی میں اُنکے لیئے نہایت کارآمد ثابت ہوگا۔

یونیورسیٹیوں کے امتحانات کے پرچے دیکھنے کے وقت مجھکو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ طلبہ زیادہ تر غلط باتیں یاد کرلیتے ہیں۔ کسی کتاب کے پڑھنے کا یہ مدعا ہے کہ اسمیں جو کارآمد اور ضروری امور درج ہیں اُنکو ذہن نشین کرلیا جائے لیکن یہ دماغی کمزوری کی بین دلیل ہے کہ اسکو شروع سے آخر تک حفظ یاد کرلیا جائے اور دماغی کمزوری کی اس

سے بھی زیادہ بیہودہ اور بدنما شکل یہ ہی کہ اُستاد کے لکھوائے ہوئے نوٹ زبانی یاد کر لئے جائیں (قہقہہ)

اگر اس قبیح عادت کو ترک کرنا نہ سیکھا تو واقعی یونیورسٹی سے استفادہ کرنا اُن کو ہرگز معلوم نہوگا - کتاب پڑہنا ذہن کی ورزش کرنا شریفانہ فعل اور مقصد ہی نہ کہ محض خیالات کی تحانہ پُری کرلیجاے - یونیورسٹی کا مقصد قوت فیصلہ کی تعلیم اور تربیت کرنا ہی جبتک کرکسی یونیورسٹی سے دنیاوی معاملات کا سمجھنا اور صحیح اندازہ کرکے صائب رائے قائم کرنیکی تعلیم حاصل نہ کیجاے تو جاننا چاہئے کہ یونیورسٹی کی تعلیم و تربیت سے صحیح اور پورا فائدہ نہیں حاصل کیا گیا ہی - جو شخص کہ نامکمل معلومات پر غوری اور ناقص رائے قائم کرلیتا ہی اسکی نسبت یقین کرلینا چاہئے کہ اُسپر یونیورسٹی کی تعلیم کا غلط اثر پڑا ہی - آپ حضرات اخبارات اور پریس کے زمانہ میں زندگی بسر کررہے ہیں اور جن حالات کی بنا پر کہ اخبارات میں مضامین لکھے جاتے ہیں وہ نہایت تکلیف دہ اور دقت طلب ہیں آپ حضرات کو صرف ایک لمحہ کے نوٹس پر ایسے مسائل پر مضامین لکھنا پڑتے ہیں جنکے متعلق آپکو نہایت ناکافی معلومات اور واقفیت ہوتی ہی اور اسپر مستزاد یہ ہی کہ ایسے مضامین اس لہجہ اور اس شان کیساتھ لکھنا ہوتے ہیں گویا آپکا علم نہایت وسیع اور آپکو کافی عبور اسپر حاصل ہی ورنہ کوئی شخص ان مضامین کا دیکھنا گوارہ نہ کریگا - آپ علمی تحقیقات کے طرز استدلال پر کوئی مضمون اخبار میں نہیں لکھہ سکتے ہیں کیونکہ آپکو یہ معلوم ہونیکی ضرورت ہی کہ علمی اور اخباری صداقت میں زمین و آسمان کا فرق ہی اور دونوں مختلف چیزیں ہیں - یونیورسٹی کا ایک یہ بھی مقصد ہی کہ صحیح فیصلہ کرنیکی عادت پیدا کردے جو کہ لازم ہو اور جب اخبارات کے مضامین کا مطالعہ کیا جائے تو ہر معاملہ کے متعلق حقیقت معلوم کرنیکا امتیاز طبیعت میں پیدا ہو جائے اور نہ صرف اخباروں کے مضامین کی حقیقت بلکہ ہر قسم کی کتابوں کے مضامین کا مطالعہ کرنے میں اُنکی صداقت اور

حقیقت حال کی شناخت کا مادہ پیدا ہو جائے - اخبارات اگرچہ کارآمد چیز ہیں لیکن
اسی کے ساتھ انکے طرز استدلال میں بڑے بڑے نقائص بھی موجود ہیں یونیورسٹی کا
یہ بھی مقصد ہی کہ اچھی اور بری کتابوں میں امتیاز کرنا آجائے چونکہ پریس کی ترقی سے
ناکارہ اور فضول کتب کی اشاعت اور ترقی بیحد ہو گئی ہی اور وہ سخت نقصان پہنچا رہی
ہیں - مسٹر رالٹس امریکن سفیر کا مقولہ ہی کہ "لوگ بہت زیادہ پڑھتے ہیں اور زیادہ تر غلط
اور بیکار اور بے مصرف باتیں پڑھتے ہیں اور یہ بات زمانہ حال میں بڑی دقتیں پیدا کرنیوالی
اور بڑی مصیبتیں لانیوالی ہی" ایک طالب علم کا یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ وہ کم پڑھو اور زیادہ
سوچو اور غور کرو -

یونیورسٹی کا ایک مقصد یہ بھی ہونا چاہیئے اور طلبا آپس میں دوستی پیدا کریں اور
اس دوستی کو نباہتے رہیں جس شخص نے کہ یونیورسٹی کی تعلیم سے فائدہ حاصل کیا ہی
اسکی شناخت یہ ہی کہ

(۱) کالج چھوڑنے کے بعد وہ علمی معاملات میں دلچسپی لیتا ہی یا نہیں ؟

(۲) اخبار کے مضامین کو وہ بالکل برحق سمجھتا ہی یا نہیں ؟ اگر وہ اخباری مضامین
کو قطعی سچ جانتا ہی تو اسکی یونیورسٹی اسکو تعلیم دینے میں ناکام رہی -

(۳) آیا وہ کتاب کو رٹ کر یاد کرتا ہی - اگر اسکی یہ عادت ہی تو اسکی حالت نہایت
افسوسناک ہی اور اسکی تعلیم قطعی بے سود ثابت ہوئی اگر ۹۰ فیصدی کسی کتاب کا
حصہ اس وجہ سے بھول جائے کہ وہ بیکار اور بے مصرف تھا تو ضرور اسکی تعلیم بیکار
ہوئی -

(۴) آیا اسنے اپنی جسمانی تندرستی میں ترقی کی ہی ؟ اگر رات کو دیر تک وہ ضرورت سے
زیادہ کام کرتا رہتا ہی اور اسکو اعصابی اور ہاضمہ کے متعلق شکایتیں محسوس ہوتی ہیں تو
اسکا زمانہ تعلیم یونیورسٹی قطعی بے سود ثابت ہوا -

(۵) آیا اُسکی رائے ہر معاملہ میں افراط تفریط پسند واقع ہوئی ہے؟
اگر ہوئی ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اُسنے علمی صداقتیں معلوم کرنیکا طریقہ نہیں سیکھا ہے اور صداقت کا وہ متلاشی نہیں ہے اس آزمایش سے معلوم ہو جائیگا کہ وہ زندگی کو فضول اور بیکار شئے تصور کرتا ہے۔ اگر کسی شخص نے اس خیال سے یونیورسٹی کو چھوڑ دیا کہ کام کرنے سے کالج میں تین برس لگانا فضول ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یونیورسٹی کی تعلیم کا ذرہ بھر بھی اُس پر اثر نہیں پڑا دوران تعلیم یونیورسٹی آپ کو بہت بڑے موقعے حاصل ہیں کہ اپنے طبائع اور قوائے دماغی کو ترقی دیں۔ ان طریقوں سے آپ اُن کا استعمال کرینگے اور یونیورسٹی کی تعلیم سے جس طور پر آپ فائدہ اٹھائینگے اُسپر آپ کی آئندہ زندگی کا انحصار ہے اور اسی کے حصول پر آپ کا خدام ہند ہونا منحصر ہے خواہ آپ اپنے ملک کے لیے خادم بنجائیے یا بارگراں ثابت ہو کر اپنے کو دکھائیے۔

مترجمہ
(شان الٰہی)

جلسہ تقسیم انعامات

مدرسہ صبیات مرحوم مبیر منشی محمد ابراہیم صاحب کا ایک عالیشان جلسہ ۱۸۔ ماہ جمادی الاول کو زیر صدارت خاتون قاضی کبیر الدین صاحب بیرسٹرایٹ لا منعقد ہوا تھا جس میں اول مدرسہ مذکور کی رپورٹ پڑھی گئی پھر لڑکیوں نے خوش الحانی سے چند عمدہ عمدہ حقانی غزلیں اور اچھی اچھی نصیحتانہ نظمیں وغیرہ پڑھکر سنائیں بعدازاں صدر صاحبہ موصوفہ نے کتابیں تقسیم کیں اور ایک پُر اثر تقریر بیان فرمائی جس سے خواتین حاضرین پر ایک گہرا اثر پیدا ہوا اسکے بعد خاتون محمد حسن صاحب متقبہ نے صدر صاحبہ

کا شکریہ ادا کیا اور اُنکو پھولونکا ہار پہنایا اور گلدستہ پیش کیا۔ آخرش تقسیم پھول پان وغیرہ کے بعد کارروائی ختم ہوئی اور جلسہ برخاست ہوا۔

عاجز معلّمہ

خدیجہ بی - از بمبئی

رپورٹ

جناب صدر صاحبہ وخواتین حاضرین۔

بعد حمد خدا ئے انام و نعت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام واضح ہو کہ اس مدرسہ صبیات مرحوم میر منشی محمد ابراہیم صاحب تقبہ کے سالانہ امتحان میں کل ۳۱ لڑکیاں امتحان میں بیٹھیں جن میں سے ۲۹ لڑکیاں کامیاب ہوئیں ۹ - درجہ اول میں کامیاب ہوئیں اور ۲۰ درجہ دوم میں اور صرف ۲ ناکامیاب آپ اس سے بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ نتیجہ بہت مسرت انگیز ہے مگر افسوس سے عرض ہے کہ لڑکیوں کی مشق حساب والی - دستکاری وغیرہ کی طرف بہت کم توجہ ہے اور نہ انکے والدین اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس مدرسہ میں ایک ہندوستانی استانی لڑکیونکو مشق - حساب وغیرہ سکھلانے کو مقرر کی گئی تھی - اسیطرح دستکاری سکھلانے کو ایک پارسی لیڈی رکھی گئی تھی مگر لڑکیوں کی بے توجہی اور انکے والدین کی بے پروائی کے سبب اُن دونوں کو موقوف کیا گیا - کیا اب تک آپ اس بات کو پسند کرینگی کہ آپکی لڑکیاں تحریر وحساب دانی سے معرا رہیں اور ضروری خط وکتابت میں دوسرے کی محتاج رہیں اور کسی چیز کی تعداد کی یادداشت کے واسطے کوئلہ کی لکیروں سے گھر کی دیواریں سیاہ کر ڈالیں اور بجائے دستخط کے نشان چوڑی کیا کریں - میں امید رکھتی ہوں کہ موجودہ زمانہ کی رفتار و ترقی دیکھکر

اگر زیادہ نہیں تو آپ اپنی لڑکیوں کو ضروری لکھنا پڑھنا اور حساب و کتاب وغیرہ ضرور سیکھنے کی تاکید کرینگی فقط مورخہ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ روز چہارشنبہ۔ عاجزہ معلمہ

(خدیجہ بی)

صدر کی تقریر

معزز خواتین!

سب سے پہلے مجھپر اپنی معزز بہن بیگم صاحبہ محمد حسن متقیہ صاحبہ کا شکریہ ادا کرنا فرض ہی کہ انہوں نے مجھے صدر جلسہ بنا کر میری عزت افزائی کی اُن بچیوں نے جو کچھ سنایا اُسکو سُنکر مجھے بہت خوشی ہوئی اور یہ دیکھکر مجھے کمال مسرت ہوتی ہی کہ مسلمان خواتین میں کچھہ کچھہ تعلیمی مذاق پیدا ہوتا جارہا ہی گو وہ اتنا نہیں ہی کہ جتنی زمانہ کے لحاظ سے ہمکو ضرورت ہی۔ بہنو علم کے بہت فوائد ہیں علم ایک ایسی بے بہا اور انمول چیز ہی جس کی برابر دنیا میں کوئی شئے نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہی۔ ؎

عزیزو علم کا سکہ جہاں میں آج جاری ہی

یہ زیور سب کے بہتر یہ جوڑا سب سے بھاری ہی

تعلیم نسوان بہت ضروری ہی میں نے بعض بہنوں کو یہ کہتے سنا ہی کہ عورتوں کو تعلیم یافتہ ہوکر کسی آفس میں ملازمت کرنا تو ہے نہیں پھر عورتوں کو تعلیم کی کیا ضرورت۔ بعض اُٹھیہ اور ایسے ہی بے بنیاد باتیں کہتے ہیں اور اپنی لڑکیوں کو علم جیسی بے بہا نعمت سے محروم رکھتے ہیں کسقدر افسوس کی بات ہی کہ ہم اچھی چیز کو بُرا کہیں۔ خدا اور رسول کا خود حکم ہی کہ مرد اور عورت دونوں حصول علم میں کوشش کریں کہ خدا شناسی کا ایک زبردست آلہ ہی

ع کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

اور اس سے بھی صاف ظاہر ہی۔ طلب العلم فریضۃ علےٰ کُل مسلمٍ و المسلمات۔ یعنی

علم کا حاصل کرنا فرض ہے ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر پھر کیوں ہم اس کی پیروی نہ کریں
یہ کسقدر افسوس اور رنج کی بات ہے کہ ہم اسلام کے پیرو اور بانی اسلام رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے نام لیوا ہو کر علم سے نفرت کریں پڑھنے اور لکھنے کو برا جانیں اور روز بروز جہالت
کے قعر ذلت میں گرتے چلے جائیں۔ کیا آپ واقف نہیں کہ رسول مقبول کی ازواج مطہرات
زیور علم سے آراستہ تھیں۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے کتنی حدیثیں مروی ہیں
اگر رسول مقبول کی عالی مرتبہ بیبیاں بے علم ہوتیں تو آج وہ بیشمار حدیثیں جو خاص عورتوں کے
متعلق ہیں ہم تک کیسے پہنچتیں۔ بعض وقت میں یہ افسوس سے دیکھتی ہوں کہ بعض بہنیں
یہ چاہتی ہیں کہ ان کی لڑکیاں صرف پڑھیں اور لکھنا نہ سیکھیں کیسی حیرت اور کسقدر تاسف
کا مقام ہے لکھنا پڑھنا لازم و ملزوم ہے پڑھنا سکھا کر لکھنا سیکھنے سے روکنا کیا معنی لکھنا سیکھنے
سے پڑھنے کی تکمیل ہوتی ہے علم کے حاصل کرنے کے یہ معنی نہیں کہ پڑھنا آوے اور لکھنے
سے ناواقف رہیں۔ بعض وقت اسکے لیے کچھ بے بنیاد تاویلیں پیش کی جاتی ہیں اور لکھنا
سیکھنے کی کچھ فرضی خرابیاں بیان کیجاتی ہیں لیکن سچائی کی روشنی آفتاب کی چمک کے سامنے
یہ سارے اوہام چشم زدن میں نیست و نابود ہو جاتے ہیں میں اس معاملہ پر زیادہ بحث کرنا مناسب
نہیں سمجھتی۔ آپ خود غور کریں اور دیکھیں کہ آپ کا ضمیر آپکو کس نتیجہ پر پہنچاتا ہے اسیطرح حساب
کا سیکھنا بھی لڑکیوں کے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ امور خانہ داری میں اسکی روزمرہ
ضرورت پڑتی ہے ایک اور بات جس میں آپ خواتین کی توجہ مبذول کرانا چاہتی ہوں
یہ ہے کہ ہم لوگوں میں مدت سے یہ عادت پڑ گئی ہے کہ بچوں کو قرآن شریف بے معنی پڑھا دیتے
ہیں۔ بہنو۔ عزیز بہنوں۔ ہمارے رسول مقبول حضور سرور کائنات کا ہرگز یہ منشا
نہیں تھا کہ مسلمانوں کے بچے قرآن شریف کا ایک حرف بھی بے سمجھیں پڑھیں لیکن
افسوس آج ہماری یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے مرد اور عورتیں مطلق قران پاک کے معنی
نہیں سمجھتے وہ اسکے بیسیوں دور ختم کر لیتے ہیں مگر انہیں خبر نہیں ہوتی کہ کیسے کیسے بہا

جواہرات اور کیسے کیسے انمول موتی اُنکے دامنوں کو چھوتے ہوئے نکل گئے مگر انہوں نے انکو حاصل کرنیکی مطلق پروانہ کی لیکن بامعنی قرآن شریف اور بامعنی نماز پڑہنا کیسے ممکن ہی جب تک کہ ہمکو ہماری مادری زبان اُردو نہ آئیے۔ مینے سنا ہی کہ بعض بہنیں صرف اسیکو کافی سمجھتی ہین کہ انکی لڑکیاں قرآن مجید بے معنی کے پڑہ لیں اور بس اردو کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان بہنوں کو خوب سمجھہ لینا چاہئے کہ بے معنی قرآن شریف پڑہنے سے لڑکیونکو یہ بھی نہ معلوم ہوگا کہ اسلام کس چیز کا نام ہی ایسلیے اگر ذرا بھی قومی درد انکے دلوں میں ہی تو انہیں اپنا فرض سمجھنا چاہئے کہ انکے بچونکو اپنی قومی اور مادری زبان اردو میں اچھی طرح لکھنا پڑہنا آجائے تاکہ وہ بامعنی قران شریف اور نماز پڑہ سکیں۔ خواتین مینے آپ کی بہت سمع خراشی کی اگر میری تقریر میں کوئی بات آپکے ناگوار طبع ہوئی ہو تو مجھے امید ہی کہ آپ معاف فرمائنگی مین آپکو یقین دلاتی ہوں کہ ایک سچے اسلامی درد نے جو فطرتاً ہر مسلمان عورت کے دل میں ہونا چاہیے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے خیالات بلا کم و کاست آپ پر ظاہر کردوں۔ قابل تحسین و آفرین میں ہمدرد قوم جناب محمد حسن صاحب مقبہ جن کی عالی ہمتی اور ایثار سے یہ مدرسہ قائم اور لڑکیونکو فیض پہنچا رہا ہی لیکن جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ کوئی قومی کام کسی ایک شخص کی کوششوں سے بار آور نہیں ہوسکتا جب تک کہ قوم کی قوم اسکا ہاتھہ نہ بٹائے ایسلیے میں امید کرتی ہوں کہ یہ چھوٹا سا مدرسہ جس کے تقسیم انعامات کے جلسہ میں شریک ہونیکا مجھے آج افتخار حاصل ہی کسی دن صاحب موصوف اور آپ خواتین کی مشترکہ کوششوں سے ایک اعلیٰ پیمانہ پر پہنچکر ہماری قوم کے لیے باعث رحمت و برکت ثابت ہوگا۔

اب میں اپنی تقریر کو اس دعا پر ختم کرتی ہوں کہ پروردگار ہم سب مسلمان عورتوں کو جو اُسکے حبیب پاک کے نام لیوا ہیں علم و کمال حاصل کرنیکی توفیق عطا فرمائے اور اسی لافانی ذات کی مدد سے ہمارا بیڑا پار ہو۔ آمین ثم آمین

ایک ماسٹر صاحب کی سبق آموز داستان

(بسلسلہ گذشتہ)

اسکے بعد میرے چند دوستوں نے جو مطلب کے دوست تھے اگر مجھکو سمجھایا اور کہا کہ بھلا
کاہی دھرا ہی آخر ایک دن سب کو مرنا ہی کس کس کے ماں باپ زندہ ہیں۔ اٹھو کب تک
تم اپنی جان ہلکان کرو گے۔ پھر میں سارا غم بھول گیا اور ادہر اودہر گھومنے لگا۔ اب میدان
صاف تھا نہ باپ کا ڈر نہ ماں کا کھٹکا۔ پانسو روپیہ سالانہ کی آمدنی جائداد سے تھی اور
پختہ عمدہ مکان رہنے کو اگر میرے دن سیدھے ہوتے تو میں اچھی طرح اپنی زندگی بسر کرتا
ادہر کم عمری ادہر جہالت ادہر بد صحبتیں ادہر قرض لینے کا چسکا۔ ایسی حالت میں بھلا کیونکر
بچ سکتا تھا۔ اب تو خوب آزادی سے صحبتیں گرم ہونے لگیں اور خوب دل کھول کر خرچ
کرنے لگا لالہ جی کی دکان کھلی ہوئی تھی پچاس روپیہ منگوائے اور دو سو کا رقعہ لکھدیا
اب نہ مجھے وہ باپ یاد تھا جسنے مجھکو اس ناز ونعم سے پالا تھا اور اپنی تمام راحتوں کو مجھپر
قربان کردیا تھا نہ اُس شفیق ماں کا دہیان تھا جسنے میری پرورش اور راحت میں اپنا
خون اور پسینہ ایک کردیا تھا یہ کیوں ہوا اسواسطے کہ ماں باپ نے اپنے لاڈلے بیٹے
کو تعلیم نہیں دلائی تھی اور بیٹے کو ماں باپ کی نازبرداریوں نے کسی کرم کا نہیں رکھا تھا۔
خیر۔ ماں باپ تو قبر میں پاؤں پھیلائے ہوئے راحت کی نیند سو رہے ہیں مگر اُن کا بیٹا
لہو ولعب میں مصروف ہی اور خیالی منصوبوں میں دنیا اور مافیہا سے بے خبر۔ پیارے بیٹے
کو ماں باپنے کیا تعلیم دلائی تھی اب یہ افسانہ ہی اور افسانہ بھی کیسا خون رلانے والا۔
باپ کی آرزو تھی کہ میرے بعد میرا بیٹا میرا قائم مقام ہوکر میرے نام کو روشن کریگا۔
ماں کی تمنا تھی کہ میرے بعد میرا بیٹا میری فاتحہ تو ضرور ہی پڑھ لیا کریگا مگر سپوت بیٹا اس
فکر میں ہی کہ اگر موقع ملے تو ماں باپ کی ہڈیاں تک بیچ لے اور قبر کا نشان تک باقی نہ چھوڑے

اللہ اللہ کیا زمانہ کا رنگ ہے ماں باپ کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور بیٹے کی بداعمالیوں نے
بدنامی کا داغ مرے ہوئے ماں باپ کی پیشانیوں پر لگا دیا القصہ جب میرے چچا نے یہ حال
دیکھا میرا بیاہ کر دیا اب میں کچھہ سنبھل گیا مگر قرض کا سود جائداد کو ہضم کر رہا تھا تین چار برس میں سب
قصہ پاک ہو گیا نہ گھر رہا اور نہ جائداد سب پر لالہ جی قابض ہو گئے اور مجھے نکال باہر کیا میں
اور بیوی چچا کے پاس رہنے لگے۔ مگر وہاں نہ نبہی۔ وہ دو دن کے فاقے ہونے لگے۔
اتنے میں ایک وکیل صاحب کے یہاں نوکری کر لی اور وہ مجھے یہاں لے آئے اور بیوی بچوں کو
میں نے چچا کے گھر چھوڑا اب وکیل صاحب نے میرے ساتھہ یہ سلوک کیا ہے کہ میں اس حال سے
آپکے سامنے کھڑا ہوں"

ماسٹر صاحب۔ میر صاحب! میرے یہاں کی نوکری ذرا کڑی ہے شاید آپ سے نہو سکے
اور آپ بھاگ نکلیں کیونکہ آپ ناز و نعم کے پلے ہوئے ہیں اور میرے یہاں محنت کا
کام ہے اور جو میں کہونگا آپ کو کرنا ہوگا اُس میں قیل و قال کی گنجائش نہو گی اور یہ بھی تبلاؤ مجھے
کہ آپ تنخواہ کیا لینگے؟

میر صاحب۔ جناب والا! محنت سے تو میں گبھراتا نہیں ہوں جو کام آپ تبلا دینگے اُسکو
کرونگا۔ روٹی پکانے کی بابتہ تو میں عرض کر چکا ہوں کہ باورچی نہیں ہوں جیسا کچھہ جانتا ہوں
پکا کر پیش کرونگا انشاء اللہ تعالیٰ مجھسے کبھی بیوفائی نہو گی۔ رہا تنخواہ کا معاملہ اسکو
میں جناب کی رائے پر چھوڑتا ہوں صرف میں تو اتنا چاہتا ہوں کہ میری بیوی اور
چھوٹے بچہ کا گذارہ ہو جائے میں تو اپنا پیٹ یہیں پال لونگا۔

ماسٹر صاحب۔ اچھا بالفعل تو ہم پانچ روپیہ علاوہ کھانے کے دینگے۔

میر صاحب۔ مجھے منظور ہے میں حاضر ہوں۔

ماسٹر صاحب۔ کہیں کچھہ اسباب ہو تو لے آؤ۔ آج سے نوکر ہو۔ آج تو کچھہ کام نہیں ہے
کل اتوار ہے اور ہمیں چھٹی ہے ہم سب کام سمجھا دینگے ہم بار بار نوکر کو نہیں سمجھاتے ہیں ایک دفعہ

خوب اچھی طرح بتا دیتے ہیں۔

میر صاحب۔ نہیں حضور۔ میرے پاس تو صرف یہی ایک پٹی پورانی مرزئی ہے اور یہی ایک لنگی الحمداللہ خیر صلا

ماسٹر صاحب۔ تو اچھا آپ پہلے غسل کرلیں اور میں آپکے لیے کپڑے لاتا ہوں بہتر یہ ہے کہ غسل سے پہلے آپ اصلاح بنوالیں یہ لیجیے دو روپیہ۔ وہ باہر حجام کی دُکان ہے۔

میر صاحب اصلاح بنوانے گئے اور اتنے میں ماسٹر صاحب ایک نیا قمیص ایک پاجامہ اور ایک کوٹ اپنے ٹرنک میں سے نکال لائے۔ میر صاحب نے غسل کیا اور ماسٹر صاحب کے عطیہ کپڑے پہنے اور آدمی بنے اتنے میں ماسٹر صاحب آئے اور کہا کہ میر صاحب نماز بھی پڑھا کرتے ہو یا نہیں؟ سید لوگ نماز کم پڑھتے ہیں اب تو میر صاحب ذرا شرما گئے اور آنکھیں نیچی کرلیں۔ کیونکہ آپ کبھی کبھی عید بقرعید کو نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ کہا کہ حضور نماز پڑھتا ہوں اور وضو کرکے نماز کو کھڑے ہو گئے اور اسوقت نہایت خشوع اور خضوع سے نماز ادا کی اور خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا۔ واقعی ماسٹر صاحب تو میر صاحب کے لیے خضر طریقت بنگئے۔

شام ہوئی اور ماسٹر صاحب کا کھانا آگیا آپنے میر صاحب سے کہا کہ ہاتھ دھو لیجیے اور میرے ساتھ کھانا کھا لیجیے۔ میر صاحب حیران تھے کہ یہ کیا بھید ہے۔ وکیل صاحب کے یہاں تو نوکروں کو بن بگھاری دال ملتی اور ساتھ کھانا تو کجا کھانے کے وقت وہ اپنی میز کے پاس کسی کے آنیکے بھی روادار نہیں تھے۔

میر صاحب نے دو تین دفعہ عذر کیا کہ آپ نوش فرمائیں میں بعد کو کھا لونگا مگر ماسٹر صاحب نے ایک نہ مانی اور میر صاحب کو اپنے ساتھ کھانے پر بٹھا لیا۔ آقا اور نوکر نے ایک ساتھ خوب مزے سے کھانا کھایا اسوقت یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون آقا ہے اور کون نوکر؟

یہی اسلامی شان - یہی اخلاق محمدی کی تعلیم اسلام بھی وہ سچا مذہب ہے جس میں آقا اور نوکر ایک دسترخوان پر بیٹھکر کھانا کہاتے ہیں اور کوئی امتیازی حالت باقی نہیں رہتی - اسی کا نام اخوت ہی -

بعد الفراغ طعام ماسٹر صاحب کمرے میں چلے گئے اور میر صاحب کمرے کے برآمدے میں لیٹ گئے - ماسٹر صاحب کمرے میں جاتے ہوے اتنا کہہ گئے کہ میر صاحب ساڑہے چار بجے صبح کو اٹھہ بیٹھیے گا - رات کو میر صاحب خوب اچھی طرح سوئے صبح کو ساڑہے چار بجے ماسٹر صاحب نے میر صاحب کو آواز دی کہ میر صاحب اٹھو اور حوائج ضروری سے فارغ ہو کر پہلے نماز پڑہ لو ماسٹر صاحب بہی اُٹھے اور نماز سے فراغت پا کر میر صاحب کو بلایا کہ آپ کام کے لیے تیار ہو جایئے - میر صاحب مستعدی سے آکر کھڑے ہو گئے کہ فرمایئے کیا کام ہی -

ماسٹر صاحب - اچھا سب سے پہلے تو میرا بستر تہ کر کے اُس کھونٹی پر جو سامنے کمرے کے پہلو میں ہی رکھہ دیجیے -

میر صاحب نے سٹر پٹر بستر کو تہ کیا اور بستر بند سے باندہ کر لے چلے مگر ماسٹر صاحب نے کہا کہ نہیں میر صاحب میں آپ کو بستر تہ کرنا اور باندہنا بتاتا ہوں دیکھیے - ماسٹر صاحب نے بستر نہایت صفائی اور خوبصورتی سے تہ کیا اور بستر بند سے باندہکر میر صاحب سے کہا کہ اب اسکو لیجایئے اور کھونٹی پر رکھہ آیئے - اور پہر کہا کہ میر صاحب کمرے کو اور برآمدہ کو صاف کر دو - کمرے میں، وہ دیکھو کونے میں برش رکھا ہوا ہی اُس سے صفائی ہو گی اور برآمدہ میں جہاڑو دیجا دیگی ماسٹر صاحب نے خود کھڑے ہو کر صفائی کرا دی پہر کمرے کے فرنیچر کو صاف کرایا اور ہر چیز کو جہاں اُسکے رکھنے کی جگہ تہی رکہوایا اور خوب اچھی طرح سمجھا دیا کہ کونسی چیز کہاں رکہی جاتی ہی کمرے کا سجانا بہی ایک بڑا ہنر ہی مگر بدنصیبی سے ہم اپنے بچوں کو بہت کم مکان کا سجانا اور ہر چیز کا قاعدہ سے رکھنا سکہاتے ہیں اب تو ہمارے

کالج کے اسٹوڈینٹ اپنے کمرونکو نہایت سلیقہ اور خوش اسلوبی سے سجاتے ہیں جاپان
میں خاص طور سے لڑکونکو اس کی تعلیم دیجاتی ہی۔ ہر شخص جاپان میں اپنے گھرونکو نہایت
عمدہ طریقہ سے آراستہ رکھتا ہی اس ملک کی طرح نہیں کہ اُگالدان کی جگہ گلاس رکھا ہوا ہے
بڑے بڑے اُمرا کے گھرونکو دیکھیے ہر چیز تتر بتر پڑی ہوئی ہی کہیں پلنگ ہی تو کہیں کرسی اصل
یہ ہی کہ اول عورتیں جاہل جنہیں اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہیں بھلا وہ گھر کو کیا صاف اور آراستہ
رکھیں گی۔ دوسرے بچے شریر اور ضدی مکان یا کمرے کو آراستہ نہیں رہنے دینگے۔
چوہوں اور گھونسوں کی طرح کھود کر پھینکدینگے اور کبھی ایک حالت پر ایک چیز کو نہیں رہنے
دینگے کمرے کی صفائی اور آراستگی کے بعد ماسٹر صاحب میر صاحب کو اپنے گودام میں
لائے جہاں پر کل جنس کھانے پینے کی رکھی تھی اور برتنوں کی الماری تھی جس میں تمام چیزیں
نہایت ترتیب کیساتھ ٹین کے ڈبوں میں لکڑی کے بکسوں میں پتیلوں میں اور کنسٹروں میں
رکھی ہوئی تھی۔ آٹا، چاول، گھی، شکر، دال، پیاز، لہسن، ہلدی، مرچ، نمک، دھنیا
گرم مصالحہ۔ غرض سب سامان نہایت افراط سے رکھا ہوا تھا۔ ماسٹر صاحب دو تین
مہینہ کے واسطے ایک دم سب چیزیں خرید لیتے ہیں۔ سوا سبز ترکاری یا دودھ
وغیرہ کے اور کوئی ہٹکل طور سے نہیں منگواتے۔ یہ قاعدہ نہایت عمدہ ہی اول تو اکھٹی
خریدنے سے بہا ؤ اچھا ملتا ہی دوم وقت پر سب چیزیں گھر میں موجود رہتی ہیں سوم چور نوکرونکو
جو دھیلے کی شے ایک پیسہ میں لا کر دیتے ہیں چوری کا موقع نہیں ملتا جن گھروں میں یہ انتظام
نہیں ہی اور نوکری کی معرفت یا ماماؤں کے ہاتھ روزانہ چیزیں خرید کیجاتی ہیں اُن گھرو
میں اول تو خیر و برکت نہیں دُگنا خرچ ہوتا ہی اور نوکرونکی چاندی ہوتی ہی دوم وقت پر کوئی
چیز موجود نہیں ہوتی جب کوئی مہمان وقت بے وقت آجاتا ہی تو ادہر اُدہر تانا بانا سا
تنا پڑتا ہی اور سخت پریشانی ہوتی ہی اور گھر کی ہوا خیزی ہوتی ہی۔
ایک دستور ماسٹر صاحب کا یہ بھی تھا کہ بڑے گودام سے ایک چھوٹی کوٹھری میں

پندرہ دن کے خرچ کے لیے ناپ تول کر سب چیزیں علحدہ رکھدیا کرتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو
کہ پندرہ دن میں حساب سے زیادہ چیز خرچ میں آئی یا کم اور اس کمی اور زیادتی کا کیا
سبب ہی اب اگر ماسٹر صاحب نے اس پندرہ روزہ میں کہیں دعوت کھائی ہو یا چار مہمان
آگئے ہیں تو اس کی زیادتی کو اُس غیر معمولی بچت سے پورا کردینگے۔ جب میر صاحب
کو گودام بھی دکھلا چکے تو برتنوں کی الماریاں کھولیں اور سب برتن گنوا دیئے ہر چھوٹے
بڑے برتن پر نمبر تھا اور ماسٹر صاحب کا نام کندہ تھا کچھ برتن چینی کے بھی تھے جن کے سٹوں
کی شمار تھی سب برتن صاف ستھرے الماریوں میں قرینہ سے رکھے ہوئے تھے اور جو برتن
روزمرہ کے استعمال میں تھے اُنکے لیے ایک چھوٹی الماری علحدہ تھی جس میں روزآنہ
تمام برتن بعد کھانے پینے کے رکھدیئے جاتے تھے۔ جب برتن بھی گنوا چکے تو کپڑوں
کے ٹرنک اور صندوق کھول کر ہر ایک کپڑا دکھلایا روزمرہ کے پہننے کے کپڑے علحدہ
تھے اور کہیں آنے جانے کے علحدہ۔ پشمینہ کے کپڑے انکو نہایت احتیاط سے شکنجہ میں دبایا
ہوا تھا۔ ہر کپڑے پر ماسٹر صاحب کا نام اور تیاری کی تاریخ یا تو کشیدہ تھی یا سیاہی سے
لکھی ہوئی تھی۔ کوئی کپڑا ردی یا پورانا نہیں تھا۔ ماسٹر صاحب سال دو سال بعد پورانے کپڑے
نیلام کردیا کرتے تھے۔ جب گھر بھر کی ادنیٰ و اعلیٰ چیز اور سامان میر صاحب کو دکھلادیا
اور ماسٹر صاحب نے اپنی نوٹ بک سے ہر چیز کا مقابلہ کرادیا تب میر صاحب سے کہا
کہ اچھا اب آپ اس نوٹ بک کی نقل کرلیں۔ اب آپ میری ان تمام چیزوں اور
اسباب کے ذمہ دار ہیں دھوبی کے جو کپڑے گئے ہوئے تھے اُس کی نوٹ بک بھی
میر صاحب کے سپرد کردیگئی۔ جہاں ان باتوں سے فارغ ہوگئے تو ماسٹر صاحب نے جیب سے
ایکروپیہ میر صاحب کے حوالہ کیا اور کہا دیکھیں تم کیسا سودا سلف کرتے ہو اس روپیہ کا یہ سودا
لے آیئے۔ آٹا چاول لکڑی گھی مصالحہ۔ ابھی گودام سے کوئی چیز نہ نکالو پھر دیکھا
جائیگا۔ ماسٹر صاحب کا یہ مطلب تھا کہ دیکھیں میر صاحب کیسا سودا لاتے ہیں اور ہاتھ

چالاک تو نہیں ہیں - میر صاحب سب چیزیں لے آئے صرف لکڑیاں باقی رہگئیں میر صاحب نے یہ خیال کیا کہ لکڑیاں اپنے مکان کے پاس والی ٹال سے پہر لے آؤنگا جب سودا لے آئے تو ماسٹر صاحب نے پوچھا کہ میر صاحب ہر چیز کا نرخ بتلاؤ کہ کس حساب سے لائے ہو اب تو میر صاحب گہبرائے کیونکہ اُنہوں نے نہ تو نرخ دریافت کیا تہا اور نہ وزن بولے کہ حضور مینے تو نرخ دریافت نہیں کیا ہے نہ مجہے یہ معلوم کہ کون چیز تول میں کتنی کتنی ہے مینے تو دام دیدیئے سمجھے اور چیز لے لی تھی - ماسٹر صاحب نے کہا کہ یہ ٹہیک نہیں ہے پہر جاؤ لے اور نرخ اور وزن پوچھ آئیے میں آپ کو ہر چیز کا نرخ بتلائے دیتا ہوں ذرا میری نوٹ بک تو میز پر سے لے آئیے اُس میں ہر شے کا نرخ لکہا ہوا موجود ہے - ماسٹر صاحب نے کل اسکول سے آتے ہوئے ہر شے کا نرخ دریافت کرلیا تہا ماسٹر صاحب کا معمول تہا کہ دوسرے تیسرے دن ان معمولی کہانے پینے کی چیزوں کا نرخ دریافت کرلیا کرتے تھے - گیہوں - نخود - جو - گہی دال - اسکا بہاؤ تو ضروری پوچھ لیا کرتے تھے - ماسٹر صاحب نے نرخ بتا دیا اور کہا کہ اگر یہ دکان دار جن سے تم یہ سودا لائے ہو اس نرخ پر نہ دیں تو فلاں فلاں دوکان سے یہ چیزیں خرید لینا - یہ لوگ ایماندار ہیں ہر کس و ناکس کو ٹہیک سودا دیتے ہیں - اب کی مرتبہ میر صاحب نہایت ہوشیاری سے وزن اور بہاؤ پوچھکر سودا لے آئے - ماسٹر صاحب نے ہر چیز کو تولا اور خوب اچھی طرح جانچ لیا اس لوٹ پہیر میں ایک آنہ کا فائدہ ہوا اور پہر میر صاحب ماسٹر صاحب کی بتلائی ہوئی ٹال سے لکڑیاں بھی لے آئے - اودہر تو ماسٹر صاحب کو معلوم ہوگیا کہ میر صاحب چالاک نہیں ہیں اور انکو کسی بات سے عار نہیں لکڑیاں تک اپنے سر پر لے آئے ہیں اودہر میر صاحب نے جان لیا کہ اُنکے آقا نہایت بیدار شخص ہیں ایک روپیہ کے سودے کی بہی کتنی چہان بین کرتے ہیں ان تمام قصوں میں دس بجنے کے قریب ہوگئے ماسٹر صاحب نے حکم دیا کہ میر صاحب اچھا اسوقت تو صرف مسور کی دال اور چاول پکا لو میر صاحب نے پہرتی سے چولہے میں آگ جلائی اور دال کو چڑہا دیا - ماسٹر صاحب نے

کہا کہ میر صاحب ساتھ کے ساتھ اولھے پر چاول کیوں نہ چڑہا دیئے تاکہ دونوں چیزیں ایک دم
پک جاتیں۔ میر صاحب نے دونوں چیزیں ساتھ چڑہا دیں جبکہ آگ خوب جلنے لگی اور کوئلے ہونے
لگے۔ ماسٹر صاحب نے کہا کہ ایک مٹی کی ہانڈی میں کوئلے بجہاتے جائیے۔ ان کوئلوں سے
ہمیں ایک کام لینا ہی۔ جو کوئلہ ہوتا تہا میر صاحب اُسکو ہنڈیا میں بجہا لیتے تھے اب چاول
نیم پخت ہو گئے اور پیچ اتاری گئی اسکو بہی ماسٹر صاحب نے احتیاط سے رکہوا دیا کہ اسکو
نہ پہینکنا یہ بہی کام دیگی۔ تہوڑی دیر میں دال چاول پک گئے۔ دال بگہار دی گئی۔ ماسٹر صاحب
نے کہا کہ میر صاحب ہاتہ مُنہ دہو آئیے اور کہانے کی میز لگائیے وہ کہونٹی پر کہانے کی میز
کی چادر رکہی ہوئی ہی ماسٹر صاحب نے آپ کہڑے ہو کر کہانے کی میز کو سجانا بتایا اور گو دام سے
کچہہ چینی اور مربا وغیرہ منگوا کر لگایا گیا ایک ڈہنگے میں نہایت صفائی سے دال اور ایک
میں چاول اُتارے گئے اور خالی پلیٹیں پیشتر سے میز پر لگا دی گئی تہیں۔ اب آقا اور نوکر
میز پر بیٹہے اور اپنی اپنی پلیٹوں میں دال اور چاول نکالکر کہانے لگے۔ میز پر دو نو اس
طرح ڈٹے ہوئے تھے گویا دو جنٹلمین نہایت تپاک سے بریکفاسٹ کہا رہے ہیں پانی کی
صراحی میز پر تہی اور دو آبگینے کے گلاس رکہے ہوئے تھے سلیقہ بہی عجیب چیز ہی سوکہی
روٹی ہو۔ دال ہو کیسا ہی ادنی کہانا کیوں نہو اُسکو اس سلیقہ او صفائی کے ساتہ
کہایا جائے تو طبیعت نہایت خوش ہوتی ہی مگر ابہی یہ رواج کم ہوا ہی مگر کچہہ کچہہ خیال
پیدا ہو چلا ہی۔ خدا کی پناہ اگر کوئی اُن دسترخوانوں کو دیکہے جن میں عام طور سے روٹیاں
رکہی جاتی ہیں یا اُن میلے برتنوں کو جن میں کہانا نکالا جاتا ہی یا اُن گلاسوں اور کٹوروں کو
جن میں پانی پیا جاتا ہی تو بس کچہہ نہ پوچہئے توبہ ہی بہلی۔ امیر و غریب جانتے ہی نہیں کہ
صفائی کیا چیز ہی اُنہیں مس ہی نہیں کہ کہانے پینے کا کیا طریقہ ہی اور اس میں صفائی کی
کہانتک ضرورت ہی باورچیخانوں کی حالت تو ناگفتہ بہ ہوتی ہی۔ کیچڑ۔ پانی۔ مکہیوں
کا ہجوم۔ باورچیخانوں کی میلی صافیاں اور گہنونے برتن۔ غرض عجیب حالت ہوتی ہی۔

جسکے تصور سے امتلا پیدا ہوتا ہی اور جہاں پر بیٹھکر کہانا کہاتے ہیں وہاں بھی صفائی کا کچھ دہیان نہیں ہوتا ہی
اکثر تہ نثار کو بھی یہ واقعہ پیش آیا کہ بندیل کھنڈ میں اُسکے ایک دوست نے اُس کی دعوت کی دو پہر کا کہانا تہا چند
اور احباب بھی مدعو تھے۔ باہر کے کمرے سے ہم لوگ مکان کے اندر کہانا کہانے کو گئے اور میز کے ارد گرد
جا بیٹھے ابھی کہانا میز پر نہیں آیا تہا کہ مکان کو جو دیکھا تو معاذ اللہ۔ نہایت درجہ میلا چاروں طرف دیواروں
اور دروں پر پان کی پیک سے گلکاری ہو رہی ہی چہت پر اور کونوں میں مکڑی کے جالے پڑے ہوئے
ہیں طاقوں میں چراغ اور بتی کی لَو نے سیاہی پہیر دی ہی صحن بھی غایت درجہ گندہ۔ سامنے گڑونچی پر جو
گہڑے رکھے ہوئے ہیں وہ بالکل پرانے اور میلے ہیں اُنپر کائی جمی ہوئی ہی۔ کمرے کے دروازوں
میں چقیں نہ ہونے سے در و دیوار پر مکہیوں کا ہجوم چہت میں چند ابابیلوں نے گہونسلے بنائے ہیں
جس چیز کو دیکہو قابل نفرت اور گہنونی۔ میز پر جو چادر بچہائی گئی ہی نہیں معلوم کتنی مرتبہ وہ استعمال میں آچکی ہی۔ یہ
حالت دیکہکر نثار ہی کہ پریشان خاطر۔ اب کہانا کون کہائیگا اُسکو تو روکہی سوکہی روٹی چاہئے مگر صاف ستہری
جگہ۔ اب اُسکا دل گہبرانے لگا شرم و لحاظ اجازت نہیں دیتی اتنے مجمع میں کچھ بات مُنہ سے نکالے۔
بقول شخصے "مہمان را بافضولی چہ کار" اب نثار دنگ اور ششدر ہی اور میز پر کہانا آنیوالا ہی آخر نثار
سے نہ بیٹہا گیا اور پیشاب کا بہانہ کر کے باہر چلا آیا اور باہر آکر کمرے میں دم بخود بیٹہہ گیا۔ جب ذرا توقف
ہوا تو میزبان گہبرائے ہوئے باہر نکل آئے اور کہا کہ حضرت آئیے کہانا میز پر آنیکو ہے اور آپ یہاں
توقف کر رہے ہیں اب تو نثار سے نہ رہا گیا اور اُسنے آنکہیں نیچی کر لیں اور صاف عرض کر دیا کہ اگر نثار
کو کہانا کہلانا منظور ہی تو اس کمرہ میں میز لگوا دیجئے۔" عاقلاں را اشارہ کافی ست، میزبان کچھ سمجھ گئے
اور نوکروں کو حکم دیدیا کہ باہر کے کمرہ میں میز لگا دو۔ دیگر مہمان حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہی۔ نوکروں
نے حکم پاتے ہی باہر کے کمرے میں میز لگا دی۔ ہمنے پہر خوب مزے سے کہانا کہایا۔ بعد کہانا کہانے
کے نثار نے اس پوائنٹ پر تقریر کی مگر بالکل ابہام میں کیونکہ ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں"۔

تاہم میزبان کے دل پر اسکا بہت زیادہ اثر ہوا کھانے کے بعد اسپیچ دینا یہ فرض تو نثار کا ذمہ ہو رہتے دم تک یہ کیونکر جانیوالا ہی خداوند اسکی حالت پر رحم کرے۔ اسکے بعد ہم سب اپنے گھروں کو چلدیئے تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ اُن ہی دوست کی طرف سے دوسرے روز کے بریک فاسٹ کا رقعہ آگیا۔ ہم حیران تھے کہ اتنی جلد کیوں مدعو ہوئے ہیں۔

ادہر ہمارے دوست نے مستری کو بلا کر حکم دیا کہ دیکھو کل دس بجے سے پیشتر اندر کا مکان ایسا کردو کہ باہر کا کمرہ اُسکے آگے شرما جائے۔ ابھی جاؤ اور بہت سی مدد لگا کر ایک سرے سے تمام کمرے کھرچ کر سفیدی کردو کوئی جگہ باقی نہ رہجائے کہیں کوئی داغ دہبہ نظر نہ آئے اور فرش و فروش اور فرنیچر سے ایسا آراستہ کردو کہ کوئی کسر باقی نہ رہے۔ مستری نے حکم پاتے ہی کام شروع کردیا اور رات دن میں مکان کو جنت کا نمونہ بنادیا۔ پردے چقیں سب لگادی گئیں۔ غرض کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی جسپر اعتراض ہوسکے۔ ذہن کے پکے اور روشن دماغ دوست نے مستورات سے کہا کہ اگر کسی نے دیوار و در پر تھوکا یا مکان کو اسی حیثیت سے صاف ستھرا نہ رکھا تو اُسکی کمبختی آجاویگی پیک تھوکنے کے لیے اونچے اونچے دو اگالدان رکھدیئے اور آیندہ کے لیئے یہ دستور مقرر کردیا کہ وہ اور اُنکی بیوی اور بچے اس طرح ایک میز پر کھانا کھایا کریں جسطرح مہمانوں کو میز لگا کر اہتمام کیساتھ کھانا کھلاتے ہیں کوئی غیر معمولی قسم کے کھانے روزانہ نہیں ہوتے تھے مگر صفائی ستھرائی وہی ہوتی تھی جو دعوت کے وقت ہوتی ہے۔

ہم سب لوگ دوسرے دن ٹھیک وقت پر جا پہنچے اور باہر کے کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ ہمارے معزز دوست بھی یہیں بیٹھے ہوئے تھے ذری دیر بعد نوکر نے آکر اطلاع دی کھانا میز پر لگا دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی نثار کے ہوش اڑ گئے کہ اب پھر اُسی سڑیل اور گھنونے مکان میں جھونکے جاتے ہیں۔ جب سب چل کھڑے ہوئے تو نثار جانے میں ذرا جھجکا۔ میزبان نے آگے بڑھکر کہا۔ گھبرائیے نہیں

رشتہ درگردنم افگندہ دوست
می بُرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(راز نثار) (باقی آیندہ)

عصمت کی دیوی

چچی اور والدہ کے دیدار کا تشنہ ہوا یہی حسرت باقی رہ گئی۔ یہ سُنکر ان دونو بزرگوں پر غشی کی حالت طاری ہو گئی آہ وقت آپہنچا صفدر کو کشاں کشاں لے گئے آہ قید توڑ دی گئی اور وہی چیزیں پہنانے لگے سر پر لمبی ٹوپی کا پہنانا تہا کہ چچا والد غشی کر گئے آہ تہوڑی دیر کے بعد صفحہ ہستی پر بدنصیب صفدر کا نام و نشان نہ رہا کس حسرت کس یاس و ناامیدی سے بدنصیب صفدر کی قسمت میں اسکے کردار کے سبب جوان مرگ تہی۔ آہ عبرت عبرت۔ سراسر عبرت۔ سچ ہی کہ بُرے کام کا انجام برا ہوتا ہی۔ کسی مظلوم پر ظلم کرنا یہی نتیجہ لاتا ہے خود مجرم کو نہیں بلکہ اسکے ساتہ اسکے کل عزیز و اقارب کو خراب و برباد کرتا ہی۔ صفدر کے مرنے اس دنیا سے یوں گذرنے کے بعد جو کیفیت والدین چچی وغیرہ کی ہوئی یہ ایک بہت طویل طویل فسانہ ہوگا۔ سامعین کو افسردہ و پریشان کرنا کسیطرح مناسب نہیں اسیلیے اختصار سے کام لیا جاتا اور مہرو پیاری دور اندیش باریک بین مہرو درحقیقت بڑی خوش نصیب نکلی مبارکباد دیجاتی ہی کہ خدا بزرگ نے مہرو کو بال بال اپنے حبیب کے طفیل بچا یا ورنہ صفدر کے ساتہ بیاہی جاتی تو آج مہرو کو وہ دن نصیب ہوتا جو خدا مہرو کے دشمن پر نہ لائے۔

مہرو کا فسانہ درحقیقت اس قابل ہی کہ ہندوستانی والدین اسپر پورا پورا خیال فرمادیں اور اپنی ...کے لیے نیک بُردکیہ بہال کر کیا کریں۔ صفدر کی چچی کوئی انوکہی چیز نہیں ہیں۔ ہمارے ہندوستان ...ائی چچیاں ایسی پہری ہیں خدا ہر ایک لڑکی کو ایسی چچی کے انتخاب سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔

باب ہشتدہم

مہرو ایک نواب بیگم کے محل میں پڑہانے لگی

ایک نیا شگوفہ

مہرو جب بہت تنگ آگئی تو اسنے مصمم ارادہ اسکول کے چہوڑ دینے کا کیا اور وہ

اسکول کو خیرباد کہکر گھر پر رہنے لگی مہرو کا استعفا دینا کیا تھا گویا اسکول کا تنزل تھا۔ لڑکیاں جو صبح ہوتے ہوتے اسکول میں حاضر رہتی تھیں وہ وہ دن اسکول میں شکل نہیں دکھاتی تھیں دوسری استانیوں کو سخت مشکل کا سامنا تھا۔ یوں تو اسکول میں ایک بے چینی، بدنظمی پہلے ہی چلی تھی مگر جناب انسپکٹر صاحب مہرو کے استعفا دینے کے بعد بہت سخت علیل ہو رہے تھے۔

منجملہ اور لڑکیوں کے ایک لڑکی شہر بانو نامی پڑھا کرتی تھیں جب سے مہرو نے استعفا دیا لڑکی نے اسکول کا آنا موقوف کیا۔

ایک دن ظہر کے بعد مہرو لیٹی ہوئی کچھ مطالعہ کر رہی تھی "اطالین کا بیجا ظلم طرابلس پر" اس سرخی کے مضمون پر غور سے دیکھ رہی ہے کہ مریم نے کہا بی بی "زنانی گھی گیٹ میں آرہی ہے" مہرو نے کمرہ کے دریچوں سے دیکھکر کہا کہ مجھے یقین ہے اسکول سے کوئی آرہا ہے ورنہ میرے گھر اور زنانی گھی کہاں سے آئے یہ کہکر دوپٹہ سنبھالتی ہوئی کمرے سے نکلیں۔ ادہر سے مہرو برآمدے میں جا ٹھہری ادہر گھی برآمدے کے قریب آ ٹھہی (شہر بانو بیتابی کے ساتھ لپٹ کر) پیاری استانی صاحبہ آپکا اسکول نہ آنا ہمارے لئے سخت مشکل کا سامنا ہوگا للہ ہم پر رحم کیجئے۔

برجیس جہاں (شہر بانو کی والدہ) مجھے یہ پہلی مرتبہ آپسے ملنے کا اتفاق ہوا ہے میں اپنے تئیں خوش نصیب سمجھ رہی ہوں کہ آپ جیسی خجستہ خصال خاتون سے ملاقات حاصل ہوئی ہے۔

مہرو۔ بیگم صاحبہ آپ یہ کیا فرماتی ہیں کیوں کانٹوں پر گھسیٹ رہی ہیں۔ مہرو کے لئے فخر و خوشی کی بات ضرور ہے کہ آپ جیسی معزز نواب بیگم مہرو کے غریب خانہ پر رونق افروز ہو کے اس کی عزت افزائی فرمائیں۔

پان الائچی آگے پیش کرکے۔ ادہر ادہر کی باتیں ہونے لگیں چلتے وقت بیگم صاحبہ نے شہر بانو کی سفارش کی کہ کوئی دو گھڑی روزانہ پڑھا دیا کریں اور یہ بھی کہا کہ بیگم صاحبہ میں لڑکی آپکے حوالے کیے دیتی ہوں جو مناسب جانیں اسکے لئے کیجئے۔ تو میں کہہ نہیں سکتی کہ میں اسکے عوض معاوضہ میں آپ سے کچھ سلوک کرسکونگی ہاں عمر بھر بندۂ احسان رہونگی جو کچھ کہ شہر بانو کے پڑھانے کے اخراجات ہونگے

وہ تو البتہ پیش کرونگی۔ مہرو (متانت و انکساری کیساتھ) بیگم مہرو کے لیئے آپ کی الطاف وعنایت کافی ہیں یہ جوکچھ ہی یہ کیسکا ہی؟ سبھی تو آپ کا ہی شہربانو بڑی ہوشیار پیاری لڑکی ہی میں اسکو عزیزوں کی طرح چاہتی ہوں مجھے اکثر شہربانو کا خیال یہاں بھی آتا رہا ہی (دل میں کچھہ سوچکر) ہاں میں بانو کو خوشی سے بتاؤنگی جو کچھہ مجھسے ہوسکیگا ہرگز دریغ نہ کرونگی۔ خدا کرے کہ ایکدن شہربانو حال کی نورجہاں زیب النسا بیگم کہلائی جائیں۔ اسکے بعد بیگم صاحبہ و شہربانو روانہ ہو پڑیں۔ مہرو انکے جانے کے بعد بہت دیر تک سر جھکائے سوچ رہی تھی۔ پھر یک بیک سر اٹھاکر کہا کہ افسوس مجھے لوگ کہیں چین نہیں لینے دیتے ایک سے دو دو سے چار بہت ساری لڑکیاں جمع ہونگی پھر تو گھر خاصا اسکول بنجائیگا اور پھر یونہی ہر ایک کی آمدورفت کا خاصہ ذریعہ ہوجائیگا۔ پھر یک بیک خیر یہ بھی دیکھا جائیگا یوں چپ بیٹھے دن بھر کیا کرونگی خیر ایک شغل تو ہاتھہ لگا جب زبان دے چکی ہوں اسکو نباہنا بھی تو چاہیئے۔

یوں ہی کئی مہینہ گذر چکے شہربانو روزانہ آتی تھیں اور مہرو تعلیم دے رہی تھیں مگر زمانہ کو چین کہاں ہے کروٹیں بدلنا گویا اس کی زندگی کے اصول ہیں ایک دفعہ کا ذکر ہی کہ شہربانو کے ہاں کسی بیاری تقریب پر مہرو کو جانا لازمی ہوگیا شہربانو کا اصرار بر جبیں جہاں کا پاس ان سب نے اسکو جانے پر مجبور کیا سہ پہر کا آخری وقت گرمی کا موسم چلمنیں اٹھادی گئیں چھڑکاؤ ہوچکا ہی چوکیوں کے فرش پڑے ہیں مہمان بیبیاں زنگارنگ کے لباسوں میں ملبوس بیٹھی ہوئی چہ میگوئیاں کررہی ہیں فالودہ سے خاطر ہورہی ہی تو کہیں شربتوں سے کوئی سرد پانی پینے دن بھر کی تپش بجھانے کو مانگ رہا ہی ہماری مہرو ایک آرام کرسی پر اپنے پیارے دلفریب انداز میں کچھہ نیم دراز لیٹی ہوئی ہی بازو میں گول چھوٹا سا میز پڑا ہی جسپر آئس کریم رکھی ہوئی ہی۔ مہرو اسوقت ایک مجسم حسن کی دیوی نظر آرہی تھی حالانکہ اسنے بہت سادہ ڈریس پہن رکھی تھی بناؤ آرائش نام کو نہ کیا کرتی اس کی سادگی بھی اسکا ہزار بناؤ تھا۔ بمصداق اسکے۔ ؎

نہیں حاجت ہی زیور کی جسے خوبی خدا نے دی
بھلا لگتا ہی کیسے آسماں پر چاند بے گہنے،

مہرو کے ملنے کو جوق جوق بیبیاں آتی تھیں اور اس کی پُرلطف گفتگو سے مسرور ہو جاتی تھیں۔ اب شام
ہو چلی تھی۔ برجیس جہاں سکے عالیشان محل کا چپہ چپہ بقعہ نور بنا ہوا تھا روشنی کے انتظام نے رات کو دن
بنانے میں کسر اٹھا نہ رکھی ہی مگر یہاں کوٹھے پر جہاں اسقدر روشنی ہو رہی تھی ایک طرف کچھ اندھیرا
بھی ضرور تھا چلئے سنیئے اس کی وجہ اور اسکے استفسار کو بھی تسلی بخش جواب سناتے ہیں یک بیک مہرو
کی نگاہ جوں ہی کوٹھے پر پڑی بڑی سرعت کیساتھ کوٹھے کے اس سرے سے اس سرے کو پہنچ گئی دیکھا
تو ادھر ہی ایک نیا شگوفہ کھلا ایک جمیل و شکیل شہربانو کی شکل و شباہت سے بہت مشابہ نوجوان نہایت
اشتیاق بھری نظروں کیساتھ دوربین کی مدد سے نیچے کا نظارہ کر رہا ہی۔ مہرو پر گھڑوں پانی
پڑگیا کیونکہ وہ بڑی آزادی کیساتھ بے تکلف نیم دراز لیٹی ہوئی تھی اسنے مناسب نہ جانا کہ کام
میں جلدی کرے وہ نہایت آہستگی استقلال متانت کیساتھ سنبھل بیٹھی پھر رفتہ رفتہ رُخ بدل کر اسنے
دوسرا رُخ اختیار کیا۔ مگر یہاں بھی وہی ہوا اسکے ساتھ ہی نوجوان نے بھی اپنی جگہ بدل دی تھوڑی
دیر میں خاصی شام ہو چلی تھی مہرو اٹھ کھڑی ہوئی ادھر مہرو گھر پہنچی اُدھر ہمارے من چلے نوجوان نے
آہ سرد کیساتھ کھانیکو دور ہی سے ڈنڈوت کی۔ پلنگ پر منہ ڈھانپے سر شام سو رہے برجیس جہاں
کو اطلاع ہوئی کہ صاحبزادے نے آج رات میں روزے کی نیت باندھی ہی کیونکہ کھانا ان وسمن
حرام ہو گیا۔ برجیس جہاں گھبرائی ہوئی بیٹے کے پاس آئیں۔ مزاج پوچھا۔ ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ کہا بیٹا کیوں
کیسا مزاج ہی گرمیوں کے دن ہیں شام سے نیچے بھی نہیں اُترے آج تکان ہونیوالا ہی اُٹھو مُنہ ہاتھ
دھو ڈالو ٹھنڈائی تیار رکھی ہی کچھ کھا پی لو تو مزاج ٹھکانے لگے۔ مگر میاں ذاکر نے نہایت ادب
کیساتھ عذر کیا۔ برجیس جہاں کچھ کہتی ہوئی نیچے اُتریں یونہی ایام گذرے جاتے ہیں مگر میاں ذاکر
کو ایک گھن اندر ہی اندر کھا رہا تھا وہ ہزار تدبیریں کرتیں مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی۔ ایک دن شہربانو
نے نہایت پریشانی کے لہجے میں مہرو سے کہا کہ بھائی ذاکر کئی دن سے علیل چلے آتے ہیں آجکل انکی
طبیعت بہت پریشان اور اچھی نہیں رہا کرتی امی جان نے آپ سے کہنے کو کہا ہے کہ اسی وجہ
سے آپکے دیکھنے کو امی جان آ نہ سکیں۔ اسکے بعد دفعتاً فوقتاً مہرو کو شہربانو کی زبانی ذاکر کے حالات

معلوم ہوئے تو ہے مہرو دل میں سخت افسوس کر رہی تھی کہ کاش مجھ بد نصیب کا وہاں جانا نہ ہوتا یا مجھے ان لوگوں سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ ذاکر نے جان بوجھکر اپنی جان مصیبت میں ڈال رکھی ہے سجّاد مرزا والا معاملہ ان لوگوں کے سبق سیکھنے کو کافی تھا یہ معاملہ کسی سے چھپا نہ رہا انہوں نے بجز وی بے بسی کی حالت میں سب کو کہہ سنایا اسکا نتیجہ بھی لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے لوگوں میں کسقدر ذلت سُبکی سجاد کو ہوئی یہ بھی روشن ہے اسکول بدنام ہو رہا ہے کئی معزز خاندانوں کی لڑکیوں نے اسکول کو خیرباد کہا۔ والدین رد اوار نہوئے کہ بدنیت بد نظر انسپکٹر صاحب کا اسکول ہماری لڑکیوں کے قابل نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے یعنی لڑکیوں کی کمی نے کسقدر نقصان اسکول کا کیا ہے کتنا خسارہ اسکول کو مفت میں ہو رہا ہے اسپر لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیے تھی نہ کہ اور پاؤں پر اپنے ہی ہاتھ سے کلہاڑی ماریں۔ خیر یہ بھی دیکھا جائیگا۔

برجیس جہاں اور نواب صاحب سخت متردد تھے کہ ذاکر کی طبیعت کیسے سنبھلے۔ آخر کار ایام قریب ہو چلے تھے ذاکر کی سسرال سے تقاضے شروع ہو رہے کہ شادی کی تاریخ سر پر چلی آتی ہے دونوں طرف تیاریاں شروع ہو جائیں یا تو ایک وہ زمانہ تھا کہ ذاکر اپنی آیندہ زندگی گذارنے کے خیالات دل میں کر رہا تھا یا اب یہ انقلاب ہے کہ اس پیغام اس شادی سے اسکو سخت نفرت ہو رہی ہے۔ جب ذاکر آیا جھلا کر قسمیں دینے لگا کہ ذکر نہ آنے پائے۔ برجیس جہاں کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی ماں بیٹے کے آگے منتیں کر رہی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح راضی ہو اور بخوشی بیاہ شادی ہو جائے۔

ذاکر اپنی ایک "نہیں" پر ماں کے ہزاروں ارمانوں آرزوؤں پر پانی پھیر رہا ہے۔ اس زمانے میں کئی کئی مرتبہ مہرو کے پاس میوہ بھری ڈالیاں آئیں تحفے تحائف آتے رہے کسی پر اشعار کسی پر بیت کسی پر کچھ کسی پر کچھ چونکہ برجیس جہاں کی طرف سے آرہے تھے مہرو مجبور تھی نہ لیتی ہے تو نواب بیگم کی ناراضگی کا خیال ہر وقت لیے جاتی ہے تو شرمندۂ احسان۔ مگر مہرو بڑی ہوشیار لڑکی تھی اسکو یقین ہو گیا کہ ان تحفے تحائف کی بھیجنی والی برجیس جہاں نہیں ہیں بلکہ

کوئی اور ذات شریف ہیں۔ یہ شک اسکا یقین کو پہنچا۔ کیونکہ ایکمرتبہ کا ذکر ہی کہ حسب معمول جب میوہ کی ڈالی مالن لاکر دی میوہ میں ترتیب کے ساتھ کچھ اشعار قیمتی انگوٹھی بندہی پائی مہرو نے اسوقت تو مالن کے آگے چشم پوشی کی بعد میں انگوٹھی بیگ میں رکھہ چھوڑی اشعار جداگانہ طرز پر لکھے پائے۔ مہرو منتظر ہی کہ موقع پر اس کا ذکر اس ترکیب سے کردوں کہ سب معاملہ صاف ہو جائے ایک دن برجیس جہاں جو مہرو کو دیکھنے آئیں مہرو کو اس موقعہ کو غنیمت جانا۔ ادہر ادہر کی باتیں کرنے کے بعد مہرو نے کہا۔

مہرو۔ بیگم صاحبہ۔ آپنے مجھہ کمزور پر اتنا بوجھہ ڈال رکھا ہی کہ میں اس سے سر اٹھا نہیں سکتی۔ ہنستے ہوئے۔ اگر یہی عنایات آپ کی اس عاجزہ پر رہی تو بندی میوہ اپیاری شہر بانو کے پڑھانے سے ہاتھہ اٹھائیگی احسان بہی اتنا چاہے جو دوسرا شخص باآسانی لے سکے۔ یہاں تو احسانوں کا اونچا پہاڑ ایسا کہڑا ہی کہ مہرو دبی جارہی ہی۔

برجیس جہاں۔ (حیران ہوکے) آے ہے لڑکی کیسی باتیں کررہی ہو۔ کیوں مجھے کانٹوں پر گھسیٹ رہی ہو۔ بی بی کوئی چیز بہیجتے ہوئے تو میں ڈرتی ہوں کہ مبادا تمہارے خلاف مرضی ہو اور تم برا نہ مانو۔

یہ سنکر مہرو نے جو کچھہ تحفے تحائف اشعار رکھے تھے۔ بیگم کے سامنے دہر دیئے برجیس جہاں کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا کیونکہ اسی کی جانب سے بہیجی گئی ہیں اور اسکو خبر تک نہیں۔ برجیس جہاں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہی کیا کم تہا مہرو نے انگوٹھی اور وہ پرچہ پیش کیا۔

باقی آیندہ

ریویو

عالم خیال مصنفہ مولوی احمد علی صاحب شوق قدوائی ہمارے پاس بغرض ریویو پہنچا ہے
اس مختصر سی کتاب میں شوق صاحب کی ایک بیش بہا نظم عالم خیال کے چار رخ درج ہیں اور
ہر ایک رُخ پر ایک ایک ریویو کیا گیا ہے پہلے رُخ پر مسٹر شبیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر دوسرے رُخ پر مسٹر
محمد سلیمان بیرسٹر۔ تیسرے رُخ پر سید مقصود علی صاحب ایسونی اور چوتھے رخ پر سید شبیر حسن صاحب نے
نہایت تفصیلی ریویو تحریر کیئے ہیں اور واقعی بات یہ ہے کہ سخن سنجی اور ہر ایک شعر کی خوبیوں کی
پورے طور پر داد دی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چاروں حضرات نے نہایت غور اور مطالعہ کے
ساتھ ہر شعر کو جانچا ہے اور قابل مصنف کی پاکیزگی خیالات ۔ بندش اشعار اور مضامین کی لطافت
کو خوب سمجھا ہے منشی پیارے لال صاحب شاکر نے شروع میں ایک طویل مقدمہ تحریر کیا ہے
اور اس نظم کو نہ صرف زبان اردو میں بلکہ دیگر تمام زبانوں سے افضل اور اعلیٰ قرار دیا ہے
کیونکہ قدرتی جذبات اور فطری خیالات ایسے مسلسل طور پر کسی زبان کی نظم میں نہیں پائے جاتے
ہیں محض ایک تصویر کو دیکھکر اپنے سحر نگار قلم کے زور سے اُسکے دلی خیالات کی ترجمانی اس
طور پر ادا کی ہے گویا تصویر میں جان ڈالدی ہے اور مولانا شوق کا قلم تصویر کی زبان بنکر ایسی ادا
کیساتھ بول رہا ہے گویا کہ سچ مچ اُسی تصویر کو گویائی مل گئی ہے ہمارے نزدیک فطرت انسانی
کے فلسفہ کو مولانا شوق نے خوب سمجھا ہے اور عورتوں کی فطرت کا ایسا صحیح اور ٹھیک اندازہ
کر کے اُنکے خیالات کا اظہار کیا ہے جو مولانا شوق ہی کا حصہ ہے بہر حال یہ نظم زبان اردو
میں پہلی قسم کی ہے اور اسکے مطالعہ سے مصنف کے زور قلم اور قادر الکلامی کا پورا اندازہ
کیا جا سکتا ہے مولانا شوق صاحب نے اس نظم کو تصنیف فرماکر ثابت کر دکھایا ہے کہ اردو زبان
میں بھی نظم کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ ہر قسم کے خیالات نہایت پاکیزگی اور لطافت کیساتھ
ادا کیئے جا سکتے ہیں۔

خواتین انگلستان کے پیشے

باب اوّل

فن تالیف و تصنیف

نمبر (۱) ادبیات۔

خواتین انگلستان صرف چند سال سے ادبیات کے میدان میں داخل ہوئی ہیں۔ گزشتہ ۳۰ سال سے پیشتر بہت کم تعداد ایسی عورتوں کی تھی جنہوں نے ادبیات میں نمایاں حصہ لیا تھا اور جو مشہور شاعرہ یا ناول نگار ہیں۔ اور ادبیات کا حصول اور اسمیں کمال حاصل کرنا نسائیت کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ مسز سومرول کو سینے پرونے کا کام ہر وقت اپنے پاس رکھنا پڑتا تھا مبادا کہ کوئی ملاقاتی آجائے اور وہ اس کی کتابوں کو نہ دیکھ لے وہ کسی غیر کے آجانے پر اپنے کاغذات اور کتابوں کو سینے پرونے کے کپڑوں سے چھپا دیتی تھی۔ لیکن فطرت میں ذہانت اور طباعی ایسی زبردست قوت ہے جو تمام دشوار کڑیوں کو توڑ ڈالتی ہے۔ فینی۔ برنی جین۔ آسٹن مس شفورڈ۔ مسز سومرول۔ شارلٹ برونٹی اور مسز براؤننگ نے سب سے پہلے ان موانعات کو شکست کردیا۔

اس کے بعد خاموشی سے کام کرنے والی دیگر عورتوں نے اس میں قدم رکھا ماہواری رسالوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا اور مضمون نگاری کے لئے عورتوں کو موقع مل گیا۔ عورتوں نے

سوانح عمری۔ تاریخ اور سائینس پر تالیف و تصنیف شروع کردیں۔ غالبًا ہیریٹ مارٹینو کا رتبہ تمام یورپین عورتوں میں فن تالیف و تصنیف کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ اور ارفع ہے وہ ناول نگار مضمون نگار۔ مورخ اور اخبار نویس تھی۔ وہ اپنے صنف میں پہلی عورت تھی جو تالیف و تصنیف کا کام روزانہ کرتی تھی اور اُس وقت سے اُسی کی طرز تحریر کا تتبع کیا جاتا ہے۔ زمانہ حال کی دو عورتوں کی تحریک کے جذبات اور تخیلات کا لہجہ بالکل اُسی کے خیالات کا عکس معلوم ہوتا ہے

نمبر ۲۔ ناول نگاری۔

ادبیات کی جس شاخ میں کہ آجکل عورتیں نہایت کامیاب ثابت ہوئی ہیں وہ بلاشک فن ناول نگاری ہے۔ علاوہ اُن چند عورتوں کے جن کا نام بید مشہور ہے اور بہت سی عورتیں ایسی ہیں جن کی شہرت اگرچہ کم ہے لیکن اس فن کے ذریعہ سے وہ معقول رقمیں پیدا کرتی ہیں۔ ان چیزوں کے مختلف درجے ہوا کرتے ہیں۔ بعض مولفوں یا مصنفین کی تصنیفات اعلیٰ مرتبہ کے حضرات کی الماریوں میں شاذ و نادر ہی نظر آتی ہیں لیکن عام کتب خانوں میں اُن کی بڑی مانگ ہوتی ہے اور اُن کی اشاعت اور نکاسی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ درجہ دوم کے ناول کی مصنف زیادہ تر عورتیں ہیں کیونکہ ان میں قصے تصنیف کرنے اور اُن کو آب و تاب دینے اور دلچسپ بنانے کی ایک خاص قابلیت ہے اگرچہ معیار اوسط سے نہیں بڑھتا ہے۔ اس سے بھی گرا ہوا ایک درجہ تصنیف کا یہ ہے کہ ایجاد کا مادہ کم اور طرز تحریر بدنما ہوتا ہے لیکن اس قسم کی تصانیف میں ہمیشہ ناکامی نہیں ہوتی ہے۔

فن ناول نگاری دولت پیدا کرنے کا ایک زبردست پیشہ خیال کیا جاتا ہے اور درحقیقت اکثر یہ فن ایسا ہی ثابت بھی ہوتا ہے لیکن اس سے یہ مدعا نہیں ہے کہ اگر کسی ناول کی سو جلدیں لکھدی جائیں تو کثیر دولت ضرور ہاتھ آجائیگی۔ گزشتہ دو ایک ناولوں کی ادبی اور مالی کامیابی سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ ناول نگار کو ایسی رقم کثیر کی اُمید کرنی چاہیئے۔ جارج ایلیٹ کو مڈل مارچ کی تصنیف میں ۸ ہزار پونڈ (ایک لاکھ ۲۰ ہزار روپیہ) اور مسز ہمفری وارڈ کو ڈیوڈ

کرولی کی تصنیف میں ۱۸ ہزار پونڈ (۲ لاکھ ۷۰ ہزار روپیہ) معاوضہ ملا تھا۔ اگر مصنف پبلک کے مذاق کے موافق ناول تصنیف کرے تو اُس کو معقول معاوضہ ملجاتا ہے۔ لیکن معمولی قسم کے مضمون کو معاوضہ کم ملتا ہے اور مبتدیوں کو چھوٹی سی رقم ہی پر اکتفا کرلینا چاہیئے۔ عمدہ قسم کے ناول نگار کو ایک ناول کی تصنیف کا معاوضہ ۴۰۰۔۵۰۰ پونڈ مل جاتا ہے لیکن معمولی شہرت رکھنے والے مصنف کو ایک ایسے ناول کا معاوضہ جس کی تصنیف میں کئی مہینے گذر گئے ہوں ایک سَو پونڈ سے زیادہ نہیں ملتے ہیں جو ناول کہ سلسلہ وار اخباروں میں چھپتے ہیں اُن کی قیمت سَو پونڈ سے ۲۵۰ پونڈ تک ملتی ہے اور اس قسم کے ناولوں کا معاوضہ مستقل طور پر ناول چھاپنے والے حضرات بھی کچھ کم نہیں دیتے۔ غالباً وہ پہلی اشاعت کو ایک عمدہ ذریعہ اشتہار کا تصور کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے قصوں کا بھی معقول معاوضہ ملتا ہے۔

لندن کی ایک ناول نگار اور مضمون نگار لیڈی کو ۶۰۰ پونڈ سے ۷۰۰ پونڈ تک سالانہ آمدنی ہوتی رہی اور اب اُس کو ۹۰۰ پونڈ سالانہ کا اوسط پڑتا ہے۔ جن حضرات کی تصانیف مقبول ہو چکی ہیں اُنکی اخباروں کے لئے بھی بڑی ضرورت رہتی ہے۔ کیونکہ ایسے مضامین کی بڑی مانگ اخباروں میں رہتی ہے جس کے آخر میں کسی مشہور انشا پرداز کے دستخط ہوں جن حضرات نے شہرت حاصل کرلی ہے اُن کے مضامین کا معاوضہ اگرچہ وہ معمولی ہی قسم کے ہوں ۱۰ پونڈ فی کالم کے حساب سے وصول ہو جاتا ہے۔

علاوہ ناول نگاری کے اور بہت سے مختلف لٹریری کام عورتیں انجام دیتی ہیں جن کی تفصیل بتانا ناممکن ہے۔ ہر عورت اپنے ہی خاص انداز پر کتاب تصنیف کرتی ہے اور ملاقات کے مقامات کی کمی کے باعث تبادلہ خیالات اور دوسروں کے تجربات سے فائدہ اُٹھانے کا عورتوں کو بہت کم موقع ملتا ہے لیکن "رائٹرز کلب" کے قائم ہونے سے غالباً اس معاملہ میں بہت کچھ اصلاح ہو جائیگی۔ اس کلب کے قائم ہونے سے بہت فائدہ حاصل ہوگا اور بہت سے سبق عورتوں کو مل جائیں گے۔ آتھرز کلب (مصنفین کا کلب) قائم کر کے مسٹر

والٹیر بسنٹ نے صاف طور پر اُس کے قواعد میں درج کر دیا تھا کہ عورتیں اس کلب میں چندہ دینے کی مقدرت نہیں رکھ سکتی ہیں۔ اس رائے کی تائید میں ایک عورت نے جو علمی مشاغل میں مصروف رہتی ہے یہ اندازہ کیا ہے کہ اُس کی بعض ہم پیشہ عورتیں ۲۰۰ پونڈ سالانہ سے زیادہ نہیں پیدا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس بعض تالیف و تصنیف کرنے والی عورتوں نے اپنے عالم ضعیفی کے واسطے معقول رقم جمع کر لی ہے اور بعض نوجوان عورتیں محض اس علمی پیشے کے ذریعہ سے اپنے سارے خاندان کی پرورش کرتی ہیں۔ مس ایس سوان کو ایک ہزار پونڈ سالانہ کی آمدنی ہے اور مس ینگ نے اپنے ناولوں کی بدولت معقول دولت حاصل کر لی ہے کامیاب ڈراما نویس بھی بہت کچھ روپیہ پیدا کر لیتے ہیں لیکن اس میں ابھی تک شک ہے کہ آیا کوئی عورت بھی اس زمرہ میں شمار کی جا سکتی ہے۔

نمبر (۳)۔ اخبار نویسی۔

آجکل اخبار نویسی عورتوں کا ایک فیشن ایبل علمی مشغلہ ہو گیا ہے اور گزشتہ چند سال میں اخباروں میں عورتوں کے مضامین شائع ہونیکی بڑی ترقی ہو گئی ہے۔ اخبارات کے مضامین میں جو عام دلچسپی اور دلعزیزی پیدا ہو گئی ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے کیونکہ سوشل معاملات پر عورتوں کو ایک خاص ملکہ مضامین کو خوشنما اور دلچسپ بنانے کا ہوتا ہے اگرچہ نفس مضمون کے اعتبار سے وہ کچھ بلند پایہ نہیں رکھتے ہیں۔ لباس کے متعلق عورتوں کے مضامین کو کوئی نہیں پہونچ سکتا ایسے اعلیٰ اور ارفع ہوتے ہیں اور کوئی اخبار ایسے ادنیٰ مسئلہ کی تحقیر نہیں کر سکتا ہے۔ فیشن کے متعلق جو زنانہ مضامین نکلتے ہیں اگرچہ اُن میں علمی قابلیت بہت کم پائی جاتی ہے لیکن اس کے متعلق ایک خاص قسم کی تشبیہات تمثیلات اور محاورات پیدا ہو گئے ہیں۔ عورتوں کے متعلق جتنے اخبار اور رسائل شائع ہوتے ہیں اور جن میں زیادہ تر عورتوں ہی کے مضامین نکلتے ہیں فی الحقیقت مختلف مسائل اور معاملات پر عورتیں نہایت قابلیت کے ساتھ اپنا زور قلم دکھاتی ہیں۔ اگرچہ عورتیں فن اخبار نویسی میں نہایت کامیاب ثابت ہوئی ہیں۔ لیکن اس لیڈی کا

مرتبہ جو پیرس سے ڈیلی نیوز نکالتی ہی لاثانی ہے۔ عورتیں لندن سوسائٹی کے خاص خاص مسائل پر طبع آزمائی کرتی ہیں اور فرقہ رجال پالٹنکس اور ڈپلومیسی میں زیادہ تر منہمک رہتا ہی اخبار نویسی نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہی اُسکے لحاظ سے امید ہی کہ اب عورتوں کو بھی دیگر مضامین اور مسائل پر طبع آزمائی کرنیکا موقع ملیگا۔ وہ نہ صرف اپنے پیش رو فرقہ رجال کے قدم بقدم چلنے لگیں گی بلکہ اپنے ایک خاص طرز تحریر سے اس دائرہ کو بہت وسعت دیدینگی اس پیشہ میں جو آمدنی ہو سکتی ہی اُسکا ٹھیک اندازہ کرنا ناممکن ہی۔

صرف چند عورتیں ایسی ہیں جنکے نام اخبار نویسی میں شمار کیے جا سکتے ہیں انکے علاوہ اب بعض عورتوں نے اس فن میں نہایت آزادی اور دلیری کیساتھ حصہ لینے کی کوشش کی ہی اب دیکھنا ہی کہ انکا مقدر اُنکی یاوری کرتا ہی یا نہیں لیکن اُنکی تعداد اسقدر کم ہی کہ اُنگلیوں پر شمار کیجا سکتی ہی۔ بہرحال اگر کسی عورت میں مختلف مسائل پر مضامین لکھنے کی قابلیت کیساتھ علمی استعداد بھی موجود ہی اور اخبار دنیا کے مذاق کے موافق وہ مضامین لکھنے پر قادر ہی تو کم از کم وہ (۴۰۰) پونڈ سالانہ بآسانی پیدا کر سکتی ہی لیکن مضمون نگار کو اس رتبہ پر پہنچنا بہت روز میں نصیب ہوتا ہی اور وہ صرف ۲۰۰ پونڈ سالانہ آمدنی ہی پر قناعت کر لیتا ہی فن اخبار نویسی عورتوں میں صرف لندن ہی تک محدود ہی کیونکہ اگرچہ مضافات اور دیگر صوبہ جات لندن میں اخبار نویس عورتیں موجود ہیں لیکن شاذ و نادر ہی وہ اِسکو ذریعہ معاش بناتی ہیں۔

فن تعلیم

جس پیشہ کو تعلیم یافتہ عورتیں عام طور پر اختیار کرتی ہیں وہ پیشہ معلمی ہی۔ گذشتہ چند سال سے پیشتر تک یہ پیشہ دکانوں پر ملازمت کرنیوالی عورتوں سے صرف کسیقدر معزز سمجھا جاتا تھا اور جو عورت کہ معلمہ ہو جاتی تھی تو وہ برادری سے خارج کردی جاتی تھی لیکن یونیورسٹی میں جب سے عورتوں کو بھی پڑھنے کا

موقع دیا گیا ہے۔ اس بیہودہ رسم کی بیخ کنی ہوگئی اور اب عورتیں جو پیشہ چاہیں اختیار کر سکتی ہیں اور اسلئے اُنکی سوشل پوزیشن میں کچھ فرق نہیں آتا ہی دن میں تعلیم دینے والے زنانہ مدارس قائم ہونے اور ۱۸۷۰ء کے ایکٹ تعلیم کے نفاذ ہونے سے عورتوں کی توجہ پرائیویٹ معلّمی سے ہٹ کر اسکولوں میں ملازمت کرنے کی طرف مبذول ہوگئی ہو اب ہمارے یہاں بجائے گورنیس (ملانی) کے اسکول مسٹرس اور بجائے ڈیم (معلانی) کے ابتدائی مدارس کی معلمہ موجود ہیں اب بھی ملانیوں کا سلسلہ قطعی بند نہیں ہوگیا ہی کیونکہ بہت سے حضرات مفصلات میں رہنے کے باعث ملانیوں سے تعلیم دلوانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ملانی کی تنخواہ اور اُسکا مرتبہ معیار تعلیم کی ترقی کے باعث زیادہ بڑھ گیا ہی، مکان پر رہنے والی ملانی کو علاوہ خورد و نوش کے ۲۰ پونڈ سے ۰۰ ۲ پونڈ سالانہ تک تنخواہ ملتی ہی۔ اگر وہ مکان پر قیام نہیں کرتی تو خوراک کا کافی معاوضہ نقدی کی شکل میں اُسکو نہیں ملتا ہی کیونکہ اس حالت میں کہ وہ مکان پر قیام کرے کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں کیجاتی کہ اُسکے قیام اور خورد و نوش میں کیا صرف ہوتا ہے لیکن مکان پر رہکر تعلیم دینا بہت کم عورتیں پسند کرتی ہیں، اور اگر کسی اعلیٰ گھرانے یا بورڈ اسکول میں ضرورت ہوتی ہی تو بڑی تنخواہ کا لالچ دینا پڑتا ہی، جو نوجوان عورتیں اس پیشہ کو اختیار کرتی ہیں وہ عموماً ہائی اسکول کی ملازمت کو ترجیح دیتی ہیں کیونکہ مقررہ گھنٹوں پر اُن کو کام کرنا پڑتا ہی اور اسکول کے کام سے جو وقت بچتا ہے اُسکے صرف کرنیکا اُنکو اختیار ہوتا ہی۔

بڑی جماعتوں کو پڑھانے میں ایک خاص قسم کی دلچسپی ہوتی ہی اور جنکو اس کی عادت پڑجاتی ہی وہ بمشکل دو ایک بچوں کو پڑھانے پر قناعت کر سکتی ہیں کیونکہ اسکول کی ملازمت پر تنخواہ وقت پر ملتی ہی ملازمت مستقل ہوتی ہے لیکن پرائیویٹ ملازمت میں یہ دونوں باتیں ناقص ہوتی ہیں اور بچوں کی افزائش سے چند سال بعد ملانی کو اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہی اسلیے ہائی اسکول کی ملازمت کی طرف تعلیم یافتہ عورتیں زیادہ تر توجہ کرتی ہیں البتہ تندرستی کی خرابی یا ذاتی وجوہ کی بنا پر اُن کو کسی دوسرے پیشہ کے اختیار کرنے کی ضرورت لاحق ہوجاتی ہی۔ یہی حالت پرائیویٹ مدارس کی ہی کہ قابل اُستانیاں بہم پہنچانے کے واسطے اُنکو بڑی بڑی تنخواہیں دینی پڑتی ہیں اور اگر مالی

حالت اسکول کی اچھی نہیں ہوتی تو ناقابل اُستانیوں ہی سے کام چلانا ہوتا ہی جن کو اپنی ناقابلیت کے باعث ہائی اسکولوں میں ملازمت نہیں ملسکتی ہی۔

ہائی اسکول

یہ امر مشکوک ہی کہ آیا ہائی اسکول کا کام اسقدر معزز کہے جانیکا مستحق ہی کہ تعلیم یافتہ خواتین اُس اعزاز کے حصول کے خاطر پیشۂ معلمی کی طرف متوجہ ہوتی ہیں، شروع میں اس دلچسپی کی طرف توجہ کی گئی تھی جو نئے مدارس قائم ہونے پر عورتوں میں پیدا ہوئی تھی حقیقت حال یہ ہی کہ جن مدارس کی طرف مقامی لوگونکو زیادہ رغبت ہوتی ہی وہ اُس مدرسہ کے کام کی نوعیت کے باعث ہوا کرتی ہی لیکن ان تحریکات میں کچھہ نہ کچھہ دقتیں بھی ضرور ہوتی ہیں۔ اولاً کام زیادہ سخت ہوتا ہی اور معلمین کے طرز عمل کے باعث ضرورت سے زیادہ دشوار اور کٹھن ہوجاتا ہی۔ بڑے درجوں میں شوق پیدا کردینا اچھے طرز تعلیم کا جوہر ہی اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہی اور جتنی خوبی کے ساتھہ کوئی معلمہ اس کام کو انجام دیتی ہی اتنی ہی سخت محنت اور جانفشانی اُسکو برداشت کرنا ہوتی ہی لیکن چونکہ معمولی اوقات درس مختصر ہوتے ہیں۔ (۹ سے ایک تک اور ۲ بجے سے ۳ یا ۴ بجے تک) صرف یہی کام زیادہ مضر نہیں معلوم ہوتا ہی اور جس اسکول میں ضرورت کے موافق کافی اسٹاف ہو وہاں پر ٹیچرز کو صبح کے اوقات میں آرام کا گھنٹہ ضرور ملنا چاہیئے۔ لیکن ہائی اسکولوں میں ہوم ورک کی درستی سے بدتر کوئی کام نہیں ہی اور لمبا اوقات اس کام میں شام کے بہت سے گھنٹے صرف ہوجاتے ہیں۔ قوت دماغی کا یہ صرف قطعی تضیع اوقات اور اسراف بیجا ہی شام کو زیادہ کام کرنے کے باعث دوسرے روز صبح کو مسٹرس اسکول میں قطعی بدحواس اور تھکی ہوئی آتی ہی اور وہ اُس حلاوت کو سبق میں پیدا کرنے کے قطعی ناقابل ہوتی ہی جس سے کہ اُس میں جان پڑجاتی ہی۔ یہ نالائقی زیادہ تر ہیڈمسٹرس کی ہی جو اس طرز عمل کے خلاف کبھی کارروائی نہیں کرتی ہی بجائے اسکے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے مشورہ کرے کہ ہوم ورک کی درستی کس طرح کرنی چاہیئے وہ اسپر زیادہ زور دیتی ہی کہ ہوم ورک کی درستی کا کام زیادہ تر کرنا چاہیئے اور وہ سمجھتی ہی کہ جو معلمہ جسقدر زیادہ اس کام کو انجام دیگی اُسیقدر وہ قیمتی ثابت ہوگی۔ حالانکہ فی نفسہ معاملہ اسکے قطعی عکس ہی

قابل ٹیچر سبق پڑہانے کے دوران ہی میں اپنے کلاس کی جانچ کر لیتی ہے اور ہوم ورک کی ضرورت کو بہت کم کر دیتی ہے۔ اگرچہ ہوم ورک کو قطعی طور پر اور ترک تو نہیں کر سکتے لیکن اوستاد اور شاگرد دونوں کے حق میں بہتر یہی ہے کہ اسکو حتی الامکان کم کردیا جائے عورتوں کو زیادہ تر روشنی خیال ہونیکی ضرورت ہے اور ان معاملات میں اُنکو سختی کے ساتھ پابندی نہیں کرنی چاہیئے۔

تنخواہیں

ہائی اسکولوں میں اسسٹنٹ مسٹرس کو جو تنخواہ ملتی ہے اُسکو مشکل قابل اطمینان اور معقول معاوضہ کہا جاسکتا ہے اگرچہ زنانہ پبلک ڈے اسکولوں کے قائم ہونے سے پیشتر ان کو جو معاوضہ پیشۂ معلمی میں ملتا تہا اُس سے یہ تنخواہ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ چند سال ہوئے کہ جن اناث اور رجال کو تعلیم سے دلچسپی تہی اُنہوں نے ایک کمیٹی قائم کی اور نہایت ہوشیاری کیساتھ اس مسئلہ کی تحقیقات کی۔ اسکی تحقیقات کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"ہم اس بیان کو تسلیم کرتے ہیں کہ پرائیوٹ درس دینے کی جگہ ہائی اسکول میں ملازمت کر لینے سے بعید مالی خسارہ رہتا ہے، ہمارے سوالات کے جو جوابات کہ اسکولوں سے موصول ہوئے ہیں اُنکی اچھی طرح جانچ کرنے کے بعد ہمنے یہ نیتجہ اخذ کیا ہے کہ علاوہ ہیڈ مسٹرس اور چند مستثنٰی عہدوں کے نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کامیاب اسسٹنٹ مسٹرس کو ۱۲-۱۳ سال کے تجربہ کے بعد اوسطاً ۱۲۰ پونڈ (۲۴۰۰) روپیہ سالانہ معاوضہ ملتا ہے۔"

ہمکو ذاتی جو معلومات ہائی اسکولوں کے متعلق ہے اُسکی بنا پر ہم بہی مرقومہ بالا بیان کی تصدیق اور تائید کرتے ہیں۔ چند اسسٹنٹ مسٹرس ۱۵۰ پونڈ سالانہ پاتی ہیں اور یقیناً نصف درجن بہی ایسی اسسٹنٹ مسٹرس نہیں ہیں جن کو ۲۰۰ پونڈ سالانہ ملتا ہے، جس تعلیم پر کہ کثیر رقم صرف کی گئی ہو اور بہت کچہہ دماغ سوزی کی گئی ہو اُسکا اسقدر معاوضہ ملنا ہرگز قابل اطمینان نہیں کہا جاسکتا ہے۔

باقی آیندہ

اڈیٹوریل نوٹ

رسالہ خاتون کے گذشتہ نمبر میں ہمنے اپنے خریداروں سے استدعا کی تھی کہ وہ ہماری امداد فرماویں ورنہ ہم مجبور ہوکر رسالہ بند کر دینگے۔ ہم کئی ماہ سے کل خرچ اپنے پاس سے کر رہے ہیں کیونکہ خریداروں کی تعداد بہت کم ہوگئی ہے اور جن لوگوں کو مفت رسالے دیئے جاتے ہیں وہ اُسوقت تک ہم بند نہیں کر سکتے جبتک رسالہ خود بند نہو جاوے۔ بعض بعض معزز خریداروں نے ہماری استدعا کی طرف توجہ کی ہے اور کچھ خریداروں میں اضافہ ہونا شروع ہوگیا ہے۔ سید خورشید علی صاحب رئیس حیدرآباد جو خاتون کے پُرانے سرپرست اور نامہ نگار ہیں اُنہوں نے تو وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہمکو اس معاملہ میں بہت مدد دینگے ہم آیندہ رسالہ میں یا جولائی نمبر میں ان سب اصحاب کے اسمار گرامی شکریے کے ساتھ شائع کرینگے جنہوں نے ہمکو امداد دی ہے یا امداد کا وعدہ فرمایا ہے۔ ہمنے صرف سَو خریداروں کے لیے استدعا کی ہے اگر سو خریدار اسوقت ہمکو ملجاویں تو پھر رسالہ بدستور جاری رہیگا اور جہانتک ہم سے ہو سکیگا ہم خریداران کی شکایات کے رفع کرنے میں کوشش کرینگے۔ رسالہ کا وقت پر نہ نکلنا قابل شکایت ہے اور ہم اس شکایت کو تسلیم کرتے ہیں مگر جبتک ہمارے ہاتھ میں خود پریس نہو رسالہ کا ٹھیک وقت پر نکلنا بہت دشوار ہوگا۔ ہفتہ دو ہفتہ کی تاخیر ضرور ہوگی ہم مدرسہ کے کام میں بہت زیادہ منہمک رہے اسوجہ سے گذشتہ چند ماہ میں زیادہ بدنظمی رہی مگر ہم امید کرتے ہیں کہ اس قسم کی بدانتظامی اب نہوگی۔ ہم اپنے خریداروں کو اپنا رازتبا کر انپر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمنے گذشتہ سال بھر کے عرصہ میں بہت سا روپیہ اپنے پاس سے صرف کیا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ سَو خریدار ہماری معمولی تعداد خریداروں میں سے کم ہوگئے بس وہی روپیہ ہمکو اپنی جیب سے دینا ہے۔ کیا ہمارے خریداروں کے لیے ایک سو جدید خریدار پیدا کرنے کچھ دشوار ہیں۔ ہم اپنے ہر ایک خریدار سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ رسالے کیجانب تھوڑی سی توجہ مبذول فرماکر اسکے قائم رکھنے میں ہماری مدد کریں۔

بعض بعض اخبارات اور رسالے اور اُنکے نامہ نگار ایک شور بیجا برپا کرنے کے عادی ہیں اور انہیں سے اکثروں پر یہ مثل صادق آتی ہو کہ نہ سوت نہ کپاس کولی سے لٹھم لٹھا۔ لڑکیوں کو انگریزی پڑہانی چاہیئے یا نہیں۔ اس سوال کے متعلق بہت سے لوگ مغز سوزی کرچکے ہیں اور اب بھی بے کار اور فارغ البال نامہ نگار وقتاً فوقتاً طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں۔ اول تو تعلیم ہی کی مخالفت تھی اب چاروں طرف سے جو تعلیم کے موافق آوازیں بلند ہوتی سنسنائی دیں تو انگریزی او راردو کی بحث چھیڑدی۔ ہم ان بزرگوں سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آیا آپ لوگوں نے مادری زبان میں لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام پورے طور پر کرلیا ہو کہ اب آپ انگریزی کی مخالفت پر آمادہ ہوئے ہیں یا کہ ابھی تک کسی قسم کی بھی تعلیم کا انتظام نہیں ہوا اور نہ اپنی جیب سے ایک پیسہ خرچ کرنیکا ارادہ ہے مگر انگریزی اور اردو کی بحث میں پڑ گئے جس میں نہ کچھ خرچ کرنا پڑے اور نہ کسی قسم کی تکلیف اٹھانی پڑے لیکن پبلک میں شہرت تو حاصل ہوگئی ہم ان بزرگوں کے مضامین پڑہکر ہمیشہ ردی کی ٹوکری میں ڈالدیتے ہیں۔ کیونکہ خالی مضمون نگاری اور تقریروں کے ہم قائل نہیں ہیں۔ جب یہ حضرات خلوص اور راستی سے تعلیم نسواں کی طرف متوجہ ہونگے اور کچھ کرکے دکھائینگے اُسوقت ہم اُنکی رائے کو وقعت سے دیکھیں گے۔ اسوقت ہمارے نزدیک اُنکی آواز محض بے اثر اور بے سود ہی۔

اب رہا اصل معاملہ یعنی لڑکیوں کو انگریزی کی تعلیم دلانی چاہیئے یا نہیں ہمارے نزدیک ہم کو اسوقت انگریزی اور اردو کی بحث میں پڑنا ہی نہیں چاہیئے۔ اگر اردو کی تعلیم کے وسائل بہم پہونچ سکیں تو اردو کو انگریزی پر اسلامی طور پر ترجیح دینی چاہیئے اور اگر کسی لڑکی کے والدین انگریزی پڑہانا چاہیں اور انتظام کرسکیں تو انگریزی تعلیم کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہونی چاہیئے۔ ہمارا مذہب کوئی ایسی چیز نہیں ہو کہ انگریزی پڑہنے سے وہ ہم سے ناراض ہوکر رخصت ہوجائیگا انگریزی خواں اچھے خاصے مسلمان ہیں۔ ان میں البتہ جہالت اور تعصب اور تنگ خیالی کی کمی ہو اور ان کی طبائع میں آزادی زیادہ ہی۔ ہمنے عربی خواں بھی بہت آزاد خیال دیکھے ہیں۔ ہم آزاد خیالی کی وجہ صرف انگریزی خواں ہی کو نہیں گردان سکتے بلکہ بہت سے وجوہات ہیں جو انسان کو قدیم بندشوں

اور ظاہرا مقدس پابندیوں سے آزاد کر دیا کرتے ہیں پس ہمارے نزدیک لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانا کسی خطرناک نتیجہ کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

ہمارے بورڈنگ ہوس کا پروگرام

ہمارے بورڈنگ ہوس میں جس طور پر روزانہ تقسیم اوقات کر کے بچیوں کو تعلیم و تربیت دیجاتی ہے ہم ذیل میں اسکا نقشہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اس سے ہمارے ناظرین کو اندازہ ہو جائیگا کہ اس بورڈنگ ہوس کے روزانہ اشغال میں اور اپنے گھروں کے روزانہ اشغال میں بچیوں کے لیے کیا فرق ہی اور آیا کوئی شخص اپنے گھروں میں اس کی برابر پابندی اوقات سے تعلیم و تربیت کا انتظام کرسکتا ہی یا نہیں۔

تقسیم اوقات

کام	وقت
صبح اٹھنا	۵ بجے
نماز صبح	۵ ½ بجے سے
قرآن شریف	۶ بجے سے ۶ ¾ بجے تک
ناشتہ	۶ ¾ بجے سے ۷ بجے تک
اسکول میں تعلیم پانا	۷ بجے سے ۱۲ بجے تک
کھانا	۱۲ ½ سے ۱۲ ¾ بجے تک

کام	وقت
ایک بجے	نماز ظہر . . . .
۱ ½ بجے سے ۳ بجے تک	آرام . . . .
۳ بجے سے ۴ بجے تک	قرآن شریف . . . . . .
۴ بجے سے ۵ بجے تک	مطالعہ وسبق یاد کرنا . . . .
۵ ½ بجے	نماز عصر . . . . . .
۵ ½ بجے سے ۶ ½ بجے تک	تفریح وکہیل . . . . .
۶ ½ بجے سے	شام کا کہانا . . . . .
۷ ½ بجے	نماز مغرب . . . . . .
۷ ¾ بجے سے ۸ ½ بجے تک	کہلی ہوا میں بیٹہنا . . . . .
۸ ½ بجے سے ۹ ½ بجے تک	سبق یاد کرنا . . . . .
۹ ½ بجے	نماز عشا . . . . . .
۱۰ بجے	خاموش ہوکر سوجانا . . . .

یہ تو روزانہ کا معمول ہے۔ اور انکے اوقات بلحاظ موسم کے ادہر یا اودہر ہوتے رہینگے مگر ہفتے اور تعلیم کے گہنٹوں میں قریب دوڈہائی گہنٹہ کے کہانا پکانے کی تعلیم میں صرف ہوتے ہیں سوزن کاری کی کلاس ہنوز نہیں کہلی ہی جاڑوں میں وہ کلاس بہی کہل جائیگی اور لڑکیوں کو سینا کاڑہنا وغیرہ بہی سکہایا جاویگا۔

اب کوئی مسلمان ہمکو بتاوے کہ وہ اپنے گہر میں اپنی بچی کی تعلیم و تربیت و پابندی اوقات و فرائض مذہبی کا اسقدر التزام و اہتمام کرسکتا ہے یا نہیں اگر کوئی شخص اسقدر انتظام نہیں کرسکتا تو پہر اُس بچی کو اس بورڈنگ ہوس کے فوائد سے محروم رکہنا اُس غریب پر ظلم ہوگا یا نہیں۔

وظائف کی ضرورت ہی ہم اسوقت تین لڑکیوں کا بورڈنگ ہوس کا پورا خرچ برداشت کر رہے ہیں اور بعض نہایت ہونہار لڑکیاں بورڈنگ ہوس مین داخل ہونا چاہتی ہیں - اُنکے والدین رضامندی سے اُنکو انتہاے تعلیم تک بورڈنگ ہوس میں رکہنے کے لیئے تیار ہیں مگر ہمارے پاس روپیہ نہیں ہی - ہمنے وظائف کے لیئے اس سے قبل بہی قوم سے اپیل کیا تہا - اب پہر ہم اپنے ناظرین و ناظرات سے اپیل کرتے ہین کہ وہ اس طرف توجہ فرمائیں اور خود بہی جو کچہہ اُن سے ہو سکے اس ضروری فنڈ کے لیئے عطا فرمائیں اور دوسروں سے بہی دلوائیں -

زنانہ مدرسہ امسال ۱۰ جولائی سے چہہ ہفتہ کے لیئے بند ہوگا مگر مڈل کی لڑکیونکو صرف دو ہفتہ کی چہٹی ملیگی - ہماری موجودہ ہیڈ مسٹرس صاحبہ نہایت دلسوزی سے اس مدرسہ کی ترقی میں منہمک ہیں اور چاہتی ہیں کہ امسال مڈل میں لڑکیونکو کامیاب کرا کر دکہائیں اُنہوں نے خود ہی ارادہ کرلیا ہی کہ وہ صرف دو ہفتے کے لیئے مدرسہ سے غیر حاضر رہیں گی اور باقی کل وقت بورڈنگ ہوس میں صرف کرینگی ہم مس سکیفٹ صاحبہ کے وجود کو اس مدرسہ کے لیے بہت غنیمت سمجھتے ہیں -

---

ہمکو دو مسلمان اُستانیوں کی ضرورت ہی تنخواہ پندرہ سے ۲۰ روپیہ تک حسب لیاقت ملے گی مکان مفت ملیگا - امید ہی ہمارے ناظرین و ناظرات میں سے کوئی ہمکو کسی اُستانی کا پتہ و نشان بتانے میں مدد دینگے -

---

رجسٹرڈ نمبر اے (۵۷۱)

خاتون

جلد ۸ | بابت ماہ جون و جولائی سنہ ۱۹۱۴ء | نمبر ۶ و ۷

اڈیٹر شیخ عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں

فہرست مضامین

باہتمام عنایت خان

مطبع ریاض ہند علی گڑھ میں چھپا

خاتون

۱ - یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی عہ/۱۲ ہے۔

۲ - اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳ - مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس خیال او ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

۴ - ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو، تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵ - ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہاں تک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶ - اس رسالہ کی مدد کرنیکے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لئے تیار کیا جائیگا۔

۷ - تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈھ ہونی چاہیے۔

۷۸۶

رسم ورواج کے خونین نتائج

ہندو عورتوں کی محبت، ایثار نفسی، جانبازی اور قربانی کی ان بیشمار قابل قدر مثالوں میں جو تاریخ عالم کا ایک زریں باب ہیں حال کے اس دردناک اور روح فرسا واقعہ کو بھی شمار کرنا چاہئے جو ابھی تین ماہ قبل کلکتہ میں وقوع پذیر ہوا۔ ایک سولہ سال کی بنگالی لڑکی نے اپنے غریب والدین کو تباہی سے بچانے اور اپنی قوم کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھانے اور اسکو رسم ورواج کی سخت ترین زنجیروں سے رہائی پانے کی جانب مائل کرنے کی غرض سے اپنی عزیز جان کو قربان کر ڈالا۔

اسنو ہیلیتا دیوی ایک غریب بنگالی خاندان کی لڑکی تھی۔ اس کی عمر سولہ سترہ برس کی ہوگی۔ والدین اس کی شادی کی فکر میں تھے۔ ایک جگہ بات ٹھہری۔ رسم کے مطابق لڑکے والوں کو ایک بہت بڑی رقم دینی ضروری تھی۔ ہندو اقوام میں عموماً اور بنگالیوں میں خصوصاً یہ رسم

ہی کہ لڑکی والوں کو ایک معتدبہ رقم لڑکے والوں کی نذر کرنی پڑتی ہی۔ لڑکے جسقدر اچھے ہوتے ہیں اتنی ہی انکی قیمت بھی بڑھ جاتی ہی غرض اس تباہی آور رسم کی بدولت جو غالباً ہندو قانون وراثت میں لڑکیوں کا حق نہ رکھا جانے کے سبب ایجاد ہوئی اور اب غریب الدین کی تباہی وبربادی کا باعث ہوگئی ہی اسنوہیلتا دیوی کا باپ ہیریندر چندمکرجی سخت پریشان تھا۔ اسکے پاس اسقدر روپیہ موجود نہ تھا جو لڑکے والوں کو رقم قرارداد دے سکے۔ آخر کار ہر قسم کی کوشش سے تنگ اور ہر طرح سے مایوس ہوکر اسنے اپنے رہنے کے مکان کو رہن کرکے رقم حاصل کرنے کی فکر کی۔ غریب ہیریندر چند مکرجی کی ساری کائنات وہی ایک مکان تھا۔ لیکن اپنی چاہیتی بیٹی کی خاطر اسنے اپنی اس جائداد کو ضائع کرنے اور محتاجی ومفلسی کی گوناگوں مصیبتوں میں گرفتار ہونے کی ٹھان لی۔ اولوالعزم اسنوہیلتا دیوی کو یہ گوارا نہوا کہ اس کا پیارا باپ محض اسکی وجہ سے مدت العمر کے لیئے یوں تباہ وبرباد ہو جائے لہذا اسنے یہ ارادہ کرلیا کہ اپنے آپ کو ہلاک کرڈالے۔ اپنی جان کی قربانی سے باپ کو مشکلات میں پھنسنے اور آلام ومصائب میں مبتلا ہونے سے بچائے اور اپنی غافل قوم کو اس مذموم رسم کے مہلک خطرات اور تباہ کن مضرتوں کی طرف متوجہ کرے یہ فیصلہ کرکے اسنے اپنے باپ کے نام ایک خط لکھا جسکا ایک ایک لفظ رسم ورواج کی پابندی پر مٹے ہوؤں کے لیئے تازیانہ عبرت کا اثر رکھتا ہی اور جو باپ کے ساتھ اس کی بے پایان محبت کے جذبات سے بھرا ہوا ہی۔ اس خط کو اس نے اپنے بستر پر رکھدیا اور آدہی رات کے سکون وخاموشی میں چپ چاپ اپنے جسم پر مٹی کا تیل انڈیل کر آگ لگادی گھر والوں کو اسوقت خبر ہوئی جبکہ وقت گذر چکا تھا اور آگ کے شعلے جانباز اسنوہیلتا دیوی کے جسم کے ساتھ اپنا کام کرچکے تھے افسوس کیسی قابل قدر جان جو محبت ایثار نفس اور جانبازی سے بھری ہوئی تھی رسم اور رواج کے ہاتھوں کس طرح برباد گئی۔ یاد رہی کہ فرزندانہ محبت اور وطن پرستی کی اس شہیدہ نے کسی ذاتی مصیبت سے گبھراکر یا کسی تکلیف سے اپنے تیئں بچانے کے لیئے جان نہیں دی

اور نہ اس کی قربانی میں کسی طرح کی خود غرضی کا کوئی شائبہ ہے بلکہ اسنے محض اپنے غریب والدین اور اپنی قوم کی خاطر اپنی پُر اَرمان زندگی کو قربان کر ڈالا۔

ہندوستان کے لیئے عورتوں کی خودکُشی کوئی نیا نظارہ نہیں ہے بلکہ ایسے خونین نظارے اس ظلم آفرین سرزمین کے لیئے ایک معمولی بات ہیں لیکن اس روح فرسا واقعہ نے غیر معمولی اثر کیا ہے اور اگر سارے ہندوستان کو نہیں تو کم از کم صوبہ بنگال کو خواب غفلت سے چونکا دیا ہے رقم قرار داد کے خلاف تمام صوبہ میں جابجا جلسے ہورہے ہیں اور لوگ اس تباہی آور، برباد کن مذموم رسم کے توڑنے کے عہد کر رہے ہیں۔ اگر واقعی یہ رسم ہندوستان سے اٹھ گئی تو سمجھا جائیگا کہ بہادر اسنو ہیلتا دیوی کی جاں فروشی بیکار نہ گئی۔ اہل بنگال کے موجودہ جوش خروش سے بیشک اس کی توقع ہوتی ہے بشرطیکہ یہ جوش اخیر تک قائم رہے اس میں شک نہیں کہ ملک اس خودکشی کا ذمہ دار اور جواب دہ ہے اور غریب اسنو ہیلتا دیوی کا خون رسم پرستوں کی گردنوں پر ہے:-

قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خوں کیونکر
جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

پس اہل ملک کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی لگائی ہوئی آگ کے بجھانے کی کوششوں میں اپنی ساری ہمت صرف کر ڈالیں اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک کہ اس قسم کی تباہ کن منفرت بخش رسموں کے شدید تسلط سے اہل ملک کو رہائی نہ ملجائے۔

ذیل میں اسنو ہیلتا دیوی کے خط کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:-

"میرے پیارے باپ!

مجھے یہ کسی طرح گوارا نہیں کہ آپ میری شادی کے لیئے اپنے رہنے کا مکان رہن کر دیں آپ ایسا ہرگز نہ کیجیئے۔ اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کل صبح ہونے سے پہلے آپ کی منحوس لڑکی کی غمزدہ روح اس جگہ پہونچ جائیگی جہاں اس دنیا کے شور و غل سے ہمیشہ کے لیئے امن

امان حاصل ہی، میں اپنے پیارے ماں باپ کی محبت میں مدہوش تھی اور میری اس طرح بسر ہوتی تھی کہ گویا میں ایک شہزادی کا خواب دیکھ رہی ہوں۔ اس حالت میں یہ کس طرح ممکن تھا کہ میں اس تمام محبت والفت کے بیش بہا خزانہ کو لٹا ڈالتی اور یہ گوارا کرتی کہ محض میری وجہ سے میرا سارا خاندان در بدر مارا مارا پھرے اور میرا پیارا باپ عمر بھر کے واسطے محتاجی ومفلسی کے مصائب میں گرفتار ہوجائے۔

جب آپ پرسوں صبح سویرے کے نکلے ہوئے دن بھر کے تھکے ماندے شام کو گھر واپس آئے ہیں تو مینے دیکھا کہ آپ رنج ویاس کی تصویر بنے ہوئے تھے آپ کی اُسوقت کی ملول وحزین صورت اسوقت تک میری آنکھوں میں پھر رہی ہی اور آپ کے اُسوقت کے رنج وناکامی سے بھرے ہوئے "سب کچھ جاتا رہا" کے الفاظ اب تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ مینے وہ ساری تفصیل سنی کہ آپ کس طرح میری شادی کی قرارداد کی رقم کے متعلق پریشان تھے اور کن مشکلات کے ساتھ آپنے طرف ثانی سے رقم طے کی اور اس کثیر رقم کو مہیا کرنے کے لیے سوائے مکان رہن کرنے کے چارہ نہ تھا۔

میرے پیارے باپ! میں یہ بات کسی طرح گوارا نہیں کرسکتی کہ میری شادی آپکی تباہی ومحتاجی کا باعث ہو۔ مجھے معلوم ہی کہ آپ ابتک میرا بیاہ نہ کردینے کی وجہ سے انواع واقسام کے لعن وطعن سنتے رہے اور ہمیشہ قابل الزام سمجھے گئے۔ اچھی جگہ میری نسبت ٹھیرانے کی کوششوں میں آپنے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ میرے آباد اجداد کا مکان غیروں کے قدموں سے روندا جائے اور اجنبیوں کی آوازیں اس میں سنائی دیں۔

میرے پیارے! آپ اس کے متعلق کوئی فکر نہ فرمائیے میں خود آپ پر سے قربان ہوتی ہوں مینے سنا تھا کہ اکثر نیک دل تعلیم یافتہ لوگوں نے سیلاب بردوان کے موقع پر غریب مصیبت زدوں کی مدد کی تھی۔ خدا اُن کو اسکا اجر دے۔ اکثر لوگوں نے غیر ممالک کا مال خریدنے کے خلاف قسم کھائی ہی۔ اور ابھی حال میں بعض ہمدرد خدا ترس نوجوانوں کے گروہ

جنوبی افریقہ کے مبتلائے محن ہندوستانیوں کی اعانت کے واسطے دربدر چندہ مانگتے پھرتے تھے لیکن کیا ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو خاص اپنے بھائیوں کی اور اپنی مصیبتوں کی طرف بھی توجہ کرے۔

پیارے والد! کل رات مینے خواب میں دیکھا کہ نہایت سہانے راگوں کی گونج میں جو مینے کبھی نہیں سنی تھی اور نہایت پُرنور روشنی کے درمیان جو مینے کبھی نہیں دیکھی تھی سری درگا ماتا ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ مجھکو آسمان پر بلا رہی ہیں۔ اس حالت میں مجھے اپنے پیارے باپ کا خیال آگیا اور میری شفیق ماں کی آجکل کی اداس و غمگین صورت آنکھوں میں پھرنے لگی اور میرے پیارے پیارے چھوٹے بھائی بہن یاد آگئے جو ہمارے گھر کی رونق اور زندگی ہیں۔ پس مینے یہ بات اپنے جی میں ٹھان لی کہ ان سب کو فقیری محتاجی وغیرہ مختلف مصیبتوں میں مبتلا ہونے سے بچالوں اور سری درگا ماتا سے کہا کہ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل میں تاخیر نہ کرونگی۔

پیارے باپ! مجھے معلوم ہے کہ میرے دنیا سے چلے جانیکا آپ کو بہت غم ہوگا اور آپ میری چتا پر بہت آنسو بہائینگے۔ لیکن کچھہ ہو مکان تو بچ جائیگا۔ مینے جان دینے کے لئے آگ میں جلنے پانی میں ڈوبنے اور زہر کھا لینے کے طریقوں میں سے آگ میں جل مرنیکو اختیار کیا ہے۔ جو آگ کے شعلے میرے جسم سے اُٹھیں گے اور مجھے جلا کر فنا کردینگے وہ اگر خدا نے چاہا تو سارے ہندوستان میں بھڑک اُٹھینگے اور اس بدترین رسم کو جلا کر خاک سیاہ کردینگے۔

پیارے والد! اب میں رخصت ہوتی ہوں۔ خدا حافظ! میرے قربان ہونے کی گھڑی آپہونچی۔ اسوقت ساری دنیا خواب کے مزے لے رہی ہے میں بھی اب اس میٹھی اور اچھی نیند میں سولی ہوں جس سے کبھی کوئی بیدار نہیں ہوتا۔ اب میں آسمان پر اپنے نئے مکان میں پہونچونگی اور اسوقت تک آپ کی منتظر ہونگی جبتک آپ اور میری پیاری ماں مجھہ سے نہ آملیں۔

"آپ کی اسنوبیلتا"

کاش! ہماری قوم کے بزرگ بھی اس جگر گداز واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور اس قسم کے مضر و تباہی آور رسموں کی بیخکنی کو اپنا اولین فرض سمجھکر اس کی طرف توجہ فرمائیں فقط

سید خورشید علی

(حیدرآباد دکن)

ماں کے لیے چند اصول

اور

ماں کے چند فرائض

(۱) ماں کو چاہیئے کہ اپنے پیارے چھوٹے سے بچے کے لیئے برلے نگرانی ضرور کوئی ہوشیار تجربہ کار تربیت یافتہ اور مضبوط اور بڑی عورت رکھا کریں جو نہ کہ زیادہ معمر اور زود رنج ہو اور نہ بالکل نوجوان ناتجربہ کار۔

(۲) جہانتک ہوسکے ایسی عورت رکھنی چاہیئے جو فضول بے بنیاد اوہام انسانی اوہام پرستی وغیرہ سے جسکا دماغ پاک ہو نہ ہوا کوا وغیرہا کی بلا نیوالی ہو۔

(۳) کھلائی ایسی ہو جو نفاست پسند خوش مزاج خوش بیان مہذب، شریف، تمیزدار اور ہمدرد ہو۔

(۴) ماں کو چاہیئے کہ کھلائی اناڑی ہو یا کہ تربیت یافتہ ہرحالت میں وہ خود اپنی زیر نگرانی بچّہ کو رکھا کرے۔ کبھی بیفکر ہو نوکر پر بھروسہ کر کے بچے کو اُنپر ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ بہت سی خرابیوں کے علاوہ اکثر جان کا بھی خطرہ ہوا کرتا ہے۔

(۵) ماں اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ پوری تن دہی کیساتھ گذار دینے پر اور ایک عمر دکھ درد اٹھا کے والدہ اپنے پورے پورے فرائض جو نیچر نے بہ حیثیت ماں ہونے کے عطا کیے ہیں ادا کرنے پر اسکی اولاد نیک لایق سعید و نیکبخت ہوتی ہے

(۶) اولاد کو والدین کی جب ہی اولاد کہنا چاہیے جبکہ وہ ہر طرح تربیت یافتہ و تعلیم یافتہ ہو اور یہ بات کب نصیب ہو سکتی ہے جبکہ ماں اپنی اور اولاد کی خوش نصیبی سے پوری تعلیم یافتہ ہو

(۷) اولاد کو سلیقہ تربیت وغیرہ خصوصاً ابتدائی زمانے میں سکھانا چاہیے

(۸) ابتدائی تعلیم و تربیت نیک انسان صرف ماں کی سلیقہ مندی ہوشیاری، عقلمندی اور تعلیم یافتہ ہونے پر منحصر ہے اگر باپ یہ چاہے کہ میرا بچہ پورا تعلیم یافتہ و فخر قوم ہو تو وہ سب میں پہلے ماں کی تعلیم پہ زر لگا کر کیونکہ پوری تعلیم یافتہ بنائیں تا کہ انکی گودیں جو معصوم پلتے ہیں وہ فخر روزگار بنیں۔

(۹) ماں کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ محبت مادری کا جوش کہیں حد اعتدال سے نہ بڑھ جائے کیونکہ ایسا پیار بچہ کے لیے سم قاتل سمجھنا چاہیے۔

(۱۰) بچہ پر کہیں ظاہر نہ ہونے دیں کہ ماں اسکی محبت میں اندہی ہو رہی ہے۔

(۱۱) یہ بھی ظاہر نہ کریں کہ بچہ رو کر اپنی ضد پوری کروا رہا ہے اور والدین بچہ کے رونے کے خیال سے پریشان ہو کے اس کی شکایت کو رفع کر رہے ہیں ورنہ بچہ میں ضد بیجا ہٹ حکمرانی والدین پر گہر کے لوگوں پر کرنیکی عادت ہو جاتی ہے۔

(۱۲) بچہ سے جب بات کریں نرمی آہستگی سے کرنی چاہیے بدزبانی یا بیدلی کبھی نہ کریں

(۱۳) گہر کے ہر ایک آدمی کو خیال رکھنا چاہیے اور خصوصاً ماں اور کھلائی کو اس کی احتیاط کرنی چاہیے کہ بچوں کے ذہن نشین سوائے نیک اور مہادرانہ ہمدردی وغیرہ کے خیالات کے کوئی مہمل بات انکے دماغ میں جانے نہ پائے۔

(۱۴) بچے کے آگے نوکروں وغیرہ سے ایسی بات ماں کرتی رہی جو بچہ بھی وہی طریق اختیار

کرسکے یعنی نہ زیادہ نرمی خوشامد پائی جاے نہ درشتی تندخوئی حکمرانی بیجا رعب۔

(۱۵) بچے کے آگے گھر کے سب لوگوں سے ایسی بات کریں کہ بچہ کو ہرایک کی حیثیت و عزت سمجھنے و کرنے میں سہولت ہو اور وہ خود اسی طرح عمدہ طریق اختیار کرسکے۔

(۱۶) سب میں بڑا اصول نیک زبانی وشیریں بیانی کا یہ ہے کہ ماں اور کھلائی اور گھر کے سب لوگ اپنی زبان درست رکھیں کوئی بری بات منہ سے نکلنے نہ پائے۔ جب بچہ دن رات سنتے سنتے عادی ہو جاتا ہے پھر وہ بھی یہی طریقہ اختیار کرلیا کرتا ہے۔

(۱۷) بچوں میں جو قدرتی چلبلاپن اور شرارت ہوا کرتی ہے جاننا چاہیے کہ یہ بچہ کے لیے نیچرل ورزش ہے اس سے ماں کو آزردہ نہ ہونا چاہیے اور نہ روکنا چاہیے بلکہ بچہ کا ہاتھ پاؤں مارنا کھیلنا، یا پاؤں پاؤں چلنا، تھوڑی دیر فرش زمین پر کھیلنا اس کی تندرستی کے لیے ضروری ہے۔

(۱۸) مگر ماں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا کرنے میں زیادہ موقع نہ دیا کرے ورنہ بچہ شوخ و شریر اور گندہ بنجایا کرتا ہے۔

(۱۹) والدین خصوصاً ماں کو چاہیے کہ بچہ کے ساتھ ہمیشہ متین و مہذب ہی نہ رہا کریں ایسا رہنا گویا ماں انکے پاس ایک خوفناک دہولناک چیز بنجایا کرتی ہے اور جو عشق بچوں کو اپنی پیاری ماں سے ہوا کرتا ہے یہ پیار ہیبت اور نفرت سے تبدیل ہو جایا کرتا ہے۔ اسلیے جب بچہ چاہتا ہے وہ تھوڑی دیر ماں سے ہنسے بولے اسوقت ماں کو پوری دلچسپی ہوشیاری کے ساتھ لینا چاہیے اور انہیں ایسا خوش کرنا چاہیے جو ہمیشہ وہ ماں کی گفتگو سننے کے خواہشمند نظر آیا کریں۔

(۲۰) اکثر بچے مختلف سوالات کیا کرتے ہیں جنمیں بعض تو مہمل اور بعض مفید بھی ہوا کرتے ہیں۔ ماں کو چاہیے کہ جب بچہ ایسے سوالات شروع کرے اپنی پوری توجہ اس کی طرف مبذول کریں اور انکی سمجھ و عمر کے لحاظ سے خاطر خواہ مفید جواب دیا کریں۔

(۲۱) ہمنے اکثر دیکھا ہی کہ بہت سے والدین ایسے ہیں کہ پہلے تو بچے کی باتوں پر دھیان ہی نہیں لگایا کرتے اگر جبراً کچھ کہہ سن بھی لیں تو اکھڑے اکھڑے جوابات دیا کرتے ہیں وہ ایسے فضول ہوتے ہیں کہ بچہ بھی بخوبی سمجھ جاتا ہی کہ کتنی مہمل بات ہمارے چپ کرنے کو کہی گئی بلکہ اکثر مائیں مفید سے مفید سوالات پر بھی خیال نہیں کرتیں اور بچوں کو گھڑکیوں سے روک دیا کرتی ہیں۔

(۲۲) یاد رکھنا چاہیے کہ اگر اسوقت ماں کسی کام میں مشغول ہی اور جواب خاطرخواہ دے نہیں سکتی تو ماں کو چاہئیے کہ بچہ سے کہے کہ پیارے یہ کام جو میں کر رہی ہوں پورا کرلوں تو تمہارے سب جوابات دونگی اسطرح انہیں ٹھہرا کر پھر کام ختم ہونے پر نہایت شوق و محبت کیساتھ ان کی باتیں سنیں اور اسکا جواب دیں اگر ماں مطالعہ کر رہی ہی اور بچے نے سوالات شروع کیے تو ماں کو چاہئیے کہ تھوڑی دیر کتاب رکھدیں اور بچہ کی طرف متوجہ ہوجائیں ورنہ بچہ بیدل ہو کر شرارت اور شوخی کرنے لگتا ہی۔

(۲۳) جہانتک ہوسکے بچہ کو ایسی تعلیم ہو کہ وہ والدین کا کہا ہر حالت میں بالکل سچا سمجھے اور ماں کو چاہیے کہ سوائے سچ کے اپنے پیارے سے کچھ نہ کہے۔ ورنہ یاد رکھنا چاہیے کہ بچے کی زندگی میں ایک مہلک اور خطرناک بات پیدا ہوگئی ہی۔

(۲۴) بچہ کی تربیت ایسی ہو کہ ہر وقت والدین کی وقعت قدر و محبت بچوں کے دل میں پیدا ہوتی رہے اور وہ قائم بھی رہے۔

(۲۵) ماں کو چاہیے کہ بچہ کے آگے نیکیوں کی مجسم تصویر بنکر انکے لیئے نمونہ ثابت ہو۔

(۲۶) بچوں کو جہانتک ہوسکے اپنا کام آپ کرنے کی عادت بنائیں اور برائے نگرانی نوکر ضرور رہے۔

بچہ کو مستقل مزاج راستباز چست و چالاک بنانے کی پوری کوشش کرے اور اس کی طبیعت میں رحم و انصاف و نوکروں سے برتاؤ کا طریقہ جمع کردے

(۲۷) ماں کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ایک بھاری دہندے کا انتظام بخوبی کرسکتی ہی مگر ایک

چھوٹے سے بچہ کا سنبھالنا اور رات دن محبت مادری کیساتھ اس کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہنا بہت اہم کام ہی۔

(۲۸) ماں کو سمجھنا چاہئے کہ بچہ ہمیشہ بچہ ہی نہیں رہیگا اور نہ اس کی طرف بے توجہی کریں بلکہ بچہ ایک ایسی چیز ہی جو ماؤں کے ہاتھوں میں پلکر آیندہ ایک خاندان کا سرپرست اور ایک کنبہ کا سردار بننے والا ہی اور خدا کے بزرگ کا ایک نیک یا بد بندہ جیسا ماں تیار کریگی وہ آخر میں تیار ہو جائیگا۔ لائق نیک نام نیکدل ہو نکلا تو دین و دنیا میں اس کی اور والدین اور خصوصاً ماں کی سرخروئی ہوگی ورنہ خدا کے پاس مجرم۔

(۲۹) یہ بات سب سے بڑھ کر یاد رکھنی چاہئے کہ والدین اور دیگر عزیزوں کی تاثیر محبت بچوں کے لیے چھپا ہوا اتالیق ہے اور والدین خود ایک زندہ تصویر۔

(۳۰) بچے کو ڈرپوک بدمزاج کمسیانا کبھی نہ ہونے دو۔ اس سے بچہ ضرور پست ہمت ہو جاتا ہی جو آیندہ زندگی میں برا اثر اور خراب نتیجے پیدا کرتا ہے۔

(۳۱) بچوں کو کبھی تنہائی پسند نہ بننے دو کیونکہ لوگوں سے وحشت نہ کرنے لگے۔

(۳۲) لوگوں اور ملاقاتیوں سے حسب ضرورت اور مناسب گفتگو بچوں کو ضرور کرنے دینی چاہیئے اسکو ہرگز نہ روکیں۔ مگر اتنا خیال رکھیں کہ بیہودہ گفتگو فضول بکواس نہ کرنے دیں اور نہ زیادہ وقت لوگوں کو پریشان کردے۔

(۳۳) بچہ کو جب حروف شناسی کرانی ہی اسوقت ماں یہ احتیاط کرے کہ بچہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ جبراً پڑھایا جاتا ہی۔ کیونکہ اکثر بچے جب معلوم کرتے ہیں کہ ماں ہمیں پڑھا رہی ہی انہیں پڑھائی سے ہیبت اور نفرت ہوا کرتی ہی جو ہمیشہ کو باقی رہجایا کرتی ہی جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ اکثر وہ کامیاب ہو نہیں سکتا۔

(۳۴) بچہ کو پڑھنے یا مشق لکھنے کی کرنے میں کبھی جھڑکیاں نہ دیا کرو۔ اس سے بیشک اسکی ہمت پست ہو جایا کرتی ہی اور وہ ہمیشہ کے لیے سمجھ جایا کرتا ہی کہ علم ایسی ہیبتناک اور مشکل ترین

شے ہی جو ہمیں کبھی حاصل نہو گی ایسے بچوں کی ماؤں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ انکے پیارے بچے ایسے ناکامیاب ہوا کرتے ہیں اور مایوسی انکے پیش نظر منڈلاتی رہتی ہی۔

(۳۵) ماں کو چاہیے کہ وہ بچہ کو حکم دیتے وقت اتنی احتیاط کیا کریں کہ آیا اس حکم پر بچہ رضامند ہو سکیگا یا نہیں اور کیا یہ حکم کچھ ضروری ہی یا نہیں بعض مائیں ہر وقت بچوں کو نیک و بد ہر طرح کے کاموں سے روکدیا کریں اور جھڑکیاں دیا کرتی ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کرتا ہی کہ بچے سے نیک و بد کی تمیز جاتی رہتی ہی اور وہ ماں کی بات اور اسکے حکم کو ایک معمولی بات سمجھکر پرواہ ہی نہیں کیا کرتا۔ اور اسطرح بعض وقت خطرناک واقعے پیش آیا کرتے ہیں۔

(۳۶) ماں اپنی ہوشیاری اور عقلمندی سے بچوں کو ایسے حکم دیا کرے اور ایسی بات کیا کرے جسکو بچہ ہر حالت میں بغیر پس و پیش کیے یا لاپروائی کرنے کے فوراً حکم کی تعمیل کردے۔ اگر یہ بات بچوں میں آگئی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ اولاد نہایت سعادتمند اور دنیا میں ایک دن کچھ ہونیوالی ہی اور ایسی ماں درحقیقت ہو سکتی ہی۔ افسوس ہماری ہندوستانی مائیں جس طرح بچوں کی تعلیم و تربیت میں حصہ لیا کرتی ہیں وہ تو روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ برعکس اسکے دوسری قومیں مثلاً یورپین لیڈیز کو ہی لیجیئے دیکھیئے وہ کسطرح اپنے حقوق مادری میں پوری اُترتی اور کسطرح اس فرائض کو ادا کرتی ہیں یہ سب اعلیٰ و ناقص تعلیم کا نتیجہ ہی ورنہ جیسی ہندوستانی ماں ویسی ہی یورپین ماں۔ صرف فرق یہ کہ وہ ایک عقلمند و ہوشیار خیرخواہ ماں ہو سکتی ہی اور ہندوستانی ماں بیچاری دوست ناوان۔ خدا کرے کہ ہمارے ہندوستان کی ہر ایک لڑکی ایک لایق اور قابل ماں بنجاے اور انہیں اسطرح کی تعلیم ملے جو وہ اپنے فرائض آسانی ادا کرسکیں۔ آمین فقط

راقمہ
عباسی بیگم

قصہ حضرت موسیٰ و حضرت خضر جسکا بیان پروردگار عالم نے سورۂ کہف میں فرمایا ہے

ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی مجلس میں بیٹھے بنی اسرائیل کو ہدایت احکام الٰہی کر رہے تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا اے موسیٰ پروردگار عالم نے علم نبوت و رسالت بہت بلند کیا ہی اور تمھاری شریعت ناسخ ملل سابقہ ہوئی۔ اب بتاو تم سے زیادہ اعلیٰ و افضل تر بھی کوئی بندہ خدا روئے زمین پر ہے یا نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول کا رتبہ کل مخلوق روئے زمین سے زیادہ بزرگ تر ہوتا ہی اور وہ سب میں زیادہ اعلیٰ و افضل ہوا کرتا ہی۔ جبکہ میں موں پس یہ کیونکر کہوں کہ مجھ سے بھی بڑھ کر کوئی ایسا روئے زمین پر موجود ہوگا۔ یہ کلمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جناب احدیت کے ناپسند ہوا اُسی وقت حضرت جبرئیل نے حکم اپنے پروردگار عالم کا پہنچایا کہ اے موسیٰ تجھے کیا معلوم ہی کہ میرا علم کہاں امانت رکھتا ہی اُس دریاے ناپیداکنار سے تجھے کیا معلوم کہ کسقدر حصہ کس بندے نے لیا ہے چنانچہ اسی طرح میرا ایک بندہ اس سرزمین ہی پر موجود ہی اگر تو اس سے ملے اور اسکے علم کو دیکھے تو تجھے معلوم ہو کہ تیرا دعویٰ صحیح ہی یا غلط۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس خطاب عتاب آمیز کو سنکر خوف زدہ ہو گئے توبہ کی اور عرض کیا کہ اے خالق ارض و سما وہ بندہ مقبول تیرا کہاں ہی اور کیونکر میں اسکے پاس پہنچوں حکم ہوا کہ اسکے رہنے کی جگہ مجمع البحرین ساحل دریا ہی وہاں جا تیرا ناشتہ راہ کا تیری رہنمائی کریگا۔ مجمع البحرین وہ مقام ہی جہاں بحر روم و بحر فارس آکر مل گئے ہیں یعنی بحر مشرق آذربائجان سے اور بحر مغرب عدن سے آکر اُس مقام پر ملکے دونوں ایک دھارے میں بہ رہے ہیں۔ یہ سفر تین روز کا تھا غرضکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع پیغمبر کو اور ناشتہ کے لیئے تھوڑی سی روٹی اور تلی ہوئی مچھلی ہمراہ رکھ لی اور آپ روانہ ہو پڑے۔ آخرکار تین دن کی مسافت طے کرکے اس جگہ پہونچے جہاں کہ

اس دریا کے ساحل پر ایک فقیر وہاں پڑا ہوا ہی اسپر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استراحت فرمائی اور
حضرت یوشع نے وضو کیا جس کے چند قطرے ان کی انگلیوں سے اس تلی ہوئی مچھلی پر جا پڑے
قطروں کا اوپر پڑنا تہا کہ مچھلی بحکم خدا زندہ ہوکر اس دریا میں کود پڑی حضرت یوشع کی حیرت کا کوئی
ٹھکانا نہ رہا کیا دیکھتے ہیں کہ مچھلی جس راہ جارہی ہی وہاں پانی خشک ہوکر زمین ہموار اور کشادہ نظر
آرہی ہی اور پانی اتنی دور کا مثل قالب طاق کے مچھلی کی پشت پر محیط ہوجاتا ہی جب حضرت موسیٰ خواب
سے بیدار ہوئے حضرت یوشع بھی ہمراہ ہو لیئے۔ مگر مچھلی کا واقعہ حضرت موسیٰ سے بیان نہیں کیا کیونکہ
ابلیس ملعون نے انہیں بھلا دیا تہا تہوڑی دیر کے بعد حضرت موسیٰ نے ان سے ناشتہ طلب کیا کہ سیر
ہوکر کہائیں اسوقت بہولا ہوا واقعہ عجیب اُن کو یاد آگیا اور اُنہوں نے سب کچھ حضرت موسیٰ کو کہہ سُنایا
حضرت موسیٰ نے کہا کہ یہ کام شیطان کا ہی کہ تم کو ان سے بھلا دیا ہمارے جانے کا وہی راستہ ہی
جدہر سے کہ مچھلی چلی گئی ہی وہی مچھلی ہماری رہنمائی کریگی۔ پہر موسیٰ وہاں سے لوٹے پہر اُسی مقام پر پہنچے
جہاں انکا استراحت فرمائی تہی۔ دیکہا کہ دریا میں درحقیقت خشک راستہ نظر آرہا ہی اسوقت حضرت موسیٰ
حضرت یوشع کو لیئے ہوئے اُسی راہ پر چلنے لگے چلتے چلتے ایک مقام پر دیکہا کہ ایک بندہ خدا
چادر سے منہ چھپائے عبادت حق میں مشغول نظر آرہا ہی۔ حضرت موسیٰ جان گئے کہ جس بندہ کی
طرف خالق معبود نے اشارہ دیا ہی وہ یہی ہی۔ جب اس عابد نے ان دونوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکہا حضرت
موسیٰ نے سلام کیا اُنہوں نے جواب دیکر پوچہا کہ تم کون ہو موسیٰ نے کہا کہ میں موسیٰ ابن عمران اور اللہ نے
رسول کرکے بنی اسرائیل پر مجھکو مبعوث کیا ہی کتاب آسمانی توریت مجھپر نازل ہوئی ہی میں اس غرض سے
یہاں آیا ہوں کہ چند دنوں آپکے پاس رہ کر کچھ سیکھوں تب خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ رسول
ہیں میں ایک بندہ معمولی ہوں بہلا میں کیا تمہیں سکہاؤنگا۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ مجھکو حکم ہی میرے رب کا
کہ میں آپ کی خدمت میں پہونچوں خضر نے کہا کہ تمکو میرے معاملات دیکہکر صبر نہو گا۔ حضرت موسیٰ
نے کہا کہ میں انشاء اللہ ضرور صبر کرونگا۔ جب عہد و پیمان ہوچکا تو خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ کو لیکر
سمت دریا روانہ ہوگئے حضرت موسیٰ نے یوشع علیہ السلام کو رخصت کر دیا اور فرمایا کہ قوم بنی اسرائیل

کی خبر لیا کریں انکی حفاظت میں مشغول رہیں تہوڑی دور تشریف لیجانے کے بعد ایک کشتی نظر آنے لگی حضرت خضر نے انہیں کشتی بان سے کشتی کے روکنے کو کہا مگر اسنے انکار کیا اور جب کشتیبان نے حضرت خضر کو پہچانا بہت تعظیم وادب کیا تہا اپنی کشتی پر حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت خضر کو سوار کرواکے روانہ ہوپڑے تہوڑے دیر چلنے کے بعد حضرت خضر نے چند تختے اس کشتی کے اکہاڑ کے دریا میں ڈالدیے اور غل مچایا کہ اے اہل کشتی دوڑو کشتی غرق ہوا چاہتی ہے۔ کشتی بان بدحواس ہوکر کشتی کو بچانے کی تدبیر کرنے لگا اور چند تختے لاکر پیوند لگا دیے اور کشتیبان سخت آزردہ تہا کہ کسقدر عیب نئی کشتی کو ہوگیا ہے۔ یہ دیکہکر حضرت موسیٰ سے نہ رہا گیا انہوں نے حضرت خضر سے اسکا سبب پوچہا کہ کس لیئے آپ نے دوسروں کا نقصان کیا ہے حضرت خضر نے جواب دیا کہ اے موسیٰ تجہہ میں اور مجہہ میں عہد ہوچکا ہے۔ اب تمکو نہیں چاہیے کہ میرے معاملوں میں دخل دیا کریں حضرت موسیٰ قائل ہوگئے اور معافی چاہی۔ تہوڑی دیر کے بعد دونوں بزرگ کشتی سے اترکر گاؤں کی طرف تشریف لیجا رہے تھے دیکہا کہ چند لڑکے کہیل رہے ہیں اور ان سب میں ایک نہایت خوش رو جوان بہی ہے جس کی عمر بمشکل ۱۵ سال کی ہوگی۔ حضرت خضر نے اسکو علحدہ بلاکر اسکا سر کاٹ ڈالا۔ یہ دیکہکر حضرت موسیٰ سے پہر نہ رہا گیا اور فرمایا کہ تمنے غضب کیا ایک بیگناہ پاک نفس معصوم کو قتل کر ڈالا۔ حضرت خضر نے کہا اے موسیٰ تم بہول گئے اپنے عہد کو توڑ ڈالا۔ حضرت موسیٰ نے پہر معافی چاہی اور فرمایا کہ اب کے اگر مجہہ سے یہی غلطی ہوگی تو مجہے تم خود سے جدا کردینا۔ غرض عہد و پیمان کے بعد پہر آگے بڑہے اور ملک بربر میں داخل ہوئے۔ وہاں یہ قاعدہ بندہا تہا کہ بعد مغرب شہر کا دروازہ بند کردیا جاتا بعد مغرب کیسا ہی معزز مہمان وارد شہر ہو مگر دروازہ صبح تک کسی طرح کہلنا ناممکن تہا۔ دونوں بزرگواروں نے اندر داخل ہونیکی خواہش ظاہر کی مگر کسی نے سماعت نہ کی ہر دونوں نے کہا کہ خیر نہ آنے دو مگر ہمیں کچہہ کہلا پلاکر بہوک پیاس سے سیراب تو کردو۔ مگر ان سفاکوں نے یہ بات بہی نہ مانی۔ ناچار شب بہر اسی طرح گذارنا پڑا۔ صبح کو حضرت خضر نے دیکہا کہ ایک شخص کا

گھر بالکل بوسیدہ اور خمیدہ ہوگیا ہی قریب ہی کہ گر پڑے ۔ حضرت خضر نے کمرہمت باندھکر اس دیوار کو از سر نو مرتب کیا کہتے ہیں کہ وہ دیوار بہت مستحکم اور بہت بلند تھی یعنی پانسو گز چوڑا پچاس گز کا عرض اور بائیس گز کی بلند تھی ۔ تب حضرت موسیٰ نے کہا اے حضرت ایسے ناخدا ترسوں نے جو شب کو داخل شہر نہ ہونے دیا اور نہ مہمانی ہی کی اور نہ ابتک پُرسان حال ہوئے ہیں انکے لیئے اسقدر سلوک ناجائز ہے ۔ تب حضرت خضر نے جواب دیا ۔ موسیٰ اب تمہارا ہمارا ساتھ نہوگا اب فراق کی گھڑی آپہونچی بموجب تمہارے عہد کے مگر حقیقت حال ان تینوں افعال کے جو بحکم الٰہی مینے کیے سن لیجئے ۔ اول کشتی جو مینے توڑکر عیب دار کردی وجہ یہ ہی کہ یہاں کا بادشاہ کشتیبان کو بہ جبر و غضب پکڑوایا کرتا ۔ چونکہ یہ کشتی بالکل ناداروں مفلسوں کی تہی اگر یہ کشتی پکڑی جاتی تو انکے رزق کا سہارا بند ہوجاتا ہی اور یہ بن موت مرجائینگے لہذا مینے توڑدیا تاکہ ملازمان سلطانی عیب دار کشتی سمجھکر نہ پکڑیں اور اسطرح وہ فاقے سے بچ جائے ۔

دوسرا ۔ وہ لڑکا جسکا مینے سر کاٹ لیا تہا ۔ اسکے والدین نہایت متقی پرہیزگار اور نیکوکار تہے اور یہ لڑکا پرلے درجہ کا فاسق اور سخت آوارہ ہونیوالا تہا مجھے خوف تہا کہ لڑکے کی قبیح افعال سے نیک اور جنتی والدین عذاب الٰہی میں نہ گرفتار ہوجائیں اسلئے مینے جلد اس کا خاتمہ کردیا ۔ چونکہ اس سے بڑھکر کوئی فلاح نہیں ۔ اب خدا ے بزرگ انہیں ایسی لڑکی عطا فرمائیگا جس سے نشتر روشنضمیر وجود میں آئینگے ۔

تیسرا ۔ دیوار جو مینے بے اُجرت کے بنادی ہی ۔ اسکا مالک ایک ایسے شہر کا باشندہ تہا جو مرگیا ۔ اسنے دو کم عمر یتیم لڑکے چھوڑے ہیں پس اگر دیوار گر پڑی تو اس دیوار کے نیچے جو خزانہ دبا ہوا ہی وہ مال دوسرے اٹھالیجاتے اور یتیموں کا مال اسطرح خارج ہوجاتا جو حقدار ہیں وہ محروم رہجاتے ۔ مینے دیوار مستحکم کردی تاکہ جب وہ بچے جوان ہوجائیں میراث پدر پائیں ۔

خاتون کی پُرانی چاہنے والی

(عباسی بیگم)

خواتین انگلستان کے پیشے

بسلسلہ گذشتہ

اس رپورٹ میں مذکور ہے کہ اُن ٹیچرز میں سے جن کی ملازمت ۲ سال سے زیادہ کی ہے ایک چوتھائی کو ۲۰۰ پونڈ سالانہ اوسطاً ۳۲ گھنٹہ فی ہفتہ کام کرکے معاوضہ ملتا ہے نصف کو جن میں سے ۲۵ فیصدی یونیورسٹیوں کی ڈگری یافتہ ہیں ۳۵ گھنٹہ اوسطاً فی ہفتہ کام کرنیکا معاوضہ ۱۱۸ پونڈ سالانہ ملتا ہے اور ایک چوتھائی کو جن میں سے ۵۰ فیصدی یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ عورتیں ہیں اُن کو اوسطاً ۳۶ - ۳۷ گھنٹہ فی ہفتہ کام کرنیکا معاوضہ ۱۶۰ پونڈ سالانہ ملتا ہے۔

یہ نتائج ناقابل اطمینان نہیں معلوم ہوتے ہیں لیکن اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ دو سال سے زیادہ کی ملازمت سے مراد ایک صورت میں تو ۲۰ سال تک کی ملازمت پر حاوی ہوتا ہے لیکن اوسط ملازمت ہم صرف ۶ سال لئے لیتے ہیں ان میں سے بعض ٹیچرز دیگر اسکولوں میں بہت کچھ تجربہ حاصل کر چکی ہیں قبل اس کے کہ وہ موجودہ ملازمت میں داخل ہوئیں“

دوسرا سوال کمیٹی کے روبرو اس امر کی تحقیقات کرنا تھا کہ اسکول کی تنخواہیں کیوں کم ہوتی جاتی ہیں؟ جو اسکول کئی سال سے قائم ہیں وہ ۱۸۸۰ء میں جو تنخواہ دیتے تھے اب اسکا ایک خفیف جزو دیتے ہیں لیکن چند نقشے جو ملازمان چرچ اسکول سے کمیٹی کو موصول ہوئے ہیں اُن میں درج ہے کہ تنخواہ اسقدر قلیل دیجاتی ہے کہ وہ عام اوسط سے بے انتہا کم ہے بہرحال کمیٹی یہ کہنے کے لیئے مجبور ہے اور نہایت افسوس کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ ۳ - ۴ سال پیشتر جو ٹیچرز کہ گراجوئیٹ نہ تھیں اُنکی ابتدائی تنخواہ ۷۰ - ۸۰ پونڈ سالانہ تھی لیکن اب زیادہ تعداد ایسے ٹیچرز کی ہے جنکو اس سے کم تنخواہ ملتی ہے۔

تنخواہ کی اس ترقی معکوس میں ایک اور خرابی پیدا ہوتی جاتی ہے جس کی طرف سررشتۂ تعلیم

میں ملازمت کرنیوالی عورتوں کو خاص طور پر توجہ کرنی چاہیئے وہ یہ ہی کہ گذشتہ چند سال تک جبکہ اسسٹنٹ مسٹرس کسی ہائی اسکول میں ملازمت کرتی تھی تو اس سے یہ معاہدہ کیا جاتا تھا کہ ابتدائی تنخواہ اسقدر دیجائیگی اور اتنے سال میں اسقدر ترقی پانے کی وہ مستحق ہوگی لیکن اب یہ دیکھکر کمیٹی کو افسوس ہوتا ہی کہ بہت سے اسکول میں یہ معاہدہ قطعی نہیں کیا جاتا اور نئی مسٹرس کو منتظمین کی فیاضی طبع پر بھروسہ کرنا پڑتا ہی"

اس سے معلوم ہوگا کہ اگرچہ ہائی اسکول کی مسٹرس کی پوزیشن اچھی اور مستقل ہوتی ہے اور عورتوں کے پیشہ کے لحاظ سے معاوضہ بھی اوسطاً معقول ملتا ہی لیکن آیندہ کوئی فلاح کی صورت نظر نہیں آتی ہی۔ چند اسکولوں کے قائم ہونے سے ایک جدید خطرہ کا سامنا ہی جن میں سے بعض تو چرچ اسکول کمپنی سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض لوکل کمپنیوں سے علاقہ رکھتے ہیں جن میں کہ ہائی اسکولوں سے بہت کم فیس لیجاتی ہی۔

یہ اسکول اپنے ہاں طالبات کی تعداد بڑہانے کے لیئے اپنے سے بہتر اسکولوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور اُنکو مالی نقصان پہنچانیکا ارادہ کرتے ہیں اور اس لیئے وہ اپنے یہاں ٹیچرز کی تنخواہیں کم کردینے کی طرف مائل ہیں۔ یہ خرابی نہایت اہم ہی اور بڑے افسوس کی بات ہی کہ ایسے مدارس میں ملازمت قبول کرنے سے عورتیں ایک ایسی تحریک کی معاونت کرینگی جو اُنکی ہم پیشہ عورتوں کو سخت نقصان پہنچانیوالی ہی۔

اس امر کے باور کرنے میں بے انتہا شکوک اور شبہات کی گنجایش ہی کہ فیس اور تنخواہ کے لحاظ سے زنانہ پبلک اسکول اچھے اصول پر قائم کیئے گئے ہیں۔ پبلک ڈے اسکول کمپنی کے تمام زنانہ مدرسوں میں اوسطاً فیس ۱۲ پونڈ ۱۲ شلنگ ہی اور یہی فیس شہر لندن کے اُن مدارس میں لیجاتی ہے جو لڑکوں کی تعلیم کے واسطے ہیں ان مدارس کی مالی حالت بہت اچھی ہی اور دنیا کی سب سے زیادہ دولت مند کارپوریشن اس کی معاون ہی اور فیس کا کوئی حصہ اسکول کو خرچ نہیں کرنا پڑتا ہے فیس کا یہ پیمانہ اسقدر ادنی ہی کہ معقول تنخواہیں نہیں دی جاسکتی ہیں

اور ایسے اسکول کی ملازمہ دنیا کے ہر ایک حصہ میں بمشکل بسر اوقات کرسکتی ہو اگر ٹیچرز پر اعزا کے حقوق کا بار نہو تو ضروریات زندگی صرف ایک حد تک پورا کرسکتی ہیں لیکن قطعی ناممکن ہو کہ وہ اپنی تندرستی شوق اور دماغی تروتازگی کے واسطے تفریحاً کہیں تبدیل آب وہوا کے واسطے سفر کریں یا بآرام زندگی بسر کرنے کے وسائل بہم پہنچائیں تاکہ درس کے کام میں اُن کا دل و دماغ تازہ اور مفرح رہے اور زمانہ کے طرز معاشرت کے بموجب وہ زندگی گذاریں۔ اس سے کم درجہ کی حالت میں معیار فن تعلیم اعلیٰ نہیں رہ سکتا ہے پس جب تک کہ زنانہ سکنڈری اسکول محض تجارتی اصول پر قائم ہوتے رہینگے وہ معیار تعلیم بمشکل حاصل ہوسکیگا جو ہم ان مدرسوں کے منتظمین سے چاہتے ہیں سکنڈری اسکول قائم کرنیکا مسئلہ اسقدر اہم ہو کہ اُسپر یہاں بحث کرنا موجب طوالت ہو۔ سوال یہ ہو کہ سکنڈری اسکولوں کی امداد سرکاری حاصل کرنے کے لیے کیا حقوق ہیں اور نہایت سرعت کیساتھ یہ سوال اسقدر اہم ہوتا جاتا ہو کہ تمام قوم کی توجہ اور غور کے لائق ہوگیا ہو۔

مدارس تعلیم ابتدائی

جن شرائط پر کہ مدارس تعلیم ابتدائی میں عورتوں کو ملازمت مل سکتی ہو اُسکا مفصل حال تو سررشتہ تعلیم کے سرکاری مطبوعات سے معلوم ہوگا۔ ان مدارس میں عورتیں بہ نسبت مردوں کے زیادہ ملازم ہیں۔ چنانچہ سرٹیفکیٹ یافتہ ماسٹرز کی تعداد ۱۸۶۱۱ اور سرٹیفکیٹ یافتہ مسٹرلیسز کی تعداد ۴۲۷۷۲ ہو۔ انکی تنخواہ کے متعلق پوری معلومات حسب ذیل نقشہ سے حاصل ہوجائینگی۔

	اقسام مدارس	تنخواہ اصلی: اوسط تنخواہ	تنخواہ اصلی: تعداد جسکا اوسط نکالا گیا	تنخواہ اصلی: تعداد جن کو مکان دیا گیا	زائد: اوسط تنخواہ	زائد: تعداد جس کا اوسط نکالا گیا	زائد: تعداد جن کو مکان دیا گیا	میزان
		پونڈ شلنگ پنس			پونڈ شلنگ پنس			پونڈ شلنگ پنس
۱	اسکول متعلق چرچ آف انگلینڈ	۱-۳-۷۱	۸۹۸۲	۳۷۵۲	۱-۱۵-۸۴	۲۵۲۰	۱۵۰	۰-۰-۶۷
۲	ویسلین اسکول	۱۰-۱۴-۸۳	۳۲۰	۳	۶-۴۹	۲۲۰	۱	۳-۱۴-۷۵
۳	رومن کیتھولک اسکول	۶-۱۷-۹۴	۱۳۵۰	۳۰۲	۲-۴-۵۰	۴۴۷	۶	۱۱-۰-۹۱
۴	برٹش اسکول علاوہ مدارس کے	-۳-۶۵	۸۵۸	۱۷۶	۳-۱۰-۵۴	۵۲۳	۵	۱۱-۱-۶۵
۵	بورڈ اسکول	۹-۲-۱۱۰	۴۸۹۵	۵۱۲	۸-۱۹-۷۸	۷۵۹۱	۳۱	۱۰-۳-۹۱
	میزان	۹-۸-۸۴	۱۲۴۰۵	۴۷۴۸	۷-۶-۶۹	۱۱۳۴۱	۱۹۴	۳-۱۳-۷۷

تنخواہ سرٹفکیٹ یافتہ ٹیچرز بحساب تنخواہ

تنخواہ اصلی

اقسام مدارس	[illegible]	۲۵ سے کم	۲۵-۵۰	۵۰-۷۵	۷۵-۱۰۰	۱۰۰-۱۵۰	۱۵۰-۲۰۰	۲۰۰ سے زائد	میزان
مدارس متعلق چرچ آف انگلینڈ	۲۰۳	۳۲۰	۳۹۷	۴۴۲۶	۲۳۰۳	۱۰۳۷	۸۲	۱۴	۸۹۸۲
ویسلین اسکول	۳	۸	۷	۱۵۰	۷۴	۵۸	۱۸	۲	۳۲۰
رومن کیتھولک اسکول	۱۶	۱۸	۲۹	۱۰۱۳	۲۳۰	۴۳	۱	۰	۱۳۵۰
برٹش اسکول علاوہ مدارس مذہبی	۱۸	۲۲	۲۸	۴۱۴	۲۱۷	۱۳۰	۲۳	۶	۸۵۸
بورڈ اسکول	۳۵	۵۶	۹۳	۱۲۶۹	۱۱۴۰	۱۲۹۶	۵۲۴	۴۸۲	۴۸۹۵
میزان	۲۷۵	۴۲۴	۵۵۴	۷۴۷۲	۳۹۸۴	۲۵۶۴	۶۴۸	۵۰۴	۱۶۴۰۵

تنخواہ زائد

اقسام مدارس	[illegible]	۲۵ سے کم	۲۵-۵۰	۵۰-۷۵	۷۵-۱۰۰	۱۰۰-۱۵۰	۱۵۰-۲۰۰	۲۰۰ سے زائد	میزان
مدارس متعلق چرچ آف انگلینڈ	۴۰۵	۴۸۲	۳۹۵	۱۱۵۲	۷۰	15	۰	۰	۲۵۲۰
ویسلین اسکول	۲۵	۴۵	۳۴	۱۰۷	۸	۱	۰	۰	۲۲۰
رومن کیتھولک اسکول	۴۶	۷۱	۵۱	۲۹۸	۸	۳	۰	۰	۴۴۷
برٹش اسکول علاوہ مذہبی مدارس	۴۱	۷۶	۷۶	۲۸۸	۴۱	۱۰	۱	۰	۵۳۳
بورڈ اسکول	۱۳۶	۲۳۲	۳۵۸	۲۷۷۱	۱۹۵۶	۲۱۰۶	۸	۰	۷۵۹۱
میزان	[illegible]	[illegible]	۹۱۴	۴۶۱۶	۲۰۸۳	۲۱۳۵	۹	۰	۱۱۳۱۱

ان نقشوں سے بہت بڑا فرق اُن تنخواہوں میں معلوم ہوتا ہی جو بورڈ اسکولوں اور پرائیویٹ مدارس میں دی جاتی ہیں بورڈ اسکولوں میں تنخواہ کا اوسط ۹۱ پونڈ ۳ شلنگ ۱۰ پنس ہی اور پرائیویٹ مدارس میں زیادہ سے زیادہ ۶۹ پونڈ ۴ شلنگ ۳ پنس تنخواہ دیجاتی ہی پرائیویٹ مدارس میں علاوہ تعلیم دینے کے اور بہت کام بھی ٹیچر کو انجام دینے پڑتے ہیں اتوار کے روز مذہبی تعلیم دینا، چرچ میں باجا بجانا، دیہات کے گانے بجانے کی جماعتوں میں شرکت کرنا اور انکا اہتمام کرنا۔ متفرق کام جو منیجر اُسکے سپرد کردے۔

چھوٹے چھوٹے بورڈ اسکول بھی اس معاملہ میں الزام سے بری نہیں ہیں ٹیچر کی نیشنل یونین اس کی مخالفت میں صدا بلند کررہی ہی۔

لندن بورڈ اسکول اپنے ہاں کی ٹیچرز کو سب سے زیادہ تنخواہ دیتا ہی۔ ٹرینڈ اسسٹنٹ ٹیچرز کو ۸۵ پونڈ سالانہ اور ہیڈ مسٹرس کو ۲۰۰ سے ۳۰۰ پونڈ تک ملتے ہیں۔

بڑی تنخواہیں صوبوں کے مرکزی مقامات پر خاص خاص مضامین کی تعلیم دینے والی ٹیچرز کو دیجاتی ہیں اور یہ بات بھی ہم وثوق کیساتھ کہہ سکتے ہیں کہ درجہ بدرجہ ترقی دینے کی اسکیمیں روز بروز شکست ہوتی جاتی ہیں تاکہ خاص مضامین کی تعلیم دینے والی ٹیچرز عورتیں جو اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتی ہوں بہم پہنچ جائیں۔ لندن پیوپل ٹیچرز اسکول میں ۱۲۵ پونڈ سالانہ سے اسسٹنٹ مسٹرس کی تنخواہ شروع ہوتی ہی اور پانچ پونڈ سالانہ کی ترقی سے ۱۵۰ پونڈ تک پہنچ جاتی ہی۔ حالانکہ اسسٹنٹ ماسٹروں کو ۱۴۰ پونڈ سالانہ تک ملتی ہی۔ مردوں اور عورتوں دونوں قسم کے ٹیچروں کی تنخواہیں تمام ملک میں اضافہ ہو رہا ہے البتہ لندن بورڈ اسکول میں اس کی مخالفت میں ایک تحریک شروع کی گئی ہی لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ اس تحریک کو کامیابی نہو گی۔

مدارس تعلیم ابتدائی بمقابلہ سکنڈری اسکول

جو عورتیں کہ زنانہ سکنڈری اسکولوں میں ملازمت کرتی ہیں انکو ابھی تک ابتدائی تعلیم کے

مدارس نے اپنی طرف زیادہ متوجہ کیا کیونکہ وہ بھی کام کرنے کے لیے ایک وسیع میدان ہی۔ لندن سے باہر جو مدارس واقع ہیں ان میں اتنی تنخواہ نہیں دی جاتی ہی جس سے کہ سررشتہ تعلیم میں ملازمت کرنیوالی عورتیں انکی طرف رغبت کریں ان مدارس میں مقابلہ ہائی اسکولوں کے تعطیلیں بھی کم ہیں (۶ ہفتے بجائے ۱۳ ہفتے کے تمام سال میں تعطیل رکھی گئی ہی) اور ٹرننگ کی علت بھی انکو وہاں جانے سے بہت کچھہ روکتی ہی۔ جن عورتوں نے زرکثیر صرف کرکے تعلیم حاصل کی ہی اُن سے یہ توقع نہیں کیجا سکتی ہی کہ وہ تین سال کسی ٹرننگ کالج میں صرف کرنے کے لیئے آمادہ ہوجائینگی۔ اگر عورتوں کے واسطے قواعد میں آسانی کردی جاوے اور کسی یونیورسٹی کالج میں دن کے وقت تعلیم دینے والے ٹرننگ کلاس انکے لیئے کھولدی جاویں جس طرح اگرادون کالج مینچسٹر کالج یا اور بہت سے لوکل یونیورسٹی کالج ہیں تو اعلیٰ طبقے کی عورتوں کے واسطے ابتدائی تعلیم کے مدارس کہو۔ لنے کے لیئے تعلیم دینے والی عورتیں بہت کچھہ کرسکتی ہیں ہمارے نزدیک تو تعطیلات کا کم کردینا بہت مضر ثابت ہوگا۔

اصول خانہ داری کی تعلیم

اصول خانہ داری کی تعلیم نصاب درس میں شامل ہوجانے سے عورتوں کے واسطے کام کرنیکا ایک جدید باب کھُل گیا ہی۔ کھانا پکانے کی تعلیم دینے والی عورت ابتدائی تعلیم کے مدرسہ میں بآسانی ۸۰ پونڈ سے ۱۰۰ پونڈ سالانہ تک کی جگہ پاسکتی ہی اور اسی مضمون کی ڈرائنگ طور پر تعلیم دینے والی عورتیں اس سے بھی زیادہ تنخواہیں پاتی ہیں بالوں کا آراستہ کرنا اور کپڑے دھونے کی تعلیم دینے والی عورتوں کی بہت مانگ ہی اور خصوصاً سب کو تعلیم دلانے مدارس میں تو ان کی بیحد ضرورت رہتی ہی اگر انکے ساتھہ ساتھہ کوئی عورت فن تیمارداری اور اصول حفظان صحت سے بھی واقف ہو تو بحیثیت ٹیچر کے کام کرنے کے لیئے اسکو بڑا وسیع میدان ہی اور وہ بے انتہا قابل قدر تصور کیجاتی ہے

بعض ٹاؤن اسکول بورڈ اپنی ٹیچرز کو ان تمام مضامین کی تعلیم دلوا رہے ہیں اور اُن کی تعلیم کی تکمیل کا تو خیال کرتے نہیں جلدی کے باعث ادہوری اور ناقص تعلیم دلوا دیتے ہیں تاکہ وہ اُن آسامیوں پر مقرر کر دی جاویں جن کے قائم کرنے کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے کاؤنٹی کونسلوں کی زیر نگرانی بھی اصول خانہ داری کے مضامین کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان میں بہت کم ایسے حضرات ہیں جنہوں نے ایکٹ تعلیم صنعت و حرفت میں چندہ نہ دیا ہو اور صنعت و حرفت کی تعلیم کی توسیع کے واسطے قصبات میں ایک آنہ فی شخص ٹیکس لگا دیا گیا ہے اور صنعت و حرفت کی تعلیم کا ایک جزو اصول خانہ داری کی تعلیم بھی ہے۔ اس نے ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک ان مضامین کی تعلیم دینے والی ٹیچرز کی قدر اور ضرورت ہے۔ کھانا پکانے کی تعلیم دینے والے مدارس کشیدہ کاڑہنے کی تعلیم دینے والے مدارس اور نیشنل ہیلتھ سوسائٹی وغیرہ اپنے ہاں کے ٹیچرز کو تیار کرنے میں بیحد مشغول ہیں اور تیار کر کے دیگر اضلاع کو روانہ کرتے ہیں کھانا پکانے کی تعلیم دینے والا لورپول اسکول اس معاملہ میں خصوصیت کیساتھ سرگرمی سے کام کر رہا ہے۔

خاص دقت یہ آکر واقع ہوئی ہے کہ ان مضامین کا کوئی فیصل شدہ معیار نہیں ہے اسلیئے ہر ایک اسکول انکی تعلیم اپنی مرضی اور اندازہ کے بموجب دیتا ہے۔ ٹیکنیکل تعلیم کے لیئے ایک فوری جوش سے روپیہ وصول ہو گیا تھا اور قانون پاس کر دینے پر معلوم ہوا کہ ملک اسکے لیئے تیار نہیں ہے۔ ٹیچرز کی تعلیم و تربیت کے لیئے کوئی باقاعدہ تعلیم کا نظام موجود نہ تھا جیسے جیسے کہ مختلف ایجنسیوں کو جو اس کام میں مصروف ہیں تجربہ حاصل ہوتا جائیگا ویسے ہی ویسے اُنکی واقفیت اور تجربہ کی بناپر کچھ زمانہ کے بعد ایک باقاعدہ نظام تعلیم اور معیار تعلیم معلوم ہو جائیگا۔

اس سلسلہ میں یہ بیان کر دینے کی ضرورت ہے کہ اگرچہ کاؤنٹی کونسلوں میں عورتوں کو کچھ دخل نہیں ہے لیکن کونسل کی اسکیموں پر عمل کرنے کے لیئے وہ لوکل کمیٹیوں میں شرکت کر سکتی ہیں اور اس طرح تعلیمی کاموں میں وہ عملی حصہ لے سکتی ہیں۔ فی الحال یہ پیشین گوئی نہیں کیجا سکتی ہے کہ اس عظیم الشان کام کا کیا انجام ہوگا لیکن ظن غالب یہی ہے کہ اصول خانہ داری کے مضامین کی تعلیم نہایت اہم تصور کیجا دیگی

اور زمانہ دراز تک عورتوں کے لیئے اسکا ایک وسیع میدان کُھلا رہیگا خوش قسمتی سے ان مضامین کی تعلیم کی قدر ہونے لگی ہی اور ایسی بہت سی عورتیں باکار ہوگئی ہیں جن کو علمی مضامین سے دلچسپی نہ تھی۔ وہ زمانہ دور نہیں کہ ان مضامین کی تعلیم دینے کے خاص اسکول قائم کئے جاوینگے۔ کیونکہ یہ تحریک شروع ہوگئی ہی اور جب صدر مقامات پر ان اسکولوں کی نگرانی ہوگی تو اسکا اثر اضلاع پر بھی پڑیگا اور اضلاع میں بہت سی آسانیاں پیدا ہوجاینگی اور ظاہر ہی کہ ان جدید آسامیوں کے لیئے عورتوں کی زیادہ تر ضرورت پیش آئیگی اور اُن ہی کو ترجیح دی جاویگی کیونکہ علاوہ ٹیکنیکل علوم کے اُنکی عام تعلیم اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہی اور ان میں انتظامی قابلیت بہت زیادہ ہوتی ہی۔ ان صفات کی عورتوں کو غالباً نہایت معقول تنخواہیں ملیں گی اور اُنکی تعداد بڑھجانے سے ہر کس و ناکس اُنکی آمدنی کو کم کرنیکا مجاز نہوگا آجکل اُنکی خدمات کا اُنہیں بہت کم معاوضہ ملتا ہی۔ اس تعلیم کی یقینی توسیع کی بنا پر کیا لڑکیوں کے والدین کو یہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہی کہ اصول خانہ داری کے مضامین کی تعلیم دینے والی مدارس میں ۲ سال تک تعلیم دلانا جس میں صرف ۱۸ پونڈ سالانہ کا خرچ ہی اُنکے لیئے زیادہ کار آمد نہوگا بہ نسبت اسکے کہ اکسفورڈ یا کیمبرج یونیورسٹی میں اپنی لڑکیوں کو ۴ سال تک ۷۰ سے ۱۰۰ پونڈ سالانہ تک صرف کرکے تعلیم دلائیں ہم بیان کرچکے ہیں کہ سررشتہ تعلیم کی معمولی ملازمت میں عورتوں کو شاذ و نادر ہی ۱۵۰ پونڈ سالانہ سے زیادہ تنخواہ ملتی ہی اور صرف پیشہ معلمی ہی عورتوں کو روزی پیدا کرنیکا آسان اور عام وسیلہ ہی۔ ہمارے نزدیک تو اصول خانہ داری کی تعلیم دینے والی عورتیں اس سے زیادہ رقم صرف موسم سرما کی فصل میں پیدا کرلیتی ہیں اور موسم گرما میں خواہ وہ آرام کریں یا اپنی استعداد بڑھانے کی کوشش کرتی رہیں۔

اعلیٰ تعلیم کی ملازمتیں

عورتوں کے لیے صرف چند آسامیاں اعلیٰ تعلیم دینے یا نگرانی کا کام انجام دینے کی ہیں اور

مذکورہ بالا آسامیاں ابھی قائم ہوئی ہیں ہائی اسکولوں کی افسری کی آسامی البتہ اعلیٰ درجہ کی جگہ ہے اور اس کی تنخواہ بھی معقول ہے۔ اس کی ابتدائی تنخواہ ۲۵۰ پونڈ سالانہ اور کبھی ۵۰۰ پونڈ سالانہ ہوتی ہے، اور رہایش کے لیئے مکان مفت ملتا ہے اور ۱۰ شلنگ سے ۲۰ شلنگ تک فیس بھی ملتی ہے بشرطیکہ طالبات کی تعداد ۱۰۰ سے زیادہ ہو اسلیئے معمولی قیام پر مسٹرس کو اسکول کی نگرانی اور انتظام کے صلہ میں ۱۵۰ پونڈ سے ۲۰۰ پونڈ سالانہ تک ملجاتے ہیں۔ کیونکہ ایسے اضلاع میں بہت کم تنخواہیں دیجاتی ہیں بعض مقامات پر تو مسٹرس کو ۷۰ پونڈ سے ۸۰ پونڈ سالانہ تک ملجاتے ہیں کالجوں اور ٹریننگ کالجوں کی افسری اور آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی میں پروفیسروں کی آسامیاں عورتوں کے لیئے صرف معدودے چند ہیں۔ ان آسامیوں کی تنخواہیں کچھ زیادہ معقول تو نہیں ہیں لیکن یونیورسٹی کی خوشگوار اور دلچسپ زندگی کے باعث یہ مرغوب طبع ہو گئی ہیں بہت کم عورتیں بطور یونیورسٹی لیکچررز کے مقرر کی گئی ہیں اور انکے متعلق ہم بجز اسکے اور کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ صرف صنف نازک ہونے کے باعث اُنکے ساتھ تعصب کا برتاؤ کیا جاتا ہے اور یہی مشکل اُنکے تقرر میں حائل ہوجاتی ہے۔

نصائح ارسطو

بسلسلہ گذشتہ

۴۱۔ علما کی صحبت سے اور کتب حکمیہ کے مطالعہ کرنے سے فرحت بخش زندگی حاصل ہوتی ہے، عالم ہمیشہ اپنی جہالت کو پہچانتا ہے اسلیئے کہ وہ اپنے آپ کو جاہل سمجھتا ہے بس جو شخص اپنے آپ کو جاہل جانتا ہے ہمیشہ کسی نہ کسی امر کے معلوم کرنے میں ساعی رہتا ہے"

۴۲۔ جاہل عالم نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے آپکو عالم سمجھتا ہے ایسا شخص کبھی کسی امر کے معلوم کرنیکی جانب مائل نہیں ہوتا"

۳۳۔ ایسے غنا کو حاصل کرو جسے فنا نہیں اور اُس زندگی کو ڈہونڈو جس میں تغیر نہو اور اُس ملک کے حاصل کرنے میں کوشش کرو جو زوال سے محفوظ ہو اور اُس بقا کے حصول میں کوشاں ہو جسمیں اضمحلال نہو"

۳۴۔" انسان کو ہمیشہ اپنی ذات سے اپنی حالت کی اصلاح کرنی چاہئے تاکہ اسکے ہم جنس اُسکی پیروی کرنے لگیں"

۳۵۔" جو شخص صادق العقول ہو وہ ہمیشہ ہر ایک آفت و صدمہ سے محفوظ رہتا ہے"

۳۶۔" جو شخص اپنے مذہب کی باگ مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہے اُس سے کوئی نہیں لڑتا"

۳۷۔" زوال پذیر چیز پر ناز و فخر کرنا حماقت ہے"

۳۸۔" غفلت سے ندامت اور سچائی سے صداقت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے"

۳۹۔" جھوٹ لاعلاج مرض ہے"

۴۰۔" بادشاہ سے مخالفت و مخاصمت کرنیوالا شخص قبل از وقت اپنے آپکو ہلاک کرتا ہے"

۴۱۔" غمازی و چغلخوری دلوں میں بغض و کینہ پیدا کرتی ہے"

۴۲۔" جاہل کی زبان موت کی کُنجی ہے"

۴۳۔" حاجت و ضرورت حیلوں کے دروازے کھول دیتی ہے"

۴۴۔" ادب سیکھنے کے لئے استاد کافی ہے"

۴۵۔" انقلاب زمانہ نصیحت حاصل کرنے کے لیے عمدہ سبق ہے"

ارسطو سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ وہ کونسی شے ہے جسکے ظاہر کرنے کی ممانعت کی گئی ہے جو نفس عمدہ ہے جواب دیا کہ اپنے خصائل حمیدہ کی تعریف کرنا ہر جدید شے سے عمدہ ہے" ارسطو نے ایک شخص کے اونٹ کو بہت کھاتے دیکھکر کہا کہ زیادہ غذا کھانے سے قوت

نہیں پیدا ہوتی بلکہ اس غذا سے قوت پیدا ہوتی ہے جسکو بدن ہضم کر سکے۔
ایکمرتبہ ارسطو نے ایک نوجوان سے جو تحصیل علم میں سستی و کاہلی کیا کرتا تھا کہا اے عزیز اگر علم کے حاصل کرنے کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا تو تجھکو بار جہالت کا متحمل ہونا چاہیے۔

حکیم محمد اصلح مارہروی"

عصمت کی دیوی

اور کہا اسقدر قیمتی انگوٹھی میں کسی طرح پہننا پسند نہ کرونگی۔ معاف کیجئے آپنے مجھے عنایت فرمائی ہے میری جانب سے شہر بانو کو دیدیجیگا۔ برجیس جہاں نے یقین دلایا کہ میں کچھ جانتی بھی نہیں کہ کیا معاملہ ہے۔ مہرو کو تو یقین تھا ہی کہ بیگم لاعلم ہیں یہ جنون تو سیان ذاکر کا ہے۔
مہرو (آنکھوں میں آنسو بھر کے) مجھے خوب معلوم ہے کہ اسکا علم آپ کو ہرگز نہیں ہے مگر یہ بھی یقین کیجئے کہ اتنی جرأت بھی ہر کوئی کر نہیں سکتا کہ یوں آپ کا فرضی نام رکھکر تحفہ تحائف بھیجے۔ آہ نہیں معلوم زمانہ مہرو کے ساتھ اور کیا سلوک کرنیوالا ہے یہ تحفہ تحائف لینے والی مہرو نہیں ہے ہرگز نہیں ہے۔ زمانہ کے انقلابات نے مہرو بدنصیب مہرو کو سب کی نظروں میں بہت سبک بنا رکھا ہے ورنہ ہرگز کسی کی اتنی ہمت نہ پڑتی کہ یوں مہرو سے برتاؤ کرے۔ شہر بانو کی محبت آپ کی مروت نے مجھے مجبور کیا پڑھانے کچھ بتانے پر راضی ہو رہی۔ مگر لوگوں نے مہرو کے بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا (ایک بیک چہرہ تمتما اُٹھا جوش دل کو دباتے ہوئے) لوگ سمجھ رہے ہیں کہ مہرو کا کوئی نہیں ہے۔ مہرو ہر گھر کی ساگ بھاجی بنجائیگی۔ بخدا مہرو خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہے کہ کہ پردۂ دنیا پر مہرو کے ہمدرد مہرو کے مالک و مختار زندہ و موجود ہیں (ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے)
برجیس جہاں نے جو عرق خجالت میں غرق ہو رہی تھیں سر اٹھا کر مہرو کو سینے سے لگا لیا پیشانی چومکر کہا۔

برجیس جہاں - مہرو پیاری مہرو تمہاری خفگی ہر طرح بجا ہے میں بالکل قائل و پشیمان ہوں مگر ہاں بتادونگی کہ برجیس نے کیا کیا - پیاری بی بی میں تم کو شہربانو کی برابر سمجھ رہی ہوں بیشک تمہاری طرح کی نگہبانی مجہپر فرض ہے ہائے میں نہیں سمجھی ہاں اب سارا معما حل ہوگیا - تم غم و غصہ نہ کہاؤ دیکہوں تو کسکی مجال ہے جو دوبارہ تمکو ان شکایتوں کا موقع دے -

مہرو - آپکی مہربانی اور الطاف مہرو پر بے انتہا ہیں - خدا آپ کو اس کی جزائے خیر دے - شہربانو آپ کی دل کی سرور کلیجہ کی ٹھنڈک ہمیشہ ہمیشہ زندہ سلامت رہے مجھے ہرگز ہرگز آپ سے شکایت نہیں نہ میں اور کسی کی کرونگی کیونکہ میں خوب جانتی ہوں کہ ہمارے ہندوستان اور دوسری مقدس متبرک جگہ کی سرشت اور وہاں کے لوگوں میں زمین آسمان کا فرق ہمیشہ سے رہا ہے - بھلا یہ کیونکر ظہور میں نہ آئے - بیگم ہمارے ہندوستان نے عجیب و غریب پردہ اختیار کیا ہے کہاں پاک سرزمین عرب کا مذہبی پردہ اور کہاں ہندوستان کی جہالت کا ایجاد کردہ بدنما پردہ بہت فرق - مگر بیگم میں آپ کو یقین دلاتی ہوں عرب کی خواتین باہر نکلتی ہیں مسجدوں میں جاتی وعظ و پند سناکرتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو انکی جگہ ہر محفل ہر مجلس میں ہوا کرتی ہے غیر مرد اور خواتین ایک دکان پر جاتی ہیں اپنی حسب خواہش چیزیں خرید کر لاتی ہیں حرم شریف میں جاتی ہیں مرد عورت طواف برابر کیا کرتے ہیں - قہوہ خانوں میں مرد کی طرح عورتیں برابر برابر حصہ لیتی ہیں آپ پیتی ہیں اپنی ملاپ دار بہنوں کو پلاتی ہیں - غرض جیسے مرد کو آزادی حاصل ہے ویسے ہی سرزمین عرب پر عورتوں کو پورے حق حاصل ہیں وہاں کا دس سالہ بچہ بھی ویسے ہی حریت لنسواں کا حامی نظر آئیگا جیسے تعلیم یافتہ روشنضمیر مرد ہوا کرتے ہیں مگر خدا کے فضل و کرم سے اُنکی نظریں بالکل صحت ور ہوا کرتی ہیں - اُنکے پاک و بے لوث دل انکی پاک بیگناہ نظریں بالکل قابل قدر ہیں ان سے بھول کر غیر عورت پر نظر بد دیکھنا ہو نہیں سکتا اُنکے پاک دل بُرے خیالات کو جگہ دے نہیں سکینگے - مگر آہ ہمارے ہندوستانیوں کی دل و نظر ہنوز علاج پذیر ہیں - انہیں پوری پوری روحانی تعلیم دیجائے انسان بیٹ پالنے

کی غرض سے دو چار ڈگریاں حاصل کر لے تو انسان کہلائے جانیکا ہرگز مستحق نہیں نہ میرے خیال ناقص میں نہ کوئی اہل بصیرت اہل علم و دانش اسکو انسان کہیگا۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ چاہیے کہ انسان دینی اور روحانی تعلیم حاصل کرلے ہم ہندوستانیوں کے آب و دانہ نے ہمیں عرب سے کوسوں فاصلے دور کر رکھا ہے تو یہ ضرور نہیں کہ ہم اپنے تمدن کو بھی بھول جائیں اور دوسروں کی تقلید کیا کریں یوں اپنی حالت بگاڑیں۔ ہمیں چاہیے کہ جہاں ہم رہیں ہر وقت اپنے پاک مذہب کے اصول تمدن کے خیال کو دل و دماغ میں گھر بنا کیں مگر آہ یہ بات ہم میں نہیں رہی ہم نام کے مسلمان رہ گئے۔ کیئے تو ہم نے دنیا میں آجتک کیا کیا ہے اپنی سوشیل زندگی کیسی بنا رکھی ہے ہم آج ساحل عرب پر جا اتریں اسی وقت سے ہمارا دل اندازہ لگائیگا اور ہمیں ملامت کریگا اور اچھی طرح قائل معقول کریگا کہ ہم میں اور وہاں کے مسلمان (جو درحقیقت مسلمان کہلائے جانے کے مستحق ہیں) بھائیوں بہنوں میں کسقدر فرق ظاہر ہوگا۔ خدا کرے کہ ہمارے ہندوستان کے لوگ ان باتوں کے پورے رموز سمجھ جائیں اور وہ مبارک دن جلد آئے کہ ہم بھی دراصل مسلمان کہلائے جانے کے مستحق ہوں۔ اتنا کہکر مہرو نے سر اوپر کو اٹھاکر۔ ارے ہے کتنا دن باقی رہا ہے بیگم صاحبہ نہایت ادب کیساتھ مہرو معافی چاہتی ہے اسنے اتنی دیر آپ کی سمع خراشی کی اور مہرو بندہ احسان ہے کہ آپنے اتنی دیر اسکو اسقدر کہنے کی اجازت دی ہے بربیں جہاں مہرو کی ہر ایک بات بالکل محو حیرت ہو کر سن رہی تھیں۔ مہرو کو سینے سے لگاکر پیار کرکے کہنے لگیں پیاری بیٹی! تونے باتوں باتوں میں گویا مسیحائی کی ہے ایک تازہ روح میں اپنے جسم میں پاتی ہوں۔ خدا کرے تیری من مانگی مرادیں حاصل ہو جائیں۔ مہرو تیری تقریر معجز نما ہے تیری لیاقت تیری ذہانت کی تعریف کس طرح کیجائے بیٹی ہندوستان کی ہر خوش نصیب ماؤں کو تجھ سی لائق ہونہار جائی نصیب ہو۔ تجھ جیسی لڑکیاں ایک دن ہندوستان کے دن پھیرینگی۔ تیری لیاقت ایسی نہیں ہے اور تم خود اس قابل ہرگز نہیں ہو کہ یوں بیچارگی کی حالت میں دن گذارو۔ الہی تو میری مہرو کا نصیبہ نیک کردے گھر در سے

جلد آباد ہو جائے۔ مہرو پیاری مہرو تجھ سی ماؤں کی اولاد درحقیقت آسمان اوج کے ستارے بنکر چمکے گی اور تم جیسی مائیں درحقیقت اولاد کے لیئے ماں ہونگی۔ بیٹی تو نے مجھسے شکایت کیا کی گویا میری آنکھوں سے سیاہی کا پردہ اٹھ گیا اس کی جگہ ایک تازہ روح جسم میں آگئی ہے۔ مہرو میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ جب تک میں زندہ رہونگی تمہاری ہر طرح نگہبانی تمہاری ذمہ داری اپنے اوپر فرض سمجھونگی مگر پیاری اطمینان رکھو بالکل تمہاری خوشی کے خواہاں تمہارے حسب منشا ہر کام ہوا کریگا تم اپنے تئیں بالکل خاطر جمع رکھو تم خود اس قابل ہو کہ مائیں تم سے صلاح مشورہ لیا کریں پھر تو تم خود اپنے لیئے کیوں نہ ایسا کرو گی جو ہم سے زیادہ عمدہ مناسب ہو خدا تمہیں بیٹی ہمیشہ زندہ و سلامت خوش رکھے تیری تاثیر صحبت خدا کرے شہر بانو کو کچھ بنا کر بتا دے۔ بیگمیں یہ کہکر مہرو کو بار بار گلے سے لگا کے رخصت ہوئیں۔

باب نوزدہم

(دن پھرنے والے ہیں)

غم و الم میں اگرچہ بہت گذارے دن ۔:۔ خدا کے فضل سے آخر پھرے ہمارے دن

وے داد اے فلک دل حسرت پرست کی

ہاں کچھ نہ کچھ تلافیٔ مافات چاہیئے

شہر بانو کے لیئے اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ بہت جلد والدین سے بچھڑ کر سسرال آباد کرنیوالی ہیں پھر جب سے جہاں نے دستور زمانہ کی طرح اپنی پیاری بیٹی سے گوشہ نشینی اختیار کروائی ہے تیاریاں بڑی دھوم سے دونوں طرف شروع ہوگئیں ہیں۔ مگر نواب صاحب اور بیگمیں جہاں منتظر ہیں کہ پہلے مہرو کے فرض سے ادا ہو جائیں تو پھر با اطمینان شہر بانو

کو رخصت کریں مگر مجبور ہیں کہ مہرو کے لیئے کیا کیا جائے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مہرو کے خلاف مرضی کوئی کام کریں - اور مہرو کو صدمہ پہونچے واقعی۔ مہرو کی راہ میں اسقدر روڑے پڑے ہوئے تھے کہ نواب صاحب اور برجیس جہاں پریشان تھیں کہ کس طرح معاملہ سلجھایا جائے کیونکہ مہرو نے اگر دنیا میں بعد جان عالم کے کسی کو اپنا ہمدرد غمخوار و خیرخواہ سمجھا تو نواب صاحب اور برجیس جہاں کو انکو مہرو کے حالات سے من وعن واقفیت حاصل ہو چکی تھی اور مہرو کی مصیبت بھری داستان بڑے رنج و افسوس کے ساتھ سنا کرتے اور مہرو کی دل سے قدر کرتے تھے - درحقیقت مہرو نے بھی مناسب نہ جانا کہ نواب صاحب کے سے بزرگ، برجیس جہاں کی سی نیک خاتون مہرو کے حالات سے لاعلم رہیں اور اسپر طرہ یہ کہ میاں زاردالے معاملہ نے مہرو کو مجبور کیا کہ اپنی کل کیفیت اپنی پاکدامنی استقلال، صبر وتحمل سے ان کو پوری طرح واقف کرے جب مہرو کی کل کیفیت سے آگاہی ہو چکی، برجیس جہاں نے اقرار لیا کہ مہرو انکے محل میں آرہے - مہرو نے پہلے تو کچھ تامل کیا کیونکہ میاں زاردالا معاملہ اسکے پیش نظر رہا تاہم اسنے یہی مناسب سمجھا کہ برجیس جہاں کی سی نیک دل خاتون کی دل شکنی نکرے اور یوں بھی ہر طرح مناسب ہی کہ برجیس جہاں کا کہا کیا جائے - چنانچہ مہرو ہر طرح کا لیت ولعل پیش کرکے بہت کچھ اپنے دل میں غور کرکے آخرکار برجیس جہاں کے پاس آرہی اس میں شک نہیں کہ وہ ہر طرح اب بالکل محفوظ ہو گئی اسکا دل جو ہمیشہ انواع واقسام کے تفکرات سے بھرا رہا کرتا تھا (جو عالم تنہائی میں مہرو کو آآ کر ستاتے رہتے تھے) ایک گونہ سکون پذیر ضرور ہوا - اب اسکو اس طرح کی آزادی حاصل تھی جو ایک سچے محافظ کے پیدا ہونے سے ملسکتی ہی - برجیس جہاں درحقیقت بےمثل خاتون تھیں انہوں نے مہرو کو غیر نہ جانا شہربانو کے لیئے جو مناسب بہتر سمجھتیں پہلے مہرو کے لیے کرتیں ہمیشہ اپنی ملاپ والیوں عزیزوں، رشتہ داروں میں برجیس جہاں نے خدا کا شکر کیا اور کہا کہ قادر مطلق نے مجھے مہرو سی بیٹی عطا کرکے گویا دولت ہفت اقلیم عطا فرمائی ہے اور نواب صاحب بھی بے انتہا

مسرور تھے کہ مہرو کے دن پھر گئے۔ تاہم اکثر وہ سوچا کرتے کہ مہرو کے متعلق کیا کرنا چاہیے اور بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ انتظار کرنے لگے کہ دیکھیے آیندہ کیا ہوگا۔ جانعالم کا کہیں پتہ نہیں خط لکھیں تو کیونکر۔ دو چار خط جیسے گئے بے نیل مرام واپس آئے۔ حیران ہیں کہ کیا معاملہ ہے جانعالم کہاں ہیں کیونکر کھوج لگے۔ یوں دو چار مہینے گذر چکے اور کوئی واقعہ ایسا نہوا تو مہرو کی زندگی کی ڈائری میں یادگار ہوتا۔ ہاں یہ بات ضرور ہوئی کہ اتنی مدت میں بر جبیں جہاں کے پاس مہرو کے لیئے کئی اعلیٰ خاندان کئی معزز جگہ سے پیام آتے رہے مگر بر جبیں جہاں نے ہر ایک پیام رد کیا کہا کہ مہرو منسوب شدہ ہے کسی غیر کا حق نہیں رہا عنقریب مہرو بیاہی جائیگی۔ اس سوکھے جواب نے بہتیوں کی کشت آرزو پر پانی پھیر دیا۔ مگر بر جبیں جہاں اپنی جگہ بہت سرگرداں ہیں کس طرح جانعالم کو پائیں۔ ہاں سچ ہے بالکل سچ ؎

کون بیکس کا معاون ہے بجز ذات خدا
غیب سے اُس کی مدد اُسکی کمک ہوتی ہے

باب ہفتم

دُرِ مقصود ہاتھ لگا

سحر ز ہاتفِ غیبم رسید مژدہ بگوش ؎
کہ کس ہمیشہ گرفتار غم نہ خواہد ماند ؎

رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہو چکا کل عید الفطر ہوگی۔ آج پیاری مہرو متفکر ملول سی معلوم ہو رہی ہے اسکا پیارا چہرہ کچھ روزوں کی وجہ سے کچھ دلی تفکرات کے سبب کملا گیا ہے گویا

عید کے ہلال کے ساتھ ہی ہماری مہرو کا منور بدر کامل سا چہرہ ہلال بنا ہوا ہی۔ برجیس جہاں کی محل میں کئی دن سے کل کے لیئے تیاریاں ہو رہی ہیں کہیں میوؤں چھواروں کا ڈھیر لگا ہے محل میں حنائی آرائش ہو رہی ہی۔ شہربانو اداس اور ملول سی ہو رہی ہی کہ عید الفطر گویا اسکے وداع کا پیام لائی ہی والدین سے بہت جلد شہربانو جدا ہو جائیگی سسرال میں انکے آنے کی بڑی دہوم ہی۔ مہرو ہماری پیاری مہرو (خدا نے ہمیشہ سے سوچ فکر کرنا گویا اسکی زندگی کے اصول بنا دئے ہیں) - ابہی بڑے گہرے خیالات میں مستغرق پائی جاتی ہی اگرچہ اب اس کی زیادہ پریشانی نہیں رہی۔ تاہم وہ ملول متفکر ضرور ہی۔ برجیس جہاں مہرو کو کبہی اس حالت میں دیکہہ نہ سکتی تہیں۔ شہربانو پر برابر تاکید کرتیں کہ مہرو کو متفکر ہونیکا موقع نہ دے۔ اب شام ہو چلی توپ کی آواز نے سب کو افطاری پر اور ساتھ ہی درگاہ باری میں مودب حاضر ہونے کی یاد دلائی۔ مغرب کی نماز کے بعد سبہوں نے کہانے سے فراغت حاصل کی مہرو آج برجیس جہاں کو خدا حافظ کہیئے۔ معمول سے پہلے کمرے میں گئی۔ برجیس جہاں۔ کیوں مہرو کیا کہنے آئی تہیں آؤ بیٹہو تمہاری بہن کہاں ہی۔ روزہ داری میں بالکل وہاں پان ہو رہی ہو چہرہ کسقدر اترا ہوا ہی۔

مہرو (شکریے کی نگاہ ڈالکر مسکراتے ہوئے) جی نہیں امی جان آپ کی مہرو ہر طرح اچہی اور تندرست ہی آپکی محبت بہری نگاہوں نے آپ کے محبت بہرے دل نے آپ کو اسطرح کہنے پر مجبور کیا ہی۔ ہاں آج جب سے نہائی ہوں دردسر نے ذرا بے چین سا کیا ہی۔ برجیس پیاری جاؤ سو رہو اللہ حافظ اللہ نگہبان کوئی مطالعہ اسوقت نکرنا خدانخواستہ طبیعت خراب ہو گی۔

مہرو۔ جہککر۔ آداب خدا حافظ کہکر کمرے سے نکلی برجیس جہاں نے پیشانی چوم لی۔ آج مہرو دردسر کی وجہ سے خلاف عادت پہلے سے بیڈ پر چلی گئیں۔ سوئی تو ایسی میٹہی نیند آئی کہ کچھ ہوش نہ رہا لمپ ویسی روشنی سے جل رہا ہی۔ گو مہرو عالم مدہوشی میں ضرور تہی

مگر وہ عالم رویا کی سیر کر رہی تھی۔ کیا دیکھتی ہے کہ مہرو اپنے کمرے میں ملول متفکر لیٹی ہوئی ہے کہ مہرو کے والد مرحوم جو اپنی پیاری بیٹی کو بے بس بیکس چھوڑ دنیا سے سدھار گئے تھے بیٹی کے سرہانے کھڑے فرما رہے ہیں کہ مہرو مہرو پیاری بیٹی تیرا پیارا پدر تجھے یہ بشارت دینے آیا ہے۔ بیٹی تو خوش ہوجا۔ خدا نے تیرے صبر و استقلال کا پورا امتحان لیا ہے۔ بیٹی جانتی نہیں صابر کا البتہ خدا کے پاس کیا رتبہ ہے۔ ان اللہ مع الصابرین ۔ خدا صابر کے ساتھ ہوگا۔ بیٹی تیرے صبر و استقلال اور خدا کی ہر حالت میں شکر گذاری جو تو کر رہی تھی اور تیری پاکدامنی تیری پارسائی پر مجھے یہاں مبارکباد دی جا رہی ہے۔ پیاری بیٹی خوش ہو کہ اب تیرے دن پھر گئے ہیں خدا نے تیری سن لی ہے تیری کانٹوں بھری زندگی اب پھولوں میں تولنے کے قابل بنجائیگی۔ پیاری تو یہ سمجھ کہ تیرا کوئی ہمدرد نہیں رہا۔ نہیں یہ بات نہیں۔ تیرا سچا خیر خواہ تیرا بچپن کا رفیق اب بھی تیری رفاقت کا دم بھر رہا ہے تیرے بغیر اسنے اپنی زندگی خطرے میں ڈال رکھی ہے وہ تیرے کھوئے جانے پر تیرا سخت متلاشی رہا ہے چنانچہ اب بھی وہ سرگرداں ہے، دنیا کا کوئی کونہ چپہ چپہ تیرے لیے چھان مارا ہے۔ دیکھ بیٹی اسکی قدر کر اس کی شرافت اور قدردانی میں شک نہیں یہ لڑکا ہمارا پسندیدہ منظور نظر ہو چکا ہے دنیا میں اس سے زیادہ قدردان تیرے لیے کوئی نہوگا۔ بیٹی صبح ہوتے تیری ساری کلفتیں دور ہونگی دیکھ وہ آپہنچا وہ تیرا سچا قدردان و جاں نثار۔ خدا تجھے ہمیشہ۔

(باقی آیندہ)

ایک ماسٹر کی سرگذشت

بسلسلہ گذشتہ

جوں ہی مکان کے اندر قدم رکھا آنکھیں کھل گئیں، مکان کیا تھا بہشت کا نمونہ تھا۔ نئی
دلہن کی طرح سر سے پاؤں تک آراستہ و پیراستہ۔ گلدستوں اور شاداب پودوں کے گملوں
سے گلزار بنا ہوا تھا۔ ہر چیز ٹھکانے سے بڑے قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ جدھر نظر جاتی تھی پھر
وہاں سے ہٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ در و دیوار پر نور برس رہا تھا ہر چیز زبان حال سے کہہ رہی تھی
کہ وہ کس موقع کے لیے بنائی گئی ہے دلربا تصویریں جو موقع موقع پر لگائی گئی تھیں مہمانوں کو مبہوت بنائے
ہوئے تھیں میز کی سجاوٹ کا تو کہنا ہی کیا تھا اب ہم حیران تھے کہ یاالٰہی یہ کرشمہ یہ تماشہ کیا ہے
کہیں سونے جاگنے کا قصہ تو نہیں ہے۔ کل یہاں کیا تھا اور آج یہاں کیسا گل کھل گیا کل نثار یہاں سے
بھاگا تھا اور آج یہاں سے ہلنے کو اسکا دل نہیں چاہتا ہے

ہر کار کہ بہ ہمت بستہ گردد ۔۔۔۔

اگر خارے بود گلدستہ گردد ۔۔۔

ہم نہایت پر تکلف کرسیوں پر میز کے ارد گرد بیٹھ گئے اور کھانا سرو کیا جانے لگا اسوقت
ہماری خوشی اور انبساط کا اندازہ مشکل تھا بار بار ہم کہتے تھے کہ سبحان اللہ اگر انسان چاہے
تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ بعد کھانے کے نثار نے جوش مسرت سے جو تقریر کی وہ کھانے سے زیادہ
مزیدار تو نہیں ہے مگر ذرا اسکا بھی نمک چکھ لیجئے۔

"پیارے میزبان اور پیارے دوستو! پہلے تو نثار کو یہ بتلا دیجئے کہ وہ اسوقت خواب میں ہے
یا بیدار۔ اگر خواب میں ہے تو یہ کیسا خواب دیکھ رہا ہے اور اگر بیدار ہے تو یہ کیا تماشہ ہے کہ کل اسی جگہ
وہ دوزخ میں تھا اور آج بہشت میں۔ پیارے دوستو! یہ سب انسانی دل و دماغ کے کرشمے
ہیں یہ دونوں خواہ انسان کو بہشت میں لیجائیں یا دوزخ میں جھونک دیں۔ وہی دل و دماغ
کل تھا کہ ہم دوزخ میں تھے اور وہی دل و دماغ آج ہے کہ ہم بہشت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔
اب سوال یہ ہے کہ اتنی جلد کیونکر انکی حالت بدل جاتی ہے اصل یہ ہے کہ یہ دونوں علم کی گورنمنٹ کے
ماتحت ہیں اگر نہایت اطاعت شعاری کیساتھ یہ اپنی گورنمنٹ کے وفادار ہیں تو یہ بہشت میں

ہیں اور اگر اپنی سرکار سے بغاوت پر انہوں نے کمر باندھ لی ہے اور اُسکی دارالحکومت سے یہ بھاگ گئے باغی ہو جاتے ہیں تو یہ جہنم میں ہیں بس اسی سے نتیجہ نکال لیجئے ہم نہیں چاہتے تھے کہ میز کو چھوڑیں اور بہشت سے نکل جائیں مگر اب ہم گیہوں کی روٹیاں کھا کر بہشت میں کیونکر رہ سکتے تھے نکالے جانے سے پہلے ہم اپنے اپنے گھروں کو سدھار گئے۔

جب ماسٹر صاحب اور میر صاحب کھانا کھا چکے ماسٹر صاحب نے کہا اچھا میر صاحب پندرہ منٹ تک قیلولہ کر لو پھر کام بتایا جائیگا۔ دونوں نے پندرہ منٹ تک قیلولہ کیا اب ماسٹر صاحب نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر دیا اور کہا کہ بہت جلد اس کی یہ چیزیں لے آؤ۔ دیا سلائی کے بکس، ہاتھرس کے چاقو، سگرٹ کے بکس، سوئیاں، پنچکیں، اور دیکھو یہ سب چیزیں حافظ جی کی دکان سے لانا جو بازار کے نکڑ پر ہے اور میرا نام بتا دینا اور اتنا کہہ دینا کہ تجارتی نرخ سے دیں مکان سے دکان کچھ دور نہیں تھی تھوڑی دیر میں میر صاحب لے آئے، ہر چیز کو ماسٹر صاحب نے اچھی طرح دیکھ لیا اور میر صاحب سے کہا کہ ان سب کو نوٹ بک میں لکھ لو مع تعداد اور قیمت کے پھر کہا کہ لو اب آؤ اور اب وہ کوئلے اور چاول کی پیچ لے آؤ اور سل بٹہ بھی۔ میر صاحب نے حکم کی تعمیل کی جب میر صاحب لے آئے تو ماسٹر صاحب نے کہا کہ سل پر چاول کی پیچ ڈال ڈال کر یہ سب کوئلے پیس ڈالو اور اس کی ٹکیاں بنا بنا کر دھوپ میں رکھتے جاؤ جب ٹکیاں تیار ہو گئیں تو ماسٹر صاحب نے اُن کو گنا ساٹھ ٹکیاں شمار میں آئیں اور دو گھنٹہ میں یہ ٹکیاں سوکھ گئیں۔ اب ماسٹر صاحب نے گودام سے ایک بانس کا خوانچہ نکالا اور ایک چھپا ہوا سرخ دسترخوان اور اُسے خوانچہ میں بچھا کر وہ سب چیزیں دیا سلائی ٹکیاں وغیرہ لگا دیں اور ٹھیک ساڑھے تین بجے میر صاحب سے کہا کہ اچھا تم اس خوانچہ کو اسٹیشن پر لیجاؤ باہر مسافر خانہ ہے ان چیزوں کو فروخت کرو پہلے تو میر صاحب بہت ہی چکرائے مگر وعدہ کر چکے تھے کہ جو اُنکے آقا کہیں گے اُس کی تعمیل ہو گی "قہر درویش برجان درویش" میر صاحب نے خوانچہ اٹھایا اور چل دیئے اول تو کچھ راستہ میں بکری ہوئی اور جب اسٹیشن کے مسافر خانہ پر پہنچے

تو کوئیلوں کی ٹکیوں پر اور سگرٹ اور دیاسلائیوں پر مسافر لوٹ پڑے اور ہاتھوں ہاتھ کل دیاسلائی کے بکس، سگریٹ اور ٹکیاں بک گئیں۔ دو چار چاقو بھی بک گئے اور ایک دو پیسہ کی سوئیاں اور پچک، غرض ساڑھے پانچ بجے میر صاحب بیچ کھوچ کر مکان پر واپس آ گئے۔ ہر چیز کا نرخ ماسٹر صاحب نے میر صاحب کو بتلا دیا تھا جب بکری کا اور اپنے مال کا ماسٹر صاحب نے حساب کیا تو گیارہ آنہ کا مال فروخت ہوا تھا اور اس ساڑھے گیارہ آنہ میں ساڑھے چار آنہ کا نفع ہوا تھا اب تو میر صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور کہا کہ یہ تو اچھا نسخہ ہی، ماسٹر صاحب نے کہا کہ اس ساڑھے گیارہ آنہ کا سودا کل حافظ جی کے یہاں سے پھر لے آنا۔

شام کا کھانا پھر میر صاحب نے پکایا اور اسوقت آلو۔ روٹی اور دو ایک چیز ماسٹر صاحب کی ہدایت پر میر صاحب نے تیار کی اور نہایت نفاست سے میز آراستہ کی اور پھر آقا اور نوکر نے ٹھیک ڈنر تناول کیا بعد ڈنر کے میر صاحب نے برتن دہوئے اور سب چیزوں کو نہایت عمدگی سے اُنکی معمولی جگہ پر رکھدیا پھر ماسٹر صاحب کا بستر لگایا اور موم بتی چھوٹی میز پر پلنگ کے پاس رکھدی اور پانی کا لوٹا بھی رکھدیا۔ اور وضو کر کے نماز پڑھی جب ماسٹر صاحب پلنگ پر لیٹ گئے تو میر صاحب سے کہا ذرا میز پر سے وہ کتاب تو اٹھا لاؤ دیکھو تو تم پڑھ سکتے ہو یا نہیں۔ میر صاحب کتاب اٹھا لائے اردو کی کتاب تھی اور اُس میں چھوٹے چھوٹے قصے تھے میر صاحب نے کچھ رُک رُک کر پڑھا کیونکہ جب سے مکتب سے بھاگے تھے پھر بھول کر بھی کتاب کو ہاتھ میں نہیں لیا تھا اب میر صاحب نے پڑھنا شروع کیا اور ماسٹر صاحب، جہاں کہیں غلطی ہوتی تھی بتاتے جلتے تھے، ایک گھنٹہ تک کتاب خوانی رہی۔ اب ماسٹر صاحب کو نیند نے آگھیرا اور خراٹے لینے لگے تب میر صاحب نے لمپ خاموش کیا اور اپنے بستر پر کمرے کے باہر آ لیٹے اب آقا اور نوکر دونو میٹھی نیند سو رہے ہیں صبح کو پھر دیکھا جائیگا۔ صبح ہوئی اور ماسٹر صاحب ساڑھے چار بجے حسب عادت اُٹھ بیٹھے۔ میر صاحب بھی ایک ہی آواز میں بولے کل کا موخت میر صاحب کو اچھی طرح یاد تھا سب کام نہایت خوش اسلوبی اور سلیقہ سے انجام دیئے۔

ماسٹر صاحب کو کچھ بتلانا نہ پڑا البتہ کہیں کہیں ٹوک دیا کرتے تھے آج ماسٹر صاحب کو دس بجے
سے پہلے تیار ہو جانا چاہیئے تھا دس بجے ٹھیک ماسٹر صاحب اسکول پہونچ جایا کرتے تھے
اسواسطے معمولی کاموں کے بعد فوراً میر صاحب ترکاری وغیرہ خرید لائے اور سوا نو بجے
میز پر کھانا لگا دیا اور دونوں ساڑھے نو بجے میز سے اُٹھ کھڑے ہوئے ماسٹر صاحب نے
اسکول کے کپڑے پہنے اور چلنے پر تیار ہو گئے۔ یہاں میر صاحب نے ماسٹر صاحب
کی واپسی سے پہلے سب کام ٹھیک کر رکھے کوئلہ کی ٹکیاں بھی تیار کر لیں اور حافظ جی کی دکان
سے سب مال بھی لے آئے اور خوانچہ بھی سجا لیا اور شام کے کھانے کے لیئے دو ایک
چیزیں بھی تیار کر لیں۔ ماسٹر صاحب جب اسکول آئے تو دیکھا کہ سب کام حسب منشا تیار
ہو گیا ہے بہت خوش ہوئے ساڑھے تین بجے کے قریب میر صاحب نہایت پھرتی سے اپنا
خوانچہ کاندھے پر رکھکر چلدیئے آج خدا کے فضل سے اچھی بکری ہوئی دو ڈھائی گھنٹہ میں
سوا روپیہ کا مال فروخت ہو گیا کیونکہ میر صاحب صرف ایک ہی بات کہتے تھے اور سب
گاہکوں کے ساتھ اخلاق اور شیریں کلامی کیساتھ پیش آتے تھے لوگ چیزیں خریدنے کو
انکی جانب بہ نسبت اور خوانچہ والوں کے زیادہ دوڑتے تھے پانچ ساڑھے پانچ بجے میر صاحب
لوٹ آئے اور کل بکری ماسٹر صاحب کے ہاتھ پر رکھدی ماسٹر صاحب بہت ہی کم ہنسا کرتے
تھے آج ذرا مسکرائے میر صاحب نے فوراً کھانا تیار کیا اور ساڑھے آٹھ بجے میز پر لگا دیا
اور پھر نہایت لطف اور مزے سے اپنے آقا کے ساتھ نوش جان کیا آج اپنے مال کی
قیمت اور بکری کا حساب ماسٹر صاحب نے جو کیا تو آج ساڑھے سات روپیہ نفع ہوا اس
طرح ایک ہفتہ میں پونے تین روپیہ کا نفع ہوا اب تو نہایت شوق سے میر صاحب پھیری
لگانے لگے اور تجارت کا چسکا لگ گیا۔ پھر ماسٹر صاحب نے کچھ ٹوپیاں اور چھوٹی چھوٹی اور
چیزیں خوانچہ میں بڑھا دیں اور ٹوپیاں بنانا بھی سکھا دیا۔ رات کو میر صاحب۔ ماسٹر صاحب
کو کتاب بھی سنایا کرتے تھے اس سے کچھ علمی لیاقت بھی بڑھ گئی اور بے فکری کیساتھ

کھایا پیا اب تو اور ہی رنگ روپ میر صاحب کا نکل آیا ماسٹر صاحب کی اس تعلیم نے میر صاحب کو تین چار باتیں سکھا دی تھیں۔

اول تو سچائی دوم دیانت داری، سوم جفاکشی، چہارم کسی کام کے کرنے میں عار نہ کرنا جب ماسٹر صاحب نے دیکھا کہ سید زادہ اُنکی منشا کے موافق انسان بن گیا ہے اب تو وہ نہایت محبت کرنے لگے اور انہوں نے تین سو روپیہ دیکر میر صاحب کو بازار میں ایک دُکان کھلوا دی بساط خانہ کیساتھ کچھ بوٹ شوز بھی شامل کر دیئے۔ اب میر صاحب تمام شہر میں راست گو مشہور ہو گئے اور چھناچھن روپیہ برسنے لگا اوہر ماسٹر صاحب کے گھر کے آدمی آ گئے۔ میر صاحب کو کھانا پکانے کی بھی ضرورت نہ رہی دُکان سے آکر دو دفعہ ماسٹر صاحب کے ساتھ کھانا کھا لیتے تھے۔ حساب کتاب ماسٹر صاحب کی ہدایت پر نہایت صاف رکھتے تھے اور جو کچھ بکری ہوتی تھی ماسٹر صاحب کے ہاتھ میں لا کر دیدیتے تھے اور ماسٹر صاحب سوچ سمجھکر اور بازار کا نرخ اور ہوا دیکھکر دور دور سے مال منگوا دیتے تھے پانچ روپیہ ماہوار جو میر صاحب کی تنخواہ تھی وہ ماسٹر صاحب پہلی تاریخ کو منی آرڈر کر کے میر صاحب کی بیوی کو بھیجدیا کرتے تھے کپڑا اور کھانا میر صاحب کا ماسٹر صاحب کے ذمہ تھا ایک سال اسی طرح گذر گیا اور دکان بہت مشہور ہو گئی اور دُکان میں کوئی دو تین ہزار کا مال ہو گیا کل روپیہ ماسٹر صاحب کا تھا اور جو کچھ نفع تھا وہ بھی شامل ہوتا جاتا تھا ڈیڑھ سال بعد ماسٹر صاحب نے کل مال اور روپیہ کا حساب کیا تو کوئی دو ہزار روپیہ کا نفع معلوم ہوا اب اُنہوں نے میر صاحب سے کہا کہ چونکہ میرا روپیہ لگا ہے اسواسطے نفع میں دو حصے تو میرے ہیں اور ایک حصہ آپ کا ہے آپ دکان چلائے جایئے اور اپنی بیوی بچوں کو بھی یہیں بلا لیجیے میر صاحب نے اپنے شفیق اور مہربان آقا کے حکم کی تعمیل کی اور اطمینان سے ایک علیحدہ مکان لیا اور نہایت فراغت سے رہنے لگے مگر اپنا دستور نہ چھوڑا جو کچھ روزانہ آمدنی ہوتی تھی کل ماسٹر صاحب کے سپرد کر دیتے تھے اور جو کچھ خرچ کی ضرورت پیش آتی تھی ماسٹر صاحب سے مانگ لیتے تھے۔

چونکہ خداوند اپنے عاجز بندوں کا کفیل ہے دن دونی رات چوگنی میر صاحب کو تجارت میں برکت نصیب ہوئی اور کافی سرمایہ جمع ہو گیا اب ماسٹر صاحب اور میر صاحب ساجھی بنے جائداد بھی خریدنے لگے۔ سب سے پہلے وہی دوکان خریدی جسپر بیٹھا کرتے تھے اسطرح آقا اور نوکر ایک زبردست تجارت پر قابو پا گئے اور ماسٹر صاحب بھی بعد لینے پنشن کے دوکان پر بیٹھنے لگے اور کاروبار کو آب اور وسعت دمی اور دونو ایماندار ساجھی شیر وشکر ہو کر رہنے سہنے لگے۔ مگر میر صاحب۔ ماسٹر صاحب کو آقا اور اپنے آپ کو نوکر جانتے تھے۔ یہ ہے اصلی قومی خدمت۔ اسکا نام ہے اپنی قوم کے ساتھ سلوک کرنا۔

ہر ہائینس جناب نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ کا سفرنامہ موسومہ سیر یورپ

ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ کے نام نامی سے ہمارے ناظرین بخوبی واقف ہیں۔ آپکی ذات بھی ہمارے زمانہ کی خواتین کے لیئے قابل فخر ہے۔ آپکے خیالات سے پبلک کو عام طور پر واقفیت نہ تھی کیونکہ آپ اخبارات ورسالوں میں مضامین بہت کم لکھتی ہیں مگر جو لوگ جناب ممدوحہ کو جانتے تھے وہ انکو زمانہ حال کی اُن خواتین میں جو ہمارے ملک کے فرقۂ اُناث کے لیئے تعلیم وتہذیب میں رہنمائی کر رہی ہیں ایک بڑے امتیاز کا درجہ دیتے تھے۔ اب خوشی کا مقام ہے کہ جناب ممدوحہ نے خود عام پبلک کو اپنی کتاب "سیر یورپ" کے ذریعے سے اپنے خیالات کے متعلق صحیح رائے قائم کرنیکا موقع دیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد پھر کوئی شخص اس بات کا محتاج نہ رہیگا کہ اسکو جناب ممدوحہ کی بینظیر قابلیتوں سے متعارف کیا جائے۔ مگر شرط ہے کتاب کا پڑھنا اور ہم سفارش کرتے ہیں کہ ہر شخص اس کتاب کو ضرور پڑھے۔

ہز ہائنس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ نے جناب ہز ہائنس نواب صاحب جنجیرہ کے ہمراہی میں ۱۹۰۸ء میں یورپ کی سیر کی تھی۔ آپ ۲۵۔ اپریل ۱۹۰۸ء کو مسیڈونیا جہاز میں یورپ کو روانہ ہوئیں اور ۷۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو یعنی ۵ ماہ ۱۲ یوم کے سفر کے بعد بمبئی میں واپس تشریف لائیں۔ آپ کا سفرنامہ موسومہ سیر یورپ ایک طرح سے انہی پانچ ماہ ۱۲ یوم کی ایک مسلسل اور مکمل ڈائری یا روزنامچہ ہے آپنے تاریخوار سفر کے حالات بذریعہ خطوط کے اپنی بڑی ہمشیرہ صاحبہ یعنی زہرہ بیگم صاحبہ فیضی کو لکھے تھے اور اب زہرہ بیگم صاحبہ نے ان خطوط کو ترتیب دیکر ایک کتاب کی شکل میں طبع کرایا ہے۔

کتاب خاصی مجلد ہو گئی ہی اور اُسکے اکثر حصص نہایت ہی دلچسپ ہیں اور بعض مشاہدات جو ضبط تحریر میں آئے ہیں سبق آموز ہیں۔

ہمنے اپنے ہموطن احباب کے قلم سے اور بھی یورپ کے سفرنامے پڑھے ہیں اور یورپ کے متعلق بکثرت کتابی واقفیت بھی حاصل کی ہی مگر زمانہ حال میں دو سفرنامے یعنی ایک تو علیا حضرت ہز ہائنس جناب بیگم صاحبہ بھوپال کا سفرنامہ موسومہ سیاحت سلطانی" جسپر اس سے قبل ریویو لکھا جا چکا ہے اور دوسرا سفرنامہ زیر ریویو موسومہ سیر یورپ ہمارے لئے بعض بعض ایسے خاص معلومات کا ذخیرہ ہیں جو کسی دوسرے ذریعہ سے ہمکو معلوم نہیں ہوتے تھے۔

عورت کی آنکھہ قدرت کا کامیرا ہی اور اُسکا ول عکسی تصاویر اتارنیکا شیشہ ہی عورت کے کان فونوگراف کے وہ آلے ہیں جسمیں جو آواز جیسی اُن تک پہنچتی ہی ویسی ہی بند ہوجاتی ہی۔ مرد کو گو استقلال اور ہمت وغیرہ اوصاف نے صنف نازک پر ایک طرح کا غلبہ دے رکھا ہی مگر عورت کو بھی خدا نے بعض ایسی قوتیں عطا کی ہیں کہ مرد ہرگز اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ مرد اور عورت دونوں کے سامنے ایک شے کو رکھہ دیجئے اور دونوکو یکساں اُس شے کے مشاہدے کا موقع دیجئے اور پھر دیکھیے کہ دونوں میں سے کس کی نگاہ سطح کے اندر گھس کر تہ تک پہنچتی ہی اور کس کی صرف سطح پر ہی تیرتی رہجاتی ہی

یقیناً عورت کی نگاہ تہ تک پہونچے گی اور وہ ہر شے کو جو اُسکے سامنے آئیگی قدرتاً ایک عمیق نگاہ سے دیکھیگی اور برخلاف اسکے مرد کی نگاہ سطح تک پہونچکر آگے بڑہنے کا قصد نہ کریگی یہ ایک خداداد بات ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہی کہ ہمارے خالق نے عورت کیساتھ بہت ہی فیاضی کا برتاؤ کیا ہے مگر انسان نہایت بخیل ہی اور اُسنے اپنے بخل کی وجہ سے ابتک عورت کو خدا کے دیے ہوئے عطیات و انعامات پر اضافہ کرنیکا موقع نہیں دیا۔

ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ کا یہ سفرنامہ بھی بطور مثال کے مقابلہ کے لیئے پیش کیا جاسکتا ہی اور اُس سے ثابت ہوسکتا ہی کہ جن جن اشیا یا مقامات یا انسانوں کو جناب ممدوحہ نے دیکھا اُنکو بہ نسبت مردوں کے زیادہ گہری نگاہ سے دیکھا۔

جناب نواب بیگم صاحبہ نے زیادہ تر یورپ کے پانچ مقامات کے حالات لکھے ہیں اور اخیر میں کچھہ مختصر سے واقعات قاہرہ ملک مصر کے بھی تحریر فرمائے ہیں۔ سب سے زیادہ حصہ تو لندن کی سوسائٹی اور لندن کے عام حالات پر ہی۔ پہر ملک فرانس اور ملک سوئٹزرلینڈ کے پہاڑی مقامات کے حالات بہت ہی دلچسپی سے قلمبند کیئے ہیں۔ اسکے بعد وہاں ملک اسٹریا کے حالات لکھے ہیں اور پہر استنبول یا قسطنطنیہ کے حالات لکھے ہیں۔

یورپ کے شہروں میں ہر ہائنس نے زیادہ تر اعلیٰ طبقہ کی سوسائٹی کے حالات لکھے ہیں ہر ہائنس کے مرتبہ کی کوئی خاتون ادنیٰ طبقہ میں تو شامل ہو ہی نہین سکتی تہی اور نہ اُنکو آزادی سے متوسط طبقہ مثلاً سوداگروں وغیرہ کی سوسائٹی میں ملنے کا موقع ملسکتا تہا۔ بحیثیت اپنے درجہ کے وہ لامحالہ اعلیٰ طبقہ میں جا کر ملیں اور اسی طبقہ کے حالات اُنہوں نے قلمبند کیئے ہیں دیگر طبقات کے متعلق اتفاقی طور پر کہیں کہیں کوئی بات لکھدی ہی۔ مگر زیادہ تر طبقہ اعلیٰ کے حالات سے آپ کا سفرنامہ مزین ہی اور حقیقت بھی یہی ہی کہ اگر کسی فرقہ کے حالات دلچسپی پیدا کرسکتے ہیں تو وہ اسی طبقہ اعلیٰ ہی کے حالات پیدا کرسکتے ہیں کیونکہ یہ طبقہ ہر وقت اور ہمیشہ بلحاظ اپنی پوزیشن و طریقہ بود و باش و میل جول کے اپنے کو دلچسپ بنائے رکھتا ہی

طبقہ متوسط کے حالات سے عمدہ سبق حاصل ہوتے ہیں مگر اس طبقہ کے عیوب و محاسن کی تصویر کھینچنے کے لیئے بہت زیادہ تجربہ اور وقت درکار ہے۔ فرقہ ادنیٰ کے حالات ایک مصیبت کی زندگی کی داستان ہوگی مگر فرقہ اعلیٰ کی ہر بات بلا مزید غور کیئے اول ہی نگاہ میں دلچسپی پیدا کرنیکو کافی ہوتی ہے۔

لندن کے حالات میں ہر ہائنس نے جلسوں اور دعوتوں اور پارٹیوں کے حالات بڑے التزام سے قلمبند کیئے ہیں جلسے اور دعوتیں گو یورپ سے خصوصیت تو نہیں رکھتیں کیونکہ ہر ملک میں اور ہر متمدن قوم میں کم و بیش جلسوں اور دعوتوں کا رواج ہے مگر چونکہ اسوقت یورپ تہذیب و تمدن اور دولتمندی میں جملہ ممالک سے سبقت لیگیا ہے اسلیئے نسبتاً وہاں جلسوں اور پارٹیوں اور دعوتوں کا بہت زیادہ رواج ہے۔ نیز یورپ کی اقوام ہندوستانیوں سے کہیں زیادہ زندہ دل ہیں اسلیئے بھی مقابلہ سے سوشیل امور میں یورپ بہت آگے دکھائی دیتا ہے۔ تاہم میل ملاقات اور ربط ضبط کے جلسوں اور پارٹیوں سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ زندہ دلان یورپ نے تمدنی ضرورتوں کے لحاظ سے قومی اشخاص کے باہمی تعارف کا دائرہ وسیع کرنے کی غرض سے اور اپنے اپنے دائرہ زندگی میں ایک مسرت اور دلچسپی سے اپنا وقت صرف کرنے کے مدعا سے ایسی ایسی عجیب ترکیبیں نکالی ہیں کہ جن کی وجہ سے ہمارا کرۂ زمین جسکو ایشیائی شعراء دار المحن کا خطاب دیتے چلے آئے ہیں وہ اہل یورپ کے لیئے ایک ایسا راحت خانہ ہے کہ جہاں بجز خوشی کے رنج ہی نہیں۔

ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ نے ان جلسوں اور پارٹیوں اور دعوتوں اور تھیٹر کے تماشوں کے حالات میں اپنے قلم کے زور سے معمولی سے زیادہ دلچسپی پیدا کردی ہے ہم یہاں پر نمونہ کے طور پر ایک پارٹی کے حالات میں سے کچھ تھوڑا سا اقتباس کر کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں شاہی پارٹی میں جو ونڈسر کیسل میں تھی اور جس میں ہر ہائنس بھی شریک تھیں اُس میں ایک پارسن لیڈی مسیز جاداالا بھی شریک ہوئی۔ مسیز جاداالا نے پہلے سے ہر مجسٹی ملکہ معظمہ سے خاص ملاقات کی

اجازت حاصل کرلی تھی اور وہ رؤسا سے تعارف و ملاقات کے بعد حضوری میں پیش کیجائیں۔ مگر کسی وجہ سے وہ وقت مقررہ کے بعد موقع پر پہنچیں اور ملاقات کا وقت ختم ہوچکا تھا۔ اب جب اُنکو معلوم ہوا کہ وہ ملاقات نہ کرسکیں گی، تو اُنہوں نے ہائے وائے کے نعرے بلند کیے کہ میری زندگی کی آرزو خاک میں مل گئی اُنکا واویلا اور اردگرد والوں کے لیئے ایک تماشہ ہوگیا۔

سبنے خوب سیر دیکھی۔ مسز جاوالا تو آخر ہندوستان کی رہنے والی تھیں وہ کب ماننے والی تھیں اُنہوں نے مقربین بارگاہ سے التجائیں کیں کہ کسیطور پر اُسکی حضور ملکہ معظمہ تک رسائی کرادیں آخر کار اُن سے وعدہ کیا گیا کہ کوشش کیجائیگی تو ذرا خاموش ہوئیں اور پھر حضور ملکہ معظمہ خود اُنکے پاس تشریف لائیں اور اُنکو اپنے ہاتھ سے ہار پہنانے کا شرف دیاگیا۔ مسز جاوالا نے جو ایک پستہ قد بڑھیا تھی جسطور پر ملکہ معظمہ کو ہار پہنایا وہ بجائے خود دلچسپ ہے۔ ملکہ اپنے قدو قامت میں مثل ایک مرد دراز قد کے اور مسز جاوالا ایک بالشتیہ عورت۔ ملکہ ہار پہنتے وقت اسقدر جھکیں کہ بالکل دوہری ہوگئیں۔ انگریز مسکراتے تھے۔ مگر ہر ہائنس نے آواز سے فرمایا کہ ہمارے ہندوستان میں یہ ایک معمولی رسم ہے۔ پھر ہر ہائنس ایک دعوت کے تذکرے میں لکھتی ہیں کہ یہ ایک بڑی شاندار دعوت تھی۔ اور اس میں انگلستان کے بہت بڑے بڑے معززین جمع تھے منجملہ مہمانوں کے چند ہندوستانی رؤسا بھی تھے۔ اور اُن میں ٹھاکر صاحب راجکوٹ نے اپنے کانوں میں الماس بٹن پہن رکھے تھے ہندوستان دیکھنے والوں کو ایک ہندوستانی مرد کو زیور پہنے ہوئے دیکھکر بہت شرم معلوم ہوئی نواب بیگم صاحبہ کے قلم سے اس موقع پر یہ فقرہ نکلا ہے "خدا جانے ہندوستانی اپنے تیئں کس لیئے ہنسواتے ہیں" اس سے پتہ چلتا ہے کہ ٹھاکر صاحب زیور پوش کو لوگ کن نگاہوں سے دیکھ رہے ہونگے۔

ہر ہائنس نے مختلف اعلےٰ طبقہ کے اشخاص سے تمدنی و سیاسی امور کے متعلق مختلف اوقات کی بات چیت کی۔ ہر ہائنس کی معلومات ہندوستان کی خواتین میں خاص ذکر کے قابل ہیں وہ یورپ میں ہر شخص سے اسکے مذاق وخیالات کے مطابق گفتگو کرتی رہی ہیں۔

ایک ہندوستانی خاتون کے لیئے یورپین سوسائٹی میں ایسی کامیابی کوئی معمولی کامیابی نہیں ہے۔

ہر ہائینس نے انگلستان میں گھوڑے اور بچے بہت خوبصورت اور توانا پائے اور برخلاف انکے فرانس میں ان دونوں کو کمزور و پژمردہ پایا۔ فرانسیسی قوم انحطاط کی حالت میں بیان کی جاتی ہے کیونکہ تمام دنیا کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے مگر فرانس کی آبادی میں کمی ہو رہی ہے غالباً اس ملک میں لوگ عیش و عشرت میں اس درجہ مبتلا ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی تندرستی کا خیال نہیں رکھتے یا آب و ہوا کا کچھ بُرا اثر ہے جس کی وجہ سے بچے کمزور ہوتے ہیں مگر ہر ہائینس کو انگلستان اور فرانس میں یہ فرق ضرور محسوس ہُوا۔

ہر ہائینس نے انگلستان اور فرانس کے تہیٹروں کے حالات بھی لکھے ہیں۔ منجملہ انکے ایک تماشہ کا حال بہت ہی عبرت پیدا کرنیوالا ہے۔ ہم خود ہر ہائینس کے الفاظ میں اس تماشہ کا حال اس ریویو میں درج کرتے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:-

" اسکا قصہ اسطرح ہے کہ ایک جاپانی لڑکی پر ایک انگریز عاشق ہو کر شادی کرتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد وہ کہیں چلا جاتا ہے مگر وہ اُس کی واپسی کی امید منقطع نہیں کرتی ہے۔ خیر ایک عرصہ کے بعد جب وہ واپس آتا ہے تو ایک اور بی بی اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اس خبر کو سُن کر دریائے رنج والم میں بٹر فلائی (نام لڑکی کا) خودکشی کرتی ہے مگر جاپانی عورت نے اس خوبی سے اپنے کام کو پورا کیا کہ بس غضب ہی ڈہا دیا۔ بعض تماشائی تو زار و قطار رونے لگے۔ اس درجہ دل خراش اور غمناک منظر تھا کہ مرد بھی موم ہو گئے۔ اور اپنے ہمجنس کی سخت دلی پر افسوس کے آنسو بہانے لگے۔ دکھاوے کو ایسا کامل بنایا تھا کہ گویا بعینہ جاپان کا ایک ٹکڑا لا کر اسٹیج پر رکھدیا ہو اور سب سے کمال اُس ایکٹرس نے (تماشہ کرنیوالی) اسوقت کیا کہ جب اپنے شدید رنج میں اپنے آپ کو خنجر مار لیا۔ بعد ازاں جب اُسنے اپنے بے وفا کی آواز سنائی دیتی ہے تو کس طرح لڑکھڑاتی ہوئی دریچہ تک

جاتی ہے۔ اُفوہ قیامت مچادی اور حاضرین کو تڑپادیا اس حرمان نصیب کا زخموں سے آلودہ ہوکر تڑپنا اور دم واپسیں میں اپنے پیارے کی آواز سنکر ایک نظر اپنے عاشق پر ڈالنے کی ہوس میں گرتے پڑتے جانا اور حیرت زدہ رہجانا ستم تھا۔"

واقعی یہ تماشہ جسکا حال ہر ہائینس نے لکھا ہے بے نظیر ہوگا اور بالخصوص جبکہ فرانس کے تماشہ کرنیوالوں نے اپنی شہرۂ آفاق ہنرمندی سے ایک قصہ کو اصلیت کے قالب میں ڈہال کر آنکھوں کے سامنے پیش کیا ہوگا۔

یہ قصہ عورت کی بے پایاں محبت اور وفاداری کا ثبوت ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی اس میں اسباب کا بھی پتہ چلتا ہے کہ عورت کا رشک بھی ایک نہایت خطرناک چیز ہے جس کی وجہ سے وہ اکثر اپنی ہستی مٹانے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ مرد میں محبت تو ضرور ہے مگر وفاداری کم ہے اور طرہ یہ ہے کہ فارسی اور اردو شعرا ہمیشہ عورت کو بیوفا ثابت کرتے رہے ہیں اور مرد کو وفاکیش کہتے رہے ہیں اس غلط بیانی کا باعث بجز اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ فارسی اور اردو کے شعرا مرد تھے اور مردوں نے عورت کے ساتھ سخت بے انصافی کی ہے ع

"ولیکن قلم در کفِ دشمن است"

کے مصداق بنے ہیں۔

اب وسیع تجربہ کی روشنی میں ہمکو فارسی اور اردو شاعروں کے خیالات بالکل غلط معلوم ہوئے ہیں اور ہم اتنا فرض سمجھتے ہیں کہ صنف نازک کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کریں۔

ہم ہر ہائینس اور اُنکی دونوں ہمشیرگان یعنی جناب زہرہ بیگم صاحبہ اور عطیہ بیگم صاحبہ کے قومی احساس اور حب الوطنی کے ہمیشہ معترف رہے ہیں اور ہمارے نزدیک ہندوستان کی خواتین میں ہر ہائینس نواب بیگم صاحبہ اور اُنکی دونوں بہنیں تعلیم نسوان کے معاملات میں ایک خاص امتیاز رکھتی ہیں۔ علی گڈہ کے زنانہ اسکول کو ہندوستانی بیگمات نے ہمیشہ اپنا مدرسہ سمجھکر اس کی امداد کی مگر زہرا بیگم صاحبہ اور عطیہ بیگم صاحبہ نے ایک ایسے وقت

ہیں جبکہ وہ علی گڈھ کو جانتی بھی نہ تھیں صرف مدرسہ کا ابتدار کا ...... حال سنکر اُس کی امداد کی تھی - اسکے بعد ہمیشہ ہر شخص سے اسکا تذکرہ کیا اور اُسکو ایک اعلیٰ قومی درسگاہ تصور کیا چنانچہ ہر ہائینس کے سفرنامہ سے معلوم ہوتا ہی کہ ملک فرانس میں بھی لوگوں سے اس مدرسہ کا ذکر ہوتا رہا تھا -

ہر ہائنس فرماتی ہیں " اثنا راہ میں عطیہ سے ماوام وسیان نے جب علی گڈھ نارمل اسکول کا ذکر سنا تو صدق دل سے کہنے لگیں کہ میرا شوہر اب ہی نہیں اسیلئے کوئی خاص علاقہ ہندوستان ہی نہیں رکھتی ہوں اسواسطے بہت خوشی سے میں ہندوستان آکر اس اسکول کی مدد کرونگی - میرے رہنے اور کہانے پینے کا بندوبست کردو گی تو کافی ہوگا - اگر میری خدمت کام آسکے اور قبول ہو تو میں تیار ہوں "

کیا ہمارے ہندوستان کے مردوں اور بالخصوص مسلمان مردوں کے سامنے اس فرانس کی رہنے والی خاتون کے خیالات کا پیش کرنا کچھہ سودمند ہوگا - افسوس ہی مردوں میں بہت کم آدمی دکھائی دیتے ہیں جنکے لیے اس قسم کے بےغرضانہ کام کرنے والوں کے خیالات باعث ترغیب ہوسکیں مگر ہندوستان میں ہی عورتیں موجود ہیں جو خالص قومی ہمدردی سے کام کرتی ہیں اپنا عزیز وقت دیتی ہیں اپنے پاس سے روپیہ خرچ کرتی ہیں بذات قومی کاموں میں اپنی جان کہپاتی ہیں اور کسی سے اس بات کی متوقع نہیں ہوتیں کہ وہ اُنکے حق میں اس جانکاہی کے لیے تعریف کا ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالے

مسلمان مردوں میں توآجکل وہ شخص فدائے قوم اور حامی ملت اور لیڈر قوم کا خطاب پاتے ہیں جو زبان سے کبھی کبھی جوش سے چند کلمات اپنی زبان سے نکال دیتے ہیں پہر اسکے بعد انکے لیے سب کچھہ ہی - وہ دیگر وجوہ سے کتنے ہی قابل نفرت کیوں نہ ثابت ہوں مگر اُنکے چند کلمات سے گویا انکی دنیا اور آخرت دونوں درست ہوگئیں اس سے ثابت ہوتا ہی کہ ہمارے مردوں کا مذاق بالکل ہی بگڑا ہوا ہی اور جبتک یہ مذاق درست

نہوگا جب تک پبلک کو کھوٹے اور کھرے کے پہچاننے کی تمیز نہو گی اسوقت تک خلوص سے
کام کرنیوالے آدمیوں کی بہت ہی کمی رہیگی -

ہر ہائنس نے اُن ہندی طلبار کے متعلق جو تعلیم کی غرض سے ولایت جاتے ہیں جو خیالات ظاہر
کیے ہیں وہ تعلیم یافتہ گروہ کے لئے نہایت قابل غور ہیں وہ فرماتی ہیں " عجیب عجیب داستانیں
ہندیوں کی سنائی دیتی ہیں - لندن میں تو کسیقدر شاید لڑکے رہتے ہیں لیکن پیرس کے سے
بہشتی مقام میں ایسے بے خود ہو جاتے ہیں کہ انہیں خبر نہیں رہتی - کتنے افسوس اور رنج کی بات
ہی کہ ہر قسم کا مغربی اثر ان میں سرایت کرجاتا ہی جو اُن کی ہستی کے لیے سخت مضر اور نقصان
دہ ہی - تحصیل علم وفن انہیں یورپ آنے پر مجبور کرتا ہی - انہیں صحبت - اگر قسمت اچھی ہی تو
اچھوں سے پالا پڑتا ہی ورنہ اللہ اللہ خیر سلاح - اسکا سب سے بڑا اور اصلی سبب تعلیم نسوان
سے پہلو تہی ہی - اگر اس بات پر غور کر کے ہندوستان میں زنانہ تعلیم گاہیں بنائی جائیں تو
مردوں کے خیالات منتشر نہیں ہو سکتے - کیونکہ گھر کا دلچسپ لگاؤ انہیں نیک خیالات کے
ساتھ اپنے وطن کو واپس لوٹائیگا - کسی برائی میں پڑجانے کی رغبت نہو گی وہ والدین جو اپنی
لڑکیوں کی تعلیم کو ناقابل غور چیز تصور کرتے ہیں اُنکے بوئے ہوے کانٹے طلبار ہند کو برباد
کرتے ہیں "

تعلیم نسواں کے مخالف اور تعلیم نسوان سے غافل دونوں ہر ہائنس کی ان تحریروں پر
غور کر کے فیصلہ کریں کہ آیا اُنکی مخالفت اور غفلت ملک اور قوم کے لیے باعث بربادی
اور تباہی ہی یا نہیں -

ہر ہائنس نے ملک سوئٹزرلینڈ کے اعلیٰ مناظر کی بہت ہی تعریف کی ہی ایک موقع پر
لکھتی ہیں " یہاں عجیب عجیب قسم کے سرو دکھائی دیتے ہیں - جی یہی چاہتا ہی کہ اپنے
اصغر گنج کے باغ میں اسکے پودے پہنچا دوں " پھر ایک دوسری جگہ لکھتی ہیں -
" تمام کشمیری پھول یہاں موجود ہیں - گلمرگ کی طرح پھولوں کے بچھونے بچھے ہوئے ہیں

پائیں کی صاف خوشبو انسان کو بیخود کرتی ہے" پھر ایک موقع پر لکھتی ہیں:-

"یہاں گلاب بہت ہی عمدہ قد و قامت اور الگ ڈھنگ کے خوشبودار ہوتے ہیں۔ کلیاں تو ایسی ہوتی ہیں کہ دل کی کلی کھلجاتی ہے"

سوئٹزرلینڈ سے ہر ہائنس معہ ہمراہیوں کے جب وائنا ملک اسٹریا پہنچیں تو وہاں کی معاشرت میں بعض بعض باتیں ایشیائی ڈھنگ کی دکھائی دیں اکثر باتوں میں ترکی معاشرت کا اسٹریا اور ایشیائی طرز سے تمام خدام اور سپاہی جھک جھک کر قریشی سلام کرتے تھے۔ ہم لوگ یورپ کی معاشرت کو انگلستان کی عینک سے دیکھتے ہیں اور ہمیں ایشیا اور یورپ میں زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے مگر فی الحقیقت کل یورپ انگلستان اور فرانس کا سا ہی نہیں ہے بلکہ اسکے مختلف قطعات میں ایشیائی طرز کچھ غیر مانوس نہیں ہے۔

آسٹریا سے ہر ہائنس ٹرکی پہونچیں۔ ٹرکی کی معاشرت میں بعض بعض باتیں ہر ہائنس کو قابل ذکر معلوم ہوئیں۔ چند باتوں کا ہم یہاں اقتباس کرتے ہیں مگر ٹرکی اور مصر کے حالات کے پڑھنے سے یہ نتیجہ آسانی سے نکل سکتا ہے کہ ہم میں اور ان میں کچھ تفاوت نہیں ہے ہمارے ہاں کی تعلیم یافتہ جماعت اور ٹرکی کی اعلیٰ سوسائٹی کی حالت قریب قریب یکساں ہے ترکی مستورات کے پردہ کے متعلق تو ہر ہائنس نے مضمون ایک مصرع میں ختم کر دیا کہ

ع۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں"

ترکی ہوٹل کی تعریف فرمائی ہے" پیرس ہوٹل پیرا میں کل سے مقیم ہیں سنا ہوا کہ یہاں کا بہترین ہوٹل یہی ہے۔ اسقدر میلا کچیلا پرانا ہے کہ الٰہی توبہ کھانا بھی بس خدا حافظ۔ اور دام بڑھے ہوئے اتنے کہ نہ پیرس میں نہ لندن میں"

ہر ہائنس اگر ہندوستان سے اول استنبول جاتیں تو انکو یہ ہوٹل اسقدر برا نہ دکھائی دیتا مگر وہ لندن اور پیرس سے سیر کرتی ہوئی آرہی تھیں انہیں قسطنطنیہ کا ہوٹل کیونکر پسند آتا۔

یہ ہوٹل بھی عیسائیوں کے انتظام میں ہے مسلمانوں کا اس میں بھی کچھ دخل نہیں ہے مگر ایشیائی تمدنی حالت کا اثر ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر یورپ کے باشندوں پر پڑجاتا ہے اور وہ بھی ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد کے مصداق بنجاتے ہیں "

یورپ کا ترکی علاقہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی شاداب ہے اور وہاں کی پیداوار یورپ میں خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

ہرہائینس لکھتی ہیں ۔

"پھل کے متعلق کیا لکھتی ہیں شاید دنیا کے کسی حصہ میں اتنا عمدہ اور سستا پھل نہیں ہوتا ہوگا۔ تمام مصنوعی کاشت کے پھل اسکے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ انگور کسی قدر عمدہ ہوتا ہے اور انجیر پر ایک قسم کا ابر چھایا ہوا اور سبزہ سے پُر۔ میری تو یہ حالت ہے کہ دن بھر پھل کھایا کرتی ہوں .... تمام یورپ کے سفر میں ایسے پھل اور ترکاری دیکھی ہی نہیں "

جہاں اور باتوں کو پڑھکر مایوسی ہوتی ہے خدا کا شکر ہے کہ ہرہائینس نے بعض باتیں ایسی بھی قلمبند فرمائی ہیں جن سے اپنے غیر ممالک کے مسلمان بھائیوں کے متعلق عمدہ خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتی ہیں " بڑی الفت سے عطیہ کے ساتھ نجزیہ خانم آفندی پیش آئیں مگر کل مکان کے آرایشی اسباب اور لباس میں مشرقی ٹھاٹھہ رہا ہی نہیں۔ سب فرنگیوں کی وضع اختیار کرلی ہے۔" ہاں محبت کا کیا پوچھنا ہے تواضع ایسی ختم ہے مشرقیت بھلا کہاں جاسکتی ہے " ہم یہ سمجھے تھے کہ ترک نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے ۔ یورپ کی پوری معاشرت وہ کبھی اختیار کر ہی نہیں سکتے اور ایشیائی عمدہ صفات سے ہی وہ ہمارے ہو گئے ہیں مگر خدا کا شکر ہے کہ ہنوز اُن میں اسلامی محبت اور تواضع اور مہمان نوازی کے اعلیٰ اوصاف موجود ہیں ہم ان اوصاف کو ایک مسلمان کے لیے جملہ ظاہری ٹیپ ٹاپ کی نسبت ایک بڑی دولت خیال کرتے ہیں۔ خدا کرے یہ حالت قائم رہے۔

ہر ہائنس نے قسطنطنیہ کے ایک زنانہ جلسہ کا حال بیان فرمایا ہی جسکو پڑھ کر ہم اپنے ملک کے زنانہ اور بعضے مردانہ جلسوں کو بھی بھول گئے

"تین چار صفیں امیرزادیوں سے بھر گئیں۔ ٹکٹ ایک ایک پونڈ کا تھا لیکن مقتدر لوگوں کے لیئے بے اندازہ قیمتی تھیں۔ جو جی چاہیے دیں ایک ایک خانم افندی کے ساتھ ایک ایک خواجہ سرا اپنی اپنی خانم کے لیئے جگہ کرتا ہوا بھیڑ کو ہٹاتا ہوا جلد چلا آتا تھا جو آتی تھیں وہ یہی چاہتی تھیں کہ اول صف میں جگہ لے لیں۔ ان لوگوں کو سمجھاتے سمجھاتے اور جگہ بتاتے بتاتے کارپردازبیبیوں کا دم نکلا جاتا تھا۔ بعض بڑی بیبیوں نے یہانتک کیا کہ کوئی اچھی جگہ لینے کے لیئے ہاتھوں میں کرسیاں اٹھا اٹھا کے اپنے حسب دلخواہ جگہ تجویز کرلی پھر انہیں ہٹانا اور سمجھا کر انکی جگہ لیجانا کار عظیم تھا ...... غرض یہ کہ ناتجربہ کاری کا پورا نقشہ دیکھ لیا"

مصر میں پہونچکر پھر قاہرہ کی نسبت ہر ہائنس لکھتی ہیں۔

"بہت ہی اچھا اور خوش وضع شہر ہے۔ عمدہ پختہ سڑکیں موٹر وغیرہ کے لیئے ہیں بجلی کا ٹریم اور ریلوے موجود ہی۔ قاہرہ تک ٹیلیفون ہے۔ غرض یہ کہ جدید زمانہ کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ ایک اسلامی شہر کو ایسی حالت میں دیکھکر کتنی خوش ہوتی ہی۔ کیونکہ اسکا برعکس تھوڑے روز ہوئے قسطنطنیہ میں دیکھ چکی تھی مصر کی حالت قریب قریب ہندوستان کی سی ہی کیونکہ وہاں کا انتظام زیادہ تر انگریزوں کے ہاتھ میں ہی۔ کاش کہ کسی خالص اسلامی انتظام کے تحت میں کسی شہر کی وہ حالت ہوتی تو ہر ہائنس نے قاہرہ میں دیکھی مگر یہاں بھی مسلمانوں کی اندرونی معاشرت ہنود دیگر ممالک کے مسلمانوں سے بہت کچھ ملتا ہے ہر ہائنس لکھتی ہیں :-

"یہ لوگ ہمیشہ ایک بی بی کسی اعلیٰ ترکی خاندان کی لاتے ہیں اور باقی سب حرمین ہوتی ہیں" خدا ہمارے بھائیوں پر رحم کرے کہ وہ اب قریب قریب دینوی جاہ و حشمت و وقار کھو بیٹھے ہیں مگر یہاں چار پیسے انکے پاس ہوئے فوراً انکو متعدد

شادیوں کی سوجھیگی یہی قباحتیں ہیں جو اسلام کے لہلہاتے پودے کو صدیوں سے پژمردہ کر رہی ہیں۔ ہمارے زمانہ حال کے ریفارمروں کو اصلی اسباب بربادی کبھی نہیں سوجھتے وہ چھوٹتے ہی سب ـــــ پر لے زنی شروع کر دیتے ہیں اور اصلاح تمدن و رسوم قبیحہ کے دشوار کام کی طرف متوجہ نہیں ہوتے یا تو اونکو اسکا احساس ہی نہیں اور بالکل بھوٹے ہیں اور اخبار پڑھنے کی قابلیت نہیں رکھتے اور یا کام کی دشواری دیکھکر جی چراتے ہیں دونوں حالتوں میں وہ قوم کے محسن کہلانے کے قابل نہیں ہیں بلکہ قوم کو غلط رستہ پر چلا کر اور تباہی کی طرف لے جارہے ہیں۔

احرام مصری کی حالت ہر ہائینس نے نہایت عمدگی سے لکھی ہیں۔

آخر مصر سے روانہ ہو کر ہر ہائینس ہندوستان پہونچیں اور اپنے وطن کو دیکھکر بے ساختہ اُنکی زبان سے نکلا۔

حُبِّ وطن از ملک سلیماں خوشتر
خارِ وطن از سنبل و ریحان خوشتر

ہم بڑے زور سے اپنی ملکی بہنوں سے اس سفرنامہ کی سفارش کرتے ہیں۔ یہ سفرنامہ کوئی معمولی رسالہ نہیں ہے۔ اس سے بہت سی باتیں اُنکو معلوم ہونگی جو کسی طرح نہیں معلوم ہو سکیں گی۔

ہندوستان کی معزز خاتونو۔ یاد رکھو کہ اب وہ زمانہ آرہا ہے کہ اگر آپ دنیا کے حالات اور واقعات سے کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل نہ کرلیں گی تو آپ کا شمار دنیا کے مہذب انسانوں میں نہ ہوگا۔ آپ اگر اپنی عزت چاہتی ہیں تو عمدہ کتابوں کو پڑھکر اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کیجیے۔

یہ سفرنامہ بمبئی سے زہرہ بیگم صاحبہ سے ملسکتا ہے۔

رودادِ اجلاس ٹیچرز کانفرنس

منعقدہ

بمقام علی گڈہ بتاریخ ۲۱ و ۲۲ جون ۱۹۱۴ء

امسال ٹیچرز کانفرنس کے اجلاس ۲۱ و ۲۲ جون ۱۹۱۴ء کو دو دن تک علی گڈہ میں منعقد ہوئے۔ صبح اور سہ پہر کو ہر روز دو اجلاس ہوتے تھے۔ جن مسائل پر جلسہ نے غور کیا وہ پیشتر سے طبع کرا کے ممبران کی خدمت میں ارسال کر دئے گئے تھے اور عام اطلاع کی غرض سے اخبارات میں شائع کرا دیئے گئے تھے جلسہ میں دائرہ بحث ان ہی امور تک محدود رہا۔ جو حضرات کہ اجلاس ہائے کانفرنس میں شریک ہوئے اُنکے نام نامی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) جناب مولوی محمد بشیر الدین صاحب، ہیڈ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ

(۲) جناب مرزا انعام اللہ بیگ صاحب آنریری جائنٹ سکرٹری مدرسہ اسلامیہ اسکول ہمیرپور۔

(۳) جناب حافظ محمد علیم صاحب، ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول ہمیرپور

(۴) جناب مولوی عبد الرحیم صاحب انسپکٹر مدارس محمدن ہائی اسکول، جبلپور۔

(۵) جناب چودہری محمد سلیمان صاحب سکرٹری مارین اسلامیہ سکول، مارہرہ ضلع ایٹہ۔

(۶) جناب مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب مدرسہ شعیبیہ محمدیہ اسکول آگرہ۔

(۷) جناب مولوی سید محمد امین صاحب ہیڈ مدرس مدرسہ اسلامیہ چورو (بیکانیر)

(۸) مسٹر ایچ ایم حیات بی اے اسسٹنٹ ماسٹر کالجیٹ اسکول علیگڈھ

(۹) مسٹر سید حسن بی اے اسسٹنٹ ماسٹر کالجیٹ اسکول علیگڈھ

(۱۰) مسٹر نور محمد سندھی بی اے اسسٹنٹ ماسٹر کالجیٹ اسکول علیگڈھ

(۱۱) مسٹر عبدالکریم فاروقی بی اے اسسٹنٹ ماسٹر کالجیٹ اسکول علیگڈھ

(۱۲) مسٹر خدا بخش بی ایس سی اسسٹنٹ ماسٹر کالجیٹ اسکول علیگڈھ

(۱۳) مسٹر محمد یونس بی اے اسسٹنٹ ماسٹر کالجیٹ 〃 〃

(۱۴) پروفیسر فیروز الدین صاحب مراد محمدن کالج علیگڈھ

(۱۵) مسٹر جلیل احمد بی ایس سی ڈیمانسٹریٹر محمدن کالج 〃

(۱۶) پروفیسر قاضی جلال الدین صاحب 〃 〃

(۱۷) پروفیسر آغا ابوالقاسم صاحب ایرانی 〃 〃

(۱۸) مسٹر سعادت علی خاں اسسٹنٹ ماسٹر کالجیٹ اسکول علیگڈھ

(۱۹) خان صاحب میر ولایت حسین صاحب بی اے سکنڈ ماسٹر کالجیٹ اسکول علیگڈھ

(۲۰) مسٹر عبدالعزیز فاروقی بی اے دہرہ دون

(۲۱) منشی طفیل احمد صاحب مختار فتحپور

(۲۲) مولانا سید طفیل صاحب ٹرسٹی محمدن کالج علیگڈھ

(۲۳) منشی جمیل احمد صاحب ہیڈ ماسٹر مدرسہ انجمن حمایت اسلام اٹاوہ

(۲۴) مولوی ادریس احمد صاحب بی اے جنرل سپرنٹنڈنٹ دفتر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

(۲۵) مولانا شیخ فدا حسین صاحب عالم دینیات مذہب امامیہ محمدن کالج علیگڈھ

(۲۶) مولوی محمد یعقوب علی صاحب بی اے ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول امروہہ۔

(۲۷) مولوی سید الطاف حسین صاحب بی اے۔ ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ

(۲۸) مولوی جلال الدین احمد صاحب بی اے۔ " " لدہیانہ

(۲۹) مسٹر آل علی صاحب نقوی بی اے۔ سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس

(۳۰) جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی ٹرسٹی محمدن کالج علیگڈھ

کارروائی اجلاس

پہلے دن کے اجلاس کی کارروائی میں سب سے اول جناب مولوی محمد بشیر الدین صاحب منیجر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ بالاتفاق صدر جلسہ منتخب ہوئے۔ جناب ممدوح نے فرمایا کہ بوجہ ضیق وقت وہ کوئی ایڈریس تیار نہیں کر سکے اسلئے جناب ممدوح کی تحریک پر حسب ذیل مدارس اسلامیہ کی سالانہ کارروائی کی رپورٹیں جلسہ میں پیش ہوئیں اور اُنکے آمد و خرچ کے تفصیلی گوشوارے پڑھکر سنادیے گئے۔

(۱) مدرسہ شعبیہ محمدیہ آگرہ

(۲) مدرسہ اسلامیہ ہمیرپور

(۳) مدرسہ اسلامیہ چورو بیکانیر

(۴) مارلین اسلامیہ اسکول مارہرہ

(۵) مدرسہ انجمن حمایت الاسلام اٹاوہ

(۶) محمدن ہائی اسکول جبلپور

(۷) مدرسہ اسلامیہ فتحپور

(۸) اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ

اسی جلسہ میں صاحب پریسڈنٹ نے انجمن اسلامیہ جون پور اور بایرو کی مطبوعہ رپورٹیں، جو موصول ہوئی تہیں جلسہ کے سامنے پیش کیں اور اُنکے سالانہ آمد و خرچ کی

تفصیلات پڑھ کر سنائیں۔ ماسوائے انکے مندرجہ ذیل اسلامیہ مدارس کی سالانہ رپوٹیں جلسہ ٹیچرز کانفرنس کے سلسلہ میں موصول ہوئیں :-

(۱) اسلامیہ اسکول قصبہ راٹھ ضلع ہمیرپور
(۲) فیض عام ہائی اسکول میرٹھ
(۳) اسلامیہ ہائی اسکول لکھنؤ
(۴) محمدن بورڈنگ ہاؤس فیض آباد
(۵) مدرسہ الٰہیات کانپور
(۶) مسلم اسکول امروہہ
(۷) مدرسۂ اسلامیہ حسن پور
(۸) مدرسۂ اسلامیہ اُدے پور
(۹) لال باغ اسلامیہ مکتب ڈھاکہ
(۱۰) مدرسۂ انجمن اصلاح المسلمین احمدنگر
(۱۱) محمدن اینگلو عربک اسکول پٹنہ
(۱۲) اسلامیہ ہائی اسکول لدھیانہ
(۱۳) مسلم پبلک اسکول نگینہ
(۱۴) امام المدارس امروہہ

اسی موقعہ پر قاضی جلال الدین صاحب (مرادآبادی) نے جلسہ کی توجہ مسلم ہیوٹ اسکول مرادآباد کی موجودہ حالت کی طرف منعطف کرتے ہوئے اُن نکتہ چینیوں کا تذکرہ کیا جو کچھ عرصہ سے اس اسکول کے متعلق اخبارات میں کی جاری ہیں اور فرمایا کہ کانفرنس کو اسکول مذکور کے حالات کی کامل تفتیش کرنا چاہیئے اور اگر کچھ امور قابل اصلاح ہوں تو انکی اصلاح کے متعلق کوشش کرنا چاہیئے۔ موصوف نے اُن خدمات کا بھی مجملاً ذکر

کیا جو مسلم ہیوٹ اسکول نے ضلع مرادآباد کے مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق اسوقت تک کی ہیں۔

اسکے بعد آنریری جائنٹ سکرٹری کانفرنس نے جلسہ کے اجتماع کی غرض و غایت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے منجملہ اُن امور کے جن کے متعلق بعد غور اور بحث کے جلسہ میں کوئی قابل عمل تصفیہ ضروری ہی، مدارس اسلامیہ کے قیام و استحکام کو پیش کیا اور انکی حالت کی اصلاح کی شدید ضرورت کو ثابت کرتے ہوئے تمام اسلامیہ اسکولوں کو ایک سلسلہ میں منسلک ہو جانے اور اُنکی باقاعدہ نگرانی ہوتے رہنے کی طرف خاصکر توجہ دلائی چنانچہ بعد پورے غور اور تفصیلی بحث کے باتفاق حاضرین جلسہ قرار پایا کہ :-

رزولیوشن نمبر (۱)

"اس کانفرنس کی راے میں ضروری ہی کہ تمام مدارس اسلامیہ بذریعہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک سلسلہ میں منسلک کئے جاویں اور کل مدارس اسلامی ایک نظام کے ماتحت ہوں۔"

زاں بعد صاحب پریسیڈنٹ صاحب نے مندرجہ بالا رزولیوشن کی تعمیل اور حصول مقصد کے متعلق عملی کارروائی ایک پروگرام کے طے کئے جانے کی طرف جلسہ کو توجہ دلائی۔ مختلف تجاویز جلسہ میں پیش ہوئیں اور اس مسئلہ کے ہر ہر پہلو پر بہت کچھ غور اور بحث کی گئی چنانچہ بعد بحث و مباحثہ بالاتفاق یہ طے پایا کہ :-

رزولیوشن نمبر (۲)

اس کانفرنس کی رائے میں مدارس اسلامیہ کی بہتری اور اصلاح کے لیئے ضروری ہی کہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبران کی ذریعہ مطابق

اس اسکیم کے جو کمیٹی مذکور قرار دیگی ہر صوبہ کے اسلامیہ اسکولوں کا اسی صوبہ کے منتخب شدہ ممبران کمیٹی سے معائنہ کرایا جاوے۔

متذکرہ صدر معائنہ مدارس اسلامی کے لیئے ایک فارم تجویز کیا گیا جسکے مطابق معائنہ ہوکر رپورٹ معائنہ مرتب کیجایا کریگی۔

اسی سلسلہ میں یہ امر بھی بالاتفاق قرار پایا کہ :-

رزولیوشن نمبر (۳)

امسال اس امر میں کوشش کیجائے کہ جسقدر اسلامیہ مدارس مختلف اقطاع ہند میں قائم ہیں ان میں سے جسقدر اسکولوں کا معائنہ ہو سکے انکا معائنہ حسب قرارداد نمبر ۲ کرایا جائے اور اس کی تفصیلی رپورٹ مرتب ہوکر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے آیندہ اجلاس میں پیش ہو۔

اسکے بعد آنریری جائنٹ سکرٹری کانفرنس نے بیان کیا کہ عام طور پر تمام مقامات میں مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کے لحاظ سے اسکولوں کی ضرورت ہے اور اکثر مقامات پر اس ضرورت کے لحاظ سے اسلامیہ اسکولوں کے قائم کرنے کی تحریکیں ہوتی رہتی ہیں، لیکن جو اصحاب اسکولوں کو قائم کرنا چاہتے ہیں اُنکو علی العموم یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُنکے لیئے کسقدر اور کس قسم کا اسٹاف ضروری ہے اور دیگر اخراجات ایسے مدارس میں کیا ہوتے ہیں اور کیا ہونے چاہئیں۔ ایسے حضرات اُن امور کے متعلق اکثر دفتر کانفرنس سے استصواب کرتے ہیں۔ اسلیئے مناسب ہے کہ مختلف مدارج کے مدارس کے لیے ضروری اخراجات کے متعلق ایک اسکیم تیار ہو جائے اور وہ مطبوعہ شکل میں موجود رہے جو حسب ضرورت بھیجی جاسکے۔ پس اس جلسہ میں غور ہوکر ایک قطعی رائے قرار دیدیجاوے۔ اس تحریک کے متعلق جلسہ نے بعد غور کے ایک سب کمیٹی اس اسکیم

کے مرتب کرنے کے لئے قرار دی جسمیں حسب ذیل ممبر شامل تھے :-

(۱) خان صاحب میر ولایت حسین صاحب بی اے سکینڈ ماسٹر کالجیٹ اسکول علیگڈھ

(۲) مولوی محمد بشیر الدین صاحب منیجر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ -

(۳) مولوی محمد یعقوب علی صاحب بی اے - ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول امروہہ

(۴) مولوی ادریس احمد صاحب بی اے - سپرنٹنڈنٹ مسلم یونیورسٹی آفس، علیگڈھ

(۵) قاضی بلند حسین صاحب ایم اے سپرنٹنڈنت صدر دفتر کانفرنس علی گڈھ

کمیٹی مذکور نے جو اسکیم قرار دی اسکو جلسہ نے ضروری ترمیمات کیساتھ منظور کیا اور وہ ذیل میں درج کیجاتی ہے -

فہرست اساتذہ اسلامیہ ہائی اسکول (درجہ ادنیٰ)

نمبر شمار	تعداد اساتذہ معہ تعین سند و قابلیت	شرح تنخواہ ماہوار ابتدائی	انتہائی	کیفیت
۱	ہیڈ ماسٹر گریجوایٹ	۱۲۰ روپیہ	۲۲۰ روپیہ	ترقی ۱۰ روپیہ ہر دو سال
۲	سکینڈ ماسٹر گریجویٹ	۸۰	۱۳۰	″ ۵ روپیہ ″
۳	تھرڈ ماسٹر ″	۷۰	۱۰۰	″ ۳ روپیہ ″
۴	فورتھ ماسٹر ″	۶۰	۹۰	″ ″ ″
۵	ففتھ ماسٹر انٹرمیڈیٹ (حتی المقدور) ٹرینڈ	۴۵	۷۵	″ ″ ″
۶	سکستھ ماسٹر ″	۴۰	۷۰	″
۷	سیونتھ ماسٹر انٹرنس حتی المقدور ٹرینڈ	۳۰	۴۰	″ ″ ″

نمبر شمار	تعداد اساتذہ مع تعین سند وقابلیت	شرح تنخواہ ماہوار ابتدائی	انتہائی	کیفیت
۸	ایٹتھ ماسٹر انٹرنس حتی المقدور ٹرینڈ	۲۵ روپیہ	۵۵ روپیہ	ترقی ۳ روپیہ ہر دو سال
۹	نائنتھ ماسٹر ورنیکولر ٹرینڈ	۲۰ 〃	۴۰	〃 ۲ روپیہ 〃
۱۰	ٹنتھ ماسٹر 〃	۱۵ 〃	۲۵	〃 ا روپیہ 〃
۱۱	الیونتھ ماسٹر 〃	۱۵ 〃	۲۵	〃 〃 〃
۱۲	ہیڈ مولوی (صاحب اول)	۳۰ 〃	۵۰	〃 ۲ 〃
۱۳	مولوی صاحب دوم	۲۰ 〃	۴۰	〃 〃 〃
۱۴	ڈرائنگ ماسٹر	۳۰ 〃	۵۰	〃 〃 〃
۱۵	ڈرائنگ ماسٹر ورنیکولر ٹرینڈ	۲۰ 〃	۴۰	〃 〃 〃
۱۶	حافظ قرآن	۸ 〃	۱۰	

دیگر ملازمین

نمبر شمار	نام عہدہ	شرح تنخواہ ماہوار ابتدائی	انتہائی	کیفیت
۱	کلرک	۲۰	۴۰	ترقی دو روپیہ ہر دو سال
۲	جمناسٹک ماسٹر	۲۰	۳۰	
۳	چپراسی	۶	۸	
۴	دفتری	۷	۱۰	
۵	سقہ و بھنگی	۰	۰	۱۰ روپیہ ماہوار

دیگر اخراجات

سائر خرچ دفتر و خرید کتب برائے ماسٹر صاحبان ۲۰ روپیہ ماہوار

لائبریری ابتدا کے لیئے ابتدائی خرچ ۵۰۰ روپیہ۔ سالانہ ۱۰۰ روپیہ

فرنیچر ڈیسک و اسٹول فی لڑکا ۵ روپیہ ۳۰۰ لڑکوں کے لیئے ۱۵۰۰ روپیہ یکمشت

کرسی میز الماری گھنٹہ گھڑی وغیرہ ۵۰۰ یکمشت

مرمت فرنیچر - - ۵۰ روپیہ سالانہ

کرایہ مکان - - ۵۰ روپیہ ماہوار یا ۲۵ ہزار (بشرط نصف گرانٹ گورنمنٹ) یعنی ۵ ہزار

خرید سامان تعلیم (بورڈ۔ ماڈل۔ تصاویر وغیرہ) ۱۰۰ روپیہ سالانہ

انعام - - - ۱۰۰ " "

متفرق مصارف غیر متعین ۵۰۰ روپیہ ماہوار

فہرست اساتذۂ اسلامیہ مڈل اسکول

نمبر شمار	تعداد اساتذہ مع تعین - سند قابلیت	شرح تنخواہ ماہوار - ابتدائی	انتہائی	کیفیت
۱	ہیڈ ماسٹر گریجویٹ	۷۰ روپیہ	۱۲۰	ترقی ۵ روپیہ ہر دو سال
۲	سکینڈ ماسٹر "	۶۰ "	۹۰	" ۳ " "
۳	تھرڈ ماسٹر ایف اے ٹرینڈ	۴۵ "	۷۵	" " " "
۴	فورتھ ماسٹر " "	۴۰ "	۶۰	" " " "
۵	ففتھ ماسٹر انٹرنس ٹرینڈ	۳۰ "	۶۰	" " " "

۶	سکنتھہ ماسٹر انٹرنس ٹرنیڈ	۲۵ روپیہ	۵۵ روپیہ	ترقی ۳ روپیہ	ہر دو سال
۷	سونتھہ ماسٹر ورنیکولر ٹرنیڈ	۲۰ 〃	۴۰ 〃	۲ 〃	〃
۸	اٹیتھہ ماسٹر 〃 〃	۱۵ 〃	۲۵ 〃	۱ 〃	〃
۹	نائیتھہ ماسٹر 〃 〃	۱۵ 〃	۲۵ 〃	〃 〃	〃
۱۰	ہیڈ مولوی	۲۰ 〃	۴۰ 〃	۲ 〃	〃
۱۱	ڈرائنگ ماسٹر	۳۰ 〃	۵۰ 〃	〃 〃	〃

دیگر ملازمین

۱۲	کلارک	۱۵	۴۰
۱۳	دفتری	۷	۱۰
۱۴	جمناسٹک ماسٹر	۲۰	۳۰
۱۵	چپراسی	۶	۷
۱۶	سقہ	۵ روپیہ ماہوار	
۱۷	بھنگی	〃	〃

دیگر اخراجات

سائر خرچ دفتر و خرید کتب برائے ماسٹر صاحبان ۱۰ روپیہ ماہوار

لائبریری ابتدائی ۳۰۰ روپیہ سالانہ ۵۰ روپیہ

فرنیچر ڈیسک و اسٹول فی لڑکا ۵ روپیہ ۱۲۰۰ روپیہ یکمشت

مرمت فرنیچر ۵۰ روپیہ سالانہ

کرایہ مکان ۴۰ روپیہ ماہوار یا یکمشت ۲۰ ہزار ۲۰ ہزار گورنمنٹ } ۴۰ ہزار

خرید سامان تعلیم (بورڈ، ماڈل، تصاویر وغیرہ) ۱۰۰ روپیہ سالانہ

انعام - - - ۵۰ ″

متفرق مصارف ۵۰ روپیہ ماہوار

میز، کرسی، گھڑی، گھنٹہ، الماری ۳۰۰ روپیہ یکمشت

فہرست اساتذہ اسلامیہ لور مڈل اسکول

چھٹی جماعت تک

نمبر شمار	تعداد اساتذہ مع تعین سند قابلیت	شرح تنخواہ ماہوار ابتدائی + انتہائی	کیفیت
۱	ہیڈ ماسٹر ایف اے ٹرینڈ	۴۰ روپیہ ۷۰	ترقی ۳ روپیہ ہر دو سال
۲	سکینڈ ماسٹر انٹرنس ٹرینڈ یا ایف اے	۳۰ ″ ۶۰	″ ″ ″ ″
۳	تھرڈ ماسٹر انٹرنس ٹرینڈ یا ایف اے	۲۵ ″ ۵۵	″ ″ ″ ″
۴	فورتھ ماسٹر ورنیکولر ٹرینڈ	۲۰ ″ ۴۰	″ ۲ ″ ″
۵	ففتھ ماسٹر ″	۱۵ ″ ۲۵	″ ۱ ″ ″
۶	سکستھ ماسٹر	۱۵ ″ ۲۵	″ ″ ″ ″
۷	مولوی صاحب	۲۰ ″ ۳۰	″ ″ ″ ″
۸	ڈرائنگ ماسٹر ورنیکلر ٹرینڈ	۲۰ ″ ۴۰	″ ۲ ″ ″

دیگر ملازمین

جمناسٹک ماسٹر	-	-	۱۵ روپیہ
دفتری	-	-	۶ روپیہ
چپراسی	-	-	۶ روپیہ
سقہ	-	-	۴ روپیہ
بھنگی	-	-	۳ روپیہ

دیگر اخراجات

سائر خرچ و خرید کتب - - ۱۰ روپیہ ماہوار

لائبریری ابتدائً - - ۲۰۰ روپیہ سالانہ ۲۵ روپیہ

فرنیچر ڈیسک اسٹول فی لڑکا ۵ روپیہ ۹۰۰ روپیہ یکمشت

مرمت فرنیچر - - - ۳۰ روپیہ سال

کرایہ مکان - - - ۲۵ روپیہ ماہوار

خرید سامان تعلیم (بورڈ تصاویر وغیرہ ۶۰ روپیہ سالانہ

انعام - - ۳۰ " "

متفرق مصارف - ۴ روپیہ ماہوار

الماری، میز، کرسی، گھنٹہ، گھڑی ۲۰۰ روپیہ یک مشت

فہرست اساتذہ اپر پرائمری اسکول (چوتھی جماعت تک)

نمبر	تعداد اساتذہ مع سند و قابلیت	تعین شرح تنخواہ ماہوار ابتدائی	انتہائی	کیفیت
۱	ہیڈ ماسٹر ایف اے	۳۰ روپیہ	۶۰	ترقی ۳ روپیہ ہر دو سال
۲	سیکنڈ ماسٹر انٹرنس حتی المقدور ٹرینڈ	۲۵ ״	۵۵	״ ״ ״
۳	تھرڈ ماسٹر ورنیکلر ٹرینڈ	۲۰ ״	۴۰	״ ۲ ״
۴	فورتھ ماسٹر ״	۱۵ ״	۲۵	״ ۱ ״
۵	ففتھ ماسٹر ״	۱۵ ״	۲۵	״ ״ ״
۶	حافظ قران	۸ ״	۱۰	
۷	ڈرائنگ ماسٹر	۱۵ ״	۲۵	״ ״ ״

دیگر ملازمین

نام ملازم	تنخواہ ماہوار
چپراسی	۶ روپیہ سے ۸ روپیہ تک
سقہ و بھنگی	۴ روپیہ

دیگر اخراجات

سائر خرچ و خرید کتب برائے ماسٹران — ۵ روپیہ ماہوار

لائبریری ابتدائی ״ — ۱۵۰ روپیہ۔ سالانہ ۲۰ روپیہ

ڈیسک و اسٹول فی لڑکا ۵ روپیہ	۵۰، روپیہ
مرمت فرنیچر - - -	۲۰ روپیہ سال
کرایہ مکان - - -	۲۰ روپیہ ماہوار
خرید سامان تعلیم - - -	۵۰ روپیہ سالانہ
انعام - - -	۲۰ روپیہ سالانہ
متفرق مصارف - - -	۲ روپیہ ماہوار
میز، کرسی، الماری، گھڑی، گھنٹہ وغیرہ	۱۰۰ روپیہ یکمشت

فہرست اساتذہ لوئر پرائمری اسکول (الف، ب) اول دوم جماعتین

نمبر شمار	تعداد اساتذہ معہ سند قابلیت	تعین شرح تنخواہ ماہوار ابتدائی	انتہائی	کیفیت
۱	ہیڈ ماسٹر ورنیکلر ٹرینڈ	۲۰ روپیہ	۴۰ روپیہ	ترقی دو ۲ روپیہ ہر دو سال
۲	سیکنڈ ماسٹر "	۱۵ "	۲۵	" ۱ "
۳	تھرڈ ماسٹر "	۱۵ "	۲۵	" " "
۴	فورتھ ماسٹر ورنیکلر فائنل	۱۰ "	۱۵	
۵	حافظ قران	۵ "	۱۰	

دیگر ملازمین

نام ملازم	تنخواہ ماہوار
چپراسی - - -	۵ روپیہ
سقہ و بھنگی	۵ روپیہ

دیگر اخراجات

سائر خرچ ایک روپیہ ماہوار

تعلیمی سامان ۲۵ روپیہ سالانہ

فرنیچر، ڈیسک، اسٹول، میز، کرسی، گھڑی، گھنٹہ، الماری ۵۰۰ روپیہ

مرمت سامان و متفرق ۲۵ روپیہ سال

اسقدر کارروائی کے بعد آنریری جائنٹ سکرٹری نے بیان کیا کہ اس تعلیمی تحریک کی تکمیل اور کامیابی کے لیئے جو ایک عرصہ سے قوم کی ہر قسم کی ترقی کے لیئے قرار پا چکی ہے یہ ازبس ضروری ہے کہ ہماری قوم کے بچوں کے دل و دماغ میں پیدایش کے وقت ایسے خیالات اور عقائد جاگزین ہوں جو آیندہ تعلیم کے لیے بمنزلہ مستحکم بنیاد کے کام دسکیں اور اسلیئے یہ امر ضروری ہے کہ ایسی کتابیں تصنیف ہوں جن میں عمدہ قسم کی سبق آموز کہانیاں اور پہیلیاں اور اخلاقی مطالب کی لوریاں درج ہوں تاکہ مائیں بجاے چڑے چڑیا کی کہانیوں کے اپنے بچوں کو شروع ہی سے سہل اور دلاویز الفاظ میں اخلاقی مضامین سنا سکیں اور اونکے معصوم دلوں میں عمدہ خیالات کی تخم افشانی کرسکیں چنانچہ اسی ضرورت کا لحاظ کرکے کانفرنس کے گذشتہ سالانہ اجلاس منعقدہ بمقام آگرہ میں یہ طے کرلیا گیا تھا کہ لوریوں پہیلیوں اور اخلاقی کہانیوں کے متعلق رسالے مرتب کرالے جاویں اور اس کام کے لیئے انعام دیا جائے۔ چنانچہ اخبارات میں اشتہار دیا گیا اور رسالوں کے مرتب کرنے کے لیئے انعام مقرر کرکے مشتہر کیا گیا۔ اشتہار کے مطابق متعدد رسالے موصول ہوئے ہیں جن کی تعداد اسی (۸۰) کے قریب ہی لہذا اب ان کتابوں اور رسالوں میں سے موزوں اور مناسب کتابوں کا انتخاب ضروری ہی اور میری رائے ہی کہ اس کام کے لیئے ایک سب کمیٹی قرار دے دی جاوے۔

چنانچہ بالاتفاق طے پایا کہ مندرجہ ذیل حضرات کی ایک سب کمیٹی کے سپرد یہ کام کردیا جاوے جو دوماہ کے اندر انتخاب کتب کی کارروائی کو ختم کرکے اپنی رائے سے مطلع کرے

(۱) جناب مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی۔

(۲) قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے۔

(۳) مولوی محمد اسلم صاحب جیراجپوری۔

(۴) مولوی ادریس احمد صاحب بی اے (سکرٹری)

اس کے بعد آنریری جائنٹ سکرٹری نے کہا کہ تعلیم نسواں کے نصاب کی تدوین و ترتیب کا مسئلہ عرصہ دراز سے قوم کے سامنے ہی اور نہایت افسوس ہے کہ باوجود حضور سرکار عالیہ ہر ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال دام اقبالہا کے فیاضانہ عطیہ اور سرپرستی کے یہ کام ہنوز نامکمل ہے ہر ہائی نس نے بارہا اس کے متعلق شکایت فرمائی ہے اور حضور ممدوحہ کی شکایت بالکل بجا اور درست ہی۔ ہم سب کو شرمندہ ہونا چاہیئے کہ ابتک ہم سے اس کے متعلق کوئی عملی کارروائی ہو سکی لیکن اب جہاں تک ہوسکے کوشش کرنا چاہیئے کہ ہر ہائی نس سرکار عالیہ کی دیرینہ ہدایت کی تعمیل جلد سے جلد ہوسکے۔ لہذا ضرورت ہی کہ اسی جلسہ میں اس ضروری کام کے متعلق کوئی عملی کارروائی کی جاوے۔ حضور سرکار عالیہ نے خود جو خاکہ نصاب تعلیم نسواں کا دہلی کانفرنس کے موقع پر مرتب فرمایا تھا۔ اس کے زیر ہدایت ایک مکمل خاکہ نصاب کا طے کیا جاوے تاکہ اسی کے مطابق کتابیں تیار کرائی جاویں۔ چنانچہ اس مسئلہ پر غور کرنیکے لئے اول مندرجہ ذیل سوالات قائم کئے گئے:۔

(۱) مسلمان لڑکیوں کی تعلیم سے مقصود کیا ہے۔

(۲) جو مقصد معین ہو اس کے اعتبار سے کیا کیا علوم پڑہائے جائیں۔

(۳) کس حد تک علوم پڑہائے جائیں۔

(۴) جو علوم پڑہائے جائیں اُن کا نصاب کیا ہو۔

مندرجہ بالا سوالات کے لحاظ سے جلسہ میں کامل طور سے غور اور بحث کی گئی ہے اور اس

مسئلہ کے ہر پہلو پر مختلف خیالات اور مخالف اور موافق آرا کے اظہار ہونے کے بعد بالاتفاق مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا یہ مقصد طے پایا کہ:-

"مسلمان لڑکیوں کی تعلیم سے وہی مقصد ہے جو عام طور سے ایک انسان کی تعلیم سے ہوتا ہے یعنی دماغی، اخلاقی اور جسمانی قوتوں کو اس طور پر ترقی دینا کہ وہ اپنے فرائض زندگی عمدگی سے ادا کر سکیں"

مقصد تعلیم کے تعین کے بعد اس پر غور ہوا کہ کیا کیا علوم پڑھائے جائیں اور اس امر میں حضور سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال دام اقبالہا کی اسکیم سے خاص طور پر مدد ملی اور علوم کے تعین میں سہولت ہوئی۔ چنانچہ بالاتفاق قرار پایا کہ حسب ذیل علوم کا درس مسلمان لڑکیوں کو دینا چاہیئے

(۱) مذہب۔

(۲) علم ادب۔

(۳) تاریخ۔

(۴) جغرافیہ۔

(۵) ریاضی۔

(۶) نقاشی و ڈرائنگ (Drawing Painting)

(۷) حفظان صحت و تیمار داری۔

(۸) انتظام خانہ داری۔

(۹) تربیت اولاد۔

(۱۰) سوزن کاری۔

(۱۱) کھانا پکانا۔

(۱۲) بچوں کا علاج معالجہ۔

تیسرے سوال کے متعلق یعنی یہ کہ کس حد تک علوم پڑھائے جائیں بعد پورے غور اور

مباحثہ کے طے ہوا کہ:-

"سرکاری سررشتۂ تعلیم نے درس کے جو حدود مقرر کئے ہیں اور تعلیم کی جس طرح درجہ بندی کی ہے اُسی کے مطابق حدود کا تعین کیا جاوے"

چوتھے سوال کے متعلق اوّل یہ قرار دیا گیا ہے کہ فی الحال مڈل تک کی تعلیم کا نصاب مرتب کیا جاوے۔ اس کے بعد نصاب تعلیم کی ہر شاخ اور علم کے ہر شعبہ کے متعلق تفصیلی مباحث ہوئے ہر ہائی نس سرکار عالیہ کی اسکیم کو پیش نظر رکھکر کامل غور اور بحث مباحثہ کے بعد مندرجہ ذیل اسکیم مسلمان لڑکیوں کے نصاب تعلیم کی بالاتفاق قرار دی گئی:-

تعلیم اناث کے متعلق نصاب کی اسکیم (مڈل کلاس تک)

مذہب (۱) قرآن شریف۔ ناظراں بتمام وکمال۔

(۲) پارۂ الم اور عم تیساؤن کا اُردو ترجمہ۔

(۳) مجموعۂ احادیث (جس میں علاوہ اخلاقی اور دیگر ضروری احادیث کے خاص مستورات کے متعلق احادیث کا انتخاب ہو)

(۴) فقہ۔ حفظان صحت اور طہارت کے متعلق جو ضروری مسائل ہوں انکو بھی درس میں داخل کرنا چاہیے اور خاص اس مضمون کے متعلق جو رسالہ مرتب ہو وہ باقی دینیات کی طرح سے علٰحدہ مرتب ہو۔

علم ادب ۱۔ خاص کتابیں درجہ اوّل تیار کرائی جائیں

تاریخ۔ تاریخ ہند۔ مختصراً جس میں ہنداور مسلمان عہد حکومت کا اختصار کے ساتھ ذکر ہو۔ اور برٹش عہد حکومت کی مختصر تاریخ کے ساتھ انگلستان کی تاریخ مختصراً

اسلامی تاریخ - خلافت راشدہ۔ خلفائے بنی اُمیہ وبنی عباس اور دیگر مشہور مسلمان حکمران خاندانوں کے حالات مختصر طور پر۔

ریاضی - ارتھمیٹک ۱۔ جمع، تفریق، ضرب، تقسیم چار عدد تک۔

(۲) مرکبات۔ صرف اُن اوزان اور مقادیر کی تعلیم جن کی ضرورت پڑتی ہے۔
(۳) کسور وکسور اعشاریہ (تین عدد تک)۔
(۴) اربعہ اور اس کا استعمال (Application)

اقلیدس - اقلیدس کو ڈرائنگ کے ایک جزو کے طور پر عملاً سکھلایا جاوے۔

جغرافیہ ا۔ تمام دنیا کا جغرافیہ مجمل طور سے جس میں مقدس اسلامی مقامات اور ہندوستان وانگلستان کے جغرافیہ کی خاص طور سے تعلیم ہو۔

علم ادب ا۔ علم ادب کے ریڈروں کے مرتب کرنے کے متعلق بالاتفاق یہ قرار پایا کہ:-

مختلف صوبجات کے سرکاری وغیر سرکاری زنانہ مدارس کے کورس (اُردو زبان کی ریڈریں) منگا کر اُنسے مناسب مضامین کا انتخاب کیا جاوے اور جہاں ضرورت ہو ان کی زبان درست کی جاوے۔ نیز سرسید علیہ الرحمۃ، مولانا حالی۔ مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم، مولانا آزاد مرحوم اور دیگر مشہور اہل قلم حضرات کے مضامین سے مناسب مضامین کا انتخاب کیا جاوے اور اس کام کے انجام دہی کے لئے چھ ماہ کے واسطے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کے صرف پر ایک عملہ باتحتی آنریری جائنٹ سکرٹری صاحب کانفرنس مقرر کیا جاوے جس کے تقرر و برطرفی کے اختیارات انکو حاصل ہوں اور جن کے زیر ہدایت صدر دفتر کانفرنس میں وہ کام کرے اس کام کی نگرانی کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جاوے جس میں حسب ذیل ممبر شامل ہوں۔

(۱) مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی۔
(۲) شیخ محمد عبداللہ صاحب بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔
(۳) قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے۔
(۴) مولوی ادریس احمد صاحب بی اے۔
(۵) قاضی جلال الدین صاحب۔
(۶) مولوی اسلم صاحب جیراجپوری۔

(۷) مولوی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی۔

(۸) مولوی سید محمد امین صاحب عباسی چڑیا کوٹی۔

(۹) خاکسار آفتاب احمد۔

اس قدر کارروائی کے بعد صاحب پریسیڈنٹ نے حسب ذیل رزولیوشن کی تحریک کی:۔

"اس جلسہ کی رائے میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اس امر پر منحصر ہے کہ جسقدر اسلامیہ اسکول قائم ہیں خواہ وہ ہائی اسکول ہوں یا پرائمری وہ اپنے آپ کو سررشتہ تعلیم سے رکگنائزڈ (تسلیم) کرالیں"

جملہ حاضرین نے اس سے اتفاق کیا اور بالاتفاق مندرجہ بالا رزولیوشن منظور رہوا۔

سب سے آخر میں آنریری جائنٹ سکرٹری کانفرنس نے اُن تمام بزرگوں اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے اس سخت موسم میں دور دراز سفر اختیار کرکے اور گرمی میں صعوبات برداشت کرکے جلسہ کی شرکت فرمائی اور اپنے مشوروں سے اہم مسائل کے طے ہونے میں مدد دی۔

صاحب پریسیڈنٹ کے شکریہ کے بعد جنہوں نے حسب معمول پوری دلچسپی اور انہماک کے ساتھ جلسہ کی کارروائی کی رہنمائی کی جلسہ برخاست ہوا۔

(خاکسار)

آفتاب احمد

آنریری جائنٹ سکرٹری

دلچسپ مُبارکبادیان

اس سال حضور ملک معظم قیصر ہند کی مبارک سالگرہ کی تقریب میں انگلستان کے اکثر چھوٹے چھوٹے بچوں نے بادشاہ کے نام براہ راست مبارکباد کے خط بھیجے جن کی بعض باتیں نہایت دلچسپ اور لطف انگیز ہیں۔ بقول اخبار اسٹیٹس مین یہ پہلی مرتبہ ہی جو خورد سال بچوں کے خطوط مبارکباد کی تجویز "ٹیچرز ورلڈ" نامی رسالہ کی تحریک پر عمل میں آئی چونکہ ابھی اس تجویز کا علم دور دور کے ممالک کو نہیں ہوا تھا اور ممالک ماوراء البحر کی رعایا بھی اس تحریک سے بیخبر تھی لہذا صرف انگلستان ہی کے لڑکوں کو اس بات کی مسرت حاصل ہوسکی کہ اپنے بادشاہ عالی مقام کی خدمت میں سالگرہ کے موقع براہ راست خط لکھ کے مبارکباد عرض کریں۔ اگرچہ ۲۲ جون اس سال سالگرہ کی تقریب کے لئے سرکاری طور پر مقرر کی گئی تھی لیکن معصوم بچوں نے اس تاریخ کا بھی انتظار نہیں کیا اور ماہ جون کے شروع ہونیکے ساتھ ہی مبارکبادیں دینی شروع کردی۔ چنانچہ ان خطوط کے متعدد تھیلے ملک معظم کی خدمت میں پہنچے۔ اس میں کیا شک ہے کہ ان خطوط کی عبارت جو بہت کم سن بھولے بھالے بچوں کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے بلحاظ املہ والفاظ وغیرہ نہایت عجیب وغریب ہوگی۔ خیالات کی جدت اور انوکھاپن بھی ضرور قابل دید ہوگا۔ ملک معظم ان خطوط کو شائع کرنے کی اجازت نہیں دی اس لئے ان خطوط کے مضامین سے تو پوری طرح واقفیت نہیں ہوسکی مگر خود ان خطوط کے لکھنے والوں میں سے بعض کے مصنفانہ شوق وجوش ونخرے اس راز کا آخر افشا کردیا اور اکثر خطوط کی بعض دلچسپ۔ پُرلطف اور قابل دید باتیں معلوم ہوگئیں

اکثروں نے قدیم دقیانوسی طرز خطاب والقاب کو ناقابل استعمال قرار دیکر۔ "ڈیر رائل جارج" یعنی "پیارے شاہانہ جارج" اور "یور گریس فل میجسٹی" یعنی حضور حسن و نزاکت مآب" کی اچھوتی ترکیبیں بطور القاب استعمال کی ہیں اور اسی طرح اکثر امور میں جدت طرازی کی داد دیگئی ہے۔

بعض اظہارات محبت وعقیدت بھی کچھ کم انوکھے نہیں ہیں۔

مثلاً:۔

"اگر میرے پاس کافی روپیہ ہوتا تو میں تمھیں ضرور ایک نیا تاج دلا دیتا"

"میں آپ سے اس لئے محبت کرتا ہوں کہ آپ بڑے ہی عمدہ شخص ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ بہت مدت تک فائدہ بخش طریقہ سے حکمرانی کرینگے"

"اگر میرے پاس ایک اشرفی ہوتی تو میں نے ایک جوڑا لباس کلاہ اور ایک گھڑی آپکے لیے خریدی ہوتی"

"اگر میرے پاس کافی روپیہ موجود ہوتا تو میری آرزو تھی کہ میں آپکے واسطے ایک ٹوپی۔ ایک اور پتلون خرید کرتا"

"مجھے سخت رنج ہوگا اگر آپ تخت پر سے اُتار دیئے جائیں گے"

بعض خطوط میں والدین کے خیالات اور گفتگو کی جھلک بھی موجود ہے مثلاً:۔

"مجھے معلوم ہے کہ آپ ہمیشہ قوی رہیں گے اور آپ کا اقتدار ہمیشہ قائم رہیگا اور آپ کبھی وہ دن نہ آنے دینگے کہ ہماری سلطنت کو اس وقت جو وقار اور منزلت حاصل ہے اس پر کوئی دوسری سلطنت پہونچ کر اس کی برابری کر سکے"

یہ ہیں چند نمونے ان بیشمار خطوط میں سے دو چار خط کی مطالب کے جو محض ان کے بعض لکھنے والوں کی عنایت سے ظاہر ہوگئے۔ اس سے کسی قدر اندازہ ہوسکتا ہے کہ بقیہ ذخیرہ میں کیا کیا نادر باتیں ہونگی۔ سچ ہے ؎

بڑھاپے کی دانائی لیکر کوئی
بدل دے وہ بچپن کی نادانیاں (حالی)

(سید خورشید علی حیدرآباد دکن)

فضائلِ ماہ شعبان المعظم

فرمایا ہے رسول خدا نے کہ اٹھو اے لوگو! ماہ شعبان کی پندرہویں رات کو تحقیق یہ رات بہت مبارک و بزرگ ہے۔ فرمایا ہے خدا ے بزرگ نے کہ اے بندو تحقیق میں بخشدوں ان لوگوں کو جو کہ پندرہویں شب شعبان کے جو مجھ سے بخشش چاہیں۔ جانو کہ یہ شب نہایت بزرگ ہے۔ اترتے ہیں فرشتے رحمت کے اور نازل ہوتی ہے رحمت آلٰہی اس شب اُن لوگوں پر جو عبادت کرتے ہیں میری۔

رسول خدا نے فرمایا ہے کہ جو کوئی کہ یہ چاہے کہ دوزخ کی آگ ہم پر حرام ہو جائے تو چاہیئے کہ پندرہویں شب شعبان کی عبادت کرے خدا کی پس آتش دوزخ اس پر حرام ہوگی۔ اور جو کوئی کہ اس رات کو عبادت میں گذار دے خداے تعالیٰ تا قیامت اس کے نام لکھا کریگا نیکیاں اور بہشت میں رہیگا اس کو ثواب عظیم۔ فرمایا ہے رسول خدا نے کہ اس رات اللہ بخشیگا تمام عابدوں صائموں صدیقوں کو اور نیکوں اور بدوں کو بجز جادوگروں و منجم او بخیل اور آزار دہندۂ والدین اور بادہ خوار و زانی کے اس شب اللہ تعالیٰ کھولتا ہے تین سو دروازے رحمت کے اپنے بندوں پر اور فرمایا ہے رسول خدا نے کہ شب شعبان پندرہویں کو چاہیئے کہ غسل کرے اور نیت کرے عبادت حق کی۔ پس ہر قطرے سے غسل کے لکھے جائینگے نیکیاں اور ثواب سات سو رکعت نفل کی اتنی زیادہ۔ بعد غسل کے دو رکعت نماز تحیۃ الوضو پڑھے اور ہر رکعت میں بعد الحمد کے آیۃ الکرسی ایک مرتبہ اور سورۂ قل ھو اللہ تین مرتبہ پڑھنی چاہیئے پھر بعد تحیۃ الوضو کے آٹھ رکعت نماز نفل ادا کرنی چاہیئے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورہ انا انزلنا ایک مرتبہ اور سورہ اخلاص پچیس مرتبہ پڑھنی چاہیئے۔ جو کوئی اس طرح نماز کو اس رات ادا کرے گا ایسا سمجھنا چاہیئے کہ وہ شکم مادر سے ابھی دنیا میں لایا گیا ہے یعنی اسقدر گناہوں سے مبرا اٹھیگا۔

اگر کوئی ہر رات شعبان کو چار رکعت نماز ادا کرے اور ہر رکعت میں بعد سورۂ الحمد سورۂ اخلاص پچاس مرتبہ پڑھا کرے اور پندرہویں روز روزہ رکھے اس کے پچاس سال کے گناہ بخشے جائینگے

اگر کوئی سَو رکعت نفل پندرہویں شب کو ادا کرے اور بعد الحمد کے ہر رکعت میں سورہ اخلاص دس دس مرتبہ پڑھا کریں جو دعا کی جاے گی وہ قبولیت کو پہونچیگی، اور حرام ہو گی اُس پر دوزخ اور حلال کریگا بہشت کو اوپر اُس کے۔ حدیث شریف میں آیا ہی کہ پندرہویں شب کو اُترتے ہیں فرشتے ستر لاکھ اور دیکھتے ہیں اس شب کے عبادت گذاروں کو اور لکھنے لگتے ہیں اُن کے لئے حسنات تا قیامت حتیٰ کہ قیامت کے دن بھی ابھی پورے نہونگے اس وقت فرمایگا خداے بزرگ کہ موقوف کرواے فرشتو لکھنا حسنات کا اور داخل کرو میرے بے حساب بندوں کو جنت میں اگر تمام ملائک زمین و آسمان کے ان کے حسنات لکھیں تو بھی پورے نہونگے۔ فرمایا ہی رسول خدا نے جو کوئی پڑھے شب جمعہ شعبان کے ماہ میں چار رکعت نفل اور پڑھے بعد الحمد کے تیس مرتبہ سورۂ اخلاص پس پایا اُس نے ثواب حج و عمرہ کا اور یہ بھی فرمایا ہے رسول خدا نے کہ جو شخص کہ سَو سَو مرتبہ جمعہ کی رات اور جمعہ کی صبح میں رسول خدا پر درود بھیجیگا حرام کریگا اللہ اُس پر دوزخ کو۔ اور جو کوئی کہ شعبان کے مہینے بہر رات اور دن ملا کر تین سو مرتبہ درود بھیجیگا روز قیامت سب سے پہلے میں شفیع ہونگا اُس شخص کا۔ حضرت شیخ ابو القاسم سے منقول ہی کہ دیکھا میں نے عالم رویا میں لخت جگر جناب رسول خدا کو اور پوچھا میں نے کہ اے خاتون جنت کس چیز کو دوست رکھتی ہو تاکہ میں بخشوں تیری روح کو۔ فرمایا آپ نے کہ اے ابو القاسم میں دوست رکھتی ہوں ماہ شعبان میں آٹھ رکعت نماز اور ایک سلام ساتھ چار رکعت کے اور ہر رکعت میں بعد الحمد کے سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ اور بخشے مجھکو اس کا ثواب میں ہرگز قدم نہ رکھونگی جنت میں تا وقتیکہ اُس کی شفاعت نہ کروں۔ یہ نماز شعبان کے مہینے میں کوئی شب کو بھی ادا کریں اختیار ہی اگر اول ہی شب کو پڑھے بہت ہی بہتر ہی اب اس مبارک ذکر کو مختصر کر کے خداے بزرگ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ اپنے حبیب پاک کے طفیل ہم گنہگاروں کے گناہ بخشدے اور ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ تیرے اور تیرے حبیب کے ہر احکام و حدیث کو ہم دل سے قبول و ادا کر کے عاقبت میں سرخروئی حاصل کریں ۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ فقط

راقمہ

(عباسی بیگم حیدرآباد دکن مقیم حال نرساپور ضلع کرشنا)

اپنی حالت

خودی سے باز آ نہ خوار ہو تو خدا کے بندے خدا خدا کر
خدا کا رستہ ہی صاف و سیدھا ادب سے چل سر جھکا جھکا کر

کہاں وہ علم و ہنر کے بانی کدھر ہیں طغرل کدھر کیانی
ہوے وہ زیر زمیں ہی پنہاں نشانِ ہستی مٹا مٹا کر

عجب ہیں قدرت کے کارنامے عجب ہے کچھ اُس کی بے نیازی
عدم سے لایا کبھی بنا کر کبھی بگاڑا بنا بنا کر

نہ دل کو تسکیں نہ تاب دوری پھنسے سفینہ میں دل لگا کر
طلب ہی اُس بے نشاں کی ہم کو گیا پتہ بھی نہ جو بتا کر

کہاں وہ دولت کہاں حمیت کہاں وہ ہمت کے کارنامے
ہماری سستی نے ہاے ہم کو گھٹایا آخر بڑھا بڑھا کر

نہ کوہ کن کا سُراغ ہے کچھ نہ قیس و وامق کا کچھ پتا ہے
دلوں پہ اہل جہاں کے اپنا گئے ہیں سکہ جما جما کر

کہاں ہے عباسیوں کی شوکت کہاں ہی عزنانیوں کی سطوت
گئے ہیں راہِ خدا میں سارے سروں کو اپنے کٹا کٹا کر

علوم قبضے میں جن کے تھے سب جہاں پہ قبضہ تھا جنکا بالکل
ہوے ہیں محروم علم سے وہ خزانے اپنے لٹا لٹا کر

کہاں حمیت رگ و لہو میں کہاں وہ تاثیر گفتگو میں
ہوے ہیں افسوس خوار کیسے لیاقت اپنی گنوا گنوا کر

وہی ہے غفلت وہی ہے سستی وہی تساہل وہی تغافل
گئے ہیں آخر جگانے والے ہمیشہ ہم کو جگا جگا کر
کہاں ہیں محسن[2] کہاں ہیں سید[3] بنائے کالج ہے جس نے ڈالی
بس ایک سید[1] علی تھے باقی گئے ہیں وہ بھی رلا رلا کر
کہاں وہ اسلام کے ہوا خواہ کہاں وہ سردار قوم کے آہ
دلوں پہ اہل جہاں کے اپنا گئے ہیں سکہ جما جما کر
ہوا ہے کافور درد قومی شہید اپنی غرض کے ہیں سب
ہوا ہے مختل دماغ بالکل دلوں میں نخوت سما سما کر
ہیں ایک وہ بھی جنھیں ترقی کی رات دن دھن لگی ہوئی ہے
اور ایک ہم ہیں مصیبتوں میں پڑے ہیں عزت گنوا گنوا کر
وہ قصر حمرا کے تھے جو بانی ہے اُن کی باقی فقط کہانی
نہ کچھ پتا ہے نہ کچھ نشانی سراغ لگائے کوئی لگا کر
ذلیل ہم کو سمجھتے تھے تم تمھیں بہائم سمجھتے ہیں ہم
غرور کرتی ہیں غیر قومیں ہمیں یہ فقرے سنا سنا کر
اٹھو بڑھو اب کرو نہ سستی یہ ہے بہت محوِ خوابِ غفلت
بہت سے کرنے ہیں طے منازل قدم بڑھاؤ جما جما کر
ابھی تو بگڑا نہیں ہے کچھ بھی تلافی ممکن ہے اب بھی اسکی
یہ نونہالان قوم کو تم بڑھاؤ ہمت بندھا بندھا کر

---

[1] شمس العلما سید علی بلگرامی۔
[2] محسن الملک بہادر
[3] سر سید علیہ الرحمۃ

علوم و فن تم سکھاؤ ان کو طریق حرفت بتاؤ ان کو
بناؤ روشن‌ضمیر ان کو فن زراعت سکھا سکھا کر

فقط ہے کالج[1] کا اک سہارا اسی میں داخل کرو خدارا
وہی ہے ملجا وہی ہے ماوے کہو یہ سب کو سُنا سُنا کر

پھریں ہمارے بھی دن الٰہی کہ سب یہ جاتی رہے تباہی
جہاں پہ لہرائے اپنا پرچم عروج اپنا دکھا دکھا کر

یہی ہے عباسی تمکو حسرت یہی تمہاری ہے رب سے خواہش
کہ قوم سرسبز ہو ہماری کریں دعا ہاتھ اٹھا اٹھا کر

[1] علی گڈھ کالج سے مراد ہے

رقیمہ
عباسی بیگم حیدرآباد دکن۔ مقیم حال نرسا پور

حفظ صحت کے متعلق گھر کی بیوی کے فرائض

گھر کی مالکہ کو جاننا چاہیئے کہ حفظان صحت صرف جسم کی صفائی پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ جاننا چاہیئے کہ ہماری صحت کے برقرار رکھنے کے لئے ہمیں بہت سے مددگاروں کی ضرورت ہے اور ہمارے ایسے بفضل خدا بہت سے مددگار موجود ہیں۔ جو اچھی یا بری خدمتیں نامعلوم طور پر بجا لاتے اور ہماری صحت کے بننے بگڑنے میں مدد دیا کرتے ہیں مثلاً تازی ہوا عمدہ روشنی شفاف پانی۔ مقوی زود ہضم غذا ہر ایک چیز میں صفائی ورزش لباس سردی گرمی وغیرہا۔ غرض یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن پر ہماری زندگی کا کل دارو مدار ہے۔ گو ہم ان سب مددگاروں سے ان کے اصول پر کام لینے میں

کوتاہی یا غفلت ہی کیوں نہ کریں تاہم وہ ہر حالت میں وفادار خدمتگذاروں کی طرح اپنے فرائض کو ادا کرتے رہتے ہیں۔ اگر ہم ان کے ساتھ غفلت نہ برتیں تو عمدگی سے یا جیسے بن پڑے ہماری خدمت میں رات دن مصروف رہتے ہیں ایک دم کو ہم سے جدا نہیں ہو سکتے۔

ہم ان سب میں سب سے پہلے گھر کی صفائی کو ہی لیتے ہیں اور اس پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ گھر کی صفائی ایک ایسا ضروری کام ہے کہ جس سے صرف ایک دو نہیں بلکہ کل فیملی اور کنبے محلے کی صحت پر اس کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ ظاہری خوشنمائی کو اگر ہم کاہلی کی وجہ نظر انداز بھی کر دیں تو بھی ہمیں لازم ہے کہ صحت کے لئے جو دنیا میں سب سے بڑھکر دولت ہے گھر کی صفائی کو مقدم سمجھکر پوری طرح سے اس کے ذمہ دار بنے رہیں۔ گھر کی مالکہ کو چاہیئے کہ گھر ہمیشہ ستھرا اور روشن رکھے۔ اور جہاں تک ہو سکے رہنے کے لئے ایسا گھر پسند کریں جس کا رُخ دکھن کی طرف ہو، تاکہ تازی اور خوشگوار ہوا ہر وقت دم لینے کو میسر ہو سکے اور سورج کی ناقابل برداشت گرمی سے بھی بچاؤ ہو سکے اور مکان کی کرسی اونچی ہو تا کہ تازی و لطیف ہوا کا گذر ہونیکے علاوہ بارش کے بعد جو رطوبتیں زمین سے نکلتی ہیں اس کا اثر گھر کے اندر نہو سکے۔ بارش برسنے کے بعد گھر کے اطراف کا پانی جذب نہو سکے۔ مکان کے اطراف جہاں تک ہو سکے بہت پاکیزہ ہو گلی سڑی ترکاری گلے ہوئے میوے کوڑا کرکٹ سڑا گدلا پانی یا کوئی گڑھیا مویشیوں کے گلے وغیرہ نہ رہنے پائے۔ ان چیزوں سے ہوا بالکل کثیف و گندی زہریلی ہو جاتی ہے پھر ہمارے سانس لینے کے قابل نہیں رہتی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مکان خواہ کیسا ہی کیوں نہو مکان کے پیچھے موری بہتی رہتی ہے گو یہ شہر کی صفائی کے لئے ایسا کیا جاتا ہے کہ ہر محلے میں موری بہا کرتی ہے اور گھروں میں بھی موریاں رکھی جاتی ہیں مگر اس کا صاف رکھنا بہت ضروری ہے اکثر دیکھا گیا ہے وہ موری جو کثافت دور کرنے کی غرض سے بنائی جاتی ہے ایک آخور کی بھرتی بنجاتی ہے بازار کے میوؤں کے چھلکے وغیرہ سب اسی میں ڈالدیئے جاتے ہیں بعض گندی طبیعت کے لوگ طرح طرح سے موری کو اور بھی گندہ بنا دیا کرتے ہیں۔ موری پر کائی جمی رہتی ہے۔ نہ تو لوگوں کو اتنی توفیق ہوتی ہے کہ ایسی چیزیں موری میں نہ ڈالتے اور سمجھتے کہ موری صرف پانی بہنے کے لئے ہے نہ کہ

کوڑا کرکٹ بھرنے کو اور نہ صفائی کے لوگوں کو ہی یہ خیال ہوتا ہے کہ ہر صبح و شام صاف کر دیا کرے۔ یا کم از کم ہر روز ایک وقت ہی سہی۔ ظاہر ہے کہ اس موری کی بدولت شہر کی کتنی ہوا گندی ہوئی ہوگی کتنے جراثیم اس میں ہوئے ہونگے بعض وقت تو گلیوں میں سخت تعفن ہو جاتا ہے اور لمبے لمبے کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ گو گھر کی مالکہ اس امر میں مجبور ہے کہ اس گندی ہوا سے اپنے گھر کو بچانے رکھے مگر تاہم وہ اتنا ضرور کر سکتی ہے کہ اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ اس موری میں ڈالنے سے منع کریں اور افسر حفظان صحت کو رپورٹ دلائی جائے اور توجہ دلائی جائے تاکہ افسر حفظان صحت صفائی کے لوگوں پر زیادہ نگرانی سے کام کرائے اس طرح سے وہ اچھی طرح اپنے گھر کے اطراف میں صفائی کروا سکتی ہیں۔ بشرطیکہ وہ صفائی کو ضروری و مقدم جانیں۔ یہ بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ مامائیں دن بھر جو ترکاری بناتی ہیں اور کوڑا کرکٹ صاف کرتی ہیں ان سب کو یا تو باورچی خانے کے ہی کونوں میں دبائی رہتی ہیں یا ذرا صفائی پسند ماما ہو تو وہ باورچی خانے سے ذرا دور گھر کے کمپونڈ میں کوڑے کا ڈھیر لگا دیا کرتی ہیں ہمیں یاد رکھنا چاہیئے یہ کوڑا تو ہر حالت میں مضر صحت ہے اور خصوصاً برسات جاڑوں میں خطرناک ہوگا۔ ہمیں چاہیئے کہ ایسا کوڑا یا تو ہر شام میں جلا دیا جائے یا جس وقت ماما کوڑا باورچی خانے سے جمع کرتی ہو اسی وقت باہر بھجوا کر سرکاری (ڈسٹ بین) جو ہوا کرتے ہیں اس میں ڈلوا دیا کریں۔ کوڑا جلا دینا بھی بہت مفید ہے کیونکہ اس کا دھواں جب چاروں طرف پھیلیگا۔ دور دور کے مچھر پسو بھنگے ایسے خطرناک کیڑے اس زہریلے دھوئیں کے سبب مر جائیں گے۔ اور جلی ہوئی راکھ کوئی مضر شے نہیں اگر وہ کمپونڈ کے کسی کونے میں پڑی بھی رہے۔ نوکر اکثر جاہل لوگ ہوا کرتے ہیں انھیں کیا خبر کہ اس غلاظت سے ہماری صحت پر اور ہمارے بچوں اور آقا کی صحت پر کیسا گہرا اثر ہونے والا ہے حفظان صحت کے لئے ضروری ہے کہ گھر میں دونوں وقت صفائی کی جائے یعنی جھاڑو دلوائی جائے ہر چھوٹی بڑی اشیا کو گھر کی ایک موٹے کم دام تولئے سے (جو خاص کر اس کام کے لئے بنا کر رکھنا چاہیئے) ڈسٹ جھاڑ دیا کریں دونوں وقت ایسا کرنے سے ذرا بھی تکلیف نہیں اور نہ زیادہ وقت کا کام ہے۔ اسکی آسانی

کے لئے گھر کی مالکہ کو چاہیئے کہ ہر ایک چیز گھر میں رکھنے کو ایک جگہ مقرر کر دیں تاکہ جو چیز جہاں سے
اُٹھائی جائے صاف کرکے فوراً وہیں رکھدی جائے۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ صفائی کے لئے ہمارے
پاس زیادہ نوکر ہوں بلکہ جو نوکر اس وقت ہمارے پاس ہونگے وہ کافی ہونگے ہاں گھر والی بیوی کو
عقلمندی اور سلیقہ ہر بات میں برتنا چاہیئے۔ سوکر اُٹھنے کے بعد ماما جھاڑو بہارو تو ضرور دیتی ہی
پس اس کو بتا دیا جائے کہ جھاڑو ہو چکنے کے بعد تولئے سے ہر چیز سلیقے کے ساتھ گرد صاف کردی
جائے۔ اور جہاں کی شے ہو وہیں رکھدی جائے۔ پھر اسی طرح جب ماما شام کو جھاڑو دینے لگے
پھر صاف کردے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ نصف گھر کو ماما صاف ستھرا کرتی ہو اور نصف حصہ یونہی پڑا
چھوڑ دیا کرتی ہو۔ پس جب پورے گھر کو وہ جھاڑو دیتی ہے تو گرد صاف کرنا بھی اس کے ساتھ
ہی ساتھ ہو سکیگا۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ میں نے اکثر گھروں میں دیکھا ہے کہ گھر کی بیوی اس بات
سے بالکل لاپروا نظر آتی ہیں۔ اور کوئی شے بھی اپنی اصلی رنگت میں گرد کے سبب نظر نہیں آتی
اس طرح سے گھر کی اکثر چیزیں برباد ہو جاتی ہیں۔ اور افسوس گھر کی بیوی کو اس کا خیال تک
نہیں ہوتا۔ افسوس اور رنج ہونا تو اور بات ہی ہے میں نے اکثر دیکھا ہے کہ عمدہ سینے کی مشین اور
عمدہ لیمپ وغیرہ ویسے ہی رکھے رہتے ہیں اور ماما ہے کہ جھاڑو دیتی چلی آتی ہے اور سب گرد
اُڑ کر مشین کے اوزار اور لیمپ کی بتی وغیرہ کا ناس ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد گھر والی بیوی کا خیال گھر کی روشنی پر چاہیئے کہ آیا جو روشنی سورج کی اپنے گھر
میں پہونچتی ہے وہ کافی ہو سکیگی یا نہیں۔ اگر کوئی کمرہ ایسا پاؤ جس میں کافی روشنی نہ آسکے اور
اندر قدم رکھتے ہی سیل معلوم ہو ہوا میں خنکی نمی کی بو زہریلا مادہ معلوم ہو تو فوراً اس کا پورا
انتظام کروا دیں۔ اس کے لئے آسان طریق گھر میں روشنی پہونچانے کی یہ ہے کہ چھت سے کوئی
گز یا دو گز جیسا مناسب ہو دینٹی لیٹر یا روشندان بنوالیں۔ ایک کمرہ میں کم از کم دو تو ضرور ہی
رہیں بلکہ تین چار ہوں تو اور بھی اچھی بات ہی۔ اس میں زیادہ زیرباری کی کوئی ضرورت نہیں
ہی۔ بہت کم دام میں صحت کے قائم رکھنے تازی ہوا کے لئے ایسے روشندان بنوائے جاسکتے

ہیں جس سے ہوا اور سورج کی روشنی بخوبی کمروں میں پہونچتی ہے۔ گھر میں روشنی پہونچنے سے بہت سے فائدے ہیں۔ سب میں بڑا فائدہ اور حفظانِ صحت کے لئے ضروری تو یہ ہی کہ رات بھر کی گندی ہوا و خنکی باہر جانے کے بعد اگر روشنی کمروں میں پہونچے ذرا بھی گندگی باقی نہ رہیگی۔ گھر میں اسباب جو رکھا ہوتا ہے جاننا چاہیئے کہ ایک بغیر اسباب کے کھلے کمرے میں جسقدر ہوا بھری ہوئی ہے اسکی آدھی ہوا بھی اُس کمرے میں اُس وقت نہیں ہوتی جبکہ اس میں میز کرسی پلنگ تپائی الماریاں و دوسری چیزیں وغیرہ رکھی ہوں۔ جتنا زیادہ اسباب رکھا ہوگا اتنی کم ہوا اس کمرے میں آئیگی کیونکہ اسباب کے ہوا آنے سے رک جائیگی۔ پس گھر والی بیوی کو ضروری ہے کہ ایسے کمروں میں زیادہ روشنی و ہوا کے آنے کا انتظام کریں۔ بغیر روشنی کے ہر چیز میلی او گیلی اور روزنی معلوم ہوتی ہے اور بدنما معلوم ہونے لگتی ہے۔ اندھیرے کمرہ کی ہوا میں ایک ایسی بو ہوتی ہے جو سنگی اور زہریلی رطوبتوں کے بخارات سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ بو رفتہ رفتہ متعفن ہوجاتی ہے جو انسان کے دل و دماغ و جسم پر اس کا بہت برا اثر ہوتا ہے رفتہ رفتہ ایسی ہوا میں رہنے والا جگر کے خطرناک مرضوں میں مبتلا ہو کر جان سے مایوس ہوجاتا ہے تمھیں خود تجربہ ہوگا جب رات دن پانی برستا ہو اور سورج نام کو بھی دو چار روز نہ دکھائی دے کسقدر سست و آرام طلبی کو تمھاری طبیعت چاہیگی۔ کسی کام میں دل لگانا مشکل ہوگا اگر دو دن کے برسنے کے بعد ذرا بھی دھوپ یا اُس کا عکس ہی نظر پڑے گھر کی ہر ایک چیز جو تمھیں برسات کے سبب گیلی و بدنما نظر آرہی تھی کیسی چمکدار اور شفاف اور تمھاری طبیعت کیسی چست و چاق نظر آئیگی۔

پس یہی حال گھر میں روشنی کے آنے او نہ آنے سے ہوجایا کرتا ہے۔ گھر والی بیوی کو چاہیئے کہ جیسی صفائی گھر کی ضروری ہے صفائی کے ساتھ خوشنمائی بھی بہت ضروری ہے تاکہ وہ گھر درحقیقت گھر کے معنوں میں سمجھا جاسکے۔ اور اس کے ساتھ گھر والی بھی ایسے ہی صاف ستھری سلیقہ مند ہو۔ گھر اور گھر والوں کو دیکھکر ایسی ہی خوشی ہو جو گھر کہنے سے ہوا کرتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گھر میں خوشنمائی پیدا کرنے کے لئے ہمیں روپیہ زیادہ خرچ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بلکہ جو

چیزیں ہمارے گھروں میں نمائشی طور پر برائے زیب زینت گھر کے رکھی ہوئی ہوں اور بازار سے
ہم ایسی مقصد کے لئے اس سے پیشتر آچکی ہوں انھیں اشیا کو ہم صفائی کے ساتھ ہر ہفتہ موقع
مناسب جگہ پر ادل بدل کر بہت کچھ گھر کو خوشنما بنا سکتے ہیں خوشنمائی اور صحت کے خیال سے چند
پھولوں کے پودے اور کیاریاں بھی ہوتی ضروری ہیں یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کے پانی بھرنے
کو کوئی جدا نوکر یا نگرانی کو مالی بھی رکھا جائے۔ بلکہ ہمیں چاہیئے کہ گھر کے کمپونڈ میں تھوڑی جگہ ایسی
بنائیں جس میں ہم بہ آسانی چند پھولوں کے پودے اور چند موسمی ترکاریاں ساگ پات بو سکیں جس سے
کفایت سلیقہ مندی اور خوشنمائی سبھی کچھ حاصل ہو جائینگے۔ اتنے سے پودوں کو گھر کا کوئی سا نوکر پانی
دے سکیگا۔ ماما کو تاکید کردیں کہ باورچی خانے میں گوشت ترکاری کے دھوون کا جو میلہ پانی ہو وہ
جدا ٹھلیا میں جمع کر کے جس دن کا ہو اسی دن پودوں کیاریوں میں ڈالدیا جاوے۔ یاد رکھنا چاہیئے
کہ پھولوں کے پودوں میں ایک ایسی طاقت ہے جو ہر وقت زہریلی گندی سانس کو ہمارے جذب
کرلیا کرتے ہیں اور اس کے عوض اپنے پتوں اور ٹہنیوں کے تازہ صحت بخش خوشگوار ہوا سانس لینے
کو ہمیں دیتے ہیں۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ ہماری یورپین بہنیں پھولوں کے پودوں کی کسقدر شائق
ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ اُن کے بڈ روم (سونے کے کمروں) میں بھی پھولوں کے پودے رکھے ہوتے
ہیں نہایت صفائی کے ساتھ۔ کیا کبھی غور کیا ہے کہ صرف نمائشی ظاہری خوشنمائی ہی اس سے مقصود
ہے یا اور بھی کچھ۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ پھولوں اور پودوں میں وہ طاقت ہے جو انسان کو طاقتور اور
توانا بنا سکنے و دل و دماغ کو (ٹانک) طاقتور دوا کا کام دیتے ہیں۔ جبھی تو ڈاکٹر مریضوں کے لئے
کھلی تازہ ہوا اور سبزہ زار جگہ مفید بتاتے اور تجویز کرتے ہیں۔ ہم بھی ہر کمرے ہر دالان ہر برآمدے
میں کئی گملے پودوں کے بہ آسانی رکھ سکتے ہیں سخت گرمیوں کا موسم ہو جبکہ کوئی پودا سبز شاداب
نہ رہ سکتا ہو تاہم اگر ہم دل سے چاہیں تو برابر سبز و شاداب بنائے رکھ سکتے ہیں پودے پھول نہ سہی
اس وقت صرف ہری اور نرم نرم گھانس ہی بہت مناسب و بھلی معلوم ہوتی ہے جو گملوں یا
تختے کے صندوق نما چوکھٹوں میں اُگا کر گھر کے اندر جہاں چاہیں رکھ لیں۔ یہ تختے بدا طیار کرائیں

ضرورت نہیں بلکہ گھر ہی میں کاٹ کباڑ پڑا ہوتا ہے اسی میں سے ہم مناسب خوشنمائی سے پودے اگانے کے قابل بنا سکیں گے۔ غرض گھر والی بیوی چاہے کہ میرا گھر خوشنما و مخزن صحت بنا رہے تو وہ بیشک بنا سکتی ہے۔ بشرطیکہ گھر والی بیوی ہر پودے ڈالی کی نگرانی کی تھوڑی سی تکلیف اپنے ذمے لے اور تھوڑا بہت شوق خود میں پیدا کرے۔ اس کام کے لئے صبح سویرے اور سہ پہر کا وقت نہایت موزوں و خوشنما ہوا کرتا ہے۔ اور طبیعت خود بخود دلی شوق کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے اسکی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ شاید میری بہت سی بہنیں میرے ہم خیال ہوں میرے اس خیال کے بعض اپنے زیر نگرانی پودوں کا کام کروائیں اور خود بھی جب مناسب موقع ہو ہاتھ سے کچھ بنایا کریں میرا تو یہ حال ہے جب تک ہر صبح و شام خواہ کتنا ہی کام کیوں نہ ہو جب تک کم از کم پندرہ بیس منٹ ہی سہی اپنے ہاتھ سے پودوں کو درست نہ کروں دو چار گھڑی سانس ان پودوں کی تازی ہوا کے نہ لیلوں مجھے اچھا نہیں لگتا۔ ہر گھر والی بیوی ہر موسم میں اپنے گھر میں ایسے پودے اگا سکتی ہیں مگر نگرانی ضروری ہوگی ورنہ وہی فرحت بخش پودے سڑ گل کر اُلٹے مضر صحت ہونگے۔ گھر والی بیوی کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ باورچی خانے کا میلا پانی پودوں کو ہرگز نہیں سڑاویگا بلکہ انھیں ضرورت ہے ایسے ہی پانی کی بہ نسبت تازے پانی کی۔ ہاں اگر اپنا بفضل خدا بڑا سا باغ یا چمن ہو تو ضرور چاہیئے کہ پانی کا کافی انتظام ہو اور اس کے لئے عمدہ تجربہ کار باغبان اور نوکر چاہیئے۔

میرے اس مضمون میں جابجا کافی روشنی اور کافی ہوا کا ذکر آ چکا ہے۔ اس کے متعلق ایک اور بات اتنی باقی رہ گئی کہ اس میں میں نے باورچی خانے اور اسٹور روم (غلہ کے کمرے) کا خاص کر ذکر نہیں کیا ہے بلکہ گھر والی بیوی کو چاہیئے کہ ان دونوں کمروں میں روشنی اور ہوا و صفائی کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے ہمارے بیٹھنے اور سونے کی جگہ کی کیجاتی ہے میں نے اکثر گھروں میں اسٹور روم اور باورچی خانے کو نہایت تاریک دیکھا ہے۔ ان دونوں جگہ بغیر روشنی کے جو نقصانات ہونگے وہ ظاہر ہیں۔ غلہ کا بند کمرہ جب کھول کر اندر قدم رکھو گے تمہیں خود بخود معلوم ہوگا دم گھٹنا شروع ہوگیا ہے اور سیل نہ بھی ہو تاہم ایک قسم کی بو تو ضرور تمہیں معلوم دیگی کھلی ہوا سے ایک دم ایسی جگہ داخل ہونا صحت

کے لئے بہت مضر ثابت ہوتا ہے یقیناً تمھیں کئی دفعہ ایسے بند کمرے میں جاتے ہی سر میں ہلکا سا درد محسوس ہوا ہوگا۔ یہ کیوں اس لئے کہ بغیر روشنی اور تازی ہوا کے وہاں کی ہوا گندی ہو چکی ہے ایسے کمروں میں جو چیز رکھی جائے یقیناوہ شئی خراب ہوگی اگر ظاہرا نہ بھی خراب ہو تاہم مضر صحت ہوگی اکثر برسات میں ایسے کمرے کا اناج بالکل بگڑ جاتا ہے اور مفت کا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ بند کمرہ جب تم کھولو گی گندی ہوا تمھارے صاف ستھرے گھر کو بہت کچھ خراب کرسکتی ہے۔ اسی لئے چاہیئے کہ باورچی خانہ اور اسٹور روم میں بھی ضرور بالضرور روشن دان بنائے جائیں اگر نئے بنائے ہوں تو کھولے جائیں۔ موقع مناسب سے ہر کمرے کے روشندان کھول بند کرسکتے ہیں۔ باورچی خانے کی اور حمام خانے کی موریوں کے پاس ہمیشہ اینٹ ڈلوایا کریں تاکہ کیچڑ نہ ہونے پائے اور کبھی کبھی فنائل سے بھی دھلوایا چاہیئے تاکہ کسی قسم کے جراثیم باقی نہ رہجائیں۔ گھروالی بیوی کو اپنے اور بچوں اور شوہر کے میلے کپڑوں کی بھی بہت احتیاط چاہیئے جو دھوبی کے ڈالے جانے کو ہیں۔ اس کے لئے کم ازکم ایک کم دام کا صندوق علیحدہ جگہ رکھ دیا جائے اور جو کپڑے میلے سمجھے جائیں جسم سے دور کرنیکے بعد تھوڑی دیر دھوپ میں ڈلوا دیں اور پھر اُٹھوا کر اس صندوق میں قفل ڈالدیں۔ جب تک کہ دھوبی آکر نہ لیجائے اِدھر اُدھر جو اکثر گھروں میں پڑے نظر آتے ہیں وہ کسقدر بدسلیقگی بدنمائی معلوم ہوتی ہے اور کپڑا اِدھر اُدھر پڑا ہوا اور زیادہ میلا اور جلد پُرانا ہونے کے علاوہ کھو بی جاتا ہے۔ ان سب کے علاوہ ہوا بھی کسقدر کثیف ہوجائیگی جبکہ میلے کچیلے کپڑے جگہ بے جگہ تمتے رہینگے۔ تمھارے گھر کی خوشنمائی وصفائی کو کھونے کے لئے میلے کپڑے بھی بہت کافی ہیں۔ اس لئے گھروالی بیوی پر فرض ہے کہ وہ درحقیقت گھر کی ملکہ کہلائے جانے کی مستحق وقابل سمجھی جائے۔ گھروالی کو چاہیئے کہ خود نگرانی ہر بات میں کرنے کے علاوہ اپنے بچوں اور نوکروں کو بھی حسب موقع ہدایت کردیا کریں کہ کوئی بدسلیقگی یا بے ظابطگی ہونے پائے۔ تمھاری نگرانی سے خود بخود گھر کے سارے لوگ تمھارے حسب دلخواہ کام کرنے لگیں گے پھر کیا مجال کہ کچھ بھی بے ظابطگی ہوگی۔ ناظرات وناظرین کے تضیع اوقات کے خیال سے اب اس مضمون کو ختم کرتی ہوں۔ فقط

راقمہ عباسی بیگم حیدرآباد (مقیم حال نرساپور)

ہندوستان مفلس کیوں ہے؟

یہ سوال بار بار اس وقت میرے دل میں آکر مجھے مغموم وافسردہ دل کر دیا کرتا ہے جبکہ میں دن کے کوئی وقت میں بھی درجنوں سے گداگروں سائلوں کو سڑکوں پر چادر پھیلائے گاڑیوں کے پیچھے یا ہاتھ پھیلائے ایک پیسہ دیدو اللہ کے نام دیدو کہتے ہوئے ہٹے کٹے مشنڈوں سے لیکر عورتوں کمزور بچوں اور بڈھوں کو دیکھتی یا انکی آوازیں جو سڑک سے چلی آتی ہیں سنا کرتی ہوں جن میں زیادہ تر مسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہیں۔ پھر پنجشنبہ اور جمعہ کے دن تو وہ جم کثیر نظر آتی ہے کہ پناہ بخدا اکثر میں نے غور کیا کہ کیا درحقیقت یہ لوگ معذور اور مستحق خیرات بھی ہیں کہ نہیں۔ مگر جہاں تک میں نے دیکھا فی صدی دس یا پانچ ہی معذور اور مستحق خیرات دیکھے گئے ہیں۔ ایک دن ایک خاصا آدمی سر پر پگڑی رکھے سفید سی مرضائی پہنے ہاتھ میں کشکول لئے دروازے پر کھڑا سوال کر رہا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم کیوں نہیں کوئی ملازمت کی تلاش کرتے ہو بہ آسانی آٹھ دس روپے کے ملازم ہو جاؤ گے تو کہنے لگا کہ میرے بزرگوں سے یہی پیشہ چلا آتا ہے ہم نوکری کو عیب کی بات سمجھتے ہیں۔ بزرگوں کا پیشہ کیوں کر چھوٹے۔ اسی طرح کئی عورتیں ہر روز بھیک مانگنے کو آیا کرتیں ایک دن میں نے کہا تم لوگ کیوں نہیں کوئی محنت مزدوری یا کہیں ماماگری کرتی ہو تمہیں شرم نہیں آتی کہ گلیوں میں ماری ماری پھر کر ٹکڑے کا سوال کرتی ہو۔ تم چاہو تو میں تمھیں تین چار روپے اور دونوں وقت کی روٹی پر کہیں نوکر رکھا دوں۔ کہنے لگی بی بی ہم چار گھر کی خیرات جمع کر کے کھاتے ہیں نوکری کر کے مہینہ بھر پیسے کا انتظار کرنا پڑیگا۔ ابھی چار گھر جا کر بھیک مانگوں تو چار ٹکے مل جائیں گے مفت نوکری کی محنت میں کون سر کھپائے۔ دونوں وقت آرام سے روٹی مل ہی جائیگی۔ ہمارے بچے بھی جدا جدا جا کر بھیک مانگا کرتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ایک جم کثیر ٹکڑوں پر اوقات بسر کر رہی اور گداگری کو پیشہ

مقرر کر چکی ہے۔ اگر اس مسئلہ پر اچھی طرح سے روشنی ڈالی جائے تو بہ آسانی ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ ہماری ہی بے جا بے ڈھب خیرات کی بدولت نصف سے زیادہ مسلمانوں کے ہاتھ میں کشکول نظر آرہے ہیں۔ اور انہیں کاہل آرام طلب بے غیرت بنا چکی ہے۔ خدا چھپر پھاڑ کر دیدینے والی مثل کو ہماری بے جا خیرات نے سچا کر دکھایا ہے۔ اور وہ لوگ اس طرح کی خیرات کے عادی بن چکے اور بے غیرتی کو اپنا پیشہ بنا چکے ہیں۔ اب خود بخود یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب بھیک مانگنے والوں کا نمبر بہ نسبت خیرات دینے والوں کی تین حصے زیادہ ہو تو کہاں سے اتنی خیرات ہوا کریگی۔ گو ہر خیرات کرنے والا حاتم کا ساسخی اور قارون کا ساغنی کیوں نہ بنجاے۔ اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تو آخر تابکے۔؟ دولت خیرات کے نذر ہوکر خود صاحب زر ٹکڑوں کا محتاج ہونے کے علاوہ پاس عزت کے خیال سے جان تک سے مایوس ہوجائیگا۔ پس "کولیے کی بلا بلندر کے سر" سے بر انتیجہ اور اس بے ڈھنگی خیرات کا خوب پھل پائیگا۔

میں خدانخواستہ ہرگز یہ نہیں کہتی کہ سرے سے خیرات ہی نہ دی جائے۔ نہیں ضرور دینی چاہیئے خدا ہمیں جتنا دے اس کے مناسب طور پر ہم ضرور خیرات کیا کریں قارون کا خزانہ کیوں زیر زمین دفن ہوگیا وہ صرف بے خیرات کے سبب سے۔ خیرات کرنی ہمپر فرض ہے مگر اس کے لئے بھی ذرا دانائی وسلیقہ مندی ہمیں چاہیئے۔ ہمیں کوئی ایسے مفید طریق وتدبیر سوچنی چاہیئے جس سے اصل خیرات بھی ہمارا مقصود ہو اور ان لوگوں کی اسقدر فلاکت آرام طلبی کاہلی دور ہونے کی معقول تدبیر نکل آئے۔

اب غور طلب امر یہی سب میں بڑا رہگیا ہے جو ہم سب کو اسپر غور وفکر کرکے کوئی مفید تدبیر اخذ کرلینی چاہیے۔ بے شک اگر ہم ذرا غور کریں تو ایسی کئی تدبیریں نکل آئینگی جن کو بھی لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ از حد مفید ہونے کے علاوہ ترقی ملک کے راز سربستہ ہیں۔ کیا ہند کے سپوت "اولاد اپنی مدد آپ" کے مقولے کو یاد رکھکے اگر اس کے جگر سے داغ فلاکت کے مٹانے میں کوشاں ہو تو کامیابی کی امید نہیں ہے؟ میں عرض کرونگی کہ بیشک قوی امید ہوسکتی ہے۔ کیا وجہ کہ ہر قوم جو

اپنی مدد آپ کر کے معراج ترقی پر پہونچ جاوے اور ہم پھسڈی کے پھسڈی ہی رہجائیں۔ اگر ہم تن دہی
کے ساتھ اپنی مدد آپ کریں تو کامیابی کیونکر نہو۔ ہندوستان کی بے جا خیرات پر میرا مضمون کوئی نیا
مضمون نہیں ہی بلکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ ہماری بے جا خیرات نے ہی ملک کو بہت دور تک تباہ کر رکھا ہی

اس گئے گذرے ایام میں بھی ہندوستان میں کوئی گھر شاید ہی ایسا ہو جہاں گھر بھر میں کم از
کم دو چار آنے اور سیر بھر آٹا خیرات میں نہ دیا جاتا ہو۔ کوئی گاؤں قصبہ ملک شہر ایسا نہیں جہاں خیرات
نہوتی ہو۔ خدا رکھے ہمارے حیدرآباد کو جہاں کے دن بھر میں دس پندرہ ہزار کی خیرات کوئی بڑی بات
نہیں سمجھی جاتی اور روزانہ متوسط درجے سے امیر کبیر کے محلوں کی خیرات کا اندازہ لگائیں تو ہمارا
اندازہ سچا نکل آئے اور اسی طرح بلکہ بڑھکے اور شہروں میں ہوتی رہتی ہے۔ مگر غور کرو تو ہمیں معلوم ہو جائیگا
کہ جہاں زیادہ خیرات ہوا کرتی ہے وہیں ان گنت سائل بھی بھرے پڑے ہیں۔ تو گویا ایسا سمجھنا چاہئے
کہ جو دولت محنت او مشقت سے پیدا کی گئی ہی وہ صرف گداگروں کی جیب بھرنے کے لئے ہی جمع
کی گئی ہے اور وہ بھی کس حیثیت کے جو نہ معذور نہ مستحق بلکہ ادھر خیرات بٹی ادھر شراب خانہ کی سیر
کو ٹھنڈے ٹھنڈے چلدئیے۔ پھر جب نشہ کا بھوت سر پر سوار ہوا۔ آپسمیں وہ طوفان بے تمیزی
دھول دھپا ہاتا پائی شروع ہو جاتی ہے کہ پناہ بخدا گویا کہ خیرات دیکر مفت کے گنہگار۔ بھی
بننا پڑا، نیکی برباد گناہ لازم۔ بالکل ایسے ہی موقعوں کے لئے موزوں ہو سکتا ہے ان سب تکلیفوں
کے دور کرنے اور فلاکت کی منحوس صورت کو دفع کرنے کی کوئی تدبیر ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ہر شہر
میں ہر محلے کی وہ نیک دل خواتین اور اصحاب جن کے سینوں میں خدائے پاک نے درد مند دل
عطا کیا ہی اسکی طرف خاص توجہ فرمائیں۔

اس کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہو جائے تاکہ ۔ اس میں یہ امر بالکل تصفیہ پایا جائے کہ ہر گھر
کی خیرات خواہ وہ کسی قسم کی ہو اپنے ہی گھروں میں جدا جمع کی جائے اور کمیٹی ہر ماہ کی پہلی تاریخ
کو سب خیرات وصول کر لیا کرے اور ہر گھر کی خیرات کا نمبر گھر والے خود دستخط کے ساتھ درج
رجسٹر کردیں اسمیں کسی کی خیرات کی کمی بیشی کا ہرگز خیال نہو بلکہ جتنی مقدور ہو جتنی ہم خیرات

کرنا چاہتے ہیں اُسی قدر بلا تامل کمیٹی کے سپرد کر دیا کریں۔ جب چند ماہ میں حسب ضرورت روپیہ جمع ہو جاوے ہر گاؤں و قصبے میں ایک ایک چھوٹا سا فنڈ جاری کر دیں جو گاؤں کے منتظمین کے حسب حیثیت ہو اور ان سب فنڈ کو ایک بڑے شہر کے فنڈ کی شاخیں سمجھنی چاہیئیں۔ اصل فنڈ ہونے چاہیئیں بمبئی لاہور، دلی اور ہمارے حیدرآباد دکھن میں۔ ان مذکورہ بالا شہروں میں بہت مناسب اور موزوں ہونیکے علاوہ جلد و خاطر خواہ کامیابی کی اُمید ہو سکتی ہے جب فنڈ میں کافی روپیہ جمع ہو جائیگا بیشک ہونے کی اُمید بھی ہے کیونکہ روزانہ خیرات کے علاوہ بڑے شہروں رمضان شعبان بقرعید وغیرہ میں بہت بھاری خیرات ہوا کرتی ہے اور ہمارے ہندو بھائیوں کے کئی تیوہار جس میں اپنے اپنے مذہب و ملت کی طریق سے خیرات نکالی جاتی ہے ایسی بڑی خیراتوں سے بہت کچھ روپیہ فراہم ہو سکتا ہے۔ جب روپیہ کافی فراہم ہو جائے اب کمیٹی کو چاہیئے کہ استقلال اور ہمت سے کام لیں۔ اس روپیہ سے خواہ سرکاری ابتدائی تعلیم کے مدرسے ہوں خواہ ذاتی چھوٹے چھوٹے مدرسے جاری کرکے اس میں لاوارث لڑکوں کی تعلیم جس سے وہ بہ آسانی ہر فن میں شریک ہو سکیں یعنی معمولی نوشت خواند جس سے کوئی ضرورت انکی نہ رہے بہ آسانی تعلیم دلائی جاوے۔ اور صنعت و حرفت کو ترقی دیجاوے بیوا اور یتیم لڑکوں لڑکیوں کو صنعت و حرفت کی تعلیم دلائی جاوے فن زراعت میں ترقی کرکے اس فن کو خوب ہی چمکایا جاوے۔ معذور اور بیمار محتاجوں کے رہنے کیلئے جگہ خورونوش لباس نگراں کاروں کا انتظام کیا جائے جس محتاج کا رجحان طبع جس ہنر و کام کی طرف زیادہ پایا جاوے اُسی میں تعلیم دیجاوے اور جو تعلیم پا چکے ہوں انکو پیشے میں لگایا جاوے یعنی صنعت و حرفت زراعت وغیرہ کا باقاعدہ کام شروع کروا دیا جاوے۔

سب چھوٹے بڑے اخراجات تنخواہیں وغیرہ سب فنڈ سے ادا کریں ہر تیسرے ماہ ہر فنڈ کی تنقیح کی جاوے مفصل حالات ہر فنڈ کے صدر فنڈ میں پہونچنے چاہیئیں اور جو نئے تدابیر و رولس جاری ہوں وہ ہر شاخ میں جاری کرا دیئے جائیں۔

ہندوستان جو ایک زرخیز قطعہ زمین کا ہے۔ ہمیں یقین کرنا چاہیئے کہ بہت بڑا دفینہ وہ اپنے

وہ اپنے دامن میں رکھتا ہے جو دوسرے ملکوں کو نصیب نہیں یعنی فن زراعت کاشتکاری کے لئے ایسا موزوں ملک ہے جس پر ہمیں فخر کرنا چاہیئے۔ اگر ہمیں اس قطعہ زمین کو عمدگی سے کام میں لانے وفائدہ اُٹھانے کا خیال ہوتا تو کیا ہمارا ہندوستان کسی علم وہنر فن زراعت وصنعت وحرفت وغیرہ میں کم پایہ پر ہو سکتا تھا؟ نہیں ہرگز نہیں اگر اہل ہند فن زراعت پر توجہ کریں اور اس کو ترقی دیں اور ان گداگروں مفلسوں کو محنت مزدوری پر لگائیں تو کیا ہندوستان کے گداگروں میں کمی ہوگی؟ بے شک ہوگی ضرور ہوگی۔ ذرا یورپ وامریکہ کی ترقیوں پر نظر ڈالئے وہاں کے لوگ کیوں اس قدر فارغ البال مرفہ الحال نظر آتے ہیں اور دوسروں کے لئے کیوں قابل رشک وقابل تقلید بن رہے ہیں صرف وجہ اس کی یہی ہے اگر وہاں جاکر دیکھو تو معلوم ہو کہ وہاں نام کو بھی گداگر نظر نہ آئیگا۔ اگر بالفرض کوئی گداگری کی کشکول لینا پسند بھی کرے اس کے لئے فوجداری کا مقدمہ دائر ہوگا۔ مگر ہمارے ہاں گداگروں کا یہ حال ہے کہ دینے والا منہ چھپاتا پھرتا ہے مگر ان لوگوں کی زبردستی کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

ہندوستان میں اب اس کس مپرسی کی حالت میں بھی ایسے کاشتکار موجود ہیں جو اچھی طرح اناج کی پیداوار ہر فصل کے بونے کے ایام اچھی طرح جانتے ہیں اور اپنے تجربہ اور محنت سے اناڑی سے اناڑی کاشتکار بھی اپنی امید سے بڑھکر پیداوار کرلیا کرتے ہیں۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ سرزمین ہند مخصوص وموزوں کی گئی ہے زراعت وکاشتکاری کے لئے اور یہاں کے کاشتکاروں میں مادہ موجود ہے فن زراعت کے حاصل کرنیکا۔

افسوس اُن ملکوں میں اتنی کوشش کی جارہی ہے جہاں ساری زمین برف سے ڈھکی رہتی ہے اور سورج بہت کم مہرباں ہے اُن لوگوں پر۔ ایسے ملکوں میں بہت اعلیٰ پیمانے پر مدرسے جاری ہورہے ہیں "فارمرس نامی" جہاں کہ قابل پروفیسر وغیرہ موجود ہیں جو فن زراعت کے اصول کاشتکاروں کو بتلاتے اور سکھاتے ہیں۔ مگر ہمارا ہندوستان ہے کہ خدا کی طرف سے بنی بنائی عمدہ زرخیز زمین بھری پڑی ہے اور ہم لوگوں کو خیال نہیں کہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

مجھے اس پر ایک قصہ یاد آگیا جو میں یہاں معزز ناظرین ناظرات کے ملاحظہ کرنے کو لکھتی ہوں
جن دنوں امریکہ کا راستہ لوگوں نے جان لیا اور بہت سے لوگ چاندی سونے کی کان کی تلاش
میں نکل پڑے اس زمانے میں ایک آدمی باشندۂ ہسپانیہ ہرازو نامی کو بھی شوق پیدا ہوا کہ میں
امریکہ جاکر قسمت آزمائی کروں اور کانوں سے سونا چاندی نکالوں۔ چنانچہ اُس نے اپنے بڑے
بھائی کو آمادہ کیا اس پر کہ وہ بھی ساتھ چلے۔ بڑا بھائی بہت چاہتا تھا اپنے بھائی کو اس کی فرقت
اس پر شاق ہونے لگی اس خیال سے وہ بھی راضی ہوگیا مگر وہ بھائی کی سونا چاندی کی تجویز کی
خوشی سے تائید نہیں کرتا تھا۔ اور وہ ... اس شرط پر بھائی کے ساتھ جانے پر رضامند ہوگیا کہ اسکو
سونا چاندی نہ چاہئے مگر جتنے نوکر اور جو اسباب وہ ساتھ لیجاوے اس کا بھائی مزاحم ہو۔ غرض
بھائی نے چند بھیڑیں فربہ دو چار بیل ہر قسم کے اناج کے بیج اور زمین صاف کرنے کے چند ضروری
اوزار ساتھ لیلئے۔ مگر چھوٹا بھائی ان چیزوں پر بھائی کی حماقت کی دلیل سمجھکر اپنے لوگوں میں اس کا
تمسخر کے ساتھ تذکرہ کیا کرتا تھا۔ امریکہ پہونچکر چھوٹے بھائی نے اپنے لوگوں کو لیکر سونا چاندی کے
کانوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ اور بڑے نے اپنی بود و باش ایک
سمندر کے کنارے پسند کی اور اپنے نوکروں کو لیکر اُس نے اچھی اور وہاں کے پیداوار کی مناسب
جگہ دیکھکر کاشتکاری شروع کر دی کئی سال اسطرح گذر گئے اب اس کے پاس کافی سے زیادہ غلہ
جمع ہوچکا تھا اس نے اپنی بھیڑیں ایک سبزہ زار میں چھوڑدیں انواع اقسام کی ترکاری بو دیں اور
سور کی جھلی کے ڈھیر سکھا کر لگا دیئے اور مزے کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اور اس کے ساتھی بھی بہت
آسائش کیساتھ خوشحال مطمئن رہنے لگے۔ چھوٹا بھائی جتنی دولت جمع کرتا رہا اس کے حریص
دل اور اُس کو ورغلایا کرتا کہ اور جمع کرے چلو۔ وہ بار بار لوگوں میں ہنسکر کہتا کہ بھائی صاحب بھی کیا
بیوقوف آدمی ہیں کہ سونا چاندی کھو رہے ہیں اور جنگل میں پڑے ہوے ہیں سب نے ہاں میں ہاں
ملائی مگر ایک سن رسیدہ شخص نے کہا کہ صاحبوں میں تو تمھارے اس خیال کی تائید نہیں کرتا۔
اب کئی سال ہوچکے چھوٹے بھائی کے پاس جتنا غلہ تھا سب کبھی کا ختم ہوچکا اور اس کے ساتھی

فاقوں مرنے لگے جب کئی آدمی اس طرح جان سے جاتے رہے اور خود بھی بہت فاقہ سے تنگ آگیا
تو اس نے بھائی کے پاس جانے کی ٹھانی بھائی نے بڑے تپاک سے بھائی کو بلایا سب کی خاطر
کیفیت دریافت کی۔ بھائی نے کہا بھائی کیا پوچھتے ہو ہم فاقوں مر رہے ہیں سب آدمی میرے
مر چکے جو ہیں وہ بھی جاں بلب نظر آ رہے ہیں۔ بڑے بھائی نے کہا تمھیں یاد ہوگا کہ ہمارا اقرار کیا
تھا نہ تمھیں میرے کام و مال سے سروکار نہ تمھارے سونے چاندی کا میں مستحق۔ اگر تم بھوکے ہو تو آؤ
تمھیں کچھ کھلاؤں مگر میری محنت و مشقت کی چیزوں پر کیوں دل چلاتے ہو۔ بھائی کو اس بے مروتی
کا سخت رنج ہوا۔ اس نے سب چاندی کے ڈھیروں سے نصف حصہ بھائی کے آگے دھر دیا۔ بھائی نے
سب کو پیٹ بھر کے روٹی کھلائی۔ اب بڑے بھائی نے کہا کہ بھائی چلو اب وطن جائیں۔ بھائی نے
کہا وطن اور سونا چاندی آپ کو ہی مبارک رہے جنگل میرا وطن ہے مگر ایسے بے مروت بھائی کے ساتھ
وطن جانا ہی موت ہوگی۔ اس وقت بھائی نے چھوٹے بھائی کے سر کو چھاتی سے لگایا اور آبدیدہ ہوکر
ہوکر کہا۔ کہ پیارے بھائی کیا تمھیں یقین آگیا کہ میں تمھاری دولت لیلونگا اور تمھیں یہاں چھوڑ دونگا
پیارے بھائی مال تو کیا ہے جان بھی کام آئے تو دریغ نہ کروں، وہ کلمات جس سے تمھارا دل دکھا
وہ صرف تمھیں سکھانا چاہتا تھا کہ تم نے میری دوراندیشی کی قدر نہ جانکر اپنے دل میں تم نے میری ملامت
کی تھی اور تم سمجھ رہے تھے کہ جس کے پاس سونا چاندی ہوگا وہ کسی چیز کا محتاج نہوگا اے پیارے
بھائی یاد رکھو جس طرح لڑائی میں لوہا سونے چاندی سے زیادہ کام دیتا ہے اسی طرح محنت دوراندیشی
اور فن کاشتکاری میں مشاق ہونا سونے سے زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے اچھا تم نے سونا جمع کیا تھا مگر
اپنے ساتھیوں کو اور خود کو فاقوں سے بچانے کی کوئی سبیل بھی اپنے پاس رکھتے تھے؟ اگر میں اتنا غلہ تمھارے
لیئے جمع نہ رکھتا تو تم سب بھوکوں مرجاتے۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم سونے کے شیدا ہو سونے کے پیچھے
بغیر اناج کے فاقوں سے جان دیدوگے۔ تم نے سونا جمع کیا تھا اور میں نے کاشتکاری کرکے تم نے
سب کو فاقوں سے بچانیکی کوشش کی۔ پیارے بھائی تمھارے سونے کی اتنی وقعت کہاں رہی جو میری
زراعت نے وقت پر تمھیں مرہون منت بناکر جان کے جانے سے بچالیا ہے" یہ سنکر بھائی نے خجالت

کے ساتھ اپنی کم فہمی کی معافی چاہی اور دونوں بھائی آپس میں بغلگیر ہو گئے۔ اب پھر میں اپنے معزز ناظرین و ناظرات کو اپنے مضمون کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہوں۔ میں ارادہ کر رہی تھی کہ اپنے حیدر آباد میں اپنے عزیزوں رشتہ داروں اور میرے عزیز ملاپ دار لیڈیز و بیگمات اور ان امرا اور نوابوں جاگیرداروں میں جو میرے شوہر صاحب کے دوست ہیں اس بے جا خیرات کی تحریک کرنے کی کوشش کروں گو کہ میں کیا اور میری ناچیز کوشش کیا ہو سکتی ہے مگر مجھے اپنی ان سب معزز بیگمات اور نیک دل اصحاب پر پورا بھروسہ ہونیکے علاوہ ایک مقولہ یاد آ کر ہمیشہ مجھے اس بات پر مجبور کیا کرتا ہے کہ کوشش کیجئے کامیابی تمھارے دونوں بازوؤں سے لگی منتظر تمھارے بلانے کی کھڑی ہے۔ اب خدا نے چاہا تو چند دنوں میں اپنے حیدر آباد جاؤنگی اور وہاں اس کی تحریک و کوشش کرکے انھیں میری کوشش میں شریک کرلونگی اور سردست ایک فنڈ جاری ہو جائے گا تو بہت سے مددگار غیبی از امداد غیبی پیدا ہو ہی جائیں گے۔ جب مستورات کی کوشش سے جاری ہو جائے پھر وہ خود اپنے بھائیوں باپوں بیٹوں شوہروں کو مجبور کرینگی اس بات پر وہ بھی تن دہی دل ہی کے ساتھ ہاتھ لگا کر ذرے کو آفتاب بنا دیں۔ روزانہ خیرات کا بہت کچھ تعلق مستورات سے وابستہ ہے وہ بخوبی ابتدا اس نیک کام کی کر سکینگی۔ ان کے غمخوار دل انھیں اس میں ضرور مجبور کرینگے کہ محتاجوں کو فاقوں سے بچانے کی کوشش کریں۔

ناظرین اس میں شک نہیں کہ پہلے تو اختلاف رائے سے ہمیں مقابلہ استقلال کے ساتھ کرنا پڑیگا۔ اس کے بعد جب کام جاری ہو گیا تو سخت طوفان و آندھی کیواسطے ہر طرح کے ملامتوں کی بوچھاڑ برسا ئیگی۔ مگر ہمیں بھی اسی طرح ہمت سے کام لینا چاہئے جو ہماری ہی ہم جنس بہنیں زنانہ اخبارات زنانہ مدرسے زنانہ اسٹور وغیرہ کے جاری کرنے میں ہمت مردانہ سے کام لیا ہے اور اب ماشاءاللہ چشم بد دور بخوبی روز روشن کی طرح کام چل رہا ہے۔ اب کہاں ہے وہ مخالفت جو انھیں پست ہمت بنا دیا کرتی تھی۔ جب ہمیں یقین ہو گیا کہ جو ہم کر رہے ہیں وہ رفاہ عام کار ثواب ہے تو پھر مخالفت کی پرواہ ہی کیا ہے۔ حضرت رسول خدا کی جب مخالفت کی گئی تو بھلا ہماری کیا

حقیقت ہو سکتی ہے۔

پیاری معزز بہنوں اللہ کا نام لیکر اپنے اپنے محلوں کی ملاپ دار بہنوں سے صلاح مشورہ کر کے فنڈ کی کوشش شروع کرو وجدا کمیٹی کے منتظر نہ رہو بلکہ بجائے خود ایک کمیٹی سمجھ لیا کرو۔ میں بار بار یہی عرض کرونگی کہ خیرات نصف جمع کرنا اور نصف گداگروں کو دینا کوئی مشکل کام نہیں ہی کیونکہ ایک لخت قطعی طور پر خیرات ان گداگروں کو نہ دی جائے تو وہ فنڈ جاری ہونیکے پیشتر ہی راہی ملک عدم ہو جائینگے۔ اس سے چاہیئے کہ جب کافی روپیہ جمع ہو جائے مختصر فنڈ جاری کر دیں پھر رفتہ رفتہ کامیابی تو ضرور ہو ہی گی۔ کیونکہ خدا وعدہ فرماتا ہے کہ نیک کاموں میں برکت ضرور عطا فرماؤنگا اور کیا اس وقت اپنی مدد آپ اور اس طرح کی بیداری دیکھکر ہماری مہربان گورنمنٹ مناسب طور پر ہمارا ہاتھ بٹائیگی اور دل نہ بڑھائیگی؟ اور کیا ہمارے حضور پر نور والی حیدرآباد جن کی فیاضی و نیک دلی سارے زمانے کو زیر بار احسان بنائے ہے اور امیر و امرا اور راجگان و والیان ریاست اور دیگر تجارت پیشہ ور اپنی فیاضی و خیرات کو ایسے فنڈ سے محروم تھوڑا ہی رکھیں گے نہیں ہرگز نہیں۔ اگر مستورات نے ابتدا کی اور فنڈ جاری ہو گئے تو صاحبوں آپ لوگوں کا فرض ہی کہ ذرے کو آفتاب بنا کر سرزمین ہند کو سارے جہان پر چمکا دیں اب ابتدا تو صرف خیرات جمع ہونے کی بات ہے جب مستورات یکدل ہو کر جمع کرنے لگیں تو پھر آپ صاحبوں کو بھی ہاتھ بٹانے کے لئے تیار ہو بیٹھنا چاہیئے یہ نہیں کہ مستورات کے کاموں میں دخل دینا ہمارا کام نہیں سمجھ کر ہرگز کنارہ کشی نہ کریں اگر درحقیقت ہم سب بھائی بہنوں نے مل کر ملک کو اس ادبار و فلاکت سے بچا لیا تو پھر سمجھنا چاہیئے ہندوستان کے دن پھر گئے اور یہ دن تاریخ ہند میں آب زر سے لکھا جائیگا اور لعل و گوہر کے نگینوں سے مزین ہو کر خورشید زرنگار کی طرح تا ابد درفشاں رہیگا۔ اور مستورات ہند کی نیکدلی و مستقل مزاجی دوسری قوموں میں قابل رشک قابل تقلید ہو گی خدا یہ دن بھی جلد نصیب کرے ہماری کوششوں حسب دلخواہ کامیابی ہو کر دوسرے اقوام کے لئے قابل رشک قابل تقلید ثابت ہوں۔ خدا کرے کہ یہ مضمون میرا ایسی شگھڑی کا ہو کہ ہر پڑھنے والوں کے دل اس وقت

سے اس کا کام کوشاں ہونے کو چاہیے اور میرے ہم خیال ہو کر فنڈ کی کوششوں میں لگیں جبکہ میرا مضمون ختم کر کے رسالے کو ٹیبل پر اپنے آگے رکھدیتے ہوں۔ خدایا تو اس مضمون میں ایسا ہی قوی اثر عطا فرما۔ بطفیل حبیب پاک کے۔ فقط۔

(خاکسار)

عباسی بیگم حیدرآباد دکن مقیم حال نرساپور

اشتہار

سیاحتِ سُلطانی

ہر ہائنس علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کا سفرنامہ یورپ جسمیں دربار تاجپوشی حضور ملک معظم کی کیفیت اور ممالک یورپ کی و نیز بعض اسلامی ممالک مثلاً قسطنطنیہ و مصر وغیرہ کی حالت جہاں جہاں ہر ہائی نس تشریف لیگئیں نہایت خوبی کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اس کی مصنفہ ہر ہائی نس علیا حضرت کی چھوٹی دُلھن شاہ بانو صاحبہ بیگم نواب زادہ حاجی حمید اللہ خاں صاحب ہیں جو اس سفر میں علیا حضرت کے ہمراہ تھیں اور جنھوں نے ازراہ ہمدردی نسواں و تعلیمی ترقی کی حمایت کے اس کا حقِ تصنیف مع مصارفِ طبع علی گڈھ کے زنانہ مدرسہ کو عطا فرما دیا ہے۔

لکھائی چھپائی نہایت عمدہ کاغذ نفیس ولایتی اور کتاب مجلد ہے قیمت ...... (۸عہ)

ملنے کا پتہ۔ دفتر خاتون علی گڈھ

خیالاتِ عزیز

مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم کے علمی، ادبی، تاریخی، تمدنی اور سیاسی مضامین کا مجموعہ حجم ۲۰۰ صفحہ قیمت ...... (عہ/)

ملنے کا پتہ دفتر خاتون علیگڈھ

علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ

یہ اخبار علیگڈھ کالج کا ارگن ہے، کالج کے حالات اور قومی معاملات پر اس میں اعلیٰ درجہ کے مضامین نکلتے ہیں۔ قیمت ...... (للعہ) سالانہ

ملنے کا پتہ۔ مینجر صاحب انسٹیٹیوٹ گزٹ علی گڈھ

رجسٹرڈ نمبر ا ۲۰۱

خاتون

جلد (۱۰) بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۱۴ء نمبر

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

باہتمام منشی محمد عنایت خاں صاحب

مطبوعہ ریاض ہند پریس علیگڈھ

خاتون

۱ - یہ رسالہ ۴۸ صفحہ کا علی گڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۲آنہ ہے۔

۲ - اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳ - مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ ہونگے مطلق کامیابی نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف مردونکو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

۴ - ہمارا رسالہ اس بات کی کوشش کریگا کہ مستورات کیلئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاوے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵ - ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶ - اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لئے تیار کیا جاوے گا۔

۷ - تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈہ ہونی چاہیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہارانی دمینتی

نو سازِ فسانہ کہن را + عشق نل و خوبی دمن را

مہارانی دمینتی فرماں روائے ودربھ نگر راجہ بھیم سین کی لڑکی تھی۔ حسن و جمال میں کوئی اُس کا ثانی نہ تھا۔ حسنِ صورت کی طرح حسن سیرت میں بھی وہ اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی۔ اُس زمانہ کے رواج کے موافق جب دمینتی کی شادی کی غرض سے سوئمبر کا جلسہ منعقد کرنے کا اعلان کیا گیا تو سارے ہندوستان کے شاہزادے نہایت آرزو کے ساتھ قسمت آزمائی کرنے کے لئے فوراً جمع ہوگئے۔ ان شاہزادوں میں نشدہ دیش کے والی بیرسین کا فرزند نل بھی موجود تھا۔ جس طرح دمینتی کے ظاہری حسن و خوبصورتی اور باطنی

خوبیوں کی ہندوستان بھر میں شہرت تھی اسیطرح مہاراجہ نل بھی مشہور آفاق تھا۔ چنانچہ
مہارانی دمینتی نے اسی بنا پر سوئمبر میں اپنا ہار اُسی کے گلے میں ڈالا۔ اس کے بعد بڑی
دہوم دہام سے ان دونوں کی شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد تقریبًا بارہ برس تک دونوں
نہایت چین و آرام سے زندگی بسر کرتے رہے۔ اس عرصہ میں ان دونوں کے ایک لڑکا
اور ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی لیکن افسوس اس کے بعد ایک ایسا انقلاب ہوا کہ انکی ساری
راحت و خوشی انتہا درجہ کی مصیبت و رنج سے بدل گئی اور ان پر سخت بپتا پڑی۔

اسکی تفصیل یہ ہے کہ راجہ نل کو چوسر کھیلنے کا بڑا شوق تھا جوئے کی اس بُری عادت نے
ایک روز آخر اپنا کرشمہ دکھلایا اور جب وہ ایک وقت اپنے بھائی پشکر سے چوسر کھیل رہا تھا
اُسکی ہار کا کچھ ایسا تانتا بندھ گیا کہ راجہ نل ساری دولت ہار گیا۔ اس کے بعد سلطنت پر
نوبت آئی اور اسمیں بھی بدقسمت نل کو ہار نصیب ہوئی۔ اپنی تمام دولت اور حکومت ہارنیکے
بعد راجہ نل اپنی عزیز رانی دمینتی کو لیکر وہاں سے رخصت ہوا اور اس بات کا اعلان کردیا
گیا کہ راج کا مالک اس وقت سے پشکر ہے۔

مہارانی دمینتی نے چند روز قبل اپنے دونوں بچوں کو میکے بھیجدیا تھا اور خوش قسمتی سے
اس وقت وہ بچے اپنی ننھیال میں تھے۔ ظالم پشکر کی سنگدلی بھی عجیب و غریب ہے کہ اُس نے
ساری حکومت میں یہ تاکیدی حکم صادر کیا کہ کوئی شخص بدنصیب نل کو اپنے پاس امن نہ دے
نل کو آخر کار کسی غیر ملک کا ارادہ کرنا پڑا اور تین دن رات مسلسل فاقہ کشی کرتا ہوا جنگل اور
بیابان کی خاک چھانتا ناز و نعم میں پلی ہوئی دمینتی کے ساتھ وہ ایک دریا پر پہونچا جہاں سے
آگے بڑھنے کی ہمت نہوئی۔ لاچار وہیں دونوں بیٹھ رہے اور جنگل کے پھل پھول سے اپنی بھوک
دور کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ دو چار روز ان دونوں نے وہیں بسر کئے اور اس تمام عرصہ میں
نل نے بہتیری اس بات کی کوشش کی کہ کسی طرح دمینتی اپنے باپ کے پاس کچھ دنوں کے لئے
جانے پر راضی ہوجائے لیکن اس دُھن کی پکّی وفادار خاتون نے اس کو گوارا نہ کیا کہ اپنے

پیارے شوہر کو رنج و مصیبت میں تنہا چھوڑ کر خود میکے چلی جاوے اور وہاں سکھ سے بیٹھ رہے ایک وقت جبکہ نازک اندام دمینتی راستہ اور بھوک کی تکان سے بیدم ہو کر ایک درخت کے سایہ میں سو رہی تو راجہ نل نے اس موقع کو غنیمت جانا اور یہ سوچ کر کہ اگر دمینتی کو یہیں چھوڑ دیا جاوے تو کسی نہ کسی طرح اپنے باپ کے پاس پہونچ جائیگی وہ آہستہ سے نکل کھڑا ہوا اور ایک سمت روانہ ہوگیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب دمینتی کی آنکھ کھلی تو اُس نے اپنے تئیں تنہا پایا۔ وہ فوراً سمجھ گئی کہ اس کا شوہر محض اس کو انواع و اقسام کی مصیبتوں سے محفوظ رکھنے کی نیت سے اسے چھوڑ کر خود تنہا چلا گیا ہے۔ لیکن اس کو جدائی کا بڑا سخت صدمہ ہوا۔ وہ رنج و الم سے بیتاب ہوگئی۔ یہاں تک کہ بیہوش ہوگئی۔ جب اسے ہوش آیا اور وہ روتے روتے تھک گئی تو آخر اس نے راجہ نل کو ڈھونڈھ نکالنے کی اپنے جی میں ٹھان لی اور اسکی تلاش میں روانہ ہوئی۔ دمینتی اسی جستجو میں آخرکار سوبا ہونگر نامی ریاست میں پہونچی جہاں کے لوگوں نے اسکی حالتِ زار پر ترس کھاکر اسے راجہ تک پہونچا دیا اور راجہ نے بوجہ لاعلمی اُس کو اپنی رانی کی خدمتگاروں میں شامل کردیا۔

دمینتی کا باپ راجہ نل کے چوسر میں سلطنت ہار جانے کی کیفیت سُنکر ان دونوں میاں بیوی کو اپنے پاس لیجانے کی نیت سے انکی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اسی تلاش و جستجو میں جب سوباہونگر پہونچا اور وہاں کے فرماں روا کا مہمان ہوا تو اس کو اپنی پیاری بیٹی کا پتہ لگ گیا دمینتی کو لیکر وہ وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اور اپنی سلطنت میں پہونچکر اس نے کثرت سے لوگوں کو ملک کے مختلف حصوں میں روانہ کیا کہ کسی طرح نل کا پتہ لگائیں۔ لیکن مدت تک اسمیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

راجہ نل جب دمینتی کو چھوڑ کر چلا ہے تو اس کے دل کی عجیب و غریب کیفیت تھی کبھی وہ اپنی بیوی کی تنہائی کا خیال کر کے پریشان ہوتا اور کبھی اپنے دل کو اس خیال سے ڈھارس

دیتا کہ وہ جلد اپنے باپ کے پاس پہونچ جائیگی۔

غرض وہ ان ہی خیالات میں غرق افتاں وخیزاں ایک گھنے جنگل میں سے گذر رہا تھا کہ ایک سانپ نے اُسے ڈس لیا اور اُس کا سارا جسم زہر کے اثر سے بالکل سیاہ ہوگیا اس نئی افتاد میں اسکو ایک فائدہ یہ ہوا کہ اب اس کی شکل وصورت پہچانی نہیں پڑتی تھی اور وہ آزادی کے ساتھ سفر کرسکتا تھا۔ کئی روز کی گردش کے بعد نل آخرکار رتوپرن نامی راجہ کے ملک میں پہونچا اور راجہ کی رتھ بانی کی خدمت پر ملازم ہوگیا۔ یہاں اس نے اپنا نام باھک رکھا تھا۔

دمینتی کے باپ راجہ بھیم سین کو شدہ شدہ یہ خبر پہونچی کہ اجودھیا میں راجہ رتوپرن کے پاس باھک نامی ایک شخص خاصہ کی سواری پر متعین ہے جو کسی سے بات چیت نہیں کرتا اپنا کام کردینے کے بعد وہ خاموش کسی تنہا مقام پر پڑا رہتا ہے جب اس کے سامنے دمینتی کا ذکر کیا گیا تو بے اختیار اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ دمینتی فوراً سمجھ گئی کہ یہ ضرور راجہ نل ہے جس نے ضرورتاً اپنا بھیس بدل دیا ہے۔

راجہ بھیم سین نے اسکو بلانے کی یہ ترکیب کی کہ راجہ رتوپرن کو لکھا کہ "راجہ نل کے ملنے کی اب کوئی اُمید باقی نہیں رہی ہے اس لئے دمینتی کا دوسرا سوئمبر فلاں روز ہوگا۔ آپ بھی ضرور اسمیں شریک ہوں"

سوئمبر کی تاریخ اتنی قریب کی تبلائی گئی کہ سوائے راجہ نل کے کوئی اور راجہ رتوپرن کے رتھ کو اتنی جلد اجودھیا سے ودربھ نگر نہیں پہونچا سکتا تھا۔ راجہ بھیم سین اور دمینتی کو اس تدبیر میں کامیابی ہوئی اور تاریخ مقررہ سے ایک روز قبل سادہ لوح راجہ رتوپرن نل کے ساتھ آپہونچا۔

اب دمینتی کو سخت تشویش ہوئی کہ اگر راجہ رتوپرن کا رتھ بان راجہ نل کے سوا کوئی اور شخص نکلا تو بڑی ذلت ہوگی۔ سوائے جان دیدینے کے کوئی چارہ نہوگا۔ ادہر تو دمینتی

اس فکر میں تھی اُدھر راجہ رتو پرن یہاں کسی سوئمبر وغیرہ کا انتظام و سامان نہ دیکھ کر الگ پریشان ہو رہا تھا۔

دمینتی کی ایک ہوشیار ذی شعور خادمہ نل کے پاس بھیجی گئی تاکہ اُس کے دل کی کیفیت دریافت کرے۔ خادمہ نے جب اُس سے نام و نشان پوچھا تو نل نے کہا کہ:۔

''۔۔۔۔۔ میں راجہ رتو پرن کا رتھ بان ہوں۔ میرا نام باہک''
''ہے۔ دمینتی کے سوئمبر میں شریک ہونے کی غرض سے میرا''
''راجہ یہاں آیا ہے۔ مگر یہ عجیب حیرت کی بات ہے کہ نل کی رانی''
''دمینتی شوہر والی ہونے کے باوجود سوئمبر کر رہی ہے۔۔۔۔۔۔''

خادمہ نے کہا:۔

''۔۔۔۔۔۔ باہک! کیا تم نہیں جانتے کہ راجہ نل نے اپنی رانی''
''کے ساتھ کتنی بے وفائی اور بے رحمی کی۔ سخت جنگل میں دمینتی''
''کو بڑی بے دردی کے ساتھ تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ دمینتی نے''
''تو انکی یاد میں اپنی جان ہلاکت میں ڈال رکھی ہے۔ کھانا پینا''
''ترک کر دیا ہے۔ ہر وقت انھیں کی دھن میں مستغرق رہتی''
''ہے۔ کیا تم راجہ نل کا پتہ بتا سکتے ہو۔۔۔۔۔؟''

خادمہ کے اس بیان نے راجہ نل کو بیتاب کر دیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اُس نے بہ مشکل اپنے تئیں سنبھال کر کہا:۔

''۔۔۔ عورت کو خواہ کتنا ہی اُس کے شوہر کے ہاتھوں رنج و''
''ایذا پہونچے لیکن اُس کا دھرم نہیں کہ وہ شکایت کا لفظ اپنی''
''زبان پر لاوے۔ اگر نل رانی کو جنگل میں یوں نہ چھوڑ دیتا''
''تو کسی طرح رانی کی جان نہ بچ سکتی تھی۔ نل نے اگر دمینتی''

"ساتھ بے رحمی بھی کی تو اُس کو معاف کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ دکھ"
"مصیبت کے وقت انسان کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی ۔ ۔ ۔ ۔ "

خادمہ نے جب دمینتی سے یہ سب باتیں بیان کیں تو اُس کا رہا سہا شک بھی جاتا رہا
اُس نے خادمہ کو پھر نل کے پاس روانہ کیا اور اپنے دونوں بچے بھی ساتھ کر دیئے ۔ اپنے بچوں
کو دیکھکر نل سے ضبط نہو سکا ۔ اس نے ان دونوں بچوں کو سینہ سے لگا کر بے تحاشا رونا شروع
کیا۔ جب خوب رو چکا تو اُس نے کہا کہ :۔

"میرے بھی ایسے ہی دو بچے ہیں ۔ ان کو دیکھکر مجھے اپنے بچے یاد آگئے "
"اب تو ان کو یہاں سے لیجا ۔ یہ یتیم بچے راجہ نل کے ہیں ، مگر افسوس "
"کل کسی اور کے ہو جائیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ "

اس اثنا میں دمینتی نے اس کھانے میں سے جو خود نل نے اپنے ہاتھ سے پکایا تھا تھوڑا
کھانا منگا کر چکھا ۔ اُسے اپنے شوہر کے پکائے ہوئے کھانے کی لذت صاف معلوم ہو گئی ۔ اب تو
اس کو پورا یقین ہو گیا ۔ اُس نے اپنے والدین سے اجازت لی اور پھر اپنے دونوں بچوں کو ساتھ
لیکر وہ خود اصطبل میں باہک کے پاس گئی ۔ باہک یعنی راجہ نل اپنی بیوی کو دیکھکر گھبرایا ۔ جب
رانی نے کہا کہ :۔

"۔ ۔ ۔ ۔ آپ نے مجھے جنگل میں اکیلا کیسے چھوڑ دیا ۔ ۔ ؟"

تو وہ بہت نادم ہوا ۔ پھر بولا :۔

"۔ ۔ ۔ ۔ میں تمھیں ہرگز چھوڑ نہیں سکتا تھا ۔ پھر کیا کرتا ؟ میری "
"عقل پر پتھر پڑ گئے تھے ۔ اسی حماقت کی بدولت سلطنت کھوئی "
"تمھاری جدائی کا صدمہ اُٹھایا ۔ غرض بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں "
"اور جھیل رہا ہوں ۔ نیکبخت بیویاں اپنے شوہر کی عیوب کی کبھی شکایت "
"نہیں کرتیں ۔ خیر ! تمھیں اب مجھ غریب سے کیا غرض ! تم تو اب "

"کسی اور کی ہو جاؤ گی"

دمینتی اپنے شوہر کے قدموں پر گر پڑی اور رو کر بولی:-

"۔۔۔۔ یہ تو صرف آپ کے بلانے کی تدبیر تھی۔ بفرض محال اگر واقعی"

"سوئمبر کی رسم ہوتی تو اور راجوں کو بھی بلایا گیا ہوتا۔ لیکن یہ کیونکر"

"ممکن تھا؟ میں نے یہ عہد کر لیا تھا کہ اگر آج آپ نہ ملتے تو میں"

"آگ میں جل کر جان دیدیتی۔۔۔۔"

رتوبرن کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ نہایت خوش ہوا۔ اُس نے نل سے معذرت چاہی اور ہنسی خوشی ان سب سے رخصت ہوا۔

اس کے بعد راجہ نل نے پھر اپنی سلطنت کا قصد کیا۔ راجہ بھیم سین نے بہت سمجھایا کہ ابھی کچھ دن آرام لے۔ لیکن نل کو اپنے ملک کی کچھ ایسی دُھن لگی تھی کہ وہ برابر اصرار کیا کیا اپنی بات پر اَڑا رہا۔

آخر بھیم سین نے ایک مختصر فوج اس کے ساتھ کر دی راجہ نل مع اپنی رانی کے نشدہ دیش پہونچا اور اپنے بھائی کو چوسر کھیلنے کی دعوت دی۔ اس مرتبہ راجہ نل کو کامیابی ہوئی اور اُس کی گئی ہوئی سلطنت اس کو پھر ملگئی۔ اپنا راج واپس لیکر وہ اپنی رانی دمینتی کے ساتھ نہایت مسرت و شادمانی سے زندگی بسر کرنے لگا۔ مصیبتوں کے طول و طویل مدت میں جو تجربے اُس نے حاصل کئے تھے وہ اب بہت کام آئے۔ غرض نل اور دمینتی کی بقیہ عمر نہایت امن و چین بسر ہوئی۔ فقط

راقم

سید خورشید علی از حیدرآباد (دکن)

عورتوں کا لباس

انسان کو لباس کی ضرورت دو وجہ سے ہوتی ہے۔ جسم کو سردی و گرمی سے بچانے کے لئے یا صرف تہذیب کی تکمیل کے لئے خلقت عالم کے ابتدائی زمانہ میں جو انسان پیدا ہوتے تھے قدرتی طور پر انکی جلد اسقدر موٹی اور سخت ہوتی تھی کہ سردی میں جاڑے کا اور گرمی میں آفتاب کی تابش کا ان پر بہت کم اثر ہوتا تھا۔ آجکل بھی جنگلی اقوام پائی جاتی ہیں۔ جو پہاڑوں اور بیابانوں میں کافی پوشاک کے بغیر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس زمانے میں طبعی طور پر لباس کی ضرورت نہ تھی صرف ستر ڈھانکنے کے لئے درختوں کے پتے استعمال کئے جاتے تھے۔ جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا آدمیوں کے قویٰ پہلے کی نسبت کمزور اور لاغر ہوتے گئے انکا جسم ایسا نہ رہا جو سردی اور گرمی کی تاب لا سکتا، اس لئے تبدریج لباس کی ضرورت ہوتی گئی۔ ابتدا میں پتوں اور درختوں کے تار سے موٹا سا کپڑا بن لیا جاتا تھا اور اس سے ڈھیلی قبا بنا لیتے تھے۔ جب انسان نے روئی کاتنا اور کپڑا بننا سیکھا تو لباس بھی ساتھ ساتھ ترقی کرتا گیا یہاں تک کہ موجودہ لباس کی نوبت پہنچی۔

عورتوں اور مردوں کے لباس میں فرق کی کیا ضرورت ہے؟

بچپن سے عورتیں مکان پر پرورش پاتی ہیں اور محنت اور جفاکشی کی کم عادی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے انکا جسم مضبوط اور جلد مردوں کی سی سخت نہیں ہوتی اس لئے عورتیں سردی گرمی کو بہ نسبت مردوں کے زیادہ محسوس کرتی ہیں۔ اور ان کے جسم کی حفاظت میں زیادہ اہتمام درکار ہے۔ اس لئے ہمارے مذہب اسلام نے عورتوں کے لباس کے متعلق سخت احکام جاری کئے ہیں۔ صرف چہرہ ہاتھ اور پیر کے پنجوں کے کھلے رکھنے کی اجازت ہے اور وہ بھی

مکان کے اندر بے پردہ باہر نکلنے کی اجازت نہیں مردوں کا ستر ناف سے گھٹنے ہی تک ہے باقی جسم کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں۔

اب غور کرنا چاہئے کہ آیا عورتوں میں اس لباس کی پابندی جاری ہے یا نہیں...؟ افسوس کے ساتھ ہمکو یہ کہنا پڑیگا کہ ہمارا لباس بالکل برعکس ہوگیا ہے یعنی ہمارے زمانے کے مرد تو عورتوں کے لباس کی پابندی کر کے اپنے پورے جسم کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ بلکہ بغیر کرتے یا قمیص کے مکان میں رہنا ننگ و عار جانتے ہیں۔ امیروں میں تہمد باندھنا بھی عیب ہوگیا ہے۔ عورتوں کو دیکھئے کہ انھوں نے ہندوستان کے ہندوؤں کی تقلید کرتے ہوئے اپنا اصلی لباس چھوڑ دیا ہے اور مذہب کے احکام کو بالائے طاق رکھدیا ہے۔ اوپر کے جسم میں ہاتھ مونڈھے تک ننگے رہتے ہیں تاکہ سڈول بازو خوب نظر آئیں اور گردن کی پوشش بے ضرورت سمجھی گئی ہے۔ کرتے یا قمیص کا جائزہ چولی یا کرتی نے لیا ہے جو عموماً جالی کے ہوتے ہیں تاکہ اندر کا جسم اچھی طرح دکھلائی دیتا رہے ایسے لباس کا پہننا اور نہ پہننا دونوں برابر ہے۔

اے میری پیاری بہنو!

جہاں تک ہو سکے ہمارے لباس کے اصلاح کی طرف توجہ کرو۔ موجودہ لباس بالکل بدنما اور بے زیب ہے۔ یہ لباس پہنکر ہم ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے جنگلی اقوام بھیل اور لمباڑون کی عورتیں۔ ہماری تعلیم یافتہ بہنیں ہرگز اپنے عزیزوں اور ہمجولیوں کو اس لباس میں دیکھنا پسند نہ کرینگی خود انکا لباس انکی جہالت اور بیوقوفی پر اچھی طرح دلالت کریگا۔

مگر اصلاح کا خیال رہا ایک طرف حالت یہ ہے کہ پرانی وضع کی عورتیں نئی وضع کی عورتوں کے لباس پر پھبتیاں اڑاتی ہیں اور کہا کرتی ہیں کہ فلاں بی بی نے قمیص جاکٹ وغیرہ کا پہننا فخر سمجھ رکھا ہے۔ اور فلاں کی صاحبزادی تو بالکل پارسن ہی دکھائی دیتی ہیں۔ اور فلاں صاحب کی بہو نے جو کچھ لکھی پڑھی معلوم ہوتی ہیں۔ زیور پہننے کو حرام جان رکھا ہے۔ غرض جب کبھی دس پانچ عورتوں کے مل بیٹھنے کا اتفاق ہوتا ہے، یا کسی کے گھر شادی وغیرہ کی تقریب میں

سو پچاس نئی پرانی عورتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ تو یہ اُن پر اور وہ اِن پر اسی قسم کے کنایتاً طعن و تشنیع کیا کرتی ہیں۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ نئی وضع کی عورتیں خاموشی اختیار کرتی ہیں، اور ان لوگوں کے لباس پر حرف نہیں رکھتیں۔ بارہا انھیں بھی کہتے سُنا ہوگا کہ فلاں بیگم صاحبہ اسقدر زیور میں لدی ہوئی ہیں کہ بیلی ہو گئی ہیں۔ کسقدر ہنسی کی بات ہے۔ فلاں نواب صاحب کی بڑی لڑکی پیشواز پہنکر جو آئی تھی۔ تو دو مامائیں اُس کا دامن سنبھالے ہوئے تھیں۔ غرض دونوں طرف سے برابر کی چوٹیں ہوا کرتی ہیں۔ جس سے کوئی کارآمد نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

پُرانی وضع کی عورتوں کے لباس کو اگر غور سے دیکھیں تو ہر وہ بی بی جسکو کچھ بھی عقل اور سمجھ ہو اُس کو اچھا نہیں کہہ سکتی۔ چولی اور کُرتی کے پہننے سے اور وہ بھی جالی اور کارگے کی صاف ظاہر ہے کہ ستر پوشی نہیں ہوسکتی۔ مونڈھوں تک ہاتھ کھلے رکھنا اوپر پیٹھ کا کھلا رہنا جس لباس میں ہو وہ تہذیب سے ہٹا ہوا ہونیکے علاوہ شرعی لحاظ سے بھی اچھا نہیں سمجھا جا سکتا۔ لہنگے اور ساڑیوں میں سرک جانے سے پنڈلیاں نظر آتی ہیں جنکے چھپا رکھنے کا حکم ہے۔ اسکے علاوہ جو عورتیں دولتمند اور امیر ہوتی ہیں۔ اگر اُن کی پرانے خیال والوں میں نشو نما ہوئی ہے۔ تو وہ ضرور مسالحہ اور زرق برق کے کپڑوں کے پہننے کی شائق ہونگی۔ سینکڑوں روپیہ کا مسالحہ گس ہیں کرا وڑا دینگی یا اگر مزاج میں احتیاط ہو تو اس کے سنبھالنے میں بہت سا قیمتی وقت صرف کرینگی۔ اسپر بھی بجز نمائش اور دکھاوے کے خاطر خواہ آرام میسر نہیں آتا کیونکہ اِس لباس کو پہنکر بے تکلفی سے نہ چل پھر سکتی ہیں۔ نہ اٹھ بیٹھ سکتی ہیں۔ پیسے کا پیسہ برباد ہوتا ہے اور راحت نصیب نہیں ہوتی۔

اے میری عقل والی بہنو!

اگر ذرا غور سے دیکھو گی تو سمجھ جاؤ گی کہ ایسا لباس جو نہ احکام شرعی کے موافق ہے۔ نہ جسمیں پوری ستر پوشی ہوسکتی ہے۔ اور زمانہ کے خیالات کے موافق جسکو خوشنما بھی نہیں کہہ سکتے

اس کے علاوہ آرام و آسائش بھی جسمیں مفقود ہو کوئی عمدہ لباس نہیں ہو سکتا۔ اب ہم نئی خیال والی بہنوں کے لباس پر غور کرینگے۔ گو انکا لباس بھی نقص اور برائیوں سے خالی نہیں بالکل غیر قوموں کے مشابہ ہونیکی کوشش کرنا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ وہ اپنی قوم کو حقیر اور ذلیل سمجھتی ہیں۔ اور دوسری قوم کی شباہت پیدا کرکے اپنی عزت بڑہانا چاہتی ہیں۔ مگر یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ خود کو لباس کے ذریعہ لوگوں کی نظروں میں اس قوم کا ظاہر کرکے جس کے فی الواقع وہ نہیں عزت کمانا چاہتی ہیں۔ مگر ایسی عزت اور وہ وقعت جو لوگوں کے دلوں میں محض ایک دہوکہ کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اصلی اور حقیقی معنوں میں عزت کہلائے جانے کی مستحق نہیں اس سے یہ مطلب نہیں کہ کسی قوم کا لباس خواہ کیسا ہی بہتر کیوں نہو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے بلکہ خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدَرْ کا مضمون پیش نظر رکھکر اس کا فیصلہ عقل سلیم کے حوالے کردینا چاہئیے۔

نئی خیال والی عورتوں کا لباس گویا بالکل نہیں مگر قریب قریب احکام شریعت کے موافق ہوتا ہے۔ کرتا پہننے میں جو بات ہے۔ وہ کرتی میں کہاں غرض دونوں لباس کا مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوگا کہ جسقدر یہ مفید ہے وہ نہیں ہو سکتا مگر اسمیں نئی نئی باریکیاں اور نزاکتوں کے سامان بڑہا کر اسکو اسقدر پُر تکلف اور بیش قیمت بنادیتی ہیں۔ کہ عموماً مسلمانوں کی آمدنی بغیر مقروض ہونیکے ان کے پہننے کی اجازت نہیں دیتی۔ پُرانی عورتوں کے پاس زر زیور رہا کرتا تھا۔ جو کبھی آڑے وقت کام بھی آسکتا تھا۔ مگر ان نئی بیویوں کو زیور سے کچھ ایسی نفرت پیدا ہونی لگی کہ بعض کے پاس وقت پڑے تانبے کا تار نکلنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ساری آمدنی لباس کی آرائش وغیرہ میں صرف ہو جاتی ہے۔ لہذا ان کے لباس کو بہتر اسی وقت کہسکتے ہیں۔ جب وہ بالکل سادہ اور حدّ اعتدال سے نکلا ہوا نہو۔

راقـــــــمہ

آ۔ بیگم

خواتین انگلستان کے پیشے

فن طبابت

ہندوستان میں فن طبابت کا عورتوں کے لئے نہایت وسیع میدان موجود ہے مسلمان اپنی عورتوں کا علاج ڈاکٹروں سے کرانا پسند نہیں کرتے ہیں اور ہندو بھی جنھوں نے اپنے فاتحین (مسلمانوں) سے بہت سی باتیں اخذ کی ہیں اسکو گوارا نہیں کرتے ہیں۔ لیڈی ڈفرن نے ہندوستان میں لیڈی ڈاکٹرز بہم پہونچانے کی جو اسکیم ۱۸۸۵ء میں طیار کی تھی اس کا ہندوستان کے والیان ملک اور دیگر سربرآوردہ حضرات نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا تھا اور اُن میں سے اکثر نے اپنے یہاں خود زنانہ شفاخانہ قایم کئے۔

اس وقت (۱۸۹۴ء میں) ڈفرن فنڈ سے ۴۲ فیصدی ڈاکٹرز کام کر رہے ہیں اور انکے علاوہ بہت سے اسسٹنٹ سرجن ہیں اور ۲۰۰ سے زیادہ عورتیں میڈیکل اسکولز میں زیر تعلیم ہیں (یہ واقعہ تو ۱۸۹۴ء کا ہے آج کل ہندوستان کے تقریباً ہر ایک ضلع میں زنانہ شفاخانہ موجود ہے اور بڑے اضلاع میں متعدد لیڈی ڈاکٹرز پریکٹس کر رہی ہیں اور لیڈی ڈاکٹرز سے عورتوں کا معالجہ کرانیکا رواج روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہے۔ مترجم) ہندوستان میں مختلف مشنری سوسائٹیاں میڈیکل مشنریز تیار کر رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ گورنمنٹ کسی زمانہ میں اس پیشہ کو سول سروس میں داخل کرے لیکن فی الحال اس کام میں پرائیویٹ طور پر بجد کوشش کرنی چاہیے۔ رفتہ رفتہ ہندوستانی مستورات اپنے بہنوں کی خاطر اس پیشہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائینگی لیکن ابھی انگلش لیڈیز کو اس پیشہ کی طرف خاص طور پر توجہ رکھنی چاہیئے۔ (ہندوستانی عورتوں نے اس فن کی تعلیم کی طرف توجہ کرنا شروع کر دیا

ہے اور بہت سی ہندوستانی لیڈی ڈاکٹرز کام کر رہی ہیں اور اکثر زیر تعلیم ہیں لیکن ابھی زیادہ تر دیسی عیسائی عورتیں میڈیکل اسکولوں میں تعلیم پا رہی ہیں ۔مترجم) جو انگلش لیڈیز اس عہدہ پر مقرر کی جاتی ہیں اُن کو پرائیویٹ پریکٹس کرنے کی بھی اجازت ہوتی ہے لیکن جو عورتیں کہ شفا خانوں سے فیضیاب ہوتی ہیں وہ لیڈی ڈاکٹر کی فیس ادا کرنا پسند نہیں کرتی ہیں اس لئے یہ پیشہ اُن کی بسر اوقات کا ذریعہ ابھی نہیں ہوسکتا ہے (یہ واقعہ ۱۸۹۴ء کا ہے اب لیڈی ڈاکٹر کی فیس بطیب خاطر ادا کی جاتی ہے اور ادنیٰ سی ضرورت پر اسکو طلب کیا جاتا ہے ۔مترجم)

دوا کی قیمت ادا کرنے میں تو کسی کو عذر نہیں ہوتا ہے لیکن اگر لیڈی ڈاکٹر کو مکان پر طلب کرنے کی ضرورت ہو تو صرف اُمراہی طلب کرتے ہیں کیونکہ صرف وہی اسکی فیس ادا کرنیکے قابل ہوتے ہیں۔ جو لیٹڈی ڈاکٹرز ڈفرن فنڈ کی ملازمت میں ہیں اُنکو کم از کم ۵ سال کام کرنا پڑتا ہے۔ کرایہ آمد و رفت کے علاوہ اُن کو ۳۰۰ روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے ۔ میڈیکل اسکولز میں تعلیم پانے والی لڑکیوں کو ۲۵ - ۳۰ پونڈ سالانہ وظیفہ ملتا ہے لیکن اس فن کی اہمیت کے لحاظ سے یہ امداد بہت کم ہے۔

فنِ دایہ گری

فن دایہ گری کی تعلیم میں عورتوں کی تعداد روز بروز ترقی کر رہی ہے کیونکہ یہ پیشہ علاوہ مفید ہونیکے روزی کا بھی بڑا ذریعہ ہے۔ لیکن دائیوں کا معیار اُنکی قابلیت کا صحیح اور یکساں پیمانہ مقرر نہونے سے قابل اطمینان حالت میں نہیں ہے۔ اس پیشہ کی حالت میں زبردست تبدیلی پیدا ہو رہی ہے غیر تربیت یافتہ اور نالائق دائیاں معدوم ہوتی جاتی ہیں۔ اور اُنکی بجائے قابل اور تربیت یافتہ دائیاں تیار ہوتی جاتی ہیں۔ دائیوں کا امتحان مقرر ہونیکے قواعد مرتب ہو رہے ہیں۔ وضع حمل کے وقت ہر ایک عورت کو اُنکی خدمات کی ضرورت

ہوتی ہے اور غریب عورتیں نہیں اندازہ کر سکتی ہیں کہ دایہ اس کام کے لئے موزوں بھی ہے یا نہیں۔ لندن کی ایک سوسائٹی دایہ گری کے سرٹیفکیٹ دیا کرتی ہے جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ فلاں دایہ اپنے کام سے بخوبی واقفیت رکھتی ہے۔ جو عورتیں کہ دیہات میں جاکر اپنے غریب بہنوں کی خدمات کرنے پر آمادہ ہیں اُن کو اس فن کی تعلیم اور تربیت حاصل کرنی اشد ضروری ہے۔ بکنگم اسٹریٹ میں دایہ گری کا مدرسہ قائم ہے اور پورے طور پر اس فن کی تعلیم دیتا ہے اور دائیوں کے حقوق کی نگرانی بھی کرتا ہے۔

فنِ تیمارداری

فن تیمارداری کی طرف تعلیم یافتہ خواتین بخوشی متوجہ ہو رہی ہیں اور اس تعلیم کی طرف جس درجہ خواہش ہے اُس قدر آسانیاں اسکی تعلیم میں ابھی پیدا نہیں ہوئی ہیں۔ جو دقتیں کہ اس فن میں پیش آتی ہیں اُن کے لحاظ سے اس فن کی ہر دلعزیزی حیرت انگیز ہے۔

نرس کا کام خواہ وہ کسی شفاخانہ میں ملازم ہو یا کسی ضلع میں ہو خواہ کسی کی پرائیوٹ ملازمت میں ہو نہایت سخت ہوتا ہے لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ایسے مفید طبقہ کی آسانی اور آرام کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جاتی ہے۔ کام کرنیکے گھنٹے طویل ہوتے ہیں اور تعطیلیں بہت کم دی جاتی ہیں اور محنت شاقہ روزانہ کرنی ہوتی ہے۔ دیگر ملازمتوں میں آرام اور تفریح کا موقع کا دینا ضروری مقرر کیا جاتا ہے لیکن اسکی ملازمت میں اسکی طرف مطلق توجہ نہیں کی جاتی ہے اور نہ آرام کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔

نرسنگ انسٹیٹیوشن میں نرسیز کو کھانا نہایت ادنیٰ قسم کا ملتا ہے اور یہی حالت شفاخانوں میں بھی ہے۔

ان کو جو شکایت اور جو تکالیف ہیں اُنکی اصلاح کی طرف افسوس ہے کہ توجہ نہیں کی جاتی ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ان تکالیف کو کار ثواب سمجھکر برداشت کرلیں گی۔ لیکن

تعلیم یافتہ نرسز پر اس برتاؤ کا نہایت خراب اثر ہوتا ہے اور اُن میں بیدلی پیدا ہو رہی ہے اس لئے مناسب ہے کہ نرسز کی تمام جائز شکایتوں کو دور کرنیکی طرف توجہ کی جاوے اور ان کے آرام و آسائش اور خورونوش کا معقول انتظام کیا جاوے۔

روز بروز قابل نرسز کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے اس لئے اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ نرسز تیار کرنے میں آسانیاں پیدا کی جائیں اور اُنکی ملازمت میں اُن کے آرام و آسائش کا پورا لحاظ رکھا جاوے تاکہ تعلیم یافتہ عورتیں اُس طرف متوجہ ہو کر اس شریف فن کی خدمات کو انجام دیں۔

نرسز کی تنخواہیں

یہ ملازمت کچھ دولت پیدا کرنیکا ذریعہ نہیں تصور کی جاتی ہے، البتہ جن صیغوں میں کہ نرسز کو پنشن ملتی ہے اُنکی ملازمت سے تو معقول معاوضہ ملجاتا ہے۔ لندن کے ایک بڑے شفاخانے میں امیدوارانہ کام کرنیکے دوران میں ۱۲ پونڈ سالانہ مع وردی پہلے سال میں اور ۲۰ پونڈ سالانہ دوسرے سال میں اور ترقی پانے پر ۴۰ پونڈ سالانہ تک تنخواہ ملتی ہے۔

ورک ہاؤس ٹرننگ ایسوسی ایشن پہلے سال تو کچھ تنخواہ نہیں دیتی ہے اور دوسرے سال سے ۲۰ پونڈ سالانہ تنخواہ دیتی ہے جو ترقی پاکر ۲۹ پونڈ سالانہ تک ہو جاتی ہے۔

ڈسٹرکٹ نرسنگ ایسوسی ایشن میں تربیت یافتہ نرس کو ۲۴ پونڈ سالانہ دیئے جاتے ہیں اور ترقی پاکر ۳۰ پونڈ تک ہو جاتے ہیں۔ مکان، خوراک اور دھوبی کی دھلائی اسکے علاوہ ہے جس کے مصارف ایسوسی ایشن خود ادا کرتی ہے۔

شفاخانہ کی میٹرن کو ۵۰ پونڈ سے ۱۰۰ پونڈ سالانہ تک تنخواہ دی جاتی ہے اور لندن کے بڑے شفاخانوں میں اس سے بھی زیادہ تنخواہ دیجاتی ہے اور تنخواہ کے علاوہ مکان اور ملازم مفت ملتے ہیں۔ اس عہدے کی تنخواہیں معقول ہیں لیکن یہ عہدے تعداد میں بہت تھوڑے

ہیں۔ ڈاکٹروں کی زیرنگرانی پرائیوٹ نرسیز کو معقول معاوضہ ملجاتا ہے لیکن یہ کوئی قابل بہروسہ حالت نہیں ہے۔ نرسیز اب اپنی سوسائٹیاں قائم کر رہی ہیں اور ممکن ہے کہ اس وقت جو روپیہ کہ مریض ادا کرتے ہیں کچھ زمانہ بعد وہ ان نرسیز کی جیب میں آجاوے۔

دستکاری

ظروف سازی ہی ایک ایسا میدان ہے جسمیں عورتیں ملازمت اختیار کرلیتی ہیں۔ ایک لیڈی نے ایک آرٹ اسکول میں جواہرات کے زیور بنانے کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن بعض واقعات پیش آجانے سے اسکو ایک جوہری کے یہاں زیورات کے بنانیکی ملازمت کرنا پڑی رفتہ رفتہ اس نے اسکام کو خود اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنی دکان کھولدی لیکن عام طور پر عورتیں دکان داروں کی دست نگر ہوتی ہیں اور خود اس دستکاری سے تمتع حاصل نہیں کرتی ہیں بہ نسبت مردوں کے یہ امر عورتوں کے لئے زیادہ دشوار ہے کہ وہ اس قسم کی دستکاری کا عملی طور پر تجربہ حاصل کریں اور اپنی محنت اور دستکاری سے خود ہی بہرہ مند ہوں اس کے لئے استقلال اور ہمت درکار ہے دیگر اقسام کی دستکاری کو شاذونادر عورتیں اختیار کرتی ہیں۔ گھر میں بیٹھکر دستکاری کے جو ہنر تھے وہ معدوم ہوگئے اور اونکی بجائے اسکولوں میں جو تعلیم دستکاری کی دی جاتی ہے اسکی طرف عورتیں توجہ نہیں کرتی ہیں جو عورتیں کہ ظروف سازی۔ نقاشی۔ مصوری کا کام کرتی ہیں وہ بھی کچھ اعلیٰ درجہ کا نہیں ہوتا ہے اسی لئے اُن کو اس کا معاوضہ بھی بہت قلیل ملتا ہے۔

زیورسازی میں وہ صرف موتی پرونے کا کام کرتی ہیں اور اُن کو ایک پونڈ فی ہفتہ اس کا معاوضہ ملتا ہے لیکن مرد زیورسازی میں زیادہ ہوشیار ہیں اور وہ ۳ پونڈ سے ۶ پونڈ تک فی ہفتہ پاتے ہیں۔ لکڑی پر نقاشی کے کام میں بہت سی عورتیں ملازم ہیں اور اُن کو معاوضہ بھی معقول دیا جاتا ہے ایک دفتر میں چار عورتیں اس کام

پر مامور ہیں اور اُن کو ۲ پونڈ ۱۰ شلنگ ۹ پینس فی ہفتہ ملتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اُجرت ۳ پونڈ ۳ شلنگ ۳ پینس اور کم سے کم ۲ پونڈ ۱۳ شلنگ ۷ پینس ہے یعنی ۱ شلنگ ۱ پینس فی گھنٹہ معاوضہ دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے کاموں میں سبرنر اسٹریٹ کی عورتوں کو ملازمت دلانیوالی سوسائٹی نے بہت امداد کی ہے وہ ایک طرف تو اُنکی تعلیم و تربیت کا سامان کرتی ہے اور دوسری طرف اُن کے لئے معقول ملازمتیں دلانیکا بندوبست کرتی ہے۔ دستکاری کے کارخانوں میں اُمیدواری کرنا عورتوں کے لئے سخت دشوار ہے اور بہت سی دقتیں حائل ہوتی ہیں کیونکہ جو مرد اُمیدواری کرتے ہیں اُن کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ عورتیں ہم سے کم معاوضہ پر ملازمت قبول کرلینگی اور پھر ہماری ضرورت ان کارخانوں کو نہ رہیگی۔ اور یہ امر کچھ خلاف واقعہ بھی نہیں ہے لیکن عورتوں کو اس قسم کی مخالفت کا دانشمندی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئے اور اپنے مخالفین کے ذہن نشین کردینا چاہیئے کہ ہم کم معاوضہ پر کام کرنے کے خواہشمند نہیں ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تقریباً ہر ایک پیشہ میں عورتوں کو اپنی ناکافی تعلیم و تربیت۔ بعض فضائل سوشل رسم و رواج اور دیگر تعصبات کے باعث بہت سی دقتیں پیش آتی ہیں اور بسا اوقات بعض حضرات کبھی تو محض تعصب کے باعث اور کبھی نقصان کے اندیشہ سے عورتوں کے ملازمت کی مخالفت کرتے ہیں لیکن مفید مشوروں سے ان دقتوں کو کم کیا جا سکتا ہے اگرچہ اُنکا بالکل دور ہو جانا تو ممکن نہیں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ عورتوں کو مختلف پیشوں کی معقول تعلیم دینا چاہئے اور جس پیشہ کے لئے وہ موزوں ہوں اُسی میں اُن کو لگا دینا چاہیئے ہم یہ تو بتا سکتے نہیں کہ عورتیں فلاں پیشے کے لئے موزوں ہیں اور فلاں کے لئے نہیں۔ لیکن تعلیم دینے سے اُنکا رجحان طبع معلوم ہو سکتا ہے اور جس طرف اُنکی طبیعت کا میلان ہو اُسی طرف اُن کو مشغول کرنیکی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو کام ناموزوں ہوگا وہ ضرور اُس سے دست کشی اختیار کرینگی۔

(باقی دارد)

آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس

روداد ششماہی جلسۂ انتظامیہ جو زنانہ بورڈنگ ہاؤس علیگڈھ میں بتاریخ ۲۷ اگست سنہ ۱۹۱۴ء منعقد ہوا

حاضرین جلسہ

(۱) محمود بیگم صاحبہ (پریسیڈنٹ)
(۲) آفتاب بیگم صاحبہ
(۳) بلقیس بیگم صاحبہ
(۴) والدہ نفیس دلہن،
(۵) ہمشیرۂ نفیس دلہن۔
(۶) اسمار خاتون۔
(۷) نورالحسن بیگم صاحبہ
(۸) اہلیہ خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب۔
(۹) نفیس دلہن (سکرٹری)

(۱) عبداللہ بیگم صاحبہ کی تحریک اور خاکسار سکرٹری کی تائید سے محمود بیگم صاحبہ جلسہ کی پریسیڈنٹ مقرر ہوئیں۔

(۲) سکرٹری نے پیش کیا کہ کانفرنس کے آیندہ سالانہ جلسہ کو ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ نے بوساطت سرکار عالیہ بھوپال دام اقبالہا کے بمقام بمبئی مدعو فرمایا ہے، اور مجھسے یہ فرمائش کی ہے کہ اس دعوت کو باضابطہ جلسہ کے سامنے پیش کروں۔ جو جلسہ کمیٹی کارکن کا بتاریخ ۲۴ جولائی سنہ حال میں منعقد ہوا تھا۔ اسمیں بھی اس تحریک کا ذکر کیا گیا تھا اور جملہ ممبروں نے اسکو خوشی سے پسند فرمایا تھا۔ چونکہ سالانہ اجلاس کے مقام کی منظوری

جلسہ انتظامیہ کے اختیار میں ہے لہذا بموجب تجویز جلسہ مذکور اطلاع جلسہ کے ساتھ تمام ممبران انتظامیہ کی خدمت میں مذکورہ بالا تحریک بغرض اظہار رائے بھیجی گئی، اور آج جلسہ ہذا میں پیش کی جاتی ہے۔ جسقدر تحریری رائیں موصول ہوئی ہیں وہ آپکے سامنے میز پر ہیں۔ جلسہ میں اس تجویز کی بابتہ دیر تک مختلف پہلوؤں سے بحث ہوتی رہی۔ بالآخر حاضرین کی کثرت رائے قرار پایا کہ آیندہ سالانہ اجلاس مسلم لیڈیز کانفرنس کا بمقام بمبئی منعقد ہو۔ اور نواب بیگم صاحبہ کا اسبارہ میں شکریہ ادا کیا جاوے۔ تاریخ اجلاس کا تعین بمشورہ نواب بیگم صاحبہ ممدوحہ کیا جاویگا۔

(۳) عبد اللہ بیگم صاحبہ نے ایڈیٹر صاحبہ تہذیب نسواں کا خط پڑھکر سنایا جن کی رائے ہے کہ "مردانہ کانفرنس کے ساتھ کئی سال زنانہ مصنوعات کی نمائش نہایت کامیابی سے ہوتی رہی ہے جس سے عورتیں اگرچہ بہت کچھ مستفید ہوئی ہیں تاہم ویسا فائدہ نہیں پہنچا جیسا کہ چاہیے تھا کیونکہ لوگ اپنی عورتوں کو ساتھ نہیں لیجاتے میرا خیال ہے کہ یہی نمائش زنانہ کانفرنس کے ساتھ منعقد ہوا کرے۔ اگر بمبئی میں کانفرنس کے ساتھ زنانہ نمائش مصنوعات بھی ہو تو کیا اچھا ہو"

(۴) سکرٹری نے پیش کیا کہ اس مہینے میں تین ممبر نئے ہوئے ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

کنیز فاطمہ صاحبہ زوجہ ولی الدین خدابخش صاحب رئیس آرہ۔ کنیز سلمیٰ صاحبہ (آپکی چھوٹی ہمشیرہ) بہ تحریک ہمشیرہ نفیس دلہن، والدہ صاحبہ نفیس دلہن، بہ تحریک خاکسار سکرٹری۔

(۵) اس مہینے میں ۲۴ روپیہ چندہ ممبری حسب ذیل خواتین سے موصول ہوئے:-

(۱) جہاں آرا شاہ نواز بیگم صاحبہ۔ لاہور

(۲) کنیز فاطمہ صاحبہ۔

(۳) کنیز سلمیٰ صاحبہ۔ آرہ

(۴) اہلیہ خواجہ اسمٰعیل صاحب۔ علیگڈہ

(بوجہ عدم موجودگی خزانچی صاحبہ یہ رقم دفتر میں امانت ہے)

(۶) اس مہینے میں جناب زہرا بیگم صاحبہ فیضی نے دو خاتونوں کے نام بغرض تحریک

ممبری پیش کئے ہیں۔ چنانچہ اُن کے نام دفتر سے خطوط روانہ ہو چکے ہیں، جواب کا انتظار ہے۔
وہ خواتین یہ ہیں:-

بیگم سادنور صاحبہ۔ بیگم ممتاز یار الدولہ۔ حیدرآباد دکن۔

(۷) سکرٹری نے تحریک کی کہ جو ہنگامہ لڑائی کا آج کل ممالک یورپ میں برپا ہے اور جسمیں ہماری سرکار کو بھی شریک ہونا پڑا ہے اُسکی وجہ سے ہزاروں خاندان تباہی اور بربادی میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ یہ جلسہ اِس نازک موقع پر تاج برطانیہ کے ساتھ اظہار خیرخواہی و وفاداری کرتا ہے۔ اور ہر اُس خدمت کے لئے جو اُس کے امکان میں ہو حاضر ہے۔ بالاتفاق یہ تجویز پاس ہوئی اور قرار پایا کہ بوساطت سرکار عالیہ والیہ بھوپال پریسیڈنٹ آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس اِس تجویز کی ایک نقل حضور وائسرائے بہادر کی خدمت میں ارسال کی جاوے اُمید ہے کہ سرکار عالیہ براہ مکرمت یہ درخواست قبول فرمائینگی۔ آخر میں پریسیڈنٹ کے شکریے پر جلسہ برخاست ہوا۔

(خاکسار)

نفیس دلہن

سکرٹری آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس۔

ناگزیر ضرورت کے وقت اسٹاف اور طلباے سابق وحال کی خدمت میں کالج کی

التماس

جیسا کہ آپ سب حضرات کو معلوم ہے سرزمین یورپ میں معرکہ کارزار گرم ہے اور

اور سر دست کچھ اندازہ نہیں ہوسکتا کہ یہ خونریز ہنگامہ کب تک برپا رہے۔ اہل ہند کو اس کارزار سے خاص تعلق یہ ہے کہ برٹش سلطنت کو (جس کے زیر حمایت ہملوگ امن و عافیت سے ہندوستان میں زندگی بسر کر رہے ہیں) محض ایفائے عہد کی بنا پر شریک جنگ ہونا پڑا ہے۔ چونکہ جنگ نہایت وسیع پیمانے پر جاری ہے، اس لئے دولت برطانیہ کو بھی اپنی تمام سلطنت کے جنگی وسائل کام میں لانے کی ضرورت درپیش ہے۔ چنانچہ ہندوستان سے بھی کچھ سرکاری فوج باہر جا رہی ہے۔ معرکۂ جدال و قتال میں ساری سپاہ کا صحیح و سالم رہنا تو ناممکن ہے جان دینا زخمی ہونا اور مخالف کے ہاتھ میں گرفتار ہو جانا جنگ کے معمولی لوازمات ہیں۔ لہذا مجروحین اور واپس نہ آنے والوں کے ورثا، جن جانکاہ مصائب میں مبتلا ہونے والے ہیں اُن کے خیال سے متاثر ہو کر ہز ایکسیلنسی حضور والیسرائے بہادر نے حال میں ازراہ ہمدردی و غمخواری اہل ہند سے اپیل کیا ہے کہ وہ ان بیکس اور درماندہ پس ماندگان کی بروقت مدد کے لئے اس وقت کافی فنڈ مہیا کرلیں۔ جو بہادر اور جاں باز لوگ اپنے ملک اور سلطنت کی عزت قائم رکھنے کے لئے اپنی عزیز جانیں قربان کرنے والے ہیں اُنکی مدد کرنا چونکہ تمام اہل ملک کا فرض ہے۔ اس لئے حضور ویسرائے کی اپیل پر امپیریل ریلیف فنڈ قائم ہو چکا ہے۔ اور اہل ملک نے موقع کی اہمیت پہچانکر نہایت فیاضی سے اس اپیل کا خیر مقدم کیا ہے۔ اور فنڈ کی تعداد روزانہ لاکھوں کی تعداد میں ترقی کر رہی ہے۔ برٹش حکومت کی خیر و برکات کا کل اقطاع ملک میں چرچا ہو رہا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے پاس انگریزی سلطنت کی برکات کا جو مجسم نمونہ مدرستہ العلوم علیگڈھ کی صورت میں موجود ہے وہ ملک بھر میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اس شاندار درسگاہ کے نشو و نما میں برٹش حکومت کے زبردست اثر نے جسقدر حصہ لیا ہے اُس سے پبلک بخوبی آگاہ ہے۔ اب موقع آگیا ہے کہ مسلمان سلطنت کے اس احسان کے بدلے اپنی شکر گزاری کا عملی اعتراف کریں اور سلطنت کی ضرورت کے خیال سے نیز اپنے جانباز ابنار وطن کی مدد کے خیال سے کالج کا شاندار کالج کے فرزند اپنے عظیم الشان درس گاہ اور اُسکی شاندار روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جنگ کے

مجروحین اور بیکس ورثا کی مد دمیں نمایاں حصہ لیں۔ سلطنت کی وفاداری، ملک کی خیر خواہی اور اور ابنائے ملک سے ہمدردی مسلمانوں کا مخصوص القوم شیوہ رہا ہے، اور ایسی ضرورت کے وقت مسلمانوں نے ایثار اور علوِ حوصلہ کی ہمیشہ مثالیں جو یادگار چھوڑی ہیں ان پر بھروسہ کر کے مجھے امید ہے کہ وابستگان کالج اس موقع پر انتہائی حوصلہ اور اولوالعزمی سے کام لینگے۔ اور اپنی روایات میں آیندہ کے لئے ایک زریں روایت کا اور اضافہ کرینگے۔ بعض اولڈ بوائز نے مجھ سے بذریعہ تحریر تحریک کی ہے کہ کالج کے اولڈ بوائز بجائے اسکے کہ مختلف مرکزوں سے علیحدہ علیحدہ اپنا چندہ امپیریل ریلیف فنڈ میں بھیجیں بہتر ہوگا کہ اپنی رقوم یکجائی طور پر پیش کرنے کی غرض سے اپنے کالج میں اپنا ایک مشترکہ فنڈ کھول لیں اور منتظمین کالج، اسٹاف اور جملہ طلبائے سابق و حال اسمیں شریک ہوں اور کالج کی طرف سے وقتاً فوقتاً موصولہ رقوم امپیریل ریلیف فنڈ میں داخل ہوتی رہیں۔ میں نہایت خوشی سے اس تجویز پر عمل کرنیکے لئے تیار ہو گیا ہوں۔ اور کالج میں مجوزہ فنڈ کھولتا ہوں۔ من جملہ ڈیڑھ ہزار روپیہ کی رقم چندہ کے جو میں امدادی فنڈ میں پیش کرنے والا ہوں بہ حیثیت آنریری سکرٹری کالج ۵۰۰ روپیہ کی رقم کالج کے امدادی فنڈ میں پیش کرتا ہوں۔ جملہ منتظمین و بہی خواہان کالج سے عموماً اور اسٹاف اور اولڈ بوائز اور طلبائے حال سے خصوصاً التماس ہے کہ وہ اس مفید تحریک کو اپنی برمحل توجہ سے کامیاب کرنے کی کوشش کریں۔ جہاں جہاں کالج کے اولڈ بوائز کی کافی تعداد ہو وہ اپنے اپنے ضلع میں فراہمی چندہ کی غرض سے جلسے منعقد کریں۔ اور اپنا اپنا چندہ رجسٹرار صاحب محمڈن کالج علی گڈہ کے پتے سے روانہ کریں۔ فرداً فرداً رسیدات معطیات کی خدمت میں بھیجی جائینگی اور اسمائے فہرستیں چندہ کی جسمیں چھوٹی سے چھوٹی رقمیں بھی درج ہونگی۔ انسٹیٹیوٹ گزٹ علیگڈہ اور دیگر اخبارات میں شائع ہوتی رہینگی۔

(خاکسار)

محمد اسحاق خاں عفی عنہ

جلسہ شروانی افغانان

(بمقام حبیب گنج بتاریخ ۱۹ اگست ۱۹۱۴ء)

شروانی افغانان ضلع علیگڈھ وایٹہ کا ایک اور جلسہ بغرض اظہار عقیدت و خیر خواہی سرکار ۱۹ ماہ حال کو بروز چہارشنبہ بمقام حبیب گنج بر مکان مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب منعقد ہوا جسمیں حضرات ذیل شامل تھے:-

(۱) حاجی محمد مصطفےٰ خاں صاحب رئیس بوڑہ گاؤں۔

(۲) خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خاں صاحب رئیس بھیکن پور و آنریری مجسٹریٹ۔

(۳) مولوی خلیل الرحمن خانصاحب رئیس بھیکن پور (ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ)

(۴) مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب رئیس حبیب گنج و آنریری مجسٹریٹ۔

(۵) محمد ابوبکر خاں صاحب رئیس دادوں و آنریری مجسٹریٹ۔

(۶) محمد سلیم اللہ خاں صاحب رئیس بوڑہ گاؤں۔

(۷) محمد عمر خاں صاحب رئیس بھیکن پور۔

(۸) شمس الحسن خاں صاحب آف بلونہ۔

(۹) مولوی محمد ظفر حسن خانصاحب

(۱۰) عبد المجید خاں صاحب آف چھترہ

(۱۱) عبد الرشید خاں صاحب آف بھیکن پور

(۱۲) احمد اللہ خاں صاحب پسر چودہری محمد عزیز اللہ خاں صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ سہاور ضلع ایٹہ۔

(۱۳) حاجی روح اللہ خاں صاحب آف سہاور۔

(۱۴) محبوب الرحمٰن خاں صاحب پسر مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس حبیب گنج۔

بہ تحریک خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خاں صاحب و بتائید مولوی محمد حبیب الرحمٰن خانصاحب حاجی محمد مصطفےٰ خاں صاحب رئیس بوڑہ گاؤں صدر انجمن تجویز کئے گئے۔ مولوی محمد یونس خانصاحب رئیس دتاولی۔ محمد جان خاں صاحب رئیس دادوں اور احمد سعید خاں صاحب رئیس برہرہ ضلع ایٹہ کی مجبورانہ عدم حاضری کے اسباب اور جلسہ کی کارروائی کے ساتھ اُنکی ہمدردی کا اظہار پیش کیا گیا۔ نواب محمد مزمل اللہ خاں صاحب نے ایک مختصر تقریر میں (جو ذیل میں درج ہے) رزولیوشن مندرجہ ذیل کی تحریک کی:-

جناب صدر انجمن و حاضرین جلسہ!

آج جس کارروائی کے واسطے ہم سب جمع ہوئے ہیں اور جس رزولیوشن کی میں تحریک کرنے کھڑا ہوں اُسکی بابت کسی لمبی تقریر کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتا کہ ہم شروانی پٹھانوں نے ہمیشہ سرکار کی خیرخواہی اور وفاداری کے ثبوت پیش کئے ہیں۔ ۱۸۰۳ء سے جب کہ لارڈ لیک نے ان ممالک کو فتح کیا ہے آج تک جب کبھی موقع ہوا ہم اپنی سرکار کی خدمت کے لئے مستعد رہے۔ شروع سرکاری عملداری میں خوشی کے ساتھ اطاعت قبول کی۔ غدر ۱۸۵۷ء میں ہمارے بزرگوں نے نمایاں خدمات کیں۔ اور ۱۸۷۸ء میں جنگ کابل کے وقت ہمارے آج کے جلسہ کے پریذیڈنٹ نے سرکاری فوج کے ساتھ ہمراہ جانے کے لئے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ بوئروار کے موقع پر بھی ہم نے اپنی ناچیز خدمات پیش کرنے میں کچھ پس وپیش نہیں کیا۔ غرض ہر موقع پر سرکار کی وفاداری اور خیرخواہی کو ہم نے اپنا نصب العین رکھا ہے۔ آج اُس نازک موقع پر بھی ہماری خیرخواہی، ہماری وفاداری اور ہمارا اخلوص ویسا ہی سچا، ویسا ہی گہرا اور ویسا ہی بے لوث ہے جیسا کہ وہ ہمیشہ رہا ہے سرکار انگلشیہ کی وفاداری فی الحقیقت ہمارے خاندان شروانی کے ایک قدیم ٹریڈیشن ہے

لہذا میں نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ حسب ذیل رزولیوشن کی تحریک کرتا ہوں۔

رزولیوشن

ضلع علی گڈھ اور ایٹہ کے شروانی افغان ایک جلسہ میں مجتمع ہوکر اس عظیم الشان معرکہ جنگ کے موقع پر تاج برطانیہ کے ساتھ اپنی دلی عقیدت اور مضبوط خیر خواہی کا اظہار کرتے ہیں اور سرکار دولتمدار کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی خیر خواہی اور وفاداری کی اُس روایت پر قائم ہیں جو ہمیشہ سے پٹھانوں کے واسطے مایہ ناز رہی ہے۔ اُن میں سے ہر ایک اُس جانی اور مالی خدمت کے لئے تیار ہے جو وہ اُس وقت اپنی گورنمنٹ کے واسطے کرسکتا ہے

مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس حبیب گنج نے اس رزولیوشن کی تائید کرتے وقت مفصلہ ذیل تقریر کی:-

جناب صدر انجمن اور حاضرین جلسہ!

میں سمجھتا ہوں کہ میں تمام حاضرین کے دلی جذبات کو صرف الفاظ میں بیان کر رہا ہوں جبکہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں نہایت خلوص کے ساتھ اُس رزولیوشن کی تائید کرتا ہوں جس کو خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خاں صاحب نے آپ لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ اگرچہ جیسا کہ معزز محرک نے بیان کیا ہے اس کے متعلق کسی طویل تقریر کی حاجت نہیں تاہم میں میں چند الفاظ التماس کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ معزز محرک نے بیان کیا ہے تاج برطانیہ کی خیر خواہی اور وفاداری واقعی شروانی افغانوں کی دیرینہ روایت ہے۔ پھر میں ایک اور پہلو سے اس پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ تاج برطانیہ کی وفاداری بہ حیثیت مذہب بھی ہم پر واجب ہے۔

اولاً عہد و میثاق کی پابندی کی شرع اسلام نے سخت تاکید کی ہے۔ قرآن پاک کی اکثر آیات میں اس کا حکم ہے کہ جس کے ساتھ تمہارا عہد ہو اُس سے کسی حالت میں عہد شکنی نہ کرو

ہم تاج برطانیہ کی رعایا ہیں اور ہمارا عہد اطاعت ہے۔ اس واسطے مذہبًا ہم پر واجب ہے کہ ہمیشہ اپنے عہد پر قائم رہیں اور کبھی اُس وفاداری سے نہ ہٹیں جو ہم پر فرض کردی گئی ہے۔

دوسرے یہ کہ ہم اس سلطنت کے زیر سایہ امن وآسائش سے ہر طرح کی آزادی کے ساتھ رہتے ہیں جو خود ممالک اسلامیہ کی رعایا کو بھی حاصل نہیں۔ اس لئے ہم پر شکر نعمت واجب ہے۔

تیسرے یہ کہ ہماری تمام ترقی اور بہتری تاج برطانیہ کی استواری اور استقلال کے ساتھ وابستہ ہے۔ بس گورنمنٹ کی خیر خواہی اور اسکے استحکام کی کوشش ہے۔ ہم نے اگرچہ خود وہ زمانہ نہیں دیکھا لیکن خاندانی روایات ہیں وہ حالات ہمارے کانوں تک پہنچے ہیں جو سرکاری عملداری کے قبل تھے۔ مالگذاری کے لوٹنے پر زمینداروں کے موتھ پر مرچوں کے توبڑے چڑھا دیئے جاتے تھے اور اصطبل میں گھوڑوں کی طرح باندھ دیئے جاتے تھے۔ اب یہ سب باتیں گزشتہ واقعات ہیں اور اب ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوتی۔ ہمارا ایک معمولی کارندہ جاتا ہے اور سرکاری مالگذاری خزانہ میں داخل کردیتا ہے۔ اس لئے یہ اظہار خیر خواہی کے جلسے کوئی نمائش و نمود کے جلسے نہیں ہیں بلکہ اُن سچے اور خالص دلی جذبات کے جلسے ہیں جو ہم سب کے دل میں موجود ہیں۔ اسی بنیاد پر میں نہایت خلوص اور سچائی کے ساتھ اُس رزولیوشن کی تائید کرتا ہوں، جسکی تحریک خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خاں صاحب نے کی ہے۔

اس کے بعد یہ رزولیوشن بالاتفاق پاس ہوا۔

محمد ابو بکر خاں صاحب نے تحریک کی اور شمس الحسن خاں صاحب نے تائید کی کہ اس رزولیوشن کی ایک نقل پرائیویٹ سکرٹری ہز ایکسلنسی نواب والیسرائے بہادر کے پاس اور ایک نقل پرائیویٹ سکرٹری ہز آنر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ کے پاس بھیجی جائے اور پوری کارروائی صاحب کلکٹر بہادر ضلع علی گڈھ کے پاس۔

مولوی خلیل الرحمن صاحب رئیس بھیکن پور نے تحریک کی کہ صدر انجمن صاحب کا

شکریہ ادا کیا جاوے کہ باوجود معذور تکلیف گوارا کرکے شریک جلسہ ہوئے اور صدارت قبول کی۔ اس رزولیوشن کی تائید سلیم اللہ خاں صاحب نے کی اور بعد شکریہ صدر انجمن جلسہ برخاست ہوا۔

چیچک

مختلف حصوں آسمان کے مختلف حصوں زمین پر اثر پڑنے سے تمام امراض لاحقۂ بدن انسانی کے اسباب کے وہ بہت چھوٹے ذرّے کہ سوائے خُردبین کے بڑی سے بڑی دوربین آنکھ بھی نہیں دیکھ سکتی پیدا ہوتے ہیں اور یہ ذرات ہوا میں ملکر مختلف بیماریاں پیدا کرتے ہیں

پہلا معلم

اپنی مخلوق کا پہلا معلم خداوند تعالیٰ ہے کہ اُس نے اپنی ہر قسم کی مخلوق کو اُسکے دوست اور دشمن کا علم عطا فرمایا اور ہر قسم کی مخلوق کو اُسکے نفع ونقصان پہونچانے والی چیزوں کو بتلایا چنانچہ ہر قسم کی مخلوق اُس قدرتی تعلیم سے اپنے دوست ودشمن کو خوب جانتی اور نفع ونقصان پہنچانے والی چیزوں کو اچھی طرح پہچانتی ہے۔ ہر دو مضامین ماتحت قاعدۂ کلیہ اور پہلا معلم کچھ زیادہ محتاج وضاحت اور بیان نہیں ہیں اس واسطے اصلی مدعا کے اظہار کو ضروری سمجھکر بر سر مطلب آنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ حضرت انسان جیسے حقیقت میں کہ اشرف المخلوقات اور قدرتی کارخانے کے بڑے ہیرو ثابت ہوئے ہیں ویسے ہی نادان اور اکثر اقسام مخلوقات سے بہت باتوں میں پیچھے رہنے والے بھی ہیں۔ حفاظت خود اختیاری

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کی تعلیم قدرت نے اکثر مخلوقات کو یکساں طور پر کی ہے مگر اس سبق کے یاد کرنے میں جسقدر جس نے کوتاہی کی اُسیقدر وہ دوسروں کا محتاج ہو گیا میرے خیال میں حضرت انسان نے اشرف المخلوقات ہونیکے گھمنڈ میں اس سبق کے یاد کرنے میں ضرور کوتاہی کی کہ جو وہ آج دوسری مخلوق کا زیادہ محتاج نظر آتا ہے۔ مثلاً حیوانات عام طور پر اپنے کھانے پینے اور تندرستی بیماری میں اسقدر دوسروں کے محتاج نہیں ہیں کہ جسقدر انسان ان معاملات میں دوسروں کا دست نگر ہے حیوانات اپنی اکثر بیماریوں کا علاج آپ جانتے ہیں، بلا دریافت طبیب اور ڈاکٹر کے اپنی دوا آپ کر کے صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ مثالاً میں عرض کر سکتا ہوں کہ کتا جب اُس کے پیٹ میں درد ہوتا ہے تو وہ اس موذی مواد کو بذریعہ قے اُگل دیتا ہے اور جب اُسکو انتڑیوں کے صاف کرنیکی ضرورت ہوتی ہے تو وہ گھاس کے تنکے کھا کر مسہل لے لیتا ہے۔ علی ہذا القیاس اکثر اور حیوانات بھی ایسا کرتے ہیں کہ اگر وہ ایک دفعہ کوئی گھاس قابض چر لیویں تو دوسری دفعہ ملین اور مسہلہ کھا لیتے ہیں آنکو دوا طبیب سے دریافت کرنے اور بازار سے لانے اور گھوٹنے چھاننے کی دقت نہیں اُٹھانی پڑتی پرندے اول تو قدرتی تعلیم کے موافق دانہ یا مضر پھل کھاتے ہی نہیں اور کبھی اتفاق سے ایسا اتفاق ہو بھی جاوے تو وہ خود ہی بلا دریافت کسی دوسرے کے دوسرا دانہ یا پھل کھا کر اپنی بیماری کا آپ علاج کر لیتے ہیں بخلاف حضرت انسان کے کہ باوجود اتنے علم وفضل اور ہر قسم کی معلومات کے قیام صحت اور ازالہ امراض کی تدابیر میں کچھ زیادہ چست وچالاک نہیں پایا گیا

مختصر بیان پیدائش انسان

انسانی پودے کا بیج قدرتی طور پر مرد اور عورت کے جسم میں پیدا ہوتا ہے نر کے جسم میں نر اور مادہ کے جسم میں مادہ پودیکا۔ لیکن قدرت نے اس دانے سے پودا اُگانیکے لئے عورت کے جسم میں ایک جگہ خاص کر دی ہے۔ جب یہ دانہ نر یا مادہ پودیکا وقت مناسب پر اس

جگہ پہونچ جاویگا اور تمام قدرتی اسباب اس دانے سے پودا اُگنے کے موجود ہونگے تو اُس دانے کے اس جگہ پہونچنے کے وقت سے ایک سوتیس دن میں ایک پودا اُس حیثیت کا کہ جس حیثیت کا وہ دانہ تھا، تیار ہو جاویگا اور اس وقت قدرتی اسباب اُگانے والے اپنا کام کر چکیں گے اور اب وہ پودا صورت جسمیہ اختیار کرے گا اور اس جسم کو نشو ونما حاصل کرنیکے لئے ایک غذا کی ضرورت ہو گی۔

انسانی پودے کی غذا کے مختصر حالات

جب۔ انسانی بیج اُگنے والی جگہ میں پہونچ جاتا ہے تو اُس وقت سے قدرت عورت کے جسم کی رطوبات فضلیہ اور خون کے میلے کچیلے حصے کو ایک حوض میں جمع کرنے لگتی ہے چنانچہ مدتِ چار ماہ میں ایک بہت بڑی مقدار وہاں موجود ہو جاتی ہے غذا کی ضرورت کے وقت یہ موجودہ مقدار بذریعہ ایک نل کے اس جسم کی غذا بنکر باعث نشو ونما ہوتی ہے چار مہینے میں دن تک وہ ہی مقدار اس جسم کی خوراک ہوتی رہتی ہے اکثر نو ماہا مدت کے اختتام پر وہ مکان مکین پر تنگ ہو جاتا ہے اور کچھ اس مکین کی طبیعت کا تقاضا اُس مکان کے چھوڑنے پر اُسے مجبور کرتا ہے یہ وقت وقت ولادت کہلاتا ہے۔ یہ وقت بہت نازک ہی اگر اس وقت والدہ یا مولود سے کوئی حرکت یا سکون خلاف قانون قدرت کے سرزد ہو گیا تو ایک ضرور ندارد ہو جاتا ہے اور بعض صورتوں میں دونوں کے لالے پڑ جاتے ہیں بلکہ والدہ اور دونوں خیرباد بھی کہہ جاتے ہیں۔ اسوقت کے لئے علامات قربیہ زائدگی کے ظاہر ہونیسے کچھ احتیاط کی ضرورت ہی اور وہ یہ کہ ناف کے نیچے سے کچھ تھوڑے جسم پر تل کے تیل کی مالش کر دیجایا کرے اور بالکل قریب وقت ولادت کے آسانیکے لئے ڈیڑھ تولہ املتاس کی پھلی کا چھلکا اور دو تولہ قند سیاہ ڈیڑھ پاؤ پانی میں پکا کر جب ایک تھائی باقی رہجاوے چھان کر پلانا بہت مفید ہے۔

جسم کی پرورش کا دوسرا طریق

اگرچہ اس پودے انسانی کا نام پیٹ میں ہونے پر بھی بچہ ہی تھا۔ لیکن اب باہر آنے سے
بھی یہ پودا بچہ ہی کہلاتا ہے اور اب اندرونی غذا رسانی کا سلسلہ منقطع ہوکر منہ کے
راستے سے غذا پہونچانے کا وقت شروع ہوجاتا ہے چنانچہ وہی مقدار موجودہ حوض شکم مادر
قدرتی تغیر سے سفید شکل کا دودھ بنکر ماں کی دونوں چھاتیوں میں آجاتی ہے۔ اور بچے کے منہ
کے راستہ سے اس کے پیٹ میں جاکر جزو بدن بنکر رات دن بچے کے جسم کو بڑھاتی ہے اور یہ
طریق غذا رسانی لڑکی کے لئے دو برس اور لڑکے کے لئے ڈھائی برس تک برابر جاری رہتا ہے
مگر اب یہ دونوں طریق جسمیں بچے کا جسم ماں کی جسمانی چیزوں کو کھاکر تیار ہوتا ہے بند ہوجاتے
ہیں اور تیسرا طریقہ پرورش بیرونی دنیاوی غذاؤں کا کھل جاتا ہے یہ چنداں محتاج بیان نہیں ہے

ضروری الاظہار

جاننا چاہیئے کہ جتنا جسم بچے کا ماں کی جسمانی چیزوں کو کھاکر تیار ہوا ہے وہ نہایت کچا
اور دنیاوی مصائب کی ناقابل برداشت اور بیماریوں کی ٹکر سنبھالنے والا نہیں ہے اسواسطے
اس جسم کو لازم ہے کہ کسی وقت میں جوش کھاکر اپنی کچائی کو دور کرے چنانچہ وہ جوش
اس جسم کو آتا ہے اور اس جوش کا نام کہیں بخار، چیچک اور کہیں ماتا اور کہیں کچھ نام اور
کہیں کچھ نام ہے لیکن یہ مرحلہ طے کرنا بچے پر بہت کٹھن ہوتا ہے اسکی دشواری پوشیدہ
نہیں ہے لیکن بچے کے عوارضات میں یہ بھی ایک مرض ہے اور اس مرض میں کبھی کبھی
بہت بچے مرجاتے ہیں اور خال خال صحت یاب اندھے کانے بھی ہوجاتے ہیں اور چونکہ
بچے کی تیمارداری اور نگرانی بے حد مشکل کام ہے مرد اسکی برداشت نہیں کرتے بچے کی
تیمارداری عورتیں کرتی ہیں اور وہ بیچاریاں اول تو خلقتاً ناقص العقل پیدا ہوئی ہیں

دُوسرے اُمنیں جہل کی وبا عام ہوگئی ہے اور تیسرے تیمارداری میں رہی سہی عقل بھی جاتی رہتی ہے۔ اور ادہر کثرت تکلیف تیمارداری سے بیمار سے بدتر ہو جاتی ہیں کسی ایسے علاج یا تدبیر کی خواستگار ہوتی ہیں کہ جس سے اُن کو اور بچے کو جلد نجات ملے اب کوئی علاج یا تدبیر کبھی تو موافق پڑ جاتا ہے اور کبھی ناموافق درصورت موافقت بچہ صحت یاب ہو جاتا ہے اور درصورت ناموافقت راہی عدم ہو جاتا ہے اور چونکہ بولتا ہوا طوطا مکان کے پنجرے کو خالی چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے بے حد ماں باپ کو رنج ہوتا ہے بلکہ بعض ماں باپ کو تو یہ رنج گھُن کی طرح کھوکل بنا کر دنیاوی عیش و آرام سے محروم کر دیتا ہے۔ اس واسطے اس مرض کے متعلق کچھ حالات ضروری الاظہار سمجھکر فائدۂ عوام کے لئے ہدیہ نذر ناظرین کرکے التماس کرتا ہوں کہ تعلیم یافتہ اصحاب خود بھی اس مضمون کا مطالعہ کریں اور کم سے کم اپنی مستورات کو بھی اسکے مضمون سے آگاہ کردیں۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِی العَظِیم۔

عورتوں سے خطاب

اے میری پیاری بہنو! کیا یہ میرا خیال صحیح ہوگا کہ تم اپنی حقیقت سے واقف نہیں ہو۔ اے میری پیاری بہنو! کیا یہ میرا خیال غلط ہوگا کہ تمھاری جہالت سے انسانی نسل کو بڑا نقصان پہونچا ہے اور اگر یہی جہالت تمھارے طبقے میں باقی رہی تو انسانی نسل کا بالکل ستیاناس ہو جاویگا۔ اے میری پیاری بہنو! کیا میں تم سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم اپنے نقصان عقل کے زنگ کو علم کی صیقل سے کیوں نہیں دور کرتیں۔ اے میری پیاری بہنو! کیا میں تم سے یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ تم نے اپنے نقصان عقل دور کرنیکی کیوں نہیں کوشش کی اور بجائے زیور علم نہایت حسن افزا کے سونے چاندی کے زیورات سے حسن افزائی کیوں سمجھی۔ اس کا باعث سوائے نقصان عقل کے کہ جس کا زنگ علم کی صیقل سے دور ہو سکتا تھا اور کیا ہے۔ خیر یہ سمع خراشی اگر تم نہ سمجھو تو میں نے بیفائدہ کی لیکن اب

تمکو کام کی بات بتا دیتا ہوں یاد رکھو کہ تمھاری بڑی حقیقت ہے اور جو وصف یہ قدرت میں آدم او رحوا کے پیدا کرنے میں تھا اسکا پر تو یہ قدرت نے تمپر ڈالدیا ہے اور بقاء نسل انسان کی خود خدا کی بنائی تم متین ضرور ہو. اور جب تم کو یہاں تک معلوم ہوگیا تو اب تمکو یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ علم تربیت اطفال و حالات صحت و مرض صغرسنی تمھارے لئے کیسا ضروری ہے کیونکہ جو بچے صغرسنی میں تمھاری غلط کاریوں سے مرجاتے ہیں وہ تمھارے ہی کلیجے میں چھید کرجاتے ہیں اگرچہ تم مذہبی عقائد کی وجہ سے انکی موت کا وہ ہی وقت کہکر صبر کا پتھر سینہ پر رکھ لیتی ہو. قدرتی کارخانے میں نہ کسی کے پیدا ہونے سے زیادتی اور نہ مرجانے سے کمی ہوتی ہے. یہ کارخانہ مدت سے ایسے ہی جاری ہے اور آیندہ کو ایسے ہی جاری رہیگا ؎

قافلہ ملک عدم سے ایک آتا ہے یہاں
دوسرا ہستی سے کرجاتا سفر ہے بے گماں
ایک عرصے سے یہی ہے طور دونوں ملک کا
ایک آیا گر یہاں تو دوسرا پہونچا وہاں

تم کو چاہیئے کہ تم علم حاصل کرنے میں کوشش کرو اور ضرور کرو کم سے کم تو تمکو اتنا علم ضرور ہونا چاہیئے کہ تمھارے ملک کی زبان میں جو رسالے تربیت اطفال و حالات صحت و مرض صغرسنی وغیرہ میں دوسروں کی محتاج نہو اور اگر کہیں تمکو اتنی توفیق ہوجاوے کہ بخوبی لکھت پڑھت کرسکو تو کیا ہی کہنا ہے پھر تو تمھارے پیدایشی نقصان عقل کی بھی تلافی ہوجاوے اور جس قوم کی عورتیں پڑھی لکھی ہوں وہ دنیا کی ممتاز قوم کہی جاوے. ابمیں تم کو بچوں کے بچپن کے زمانے کیلئے ایک نہایت مفید بات بتاتا ہوں اور آیندہ تم کو مرض چیچک کی قسمیں اور اسکے متعلق تمام حالات اور احتیاط اور تدابیر بطور حفظ ماتقدم بھی بتاؤنگا۔ (باقی آیندہ)

مدینۃ الرسول

مدینۂ منورہ یا مدینۃ الرسول جس کو طیبہ بھی کہتے ہیں اور جو ہجرت سے پہلے یثرب کہلاتا تھا۔ سطح بحر سے قریباً ۶۱۹ میٹر بلند ہی اور وہ مشرق کی جانب ۳۹ درجہ اور ۵ ۵ دقیقہ کے طول پر اور خطِ اِستوائے شمال کو ۲۴ درجہ اور ۱۵ دقیقہ کے عرض پر واقع ہی موسم گرما میں اس کی حرارت ۲۸ درجہ تک پہنچ جاتی ہی اور سرما میں دن کو صفر کے اوپر ۱۰ درجہ تک اور رات کو صفر کے نیچے ۵ درجہ تک اُتر آتی ہی، سردی کے ایام میں اکثر دیکھا گیا ہی کہ صبح کے وقت پانی ظروف میں جم جاتا ہی۔

بعض لوگوں کا خیال ہی کہ لفظ یثرب مصری کلمہ اتریبس سے بگڑ کر بنا ہی اگر یہ صحیح ہی تو ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ مدینہ کو عمالقہ نے مصر سے نکلنے کے بعد بنایا اور ان کی یہودیت سے اس قول کی بھی تائید ہوتی ہی کہ حضرتِ موسیٰؑ نے فلسطین کو جاتے ہوئے ایک جماعت کو بھیجا تاکہ اس جانب کے حالات دریافت کریں جب وہ لوگ اس طرف پہنچے اور ان کو حضرت موسیٰؑ کی خبر وفات سے اطلاع حاصل ہوئی تو اُنھوں نے شہر اتریبس بنا کر اس میں اقامت اختیار کی اس قول کی بنا پر مدینہ کی آبادی سنہ ۱۶۰۰ قبل مسیح یا سنہ ۲۲۲۲ قبل ہجرت شروع ہوتی ہی، اس بنا پر ہم کہسکتے ہیں کہ اگر لفظ طیبہ قبل ہجرت مدینہ کا نام تھا تو قطعاً یہ بھی مصری لفظ ہی۔

مدینۂ منوّرہ جو ضلع کا صدر مقام ہی اب تک صوبۂ حجاز میں شامل تھا لیکن اَب مستقل کمشنری قرار دیا گیا ہی یہاں کی عنانِ حکومت دو اعلیٰ افسروں کے ہاتھ میں ہی ایک کو شیخ الحرام اور دوسرے کو محافظ (گورنر) کہتے ہیں فوجی طاقت آخر الذکر کے قبضہ میں ہی۔

قرب و جوار کے جو تعلقات مدینہ کی حکومت میں شامل ہیں ان میں۔ منبع۔ کور۔ ذومۃ الجندل ذو المرہ۔ وادی القریٰ۔ مدین۔ فدک قابل ذکر ہیں مدینہ میں شریف مکّہ کا ایک وکیل (ایجنٹ) رہتا ہی جو اہل عرب کے معاملات کی نگرانی کرتا ہی۔

مدینہ ایک وادی میں واقع ہی جو شمال سے جنوب کی طرف گئی ہی، یہاں اکثر مکانات پتھر کے ہیں جو اطراف مدینہ سے فراہم کیا گیا ہی، مکانات کی تعداد تقریباً ۲ ہزار ہی طرز تعمیر جدّہ و مکۂ معظمہ کے مکانات کے مانند ہی لیکن مکانات مختصر اور سڑکیں تنگ ہیں، خصوصاً حرم کے اطراف میں نہایت گنجان آبادی ہی حالانکہ ضرورت اس امر کی تھی کہ حرم کے گرد وسیع میدان ہوتا تاکہ شہر کی فضا صاف رہتی اور حرم تک آمد و رفت میں سہولت ہوتی، لیکن غالباً ولولہ شوق نے لوگوں کو روضۂ اطہر سے تقرب حاصل کرنے پر مجبور کیا، چونکہ مدینہ کی اکثر گلیاں تنگ ہیں اس لیے زقاق (کوچہ) کے نام سے مشہور ہیں، مثلاً زقاق البقر، زقاق الخیاطین، زقاق طلبہ اور زقاق الکبریت، زقاق مالک ابن انس الخ لیکن باین مدینہ کی گلیاں صاف ستھری ہیں۔

بازار مدینہ منورہ کا بازار باب المصری سے حرم شریف تک تقریباً ۵۰۰ میٹر کے طویل سلسلہ میں ایک تنگ راستے کے اندر واقع ہی، جہاں زمانۂ حج اور ماہ رجب میں (جو آجکل اہل عرب کے دستور کے مطابق باہمی ملاقات کا زمانہ ہی) غیر معمولی اجتماع ہوتا ہی، مدینہ منورہ کی تجارت کا مدار زیادہ تر خارجی مصنوعات پر ہی، خاصکر جاوا ہندوستان اناطولیا اور شام کا مال بکثرت آتا ہی، اونی سوتی اور ریشمی پارچہ جات، دریاں۔ قالین، عبائیں نہایت گراں قیمت پر فروخت ہوتی ہیں، لیکن باین ہمہ حجاج بطور تبرک یا روزمرہ کی ضروریات کے لحاظ سے ان چیزوں کو نہایت رغبت سے خریدتے ہیں۔ یہاں کی مقامی تجارت میں خرما ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہی کیونکہ مدینہ کے گرد و نواح میں بکثرت باغ اور نخلستان ہیں تقریباً ۰ قسم کا خرما پیدا ہوتا ہی بہترین قسم عنبری عجوہ حلبی برنی اور سکری ہی، آخر الذکر نہایت لذیذ اور شیریں ہوتا ہی، ایک اور قسم سبح ہی جو اطراف خیف میں مدینہ اور الحمراء کے درمیان پیدا ہوتا ہی۔

خرما بیچنے والے اکثر اوقات بعض اقسام خرما کے متعلق موضوع روایات و احادیث بیان کر کے عام لوگوں کو خریداری کی ترغیب دیتے ہیں، خرما ایک خاص پیمانے سے ناپ کر فروخت کیا جاتا ہی جس کا وزن ۶۰۰ درہم ہی، چاول کے لیے علٰحدہ پیمانہ ہی جس کا وزن ۳۰۰ درہم

روغن زرد رطل کے ذریعے سے فروخت ہوتا ہی جو ۱۲-اوقیہ کا ہوتا ہی اور اروب ۱۲۰-اقہ کا

کتب خانہ مدینہ منورہ میں متعدد کتب خانہ موجود ہیں جنمیں سب سے زیادہ قابل قدر شیخ الاسلام عارف حکمت کا کتب خانہ ہی جو باب جبرئیل کے قریب ایک خوش منظر مقام پر واقع ہی اور حسن انتظام و حسن ترتیب کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہی۔ کتب خانہ کے اندر گراں قیمت ایرانی قالیز کا فرش ہی، وسط صحن میں وضو کے لیے نل لگے ہوئے ہیں اس کتب خانے میں ۵۰۴۰ نادر اور بیش قیمت کتابیں موجود ہیں منجملہ ان کتابوں کے فارسی اشعار کا ایک مجموعہ ہی جو فن خطاطی کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا جا سکتا ہی، صنعت تحریر کا حیرت انگیز کمال یہ ہی کہ حروف علیحدہ سے چپاں کیے گئے ہیں بیان کیا جاتا ہی کہ اس صنعت کے ماہر جب چاہتے تھے حروف کو ناخن سے جدا کر کے دوسرے کاغذ پر چسپاں کر دیتے تھے۔

دوسرا کتب خانہ سلطان محمود کا ہی جو باب السلام میں واقع ہی، یہاں ۴۵۶۹ کتابیں ہیں یہ کتب خانہ اگرچہ زیادہ وسیع نہیں، لیکن بایں ہمہ مرتب منتظم اور خوب صورت ہی، ایک کتبخانہ سلطان عبد الحمید اول کا بھی ہی، جس میں کتابوں کی تعداد ۱۶۵۹ ہی ایک کتب خانہ بشیر آغا کا زقاق الخیاطین میں ہی یہاں ۲۰۶۳ کتابیں ہیں ایک اور کتب خانہ ہی، جہاں زیادہ تر مذہب امام مالک کی کتابیں ہیں، ان کے علاوہ اور بھی کتبخانے ہیں جن کی تفصیل غیر ضروری ہی،

اماکن متبرکہ و مزارات مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار میں بکثرت مقدس و تاریخی مقامات موجود ہیں، جن کا اجمالی تذکرہ حسب ذیل ہی۔

(۱) **مسجد قبا**۔ جو مدینہ منورہ سے ۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہی یہ سب سے پہلی مسجد ہی جو عہد اسلام میں تعمیر ہوئی جب آنحضرت صلعم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اس مسجد کو تعمیر فرمایا دوبارہ سلطان عبد الحمید اول نے اس کو از سر نو تعمیر کیا مسجد کے وسط صحن میں ایک قبہ ہی جو اس مقام پر تعمیر کیا گیا ہی آنحضرت صلعم کی ناقہ نے قیام کیا تھا۔

(۲) **مسجد حضرت حمزہؓ**۔ یہ مسجد مدینہ منورہ سے جانب شمال وادی احد میں واقع ہی۔

احد کو تاریخ اسلام میں نہایت شہرت حاصل ہی کیونکہ یہاں ۱۵۔شوال ۳ھ کو کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان مشہور معرکہ کارزار پیش آیا تھا جو مسلمانوں کے لیے ایک زبردست آزمائش کا موقع تھا۔ اس معرکہ میں آنحضرت صلعم کے عم محترم حضرت سیدنا حمزہؓ نے شہادت پائی اور جناب سرور کائنات کے دندانِ مبارک شہید ہوئے، یہاں ایک مقام قبہ السن کے نام سے مشہور ہی، عام خیال ہی کہ اس مقام پر آنحضرت کے دندانِ مبارک ساقط ہوئے تھے، اختتام جنگ پر اہل مدینہ نے ارادہ کیا کہ شہداء کو دفن کرنے کے لیے مدینہ منورہ لیجائیں لیکن آنحضرت نے منع فرمایا اور حکم دیا کہ ہر شخص اپنے مصرع (قتلگاہ) میں دفن کیا جائے اس بنا پر حضرت حمزہؓ بھی اس میدان میں دفن کیے گئے اور وہاں ایک گنبد تعمیر کیا گیا جو قبۃ المصرع کے نام سے مشہور ہی ان کی قبر کے پاس ۷۰ سے زیادہ ان جاں نثاران ملت کے مزارات ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

وادی کے اختتام پر جانب شمال جبل احد واقع ہی جو اگرچہ اس کوہستانی سلسلہ میں داخل ہی جو سرزمینِ عرب کو قطع کرتا ہوا چلا گیا ہی، لیکن بایں ہمہ وہ ایک ممتاز و جداگانہ حیثیت رکھتا ہی اس کا طول مشرق سے مغرب تک ۶ کیلو میٹر ہی۔

(۳) بقیع جسکو بقیع الغرقد بھی کہتے ہیں مسلمانوں کے نزدیک یہ مقام نہایت مقدس اور معدنِ خیر و برکت ہی کیونکہ یہاں خاندانِ رسالت کے اکثر گرانمایہ جواہر اور تقریباً دس ہزار صحابۂ کرام مدفون ہیں منجملہ اہلبیت یہاں حضرت امام زین العابدین کا مزار مبارک بھی ہی اور حضرت عباسؓ کے مقبرہ میں حضرت امام محمد باقر و امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما مدفون ہیں۔

مدینہ میں حسب ذیل مساجد ہیں۔ مسجد الرایۃ۔ مسجد الفتح۔ مسجد ذو القبلتین۔ مسجد السقیا۔ مسجد الغمامہ (جو مناخہ میں ہی) مسجد علی (جو قبا کے راستے میں واقع ہی) مسجد المائدہ (بقیع کے جانب شرق) مسجد الاحزاب (کوہ سلع کے دوسری طرف بیرون باب شامی) مسجد عروہ،

وسائل آب	اہل مدینہ زیادہ تر کنوئیں کا پانی استعمال کرتے ہیں، جو یہاں بکثرت پائے جاتے

ہیں، اور جنھیں بعض کو تاریخی اہمیت حاصل ہے مثلاً بئر الاعواف، بئر ابن مالک، بئر القویم، بئر العباسیہ، بئر صفیہ، بئر البویرہ، بئر فاطمہ، بئر عروہ، آخر الذکر دونوں کنوئیں نہایت ممتاز ہیں، زمانہ گزشتہ میں اُمرا، وسلاطین کو ان کا پانی بطور ہدیہ بھیجا جاتا تھا، بئر رومہ جسکو اوائل اسلام میں حضرت عثمان ابن عفانؓ نے خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کردیا، بیر اریس جسکو بیر خاتم بھی کہتے ہیں، کیونکہ آنحضرت صلعم کی انگوٹھی جو خلیفہ ثالث کے دست مبارک میں تھی، اس کنوئیں میں گر پڑی تھی، یہ انگوٹھی علی الترتیب حضرت عثمان تک پہنچی تھی جس سے احکام و فرامین پر مہر کرتے تھے، اور اُس پر محمد رسول اللہ منقوش تھا،

لیکن اہالی مدینہ زیادہ تر عین الزرقا نام چشمہ کے پانی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں جو مسجد قبا کے جانب غرب واقع ہے اس کا پانی نہایت شیریں ولذیذ ہے اس چشمہ کو مروان ابن الحکم نے حضرت معاویہؓ کے ایام خلافت میں جاری کیا تھا اور اس پر اوائل عہد سے آج تک سلاطین و اُمرائے اسلام کی توجہ مبذول رہی، اس چشمہ کا سلسلہ ایک دوسرے چشمہ تک منتہی ہوتا ہے۔ جو عین النبی کے نام سے مشہور ہے، اور جس کا پانی ایک مضبوط و مستحکم نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ تک جاتا ہے اور اس سے بکثرت شاخیں نکلکر حوالی مدینہ میں پھیل گئی ہیں جس کے لیے چند خزانہ آب تعمیر کیئے گئے ہیں۔ جو سطح زمین سے دس میٹر نشیب پر واقع ہیں بہشتی یہاں سے پانی بھر بھر کر شہر میں لیجاتے ہیں بعض اوقات لوگ پختہ سیڑھیوں کے ذریعے سے سر چشمہ تک چلے جاتے ہیں وہاں ٹونٹیاں ہیں جنسے گھڑے وصراحیاں بھر لیتے ہیں یہ ہی سبب ہے کہ مدینہ منورہ کا پانی نہایت صاف و پاکیزہ ہوتا ہے اس بنا پر یہاں مکہ معظمہ منیٰ اور جدہ کے مانند متعدی امراض نہیں پائے جاتے،

مذکورۂ بالا چشمہ کی تعمیر و تجدید میں اکثر اُمرا اسلام نے حصہ لیا۔ دولت عثمانیہ کے عہد اولین میں یہ چشمہ خراب ہوگیا تھا ایک زمانہ تک اہل مدینہ نہایت تکلیف اُٹھاتے رہے آخر کار سلطان سلیمان نے سنہ ۹۳۲ھ میں اسکو از سر نو تعمیر کیا لیکن جب سنہ ۹۹ھ

میں سیلاب نے اس کو پھر برباد کردیا، تو دوبارہ سلطان مُراد خاں نے اسکی درستگی پر توجہ کی اور بیر العزبائی (ایک کنواں) کو خرید کر اس کے ساتھ شامل کردیا اس کے بعد ۱۱۱۱ھ میں سلطان مصطفےٰ خان کے حکم سے، بیر العقد بھی اس میں شامل کیا گیا، بعد ازاں ۱۲۲۲ھ میں سلطان سلیم نے اس کو تعمیر کیا لیکن جب وہابیوں نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کیا تو اسکو برباد کردیا، جب یہ فتنہ فرو ہوگیا تو محمد علی پاشا خدیو مصر نے اس کی مرمت کی اور چند روز بعد سلطان عبدالحمید خاں ثانی نے از سرِ نو اس کو درست کیا۔ چنانچہ اب یہ چشمہ اہل مدینہ کے لیے نہایت منفعت بخش ثابت ہو رہا ہے۔

مدینہ منورہ کے نواح میں علاوہ عین الزرقار کے عین کہف (ایک چشمہ کا نام) ہے، جو جبل سلع کے غربی جانب واقع ہے۔ اور عین خیف جو مدینہ کے بالائی حصہ سے جاری ہوا ہے، اور عین الوادی جو حضرت حمزہؓ کی قبر کے متصل واقع ہے اور عین السلطان جس کا پانی کھاری ہے۔ اس کا رُخ قبا سے مدینہ کی طرف ہے جو نالیوں کو خس و خاشاک سے صاف کرتا ہوا مدینہ کے باغات میں جاتا ہے۔

مدینہ منورہ کے باغات مدینہ منورہ کے شمالی جانب شہر پناہ کے متصل بکثرت باغات موجود ہیں جو خاص خاص نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً حدیقۃ الداودیہ، حدیقۃ الزکی وغیرہ اندرون شہر میں بھی باغات موجود ہیں خصوصاً شہر کا شرقی حصہ زیادہ قابل اعتنا ہے اور قبا کی جانب ذوالخلیفہ وعوالی کثرتِ زراعت و باغات کے لحاظ سے ممتاز مقامات ہیں آخر الذکر فواکہ کے اعتبار سے مشہور ہیں، اور یہاں اکثر ترکاریاں و فواکہ پیدا ہوتے ہیں، مثلاً کرم کلہ، گوبی، گنندا، بھنڈی، خطمی، بیگن، کدو، لوبیا، خرفہ، پالک، کرفس، باقلا، تربوز، خربوزہ، آڑو، انار، انگور، لیمو، کیلا، کھجور، نارنگی، گیہوں، گاجر زرد،

مدینہ منورہ کے اطراف میں وادیاں بھی ہیں، بارش کے موسم میں یہ جاری ہوجاتی ہیں اور ان کا پانی باغات میں پہنچتا ہے، یہ وادیان زیادہ تر پست حصہ میں پائی جاتی ہیں بعض

اوقات جب سیلاب زیادہ آتا ہی تو یہ وادیان شہر کے لیے مضرت بخش ثابت ہوتی ہیں، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وادی مہروز میں اس بلا کا سیلاب آیا کہ مدینہ کی درو دیوار کے منہدم ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا اس خطرہ کو محسوس کرکے حضرت عثمانؓ نے مدری کے قریب دو دیواریں تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اس طرح سیلاب کا رُخ وادی بطحان کی طرف پھر گیا اور مدینہ تباہی سے محفوظ رہا، دوبارہ ۱۵۶ھ میں خلیفہ ابوجعفر منصوری کے عہد حکومت میں بکثرت سیلاب آیا خلیفہ کے حکم سے روک تھام کی گئی اور سیلاب کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا گیا اس کے بعد ۳۴۴ھ میں وادی القناۃ میں سیلاب آیا، اور شہر کا شمالی حصہ مدینہ منورہ سے جبل اُحد تک غرق ہوگیا، اور وسائل آمد رفت چھ ماہ تک منقطع رہے بعد ازاں ۱۳۳۰ھ میں بھی خوفناک سیلاب آیا، اور جبل اُحد کے قریب نصف میٹر عمق تک اس کا اثر محسوس ہوا،

آبادی اور وجہ معاش | مدینہ منورہ کی آبادی قریباً ساٹھ ہزار ہی ان میں ایک معقول تعداد ان مہاجرین کی بھی شامل ہی جو ترک وطن کرکے مدینہ منورہ آباد ہوگئے ہیں اور جو زیادہ تر ہندستانی ترکی مغربی مصری وشامی مسلمان ہیں،

منجملہ مدینہ کے مشہور خاندانوں کے اسعد کا خاندان جو سادات سے ہی، نہایت مشہور ہی، اسی طرح مغاربہ کا خاندان جو عائلہ مدنی کے نام سے مشہور ہیں، اور عائلہ السمودی جو الہصر سے ہیں۔

مدینہ منورہ کے اکثر معزز اشخاص گورنمنٹ ٹرکی یا خدیو مصر کے وظیفہ خوار ہیں، اور ایک گروہ کثیر کی معاش کا مدار حرم نبوی کی خدمت پر ہی خصوصاً موسم حج اس قسم کے محاصل کے لیے نہایت زر ریز خیال کیا جاتا ہی، اکثر اشخاص رہنما ہیں جو قابل زیارت مقامات کی سیر کرانے کا فرض ادا کرتے ہیں ان کو مُزوِّر کہتے ہیں اور یہ بعینہٖ ان خدمات کو ادا کرتے ہیں جو مکہ معظمہ میں مطوفین سے متعلق ہیں، بعض اشخاص معمولی درجہ کے تجارت پیشہ ہیں۔ اہل مصر غلہ کی تجارت کرتے ہیں جو قصیر کے راستے لایا جاتا ہی،

عادات واطوار

اہلِ مدینہ سیر و تفریح کے دلدادہ ہیں شہر کے باہر کسی باغ یا نزہت گاہ میں جاکر قدرت کے دلفریب مناظر سے خوب لطف اُٹھاتے ہیں، منگل اور جمعہ کے روز بعد نماز عصر علیحدہ علیحدہ ٹولیاں بناکر شہر کے باہر جاتے ہیں اور شام کو واپس آتے ہیں، بعض اوقات اپنے ہمراہ ناشتہ لیکر شہر کے قریب کسی باغ میں چلے جاتے ہیں اور صبح سے شام تک لطفِ صحبت اُٹھاتے ہیں۔

ایک دستور مدینۂ منورہ میں یہ بھی ہے کہ ہر شخص ستائیسویں ذی القعد کی شب کو گیہوں کی ایک خاص مقدار روضۂ منورہ پر بطور ہدیہ بھیجتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ گیہوں کو دھوکر اور پاک وصاف کرکے کپڑے کی ایک عمدہ ونفیس تھیلی میں بھر لیتے ہیں، اور حجرہ کے پاس جاکر آنحضرت صلعم کے اسم مبارک کیساتھ ندا کرتے ہیں، اور اس تھیلی کو حجرہ کے اندر رکھدیتے ہیں، روضۂ مبارکہ کے مجاور اس کو اُٹھا لیتے ہیں، اور اُمراء اور اہل دولت کو بطور تبرک ہدیہ دیتے ہیں۔

اہل مدینہ نہایت فیاض طبع شریف النفس اور مہمان نواز ہیں نووارد اور اجنبی زائرین کا نہایت خندہ پیشانی کیساتھ استقبال کرتے ہیں، اور اُن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان خاص خیال کرکے اپنے گھر لیجاتے ہیں اور نہایت خلوص ومحبت سے فرائض ضیافت ادا کرتے ہیں مہمان جبتک ان کے یہاں رہنا چاہے بے تکلف رہ سکتا ہے، اس خدمت پر وہ کسی معاوضہ کے طالب نہیں ہوتے، اور بعض اوقات ان کو جو معاوضہ دیا جاتا ہے وہ ان کی خدمات کے مقابلے میں ناکافی ہوتا ہے، گھر کی عورتیں خانہ داری کے فرائض انجام دیتی ہیں اور کثرتِ کاروبار سے مطلق نہیں گھبراتیں بلکہ نہایت مستعدی سے مصروف رہتی ہیں مہمانوں کی خاطر تواضع میں مردوں کی اعانت کرتی ہیں اور ہمیشہ صاف ستھرا لباس پہنے مصروف نظر آتی ہیں۔

مدینہ منورہ میں دستور ہے کہ جب بچے کی عمر چالیس دن کی ہو جاتی ہے تو اس کو نہلاتے ہیں اور

نہایت خوبصورت و نفیس سفید لباس پہنا کر عطر لگاتے ہیں اور روضہ منورہ پر لیجاتے ہیں خادم اُسکو حجرہ مبارک کا پردہ اُٹھا کر دعاے خیر و برکت کرتے ہیں، اس رسم کے ادا ہو جانے پر بچہ ماں کو واپس دیا جاتا ہے۔ جو اُسکو لیکر شاداں و فرحاں پلٹ آتی ہے۔

اہل مدینہ کسی میت پر نالہ و بکا نہیں کرتے بلکہ جنازہ کے ہمراہ **باب الرحمۃ** میں داخل ہو کر حجرہ شریف کے مقابل جاتے ہیں اور وہاں جنازہ رکھکر علحدہ ہو جاتے ہیں پھر نماز جنازہ ادا کرتے ہیں اور **باب جبریل** سے باہر لاکر بقیع کے مشہور قبرستان میں دفن کرتے ہیں۔

اس موقع پر تکبیر و درود پڑھتے جاتے ہیں، بعد ازاں میت کا عزیز خاص باب الرحمۃ پر رک جاتا ہے، اور میت کے اعزا و احبا یہاں آکر رسم تعزیت ادا کرتے ہیں، یہ نہایت پرانا دستور ہے، سب سے پہلے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر انکے برادر عزیز **امام حسین** علیہ السلام نے باب البقیع پر توقف فرماکر تعزیت کو قبول کیا تھا۔

مدینہ منورہ کا رمضان اہل مدینہ کی عادت ہے کہ رمضان المبارک میں مغرب سے ایک گھنٹہ قبل حرم شریف میں جاکر روضہ کے قریب جمع ہوتے ہیں اور دن کا باقی حصہ تلاوت **قران مجید** یا درود شریف کے ورد میں گذارتے ہیں، جب افطار کی توپ چلتی ہے تو ہر شخص کے یہاں سے ایک سینی آتی ہے جسمیں جلوا، پنیر، پراٹھا، خرما، روغن زیتون اور اسیطرح کی دوسری چیزیں جو افطار کے لئے مناسب ہیں آتی ہیں، اس موقع پر اکثر اوقات زائرین بھی مدعو کئے جاتے ہیں، جو کچھ بچتا ہے فقرا و مساکین پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ قریباً ۱۵ منٹ میں افطار سے فارغ ہو کر نماز مغرب ادا کرتے ہیں، اسکے بعد ہر شخص اپنے اپنے مہمانوں کو لیکر گھر جاتا ہے جہاں باہم جمع ہو کر رات کا کھانا کھاتے ہیں، کھانے کے بعد مسجد جاتے ہیں اور نماز عشا سے فارغ ہو کر تراویح میں مشغول ہو جاتے ہیں، لیکن تراویح کی ایک جماعت نہیں ہوتی، بلکہ پچاس ۵۰ یا ساٹھ ۶۰ جماعت پر منقسم ہو جاتے ہیں، ہر جماعت کیلئے علحدہ امام ہوتا ہے جس کے سامنے مختلف وضع قطع کے دو شمعدان رکھدیئے جاتے ہیں ہر شخص کو اختیار ہے خواہ کسی امام کی اقتدا کرے، کیونکہ ہر امام مختلف مقدار میں قران مجید

سناتا ہے۔

امام کے روبرو جو شمعداں رکھے جاتے ہیں ان کے متعلق عزت واحترام کے خاص خاص مراسم ادا کئے جاتے ہیں یعنی طلائی و نقرئی شمعدان روضۂ مبارک کے خزانے میں محفوظ ہیں جن کو اس موقع پر باہر نکالتے ہیں، اور تراویح کے بعد بدستور خزانے میں پہونچا دیتے ہیں، امرا، واعیان اس موقع پر خصوصیت سے مدعو کئے جاتے ہیں، جنیں سے ہر شخص نہایت فخر ومباہات سے شمعدان کو اٹھا کر اندر لیجاتا ہے اور اس عزت کو اپنے لئے باعث خیر وبرکت خیال کرتا ہے، مسجد کے متعلق جو فراش ہیں ان کا شیخ اُمراء کو مدعو کرتا ہے۔

نمازِ عید مسجد نبوی میں ادا کرتے ہیں حنفی اور شافعی امام نماز پڑھاتے ہیں۔ نماز و خطبہ سے فارغ ہو کر آنحضرت صلعم کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے ہیں، اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں اور عید کا پورا دن لطف ومسرت سے گذارتے ہیں۔

مدینۂ منورہ کے گذشتہ آثار اوائلِ اسلام میں مدینہ نہایت گلزار و پُرفضا مقام تھا نیز مادی و ادبی حیثیت سے ترقی یافتہ ومتمدن مقامات میں شمار ہوتا تھا، مدینہ میں بکثرت باغات موجود تھے جنکی وجہ سے شہر تر وتازہ وشاداب رہتا تھا خصوصًا شہر کا شمالی ومشرقی حصہ نہایت سرسبز وخوش منظر تھا،

سب سے زیادہ نظر فریب و دلکش مقام وادی عقیق تھا جسکو خوبصورت مکانات، دلچسپ مناظر، فرحت بخش آب وہوا، لطیف فواکہ، تر وتازہ پھول اور خوشگوار موسم نے نہایت ممتاز بنا رکھا تھا، یہاں کے اکثر باغات آنحضرت صلعم کی ازواج کے قبضہ وتصرف میں تھے۔

وادی عقیق کے مشہور مقامات میں سے زغابۃ حصیر خلیقہ اور جنبجانہ قابل ذکر ہیں، جو حضرت عبداللہ ابن زبیر اور اُن کی اولاد کی ملکیت میں تھے، ایک اور مقام حمران اسد تھا، جہاں اہل قریش کے مکانات تھے دوسرا خاخ جو علویوں کے قبضہ میں تھا منجملہ مشہور مقامات کے ثنیۃ الشرید، الغراء، العرس، البیداء بھی ہیں۔ یہاں شرفاء قریش کے مکانات ہیں خصوصًا

مکہ معظمہ کے مقابل جبل عیر کے دامن میں زیادہ آبادی تھی، جبل عیر کے دوسری طرف ایک مشہور مقام جمّا ہے اور اسکے مقابل مدینہ منورہ سے چار میل کے فاصلہ پر ضفیرہ کی طرف حرۃ الوبرۃ ہے، یہاں عروہ بن زبیر کا ایک محل ہے، جو قصر العقیق کے نام سے مشہور ہے اور کنواں ہے جس کو بیر عروہ کہتے ہیں۔ مذکورہ بالا قصر کے حصہ زیریں کے متصل اور جمّا کے مقابل ایک مقام ہے جس کو عرصہ کہتے ہیں یہاں سعید ابن العاص کا مشہور و معروف قصر تھا، جو اُس زمانے کے فن عمارت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا، اُس کے آثار اتبک موجود ہیں۔ سعید ابن العاص حضرت معاویہ کی طرف سے مدینہ منورہ کے عامل دگورنر تھے۔

ابو قطیفہ شاعر نے اپنے ایک شعر میں اس قصر کو ابواب جیرون (دمشق) پر فضیلت دی ہے۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ قصر کس رتبہ کا ہوگا، کیونکہ دمشق اُس زمانے میں دولت بنی اُمیہ کا دار الخلافت اور تہذیب و تمدن کا مرکز تھا، آج بھی ارض شام میں دمشق باعتبار آب وہوا اور دلفریب مناظرہ کے اپنا نظیر نہیں رکھتا، جو مسافر جنوب کی طرف سے دمشق جاتے ہیں انکو غوطہ سے گذرنا پڑتا ہے جو نہایت مشہور تاریخی مقام ہے۔ جسکو عربی شعرا جنت سے تشبیہ دیتے ہیں، اسیطرح جو مسافر مغرب کی طرف سے دمشق میں داخل ہوتے ہیں ان کو مرج ملتا ہے جو نہایت فرحت بخش سیرگاہ ہے من جملہ وادی عقیق کے مشہور ایوان وقصور کے حسب ذیل نہایت مشہور ہیں، جن کے آثار و علامات ابتک موجود ہیں، جو وادی عقیق کی گذشتہ عظمت و شوکت کا پتہ دیتے ہیں۔

قصر عاصم۔ قصر محمد بن عیسیٰ۔ قصر یزید بن عبد الملک بن المغیرہ، قصر جعفر بن سلیمان قصر آلِ ہاشم۔ قصر عنبہ بن عمرو بن عثمان بن عفان۔ قصر عنبہ بن سعید بن العاص۔ قصر عبد اللہ بن ابی بکر بن عثمان بن عفان۔ قصر خارجہ۔ قصر عبد اللہ بن عامر، قصر مروان بن الحکم۔

غالباً مدینہ میں سب سے پہلے حضرتِ عثمان بن عفان نے پختہ عمارات کی طرف توجہ کی چنانچہ انھوں نے اپنا گھر پتھر اور چونہ سے تعمیر کرایا، اور اسکے دروازہ کے لئے سال وعرعر

(سرو کوہی)، کا استعمال کیا وادی القریٰ وحنین میں حضرت عثمان کی جو جائداد تھی اسکا تخمینہ انکی وفات کے بعد ایک لاکھ دینار کیا گیا۔ حضرت عثمان کے اصحاب کی مدینۂ منورہ میں وسیع جائدادیں اور کشادہ مکانات موجود تھے، حضرت سعد بن وقاص نے وادی عقیق میں ایک پختہ و بلند مکان تعمیر کیا، جس کا صحن نہایت وسیع و کشادہ تھا، بالاخانہ پر کھڑکیاں تھیں۔ اسیطرح مقداد نے مدینۂ منورہ سے کسی قدر فاصلہ پر جو مکان تعمیر کیا وہ اندر باہر سے پختہ تھا۔

مدینۂ منورہ میں پختہ مکانات اور بلند عمارات کی تعمیر کا سلسلہ خلفائے راشدین کے بعد دولت بنی اُمیہ کے عہد میں شروع ہوا، کیونکہ جب زمام خلافت بنو امیہ کے ہاتھ آئی، تو انھوں نے سیاسی مصالح کے لحاظ سے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قریش خصوصاً مہاجرین و انصار کے معزز طبقے کو انعام و اکرام سے اپنا مرہون منت بنالیا۔ اس سے انکا مقصود یہ تھا کہ ملک کے سربر آوردہ صاحب اثر اشخاص کو اپنا ہم آہنگ بنالیں، اور دولت و ثروت کی کثرت ان کو عیش و عشرت میں مصروف کر دے تاکہ کسی کو انتظام حکومت میں مداخلت کا خیال نہ پیدا ہو، چنانچہ یہ طریقہ نہایت سودمند ثابت ہوا، دولت کی فراوانی نے آرام و راحت کے سامان مہیا کر دیئے اور لوگوں نے عادات و اطوار میں خورو نوش و لباس میں بنو اُمیہ کی تقلید شروع کر دی۔

اور خوبصورت مکانات پُر فضا باغات فرحت افزا مناظر نے مدینہ کو نہایت خوشنما نزہت گاہ بنادیا لیکن جب رفتہ رفتہ حکومت کو انحطاط ہوا، اور زمانے نے رُخ بدلا تو عیش و طرب کا یہ تمام سامان افسانہ ہوگیا۔

مدینۂ منورہ کی شہر پناہ جب عربی خلافت کے کمزور ہوجانے پر مدینہ کے امن و امان اور تمدن میں فرق آگیا اور بادیہ نشین اعراب کے پیہم حملوں نے شہر کو غیر محفوظ بنا دیا تو عضد الدولہ ابو شجاع وزیر الطائع للہ نے ۳۶۰ھ میں مدینہ کے لئے ایک شہر پناہ تعمیر کی جو زمانہ دراز تک

شہر کی حفاظت کا ذریعہ رہی ہے لیکن پانچویں صدی ہجری کے وسط میں اسکی دیواریں جا بجا سے مرمت طلب ہوگئیں۔ اس وقت فرمانروائے موصل کے وزیر جمال الدین نے از سر نو مرمت کی اسکے بعد ۵۵۸ھ میں سلطان نور الدین زنگی نے اس پر کسی قدر اضافہ کیا، بعد ازاں ملک صالح بن قلادون نے ۷۵۵ھ میں اور سلطان قائتبائی نے ۸۸۱ھ میں اور سلطان سلیم فرمانروائے ترکی نے ۹۳۹ھ میں اس شہر پناہ کی تعمیر و تجدید میں حصہ لیا۔ اسکے بعد خدیو مصر محمد علی پاشا نے اسکو تعمیر کیا اور اسمیں باب مصری کا اضافہ کیا، آخر میں سلطان عبد العزیز مرحوم نے ۱۲۸۵ھ میں اسکی تجدید کی اور اسکو ۲۵ میٹر بلند کیا، اور ۴۰ برج شہر کی حفاظت اور بیرونی حملہ کی مدافعت کے لئے تعمیر کئے، یہ شہر پناہ ابتک موجود ہے باب العنبریہ کے راستہ میں واقع ہے یہاں ذخائر جنگ کی کافی مقدار موجود ہے، ہر برج پر توپ، بندوق اور اسلحہ جنگ موجود ہیں جس سے اہل بادیہ کی روک ٹوک مقصود ہی جو ہمیشہ حرم پر حملہ کرتے رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا دیوار کے علاوہ ایک اور بیرونی دیوار ہے جو جا بجا سے مرمت طلب ہی لیکن اسکو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔

باب المصری و باب العنبریہ کے درمیان ایک بڑی وادی ہے جس کا نام مناخہ ہے اسکا عرض ۴۰۰ میٹر ہے چونکہ اکثر حجاج اپنے اونٹ یہاں بٹھاتے ہیں اس لئے اس کا نام مناخہ رکھدیا گیا۔ اسی جگہ حجاج قیام بھی کرتے ہیں مصر سے ہر سال جو محمل آتا ہے اس کا قیام بھی آخر تک مناخہ میں رہتا ہے مناخہ کے باہر بکثرت مکانات ہیں، ان میں سے جو عام شاہراہ پر ہیں وہ زیادہ خوبصورت ہیں، اب یہ شاہراہ جسپر مدینہ منورہ کا اسٹیشن واقع ہے شارع رشادی کے نام سے مشہور ہے، یہاں مصری تکیہ بھی ہے، جس کے سالانہ مصارف گورمنٹ مصر ادا کرتی ہے۔ یہاں غربا کو روزانہ شوربا تقسیم ہوتا ہے، اور ترکی فوج کی بارک ہے، ان عمارات کو خاندان خدیو کے مورث اعلیٰ ابراہیم پاشا نے تعمیر کیا تھا۔

ابواب مدینہ مدینہ منورہ میں متعدد دروازے ہیں جن کے علیٰحدہ علیٰحدہ نام ہیں۔ انکی تفصیل حسب ذیل ہے۔ الباب المجیدی، الباب الشامی، باب الکوفۃ، باب العنبریہ، باب قوبہ، باب العوالی، باب الجمعہ، ان دروازوں سے عام طور پر آمدورفت رہتی ہے، لیکن جب حجاج میں وبا پھیل جاتی ہے، تو دروازے بند کردیے جاتے ہیں، صرف باب مجیدی سے حرم تک آنے کی اجازت دیجاتی ہے، زائرین اندر داخل ہوکر زیارت کرتے ہیں، اور ایک دو روز بعد چلے جاتے ہیں، کسی قافلہ کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی، اس احتیاط کی وجہ سے مدینہ ہمیشہ متعدی امراض سے محفوظ رہتا ہے لیکن چونکہ اس موقع پر زائرین کے لئے حرم کا صرف ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اس لئے نہایت خوفناک کش مکش رہتی ہے ایک دوسرے پر گرتا ہے، ایک جماعت اندر جانا چاہتی ہے دوسری باہر آنے کے لئے جدوجہد کرتی ہے، اس اژدحام میں اکثر کمزور آدمی کچل کر مرجاتے ہیں۔

مدارس مدینہ منورہ کے مدارس چنداں قابل اعتنا نہیں ہیں اگرچہ قریبًا ۱۷ مدارس موجود ہیں۔ جن میں معمولی تعلیم دیجاتی ہے خود حرم شریف میں بعض علما حدیث، تفسیر کا درس دیتے ہیں لیکن اب اوائل ۱۳۳۲ھ میں خاص سلطان کے حکم سے مدینہ یونیورسٹی کا سنگِ بنیاد رکھا گیا ہے، اُمید ہے کہ آیندہ زمانہ میں یہ یونیورسٹی اسلامی علوم وفنون کا سرچشمہ ثابت ہوگی، یونیورسٹی کا افتتاح جس سروسامان سے ہوا اُسکی کیفیت ایک فرانسیسی اخبار کے بیان کی مطابق حسب ذیل ہے۔

مدینہ منورہ کا دار العلوم سرزمین مدینہ میں ایک یکم محرم الحرام ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۹۱۳ء کو قسطنطنیہ کے ایک مخصوص وفد نیز زائرین ومعتقدین کے ایک کثیر مجمع کے سامنے ایک مہتم بالشان دار العلوم کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اس کے لئے جو موقع تجویز ہوا ہے وہ شہر بجانب مشرق اس مقام پر واقع ہے جسے "گھوڑ دوڑ کا میدان" کہتے ہیں اور جسکی بابت روایت ہی کہ رسول اللہ صلعم اس مقام پر عربی گھوڑونکی دوڑ کراتے تھے۔

سولہ ہزار ایک (تقریباً فٹ) مربع آراضی یونیورسٹی کی ابتدائی جماعت کے لئے تجویز ہوئی ہے، علاوہ ازیں ایک باغ پیمائشی دو لاکھ چھیاسی ہزار یک مربع جو مشہور و معروف وادی عائشہ میں شہر سے بیس منٹ کی مسافت پر واقع ہے یونیورسٹی کی آمدنی کے لئے وقف کردیا گیا ہے۔ یہ بھی تجویز ہے کہ بعد ازاں اس باغ میں ایک مدرسہ فن زراعت اور دوسرا صنعت و حرفت کی تعلیم کے لئے کھولا جائے۔

فرمان سلطانی کے بموجب ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۔ اپریل ۱۹۱۳ء کو مدینہ یونیورسٹی کا افتتاح ہوا، اس درس گاہ کا نصب العین ایسے طلبا کا تیار کرنا ہے جو "اسلام کی صداقت اور اُسکی تعلیم" کی دنیا میں اشاعت کرسکیں یونیورسٹی مذکور میں حسب ضرورت متعدد سیکشن ہونگے اور ایک پرائمری و ایک سکنڈری اسکول بھی ملحق ہوگا دار العلوم کے متعلق ایک جمعیت اصلیہ ہوگی جس کا صدر دفتر قسطنطنیہ میں رہیگا اور کونسل انتظامیہ کا اجلاس مدینہ منورہ میں ہوا کریگا،

جمعیت اصلیہ زیر صدارت وزیر اوقاف دس ممبروں پر مشتمل ہوگی جمعیت کے اولین ممبر سلطانی حکم کے مطابق منتخب ہونگے بعد ازاں کسی ممبر کے استعفا دینے یا انتقال کرجانے کی صورت میں اس جگہ کے لئے اس اُمیدوار کا تقرر ہوگا جس کا انتخاب جمعیت اصلیہ کے دو تہائی ممبروں کی تائید و شاہی منظوری سے عمل میں آئے، تمام رزولیوشن کثرت رائے پر پاس ہوا کرینگے اور جمعیت موصوف یونیورسٹی کے تمام معاملات پر حاوی ہوگی۔

کونسل انتظامیہ میں حسب ذیل اشخاص شریک ہونگے۔ شیخ الحرم النبوی، گورنر مدینہ ناظم یونیورسٹی، ڈائرکٹر سکنڈری اسکول، نیز تین وہ ممبر جنکو جمعیت اصلیہ علمائے مدینہ میں سے منتخب کریگی، اور اخیر میں ایک یا متعدد پروفیسر جنکی شرکت ضروری سمجھی جائیگی، تمام رزولیوشن کثرت رائے پر پاس ہوا کرینگے۔

یونیورسٹی کا انتظام اور اندرونی نظم و نسق اس ضابطہ کے مطابق ہوگا جو خاص اس

مقصد کے لیئے مرتب کیا جائیگا جمعیت اصلیہ کا فرض ہوگا کہ یونیورسٹی کا اندرونی ضابطہ تجویز کرے نصاب تعلیم کو مرتب کرے اور اس میں ضرور ترمیمات اور تبدیلیاں کرتی رہے نیز سالانہ بجٹ کے متعلق ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے منظوری دے۔ ان وسائل کو اختیار کرے جنسے کہ پاس شدہ تجاویز اور منظور شدہ فیصلہ جات کی تکمیل ہو سکے، آمد و خرچ کی نگرانی رہے اور اس کا لحاظ رکھے کہ اخراجات کا مصرف مفید ترین ہو۔ مزید براں کونسل انتظامیہ و ناظم دا" لعلوم کے درمیان جو اختلافات رونما ہوں ان کا تصفیہ کرتی رہے۔ پروفیسروں اور ڈائرکٹروں کا تعین کرے اور حسب ضرورت ان کو برخاست کرے ضروری عہدہ داروں کو نامزد کرے اور انکو ان کے فرائض منصبی سے آگاہ کرے یونیورسٹی کو جو عطیات مرحمت ہوں انکی وصولیابی کرے اور اسکی نگرانی رہے کہ یہ رقومات دار العلوم میں صرف ہوں اور ان کا مصرف باقاعدہ ہو،

کونسل انتظامیہ کے فرائض منصبی حسب ذیل ہونگے،،

(۱) اولاً یہ کہ جمعیت اصلیہ کے فیصلہ جات کی تعمیل کرے۔

(۲) ثانیاً یہ کہ اس کا خیال رکھے کہ جمعیت مذکور کے احکام پر عملدرآمد ہوتا رہے،

(۳) ثالثاً یہ کہ یونیورسٹی کے کام کی دیکھ بھال رکھے اور تیسرے مہینہ اس مضمون کی ایک مفصل رپورٹ جمعیت اصلیہ ارسال کرتی رہے،

(۴) رابعاً یہ کہ یونیورسٹی کی ترقی و حسن انتظام کے لیے جو اصلاحات ضروری معلوم ہوں اُن کو جمعیت اصلیہ کیسامنے پیش کرتی رہے اور اس عنوان پر ناظم جو تجاویز پیش کرے اس پر بحث و مباحثہ کرتی رہے۔

(۵) خامساً یہ کہ اگر باستثنائے پروفیسران کے کسی تقرر یا برخاستگی کے معاملے میں خواہ وہ شخص یونیورسٹی میں کوئی شخصیت رکھتا ہو، ناظم سے اختلاف رائے رکھتا ہو، اور اسکے متعلق درخواست گذرے یا کوئی اعتراض کیا جائے تو کونسل انتظامیہ پر لازم ہوگا کہ اس اختلاف

منقول از رسالہ الندوہ۔ (باقی آئندہ)

اشتہار
سیاحتِ سلطانی
ہر ہائنس علیاحضرت بیگم صاحبہ بھوپال کا سفرنامہ یورپ جسمیں دربار تاجپوشی حضور ملک معظم کی کیفیت اور ممالک یورپ کی ونیز بعض اسلامی ممالک مثلاً قسطنطنیہ و مصر وغیرہ کی حالت جہاں جہاں ہر ہائی نس تشریف لیگئیں نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیگئی ہے۔ اسکی مصنفہ ہر ہائنس علیاحضرت کی چھوٹی دلھن شاہ بانو صاحبہ بیگم نواب زادہ حاجی حمید اللہ خاں صاحب ہیں جو اس سفر میں علیاحضرت کے ہمراہ تھیں اور جنھوں نے ازراہ ہمدردی نسواں و تعلیمی ترقی کی حمایت کے اس کا حق تصنیف مع مصارف طبع علی گڈھ کے زنانہ مدرسہ کو عطا فرمادیا ہے۔
لکھائی چھپائی نہایت عمدہ کاغذ نفیس ولایتی اور کتاب مجلد ہے قیمت (۸عہ)
ملنے کا پتہ۔ دفتر خاتون علی گڈھ
خیالاتِ عزیز
مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم کے علمی، ادبی، تاریخی، تمدنی اور سیاسی مضامین کا مجموعہ حجم ۰۰۲ صفحہ قیمت (ع)
ملنے کا پتہ۔ دفتر خاتون علی گڈھ
علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ
یہ اخبار علیگڈھ کالج کا ارگن ہے، کالج کے حالات اور قومی معاملات پر اس میں اعلی درجہ کے مضامین نکلتے ہیں۔ قیمت . . . . . . (للعہ) سالانہ۔
ملنے کا پتہ۔ مینجر صاحب انسٹیٹیوٹ گزٹ علیگڈھ۔

(رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱)

خاتون

جلد (۱۰) بابت ماہ ستمبر اکتوبر سنہ ۱۹۱۴ء نمبر (۱۰۹)

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں

فہرست مضامین

باہتمام عنایت خاں صاحب

مطبوعہ ریاض ہند پریس علی گڈھ

(شیخ عبد اللہ بی اے چیئر)

نادم علی گڈھی

خاتون

۱- یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڑہ سے ہر ماہ میں شایع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت (روپے) ششماہی عصہ ہی۔

۲- [illegible] کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں [illegible] مذاق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کی [illegible] سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت [illegible] نقصانات ہورہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

۴- [illegible] اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا [illegible] سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات [illegible] کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہاں تک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اس کو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷- تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑہ ہونی چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سچی خوشی

فی زمانہ بہت کم نصیب ہے۔

وہ گھر ہرگز خوش نہیں جس میں لاکھوں کا گہنہ کپڑا برتن بھانڈا نوکر چاکر سب کچھ ہیں، مگر نر اور مادہ جوتے ہوئے بیل جن کو دوسری دنیا کے مقام تک اپنی ہستی کی گاڑی کو گھسیٹنا ہے ایک دوسرے کو سینگ مار کر چل رہے ہیں۔

میری معزز ناظرین جو ذکور ہوں یا اناث مجھے معاف کریں اگر میں کہوں کہ ہم میں سے اگر اکثر نہیں تو بہت سے ایسے ہیں جن کو اگرچہ خدا نے دنیوی آرام کے سب سامان دیئے مگر اُن کے شریک رنج کے ساتھ اُن کو سچی خوشی حاصل نہیں (اگرچہ اپنے دوستوں میں اس واقعہ کے خلاف لاف زنی ہی کیوں نہ کرتے ہوں)

اس کا سبب کیا ہے؟ صرف کشیدگی کے اصلی اسباب پر غور نہیں کیا۔ اور اگر غور بھی
کیا تو میاں نے اسقدر کہ "بدتمیز کو دن بھر کے تھکے ماندے کی ذرا آرام کا خیال نہیں۔ جب
دیکھو منہ سوجھا ہوا ہے۔ اور بیگم صاحبہ نے اسقدر کہ "گھر میں جب گھسینگے حکومت کرتے ہوئے
جیسے انکی زرخرید لونڈی تو ہیں سارے دن کمبخت گھر کے دھندوں سے چھٹی نہیں۔ بچے
الگ جان کو لیے لیتے ہیں۔ اُس پر حکم یہ کہ منہ دھونے کو گرم پانی بھی نہیں۔ صابن میلا کیوں
ہے۔ تولیہ میں بو آتی ہے۔ بیٹھنے کا ٹھکانا نہیں۔ جدا ہیں صابن کے بکس لادیے تھے تولیہ کو
تو آج مہینہ بھر سے جھینک رہی ہوں کمبخت غفور کے ہاں سے منگائی اُس نگوڑے مارے کے
ہاں بھی ایک ہی درجن نکلے۔ بھلا کہو تو ماشاء اللہ بچوں کے گھر میں ہر وقت فرش کیسے اُجلا
رہے۔ پانی کے نیچے تو آگ سارے ہی دن سُلگا کرتی ہے اب اگر کسی وقت پانی گرم نہ رہا ہو
[illegible]ں۔

[illegible]یسی ہی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوا کرتی ہیں جو ہرے بھرے گھر کو سچی خوشی سے
[illegible]م رکھتی ہیں۔

اگر سچی خوشی کے متمنی دونوں اپنی دوسرے کی حالت کو غور کریں اور ذرا دوسری کی
خوشی اور آرام کا خیال کریں تو یہ بدمزگی دور ہو جاوے۔

قدرت نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا ہے زندگی کی منازل عقبیٰ کی
خوش کن اُمید کے ساتھ جب ہی طے ہو سکتی ہیں جب یہ دونوں دنیا کے بوجھ کو بانٹتے ہوئے
چلتے رہیں اپنے آرام [illegible] یعنی دوسرے پر اپنا بار ڈالنے کی تدابیر اعتدال کو کھو دیگی اور
ضرور دونوں زندگی کا راستہ تو طے کرینگے مگر بے چینی اور کلفت کے ساتھ عورت اگر یہ ذہن
نشین کرے کہ مرد کو مجھ سے زیادہ وسیع دنیا سے ہر روز سابقہ پڑتا ہے جن کے مزاج، عادتیں
طریقے نہ صرف مختلف ہی ہیں بلکہ ایسے بھی جو میرے مرد کی نگاہوں میں نفرت کے قابل ہیں
اُنسے وہ میرا اور اپنے بچوں کا اپنا اپنے گھر اور اپنے تعلقات کا گذرا اور معاش پیدا کرنے کے

واسطے اپنی عقل اور فکر اور محنت کو کام میں لاکر روپیہ پیدا کرتا ہے۔ اُسکو اپنے سے اعلیٰ اپنے سے ادنیٰ سب کو دنیا (اور دین) حاصل کرنے کے لیے اپنی طبیعت کے خلاف راضی رکھنا ہی ہوتا ہے۔ دن بھر کی ان مصیبتوں کے بعد وہ پریشان اور پژمردہ آتا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں اُس کی اُس تکان کو بھلا دوں، اُس کے تھکے دماغ کو خوش کن اور خوش وقت بیٹھی باتوں سے تازہ کروں۔ وقت اور موسم کے لحاظ سے جو ضروری باتیں ہوں اُنکی تکمیل کر رکھوں اور خندہ پیشانی سے خیر مقدم کروں۔

مرد کو لازم ہے کہ اگر کوئی بات اُسکی طبیعت کے خلاف یا اُس کی آرام طلب طبیعت کو سکون دہ ندمیسر ہو تو سمجھے کہ یہ اُسکی عمداً فروگذاشت نہیں یا تو اُس کو سارے دن اُن جاہلوں سے مغز مارتے گذرا ہے جو اُنسے بھی زیادہ بیوقوف ہیں جنسے وہ خود پریشان رہا ہے یا کمی تعلیم کا سبب ہے جس کے واسطے اُس ہی جیسے دوسرے قصوروار ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسکی معلومات بھی چار دیواری کے اندر کی ہے یا اُنسے حاصل کی ہے جنھوں نے ایسے ہی [illegible] میں رہ کر کچھ شُد بُد حاصل کرلی ہے۔

اس وقت تک مرد تعلیم اور تجربے میں عام طور پر عورتوں سے زیادہ ہیں۔ پھر ہمارا ہی فرض ہے کہ ہم اپنے علم اور تجربے سے اُنکو بھی ایسے ہی بہرہ ور کریں جیسے مدرسے کا استاد اپنے شاگردوں کو۔

یقین ہے کہ اگر ہماری بہنیں اور بھائی ایسے خیالات کو ذہن نشین کرلینگے تو وہ اُس سچی خوشی کو حاصل کرینگے جواب اُنسے دور ہے۔ آخر میں یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ اگر مذکورہ بالا طریقے سے خوشی نہیں نصیب ہوتی اور وہ سچی خوشی کے اُمیدوار اور متمنی ہیں تو اگر اپنے شریک کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں بنا سکتے تو خود ہی اُنکی مرضی کے موافق ہو جاویں (یہ آجکل کے نئی روشنی والوں کا فخر ہے) اور اُسی ہی رویہ سے کام لیں جو دن رات اپنے دنیوی معاملات میں بہتیروں سے اپنی غرض کے واسطے کیا کرتے ہیں تاکہ یہ روزمرہ کی بدمزہ

اور تلخ زندگی کے قصہ ختم ہوں اور سچی خوشی کی (اگرچہ یہ بالکل سچی خوشی نہیں کہی جاسکتی) کی زندگی بسر کرسکیں۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو اگرچہ تنگ دست ہیں، جفاکش ہیں محنت اور سختی سے دن کی روٹی کماتے ہیں۔ مگر جب گھر میں آتے ہیں تو اُنکا اور اُن کے متعلقین کا دل ایک دوسرے کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے اور ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اسکو کسی طرح آرام ملے۔ اور یہ ٹکڑہ جو زیادہ مزہ کا ہے اسکو کسی طرح پھونچے۔ اگر ہمارے بھائی اور بہنیں چاہیں تو وہ بھی یہ سچی خوشی زندگی جاوید حاصل کرسکتے ہیں۔

راقم

محمد بشیر مرزا دھلوی از کلکتہ

ایک ہندوستانی مصوّر

اس گئے گذرے زمانے میں بھی ہندوستان میں ایسے سپوت موجود ہیں جن پر یہ سرزمین جسقدر فخر کرے بجا ہے۔ ایک نوجوان مصوّر نے اپنی نادر تصاویر کی بدولت یورپ میں سنسنی پیدا کردی ہے۔ مسٹر فیض رحمن بچپن میں بمبئی اسکول آف آرٹس میں داخل ہوئے اور بمصداق ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ اپنے زمانۂ تعلیم میں جسقدر بھی وظائف اور انعامات تھے سب حاصل کیے۔ لیکن چونکہ اس غیر معمولی ذہانت کے طالب علم کے لئے بمبئی میں کوئی موزوں اُستاد نہ تھا وہ یورپ میں جاکر سلیڈ اسکول میں داخل ہوئے۔ یہاں چند ہی دنوں میں اُنھوں نے خاکہ کشی میں غیر معمولی استعداد پیدا کرلی۔ رائل ایکاڈمی اسکول میں داخل ہونے کے بعد مسٹر فیض رحمن کو اپنی قابلیتوں کے اظہار کا پورا پورا موقع ہاتھ لگا۔ اس مشہور تعلیم گاہ فنون

لطیفہ نے مختلف وظیفوں اور انعاموں سے انکی حوصلہ افزائی کی اور سب کو خیال ہوا کہ یہ لڑکا کسی زمانہ میں اپنے فن کا اُستاد ثابت ہوگا۔

طالب علمی ہی کے زمانے میں انکی تصویریں رائل ایکاڈمی میں نمایاں کی گئیں اور یہ نمائش ہر طرح سے کامیاب رہی۔ آپ بہت تھوڑے عرصہ میں فارغ التحصیل ہو کر اپنے وطن مالوف کو روانہ ہو گئے۔

ہندوستان میں اپنے زمانہ قیام میں جو چار یا پانچ برس تک رہا مسٹر رحمن نے کانگواڑے خاندان کے سب ارکین اور بہت سے اور شہزادوں کی تصویریں بنائی اور مہاراجہ کانگواڑے کے دربار میں بطور ایک مشیر فنونِ لطیفہ اور ذاتی دوست کے رہنے لگے۔

سنہ ۱۹۱۲ء میں انکی شادی بیگم عطیہ فیضی سے جو شاہندہ کے نام سے مضمون نگاری کیا کرتی تھیں ہوئی اور اسی سال میاں بیوی ولایت روانہ ہو گئے۔ تھوڑے دن ہوئے کہ اُنھوں نے اپنی ہندوستانی تصویروں کی نمائش گیلری جارجس پیٹیت جو پیرس میں واقع ہے کی تھی ان تصویروں کا بہت چرچا ہوا۔

مسٹر فیضی رحمن کا تخیل نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ ہے اور وہ اپنے خیالات کو نہایت صنعت سے نفیس رنگ آمیزی میں ظاہر کرتے ہیں۔ انکی ہندوستانی بیگمات کی تصاویر میں وہ مشرقی رنگینی جلوہ گر ہے جو اس ملک اور اسکی چیزوں کا متمیز نشان ہے۔

انکی تصویروں کے شاندار مجموعے میوزک سیریز کے متعلق۔ ایلگزینڈر آرسین۔ اور ہنری فرانٹز جیسے بڑے بڑے نقادان فن نے نہایت اعلیٰ رائوں کا اظہار کیا ہے۔ یہ تصویریں واقعی مصور کے نازک اور شاعرانہ تخیل کا شاندار نتیجہ ہیں۔ انکے دیکھنے سے ہندوستان قدیم کی ایک عجیب اور دلفریب جھلک نظر آتی ہے۔ یہ نادر مجموعہ تصاویر سیاہ و سفید رنگوں میں شاہندہ خانم کی دلچسپ کتاب "انڈین میوزک" میں شامل ہے جو مسرز تھیکر سپنک اینڈ کمپنی کلکتہ یا بمبئی ہی ؏؎ میں ملسکتی ہے۔

مسٹر فیض رحمن اور انکی بیگم صاحبہ کے دوران قیام پیرس میں موخرالذکر کو ساربان یونیورسٹی میں ہندوستانی موسیقی پر لکچر دینے کی انوکھی عزت حاصل ہوئی تھی۔ حاضرین میں فرانس کے معزز اور چیدہ پروفیسر، مصور اور ادیب موجود تھے۔ سب نے لکچر کو بہت پسند کیا اور بیگم صاحبہ موصوف سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے لکچر میڈم نیواڈا کے ہاں دہرائیں۔ یہ وہ مشہور گانیوالی ہیں جنکا نام موسیقی دنیا میں، آپیرا لکمی، کے سبب جو خاص ان کے لئے لکھا گیا تھا ہمیشہ کے لئے زندہ رہیگا۔ یہاں بھی تعلیم یافتہ اور اہل فن اصحاب کا مجمع تھا جنھوں نے اپنی خوش فہمی اور قدرشناسی کا داد دیکر اظہار کیا۔

مسٹر رحمن سے جو حال ہی میں لندن میں اپنی تصویروں کی نمائش کر رہے تھے، اب درخواست کی گئی ہے کہ وہ اپنی صنعت کے نمونے مانچسٹر اور لورپول کی گیلریز میں دکھائیں اسکے علاوہ جرمنی کے مشہور اہل فن ہر رشیٹر نے بھی انھیں ڈرسڈن اور جرمنی اور آسٹریا کی بڑی بڑی تصویر گاہوں میں اپنی تصاویر نمایاں کرنے کے لئے مدعو کیا ہے۔ یہ ایک ایسی عزت ہے جو بہت کم کسی مصور کو اسکی زندگی میں حاصل ہوتی ہے اور جب ہم مسٹر رحمن کی نوعمری پر نگہ کرتے ہیں تو یہ اعزاز اور بھی وقیع اور غیر معمولی نبجاتا ہے۔

راقم
"الف"

مدینۃ الرسول

(گزشتہ سے پیوستہ)

کی علت غائی کی تفتیش کرنے اور اسباب اختلاف کے دفعیہ کی کوشش کرے۔ کونسل انتظامیہ کی وہ تجاویز جن کو جمعیت اصلیہ میں پیش کرنے کی تاریخ سے تین ماہ کی میعاد منقضی ہو جاوے

اور کوئی فیصلہ انکی نسبت نہ کیا گیا ہو لیکن اسکی اطلاع کونسل انتظامی کو نہ دیگئی ہو پاس شدہ تصور کی جائینگی۔

پروفیسران یونیورسٹی کو اس خاص مضمون یا علم میں جسکی تعلیم انکے ذمہ ہوگی تجربہ حاصل ہوگا۔ اور وہ ان تمام صفات سے متصف ہونگے جن کا ہونا یونیورسٹی کے مقصد و منتہائے خیال کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔

جمعیت اصلیہ بہت جلد طلبا کے داخلہ کے متعلق قواعد مرتب کرنے والی ہے۔ کہ یونیورسٹی کی عطا کردہ اسناد وہی قدر و قیمت رکھیں گے جو قلمروے عثمانیہ میں دوسرے مدارس یا کالجوں کی اسناد کو تناسب مدارج حاصل ہے تعلیم زبان عربی میں ہوگی، یونیورسٹی کی آمدنی میں ماسوا اس آمدنی کے جو بصیغہ عطیات جائداد وغیرہ ہوگی، وزیر اوقاف کا سالانہ عطیہ بمقدار دس لاکھ پیاسٹر (ایک لاکھ ۳۵ ہزار روپیہ) کے شامل ہوگا۔

جمعیت اصلیہ آنریری ممبران و نیز ان اشخاص کے تقرر کی مجاز ہوگی جن سے کہ یونیورسٹی کے نشو و نما میں مدد ملنے کی اُمید ہو۔

گورنمنٹ عثمانیہ نے مختصراً ۸۰ ہزار ترکی پونڈ (دس لاکھ ۸۰ ہزار روپیہ) یونیورسٹی کے افتتاحی اخراجات کی کفالت کے لئے مرحمت فرمائے ہیں۔ آخیر میں اس درس گاہ کے بانی اسلام کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہوگا۔

جمعیت اصلیہ قسطنطنیہ کے ممبروں میں ہمکو ہندوستان کے دو مسلمانوں کے نام نظر آتے ہیں ایک تو مسٹر ظفر علی خاں اڈیٹر اخبار زمیندار دوسرے ڈاکٹر مختار احمد انصاری جنھوں نے مسلمانان ہندوستان کے اس طبی مشن میں کام کیا تھا جو بزمانہ جنگ بلقان چیالجہ بھی گئے تھے۔ اس کے ماسوا تیس ممبروں کی ایک کمیٹی اس غرض سے منتخب ہوئی ہے کہ مختلف اسلامی ممالک میں مدینہ یونیورسٹی کے لئے چندہ جمع کرے کمیٹی مذکور عرب۔ مراکش۔ الجزائری افغانی۔ روسی۔ ہندوستانی۔ کردستانی۔ و ترک باشندوں پر مشتمل ہے، یہ ممبران مختلف

اقوام حجاج میں سے منتخب کئے گئے ہیں جو رسم افتتاح کے موقع پر موجود تھے تاکہ یہ حضرات واپسی وطن پر اپنے اپنے ملک میں ایسی سب کمیٹیوں کا تقرر کرینگے۔ جو اس اسلامی کام کے لئے چندہ فراہم کرائینگی۔

شیخ عبدالعزیز شاویش جو سابق میں اخبار اللوار، کے چیف اڈیٹر تھے، اور جو مصری جماعت احرار کے شیرازہ اتحاد کے منتشر ہو جانے پر (جس کے ممتد کرنے میں شیخ موصوف نے بہت کچھ کوشش کی تھی) استنبول چلے آئے تھے، مدینہ یونیورسٹی کے بانی ہونے کے مستحق ہیں۔

انجمن اتحاد ترقی کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد جس کے شیخ موصوف پُرجوش موید ہیں انھوں نے یونینیسٹ جماعت کو اس کا یقین دلایا کہ وسط حجاز میں مسلمانوں اور عربوں کے واسطے ایک عظیم الشان تعلیمی درس گاہ کی بنیاد بالعموم تمام دنیا کے مسلمانوں خصوصاً عربوں کی ہمدردی کو نوجوان ترکوں کے ساتھ وابستہ کرنے میں مدد دیگی، مدینہ روانہ ہونے سے قبل شیخ موصوف سے خلیفۃ المسلین نے خاص طور پر ملاقات فرمائی۔

حمام | مدینہ منورہ میں دو ترکی حمام ہیں ایک سلطان سلیمان قانونی کا جو شہر کے اندر واقع ہے، دوسرا مناخہ میں۔

تکیہ یا رباط | یہاں ۲ لنگر خانے بھی ہیں ایک حکومت مصر کی طرف سے ہے جسکو تکیہ مصریہ کہتے ہیں۔ لیکن اکثر لنگر خانوں کی آمدنی نہایت قلیل ہے جو مصارف کے لئے کافی نہیں ہوتی

اخبار | ۱۹۱۰ئہ میں یہاں سے ایک اخبار بھی ترکی اور عربی زبان میں شائع ہوتا تھا جس کا نام المدینۃ المنورہ تھا۔

صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ کی جدید تعلیمی پالیسی

مسلمانوں کے تعلیمی حقوق و فوائد کی خاص نگہداشت

کانفرنس کی ستائیس سالہ مسلسل مساعی کے نیک نتائج

الحمد للہ کہ کانفرنس کی ستائیس برس کی کوشش کے نتیجے ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ جن ضرورتوں پر کانفرنس برسوں سے توجہ دلاتی رہی تھی، بالآخر وہ قابل توجہ سمجھی گئیں اور ہمیں نہایت خوشی ہے کہ سب سے اول صوبجات ہذا کی گورنمنٹ نے ان معروضات کو شرف قبول بخشا۔ اور ہز آنر سر جیمس مسٹن بالقابہ کی گورنمنٹ نے اپنے ۲۵ اگست ۱۹۱۴ء کے رزولیوشن کے لئے مسلمانوں کی دائمی شکرگذاری حاصل کی، جس کے لحاظ سے ہز آنر کا عہد مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ہمیشہ یادگار رہے گا۔

تفصیل اجمال

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے اول گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنی تعلیمی پالیسی پر ایک تبصرہ کرنے اور اپنی جدید پالیسی کے اظہار کے لئے ایک رزولیوشن ۲۱ فروری ۱۹۱۳ء کو شائع کیا۔ اس کے ایک فقرہ میں مسلمانوں کی خاص ضروریات کو تسلیم کیا؛ اور پھر ۳۔ اپریل ۱۹۱۳ء کو ایک مفصل رزولیوشن خاص مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق شائع کیا۔ اس رزولیوشن میں اصولاً بہت سی وہ باتیں تسلیم کرائی گئیں جن کو کانفرنس ایک مدت سے پیش کر رہی تھی اس رزولیوشن کی متابعت میں مختلف صوبجات کی گورنمنٹوں نے مختلف ذرائع سے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کے معلوم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان صوبجات کی گورنمنٹ نے ایک

کمیٹی سربرآوردہ مسلمانوں کی اگست ۱۹۱۳ء میں قائم کی جس نے مسلمانوں کے ہر قسم کی تعلیم کے متعلق مفصل رائے جون ۱۹۱۴ء میں پیش کی۔ ۱۳ فروری کے عام رزولیوشن کی بہترین تکمیل کے لئے بھی گورنمنٹ نے ایک مشترک کمیٹی اگست ۱۹۱۳ء میں قائم کی اور اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۳ء کو پیش کردی۔ اس کمیٹی کے غور کے لئے کانفرنس نے خاص اہتمام سے جولائی ۱۹۱۳ء میں ٹیچرز کانفرنس کے ہمراہ دیگر معزز و باخبر مسلمانوں کو شریک کر کے ایک مفصل یادداشت ابتدائی تعلیم کے متعلق مرتب کر کے پیش کی۔ یہ یادداشت مسلمانوں کے عام خیال پر حاوی تھی۔ افسوس ہے کہ کمیٹی نے اس پر اُس درجہ لحاظ نہیں کیا جسکی یہ مستحق تھی لیکن شکر ہے کہ گورنمنٹ نے اس پر پوری توجہ فرمائی اور مسلمانوں کے ایسے مطالبات جو وہ جائز طور پر اپنی ترقی تعلیم ابتدائی کی نسبت رکھتے ہیں، تسلیم فرمائیے۔ ان مراعات کے لیے مسلمان گورنمنٹ کے جس حد تک بھی شکرگذار ہوں بجا ہے۔ اس رزولیوشن نے مسلمانوں کی ترقی تعلیم کے لئے آیندہ دروازہ کھولدیا ہے۔ اب یہ کام خود مسلمانوں کا ہے کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔

گورنمنٹ صوبہ جات متحدہ کا یہ رزولیوشن عام پرائمری تعلیم کے حق میں نہایت مفید ہے اور ہنر آنر کی یہ خواہش ہے کہ اس وقت پرائمری اسکولوں میں طلبہ کی تعداد (جو چار لاکھ سے کم ہے) وہ بڑھکر آٹھ لاکھ تک ہو جاوے، اور اس کے لئے گورنمنٹ کی خواہش ہے کہ خود گورنمنٹ ڈسٹرکٹ بورڈ اور تمام ہی خواہان تعلیم متفقہ کوشش کریں۔

میں اس وقت رزولیوشن کے تمام مراتب پر بحث نہیں کرنا چاہتا، بلکہ صرف اُن امور کو پیش کرتا ہوں جن کا اثر مسلمانوں کی تعلیم پر پڑتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ نے مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق جو پالیسی اختیار کی ہے اور ان کے حقوق پر جو لحاظ کیا ہے وہ کہاں تک اُن معروضات کا نتیجہ ہے جو کانفرنس نے وقتاً فوقتاً گورنمنٹ میں پیش کئے ہیں (اس مضمون میں ترتیب وہی ہوگی جو گورنمنٹ رزولیوشن میں ہے)

کانفرنس نے جن مختلف مسائل پر گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے وہ بالاختصار امسال کی رپورٹ کانفرنس میں درج کیے گئے ہیں۔ یہاں مجملاً اُن امور کا ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ گورنمنٹ کے احکام کا کانفرنس کے معروضات سے مقابلہ کرنے میں آسانی ہو۔

چند دشواریاں

سب سے اہم دشواری جو مسلمانوں کی راہ میں حائل تھی وہ مسلمان مدرسوں کا صیغہ تعلیم میں کم ہونا تھا۔ اسکی نسبت کانفرنس نے ۱۹۰۷ء میں یہ رزولیوشن پاس کیا کہ:۔

,,چونکہ سرشتۂ تعلیم میں مسلمان عہدہ داروں کے ہونے سے مسلمانوں کو اپنے بچوں کے لئے سرکاری مدارس میں تعلیم دلانے کی زیادہ رغبت ہوگی، اس لئے گورنمنٹ سے درخواست کی جاوے کہ صوبہ کے سرشتہ تعلیم میں مسلمان عہدہ داروں کی تعداد بڑھائے۔۔۔''

یہ رزولیوشن کراچی میں دسمبر ۱۹۰۷ء میں پاس ہوا تھا۔ کانفرنس اس کے بعد سے برابر اس اہم مسئلہ پر گورنمنٹ کو توجہ دلاتی رہی۔ رزولیوشن زیر بحث میں گورنمنٹ نے اس ضرورت کو تسلیم کرلیا ہے (اور صاف طور پر یہ حکم دیا ہے) کہ جو مدارس خاص مسلمانوں کے لئے قائم کئے جائیں اُن میں مسلمان ہی مدرس مقرر کئے جائیں۔ اسی طرح کانفرنس نے ۱۹۱۲ء و ۱۹۱۳ء میں گورنمنٹ سے یہ درخواست کی تھی کہ ہر صوبہ میں ایک سپیشل انسپکٹر مسلمانوں کی تعلیم کی نگرانی کے لئے مقرر کیا جاوے۔ اسے بھی گورنمنٹ نے نہایت فراخدلی سے منظور فرمایا ہے۔ تیسری درخواست کانفرنس کی یہ تھی کہ سرشتہ تعلیم میں مسلمانوں کے تناسب کے لحاظ سے مدرسین کی ایک تعداد مقرر کردی جائے۔ اس کو اگرچہ گورنمنٹ نے اس حیثیت سے کہ خاص تناسب مقرر ہو جائے، منظور نہیں کیا ہے، مگر عام طور پر مسلمان مدرسین کی کمی کو محسوس کرکے اسکے رفع کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

خاص نصاب

دوسرا مسئلہ خاص مسلمانوں کے نصاب کے متعلق ہے۔ کانفرنس آج سے نہیں بلکہ ۱۸۹۹ء

سے اس طرف گورنمنٹ کو توجہ دلا رہی ہے اور اگرچہ پوری کامیابی کانفرنس کے حسب منشا ہر جگہ نہیں ہوئی، مگر کم و بیش اس کا اثر ہوتا رہا اور مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ کچھ نہ کچھ ضرور کیا گیا۔ لیکن اب موجودہ رزولیوشن سے ابتدائی تعلیم میں مسلمانوں کی ضرورت ایک بڑی حد تک پوری ہوتی ہے۔ عام مدارس کے کورس میں گورنمنٹ نے علی گڈہ کمیٹی کا پورا خیال کیا ہے۔ اور مکاتب کے اجرائے مسلمانوں کی مخصوص تعلیمی ضروریات کو مہیا کرنے کا انتظام فرما دیا ہے۔

مسلمان طلبا کا داخلہ

تیسرا اہم مرحلہ مسلمان طلبہ کا ان کے تناسب سے مدارس میں داخل کیا جانا تھا۔ اسپر کانفرنس نے بہت اصرار کے ساتھ بار بار توجہ دلائی تھی، مگر ہنوز اس پر ہمدردانہ توجہ نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب اس رزولیوشن کے ذریعہ سے گورنمنٹ نے ایک حد تک اس کا تدارک کر دیا ہے، کیونکہ علاوہ بورڈ اسکولوں کے مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہے۔ کہ جس جگہ بیس مسلمان طالب علم ہوں وہاں ایک مدرسہ خاص مسلمانوں کے لئے قائم کیا جائے۔ ماسوا اسکے عام اسکولوں میں مسلمانوں کے لئے داخلہ میں جو رکاوٹیں درپیش تھیں (اور علی گڈہ کمیٹی نے ان کی طرف توجہ دلائی تھی) انھیں بھی گورنمنٹ نے حتی المقدور رفع کر دینے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

وظائف

اسی طرح وظائف کے معاملہ میں بھی گورنمنٹ نے صاف یہ حکم دیدیا ہے کہ مسلمانوں کو ان کے تناسب کے اعتبار سے وظیفہ دیا جاوے۔

اس اختصار کے بعد ہم تفصیل کے ساتھ اس رزولیوشن کی مراعات درج کرتے ہیں۔

مدارس ابتدائی کا نظام اور انکی جائے قیام

علی گڈہ کمیٹی نے خصوصیت سے اس امر پر زور دیا تھا کہ ابتدائی تعلیم کے جو دو حصے کئے گئے ہیں (یعنی "اعلیٰ" و "ادنیٰ") یہ تفریق مناسب نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حصہ ادنیٰ کو بجائے خود ایک مستقل حصہ سمجھکر اکثر طالب علم اپنی تعلیم یہیں ختم کر دیتے ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہے کہ وہ جو کچھ پڑھتے ہیں تھوڑے ہی زمانہ میں بھول جاتے ہیں اور اس طرح وقت محنت اور روپیہ برباد ہوتا ہے۔ اس لئے کمیٹی مذکور نے یہ قرار دیا کہ "لوئر پرائمری کے درجے تک پڑھا کر ان کو پرائمری اسکول قرار دیا جائے" اس پر گورنمنٹ نے یہ حکم دیا ہے کہ "آیندہ انتظامی اغراض کے لئے ان صوبجات میں لوئر پرائمری کا درجہ متروک سمجھا جائے۔ نظام تعلیمی کا پہلا زینہ پرائمری اسکول ہونگے۔ دوسرے اسکولوں (یعنی وہ اسکول جو صرف درجہ دوم تک تعلیم دیتے ہوں) انکی غرض یہ ہوگی کہ وہ ان پرائمری اسکولوں کے لئے لڑکوں کو تیار کریں اور صرف ایسے ہی لوئر پرائمری اسکول کھولے جائیں یا جاری رکھے جائیں جو اس غرض کو پورا کریں"

زمانۂ تعلیم

زمانۂ تعلیم کے متعلق علی گڈہ کمیٹی کی رائے تھی کہ "ابجد خوانی کی تعلیم کا زمانہ بجائے دو برس کے ایک برس ہونا چاہئے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک جماعت کا کورس چھ ماہ میں ختم ہو سکتا ہے" گورنمنٹ بھی اس اصول کو تسلیم کرتی ہے اور اس کا خیال ہے کہ "جسقدر جلد طلباء درجے (الف) و (ب) کو ختم کر دینگے اسیقدر زیادہ امید ہے کہ وہ پرائمری کورس کے آخر تک سلسلہ تعلیم جاری رکھینگے۔ اور انکے بزرگ تعلیم کی قدر تسلیم کرنے پر زیادہ آمادہ ہونگے۔

مدرسوں کے اردو نہ جاننے کی شکایت

مسلمانوں کی ایک عام شکایت یہ بھی تھی کہ ابتدائی مدارس کے اکثر مدرسین اردو نہیں جانتے

اور اس وجہ سے مسلمان طلبہ کا رجحان اسکولوں کی طرف نہیں ہوتا۔ اس بارہ میں علی گڈھ کمیٹی کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

"کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ مدرسین کا زیادہ حصہ جو نارمل اسکولوں سے نکلتا ہے وہ مڈل اسکولوں میں اُردو کافی نہیں حاصل کرتا؛ اور اس لئے یہ سفارش کی جاتی ہے کہ ورنیکیولر مڈل اسکولوں میں ایک خاص معلم زبان کا ہونا چاہئیے جسے اُردو میں کافی مہارت ہو۔ اور کسی قدر فارسی بھی جانتا ہو"

گورنمنٹ نے اس مشکل کا حل اس طرح کر دیا کہ:۔ "جن اسکولوں میں صرف ایک معلم ہو اُسے اُردو و ہندی دونوں سے واقف ہونا چاہئے۔ جہاں ایک سے زیادہ معلم ہوں اُن میں ایک کامل طور پر ہندی پڑھائے۔ اور دوسرا اُردو پڑھانے کے قابل ہونا چاہئیے"

مدارس ابتدائی کے معلمین کا انتظام اور تنخواہ

مدرسین کی قابلیت کے متعلق کمیٹی کی رائے تھی کہ "موجودہ طریقہ میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ معلمین ناقابل ہیں۔ اور اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ اُن میں کافی استعداد علمی نہیں ہوتی۔ صرف ورنیکولر فائنیل کے امتحان پاس کر لینے سے اُن کو ضروری علم حاصل نہیں ہوتا، البتہ دو سال تک نارمل اسکول میں ٹرننگ پانے سے یہ کمی پوری ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ عمدہ اور بہتر معلم بننے کے لئے ان کو درس دینے کے طریقوں کو سیکھنے کی اسقدر ضرورت نہیں ہے جسقدر اور زیادہ ایسے مفید علم کے حاصل کرنے کی ہے جس کے متعلق اُنسے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو عطا کرینگے" اور اس پر مفصل بحث کرنے کے بعد رزولیوشن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ "سرکار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بطور امتحان کے موجودہ نظام میں خلل ڈالے بغیر ایک خاص درجہ مڈل کے مراحل میں قائم کر دیا جائے۔ اس طرح درجہ ششم تک تعلیم کی حالت بلند ہو جائیگی اور معیار میں مناسب ترقی ہو جائیگی"

معلمین کی تنخواہوں کی نسبت علی گڈھ کمیٹی نے جو مدارج قرار دیئے وہ یہ تھے کہ:-

(۱) کسی ورنیکولر پرائمری اسکول میں کسی معلم کی تنخواہ بارہ روپیہ ماہوار سے کم نہ ہونا چاہیئے۔

(۲) ورنیکولر پرائمری مدارس میں ایک ٹرینڈ استاد کی تنخواہ کم ازکم پندرہ روپیہ ماہوار ہو۔

(۳) ان معلمین کی تنخواہیں جنکی عمروں کے اپر پرائمری مدارس میں بسر ہونگی توقع ہوتی ہے کہ ۳۰ روپیہ ماہوار تک ہونا چاہیئے اور جو اساتذہ ماڈل اسکول میں اپنی عمر صرف کرینگے ان کی تنخواہ پچاس روپیہ ماہوار تک ہونا چاہیئے۔ اگرچہ گورنمنٹ نے اس رائے کو تمام منظور نہیں کیا تاہم اس کے مناسب ہونے کی طرف ان الفاظ اشارہ کیا ہے کہ اگر مالی حدود اجازت دیتے تو بڑا آزمندی کے ساتھ قبول کرتے۔ بہرحال اس وقت گورنمنٹ نے یہ حکم دیا ہے کہ بورڈ کو چاہیئے کہ جسقدر جلد ممکن ہو دیہاتی مدارس میں ٹرینڈ ٹیچروں کی تنخواہیں حسب ذیل کردیں۔ اور شہری اسکولوں میں اس سے کسی قدر زیادہ بہ تناسب ہو:-

ہیڈ ماسٹران پرائمری اسکول	۳۰	فی صد	۱۴	روپیے ماہوار
	۴۰	"	۱۶	"
	۲۰	"	۱۸	"
	۱۰	"	۲۰	"

مددگاران پرائمری اسکول ومعلمین برانچ اسکول	۴۰	فی صد	۱۰	روپیے ماہوار
	۵۰	"	۱۲	"
	۱۰	"	۱۴	"

معلمین کی قدر افزائی کے متعلق بھی علی گڈھ کمیٹی نے خیال دلایا تھا۔ اور منجملہ دیگر امور کے اس نے یہ رائے دی تھی کہ:-

(۱) افسران تعلیم کو ہدایت کی جائے کہ وہ اساتذہ مدارس کے ساتھ اخلاق اور عزت کا برتاؤ کریں اور سررشتہ کے حکام معائنہ کو اساتذہ کے درجہ اور رتبہ کا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے اور انکے

شاگردوں کی موجودگی میں مناسب عزت کے ساتھ اُن سے برتاؤ کرنا چاہیے، مثلاً ان کو کرسی دینا اور خلق کے ساتھ اُن سے بات چیت کرنا"

گورنمنٹ نے بھی اسے تسلیم کر کے یہ قرار دیا کہ:-

"علی گڈھ کمیٹی کی اس رائے سے ہنر آنر کو اتفاق ہے کہ تمام حکام پرائمری اسکولوں کے مدرسین کے ساتھ اخلاق اور مناسب لحاظ کا برتاؤ کریں، خاصکر اُن کے طلبہ کے روبرو"

شاگرد استادوں کے وظائف

ٹریننگ کلاسوں اور نارمل اسکولوں میں جو وظائف دیئے جاتے ہیں ان کے متعلق علی گڈھ کمیٹی نے یہ سفارش کی تھی کہ:-

"نارمل اسکولوں میں وظیفہ کی مقدار سات روپیہ سے دس روپیہ ماہانہ تک بڑھائی جائے نیز ٹریننگ کلاسوں میں غیر معلم پیشہ لوگوں کے لئے ۵ روپے سے ۸ روپے اور اُن اساتذہ کے لئے جو ٹریننگ کلاسوں میں بھیجے جاویں ۶ روپیہ سے ۹ روپیہ تک توسیع کی جاوے"

گورنمنٹ نے طلبا و مدرسین کی تفریق کو موقوف کر دیا اور ۶ روپے ماہوار تک ٹریننگ کلاسوں میں اور آٹھ روپے ماہوار تک نارمل اسکولوں میں وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس اضافہ سے بھی کچھ نہ کچھ فائدہ کی اُمید ہے۔

نصاب تعلیم مدارس ابتدائی

نصاب کے متعلق سخت اختلافات ہیں، ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ تعلیم میں تمام عملی ضروریات کو شامل کر دیا جائے۔ دوسرا گروہ اس کے خلاف ہے۔ وہ اسے لڑکوں کی طاقت سے باہر سمجھتا ہے اس پر ہنر آنر نے بہت ہی موزوں ارشاد فرمایا ہے کہ، جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ابتدائی جماعت کے طلبہ کو تمام مفید علم و عمل سکھلا دیں وہ خصوصیت سے اپنے زمانہ طالب علمی کو بھولے ہوئے ہیں

علی گڈھ کمیٹی نے نہایت معتدل روش اس بارے میں اختیار کی تھی اور گورنمنٹ نے بھی قریب قریب یہی حکم دیا ہے۔ کمیٹی کی رائے تھی کہ :-

(الف) پرائمری مدارس کے طلبا کو سائینٹفک مضامین کی تعلیم دینے کے لئے نہ قابل اساتذہ اس وقت موجود ہیں اور نہ قریب زمانہ میں اُن کے دستیاب ہونے کی اُمید ہے۔ ناقابل اساتذہ کے ذریعہ سے سائینٹفک تعلیم کا دیا جانا نہ صرف بیکار بلکہ نہایت خطرناک ہے۔

(ب) طلبہ کے پاس وقت اس قدر محدود ہے کہ ایک حوصلہ مندانہ پروگرام کو پورا کرنے کی جدوجہد میں وہ نوشت وخواند کی لیاقت وقابلیت کو بھی اپنے اسکول کے بعد کی زندگی میں کافی طور سے محفوظ رکھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ گورنمنٹ رزولیوشن کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

"ہز آنر کو یقین ہے کہ ریڈروں میں اگر زراعت، صفائی، اعتدال وغیرہ کے متعلق اسباق شامل کئے جائیں تو اگرچہ اُن سے نقصان نہیں ہے مگر فائدہ بھی برائے نام ہی ہے۔" اور جملہ حالات پر لحاظ کر کے ہز آنر اس امر کو ترجیح دیتے ہیں کہ ایسے اسباق شامل کئے جائیں جو طالب علموں کی دلچسپی کا باعث ہوں۔ صفائی وغیرہ کی نسبت گورنمنٹ کا خیال ہے (اور نہایت بجا خیال ہے) کہ یہ چیزیں کتابی اسباق سے نہیں بلکہ خود معلمین کے طرز عمل سے سکھلانے کی ہیں۔ مضامین انتخاب کے متعلق گورنمنٹ ایک بڑی حد تک علی گڈھ کمیٹی کے ہم خیال ہے۔ البتہ خاص زبان کے معاملہ میں گورنمنٹ نے گو علی گڈھ کمیٹی سے کلیتہً اختلاف نہیں کیا ہے مگر اُس نے ایک ایسی درمیانی روش اختیار کی ہے جس کی نسبت بلا تجربہ کے کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ لوکل کمیٹی کی یہ رائے تھی کہ تیسرے اور چوتھے درجہ کی ریڈروں میں چھ چھ اسباق خالص اُردو یا ہندی کے شامل کرلئے جائیں اور علی گڈھ کمیٹی کی رائے یہ تھی کہ کل ریڈر ایک ہی زبان میں ہونے چاہیئے۔ البتہ تیسرے اور چوتھے درجوں میں ہر طالب علم کو دونوں حرفوں میں (یعنی دیوناگری اور فارسی) میں کتابیں پڑھائی جائیں اور ڈرائنگ بطور ایک زائد مضمون اختیاری کے صرف اُن اسکولوں میں جاری کیا جائے جن میں قابل ڈرائنگ ماسٹر موجود ہوں۔ ہز آنر نے یہ

یہ تجویز فرمایا ہے کہ:-

(۱) پرائمری ریڈروں میں عام یعنی ہندوستانی زبان بخط فارسی یا ناگری استعمال کی جاوے تاآنکہ اس زبان میں تعلیم کے لئے کچھ باقی نہ رہے۔

(۲) جب اس عام زبان میں تعلیم کامروانہ رہے اس وقت طلبہ اُردو یا ہندی اپنے بزرگوں کی خواہش کے موافق سیکھنا شروع کریں۔ گورنمنٹ کی اس تجویز کا منشا یہ ہے کہ علم زبان کی تعلیم درجہ ہائے اوّل و دوم میں دی جائے اور درجہ سوم وچہارم میں عام زبان کی تعلیم ہو۔ مگر ایک ضمنی ریڈر خاص اُردو یا ہندی کی بڑہا دی جاوے۔

مذہبی تعلیم

تعلیم مذہب کے متعلق علی گڈہ کمیٹی کی یہ رائے تھی کہ مذہبی تعلیم بھی ابتدائی مدارس میں دیجاوے مگر گورنمنٹ خیال یہ ہے کہ اسقدر ابتدائی حالت میں کتابی تعلیم مذہب کی مشکل او بے سود ہے اخلاقی تعلیم کی نسبت گورنمنٹ کا خیال ہے کہ بلا مذہبی تعلیم کے محض غیر مفید ہے اور اخلاق کا سبقاً سبقاً پڑہانا ہمارے نزدیک عبث ہے۔ ان تمام حالات کو ملحوظ رکھکر گورنمنٹ نے اپنی یہ پالیسی ظاہر کردی ہے کہ وہ کسی قسم کے مذہبی تعلیم کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لے سکتی۔ مگر گورنمنٹ اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ جہاں ممکن ہو اسکول کی عمارت کا ایک خاص حصہ مذہبی تعلیم کے لئے استعمال کیا جائے۔ تعلیم کا طریقہ یہ ہو کہ:-

(۱) مدرس کے تقرر و تنخواہ کی ذمہ دار اسکول کمیٹی ہو یا باجازت اسکول کمیٹی لڑکوں کے بزرگوں کی کمیٹی یا کمیٹیاں اسکی ذمہ دار ہوں۔

(۲) اسکول کے مقررہ مدرسین اس تعلیم میں کوئی حصہ نہ لیں۔

(۳) اس تعلیم کے لئے کسی طالب علم پر حاضری لازمی نہ ہو جبتک کہ اس کے بزرگوں کی خواہش نہ ہو۔

(۴) تعلیم اسکول کے مقررہ اوقات سے خارج ہو۔

(۵) تعلیم اس طرح ہو کہ بقیہ طلبہ اور قرب وجوار کے لڑکوں کی تکلیف کا باعث نہ ہو۔

ان شرایط کے باوجود وہ مقصود حاصل ہو سکتا ہے جس کے لئے مسلمان مدت سے کوشاں ہیں۔

خاص فرقوں کی تعلیم

علی گڈھ کمیٹی نے خصوصیت سے اس معاملہ میں چند دقتیں دکھائی تھیں جن کی وجہ سے مسلمان طلبہ عام مدارس میں کم داخل ہوتے ہیں۔ وہ شکایتیں یہ تھیں کہ:۔

(۱) بوجہ اس عدم ہمدردی کے جو زبان اُردو کے ساتھ اساتذہ کو ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ پرائمری مدارس میں مسلمان طلبہ کو بعض اوقات مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی تعلیم ناگری حروف میں شروع کریں۔

(۲) ہندو لڑکوں کی طرح مسلمان لڑکوں سے ہاتھ باندھ کر بجائے سلام کے بدلے "رام جی کی" کہلوایا جاتا ہے۔

(۳) مسلمان لڑکوں سے بجائے "بسم اللہ" کے اُن کی تختیوں کے سرے پر "اوم" لکھوایا جاتا ہے۔

(۴) مسلمان لڑکوں کو بعض اوقات پچھلی صفوں میں اس بنا پر بٹھلایا جاتا ہے کہ بوجہ گوشت خوری کے اُن کے منہ صاف نہیں ہوتے۔ گورنمنٹ نے اُن کے متعلق یہ خاص ہدایت کی ہے۔ کہ خاص توجہ رکھنا چاہیئے کہ مسلمان طلبا کے ساتھ وہ باتیں روا نہ رکھی جائیں جن کا ذکر علی گڈھ کمیٹی نے اپنی رپورٹ کے فقرہ نمبر ۱۲ میں کیا ہے اور معائنہ کنندگان کو اچھی طرح یہ سمجھا دینا چاہیئے کہ جو ڈپٹی انسپکٹر اس قسم کے برتاؤ کو جائز رکھے گا وہ اپنے عہدہ کے ناقابل سمجھا جائیگا۔

مسلمانوں کے لئے خاص مدارس

اس کے علاوہ گورنمنٹ نے بڑی حق نوازی مسلمانوں پر یہ کی ہے کہ ان کے لئے خاص اسکولوں کے اجرا کا حکم دیا ہے۔ رزولیوشن کے اس حصہ کا پورا ترجمہ درج ذیل ہے۔

ابتدائی تعلیم کی توسیع کے لئے جس تجویز کا خاکہ اس رزولیوشن میں دیا گیا ہے اس میں مسلمانوں کے اغراض کی حفاظت کے لئے متعدد احتیاطیں رکھی گئی ہیں۔ زمرہ معلمین و معائنہ کنندگان میں مسلمانوں کے مناسب شمول کے لئے آسانیاں پیدا کی گئی ہیں۔ بورڈ سے یہ خواہش کی گئی ہے کہ جن اسکولوں میں ہندوؤں کا غلبہ ہو ان میں مسلمان طلبہ کے بے روک داخلہ اور ان کے ساتھ مناسب برتاؤ پر زور دیں۔ یہ بھی قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ تمام بورڈ اسکولوں میں فارسی خط اور اُردو کی ضمنی ریڈروں کی عمدہ تعلیم کا بندوبست ہو اس طالب علم کے لئے کیا جائے جو اسکی خواہش کرے۔ مگر یہ تدابیر بجائے خود اس خاص ترغیب و تحریص کا کام نہیں دے سکیں جن کی مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کے واسطے مسلمہ طور پر ضرورت ہے۔ گورنمنٹ کے سابقہ وعدوں اور ابتدائی تعلیم میں مسلمان طلبہ کے مسلسل تنزل (جو کم از کم ۱۹۱۲ء تک جاری رہا ہے) اُس کے لحاظ سے مزید انتظامات کی ضرورت ہے۔ ۱۸۸۳ء و ۱۸۸۲ء کی ایجوکیشن کمیشن نے خاص مسلمانوں کے حق میں جو سفارشات کی تھیں ان کی بنا پر اس صوبہ کی تعلیمی پالیسی میں کوئی بدیہی تغیر نہیں کیا گیا اور محض مردم شماری کی بنا پر یہ رائے قائم کر لی گئی کہ اسکولوں اور کالجوں میں مسلمان طلبا اپنی مناسبت سے کافی حصہ نہیں رکھتے۔ اعلیٰ تعلیم میں اب بھی یہ حالت قائم ہے، مگر ابتدائی تعلیم میں کسی نہ کسی وجہ سے مسلمانوں کی رفتار ہندوؤں کے مقابلہ میں سست رہی ہے اور مولوی کرامت حسین کی کمیٹی نے ایسے اعداد پیش کئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گزشتہ اٹھارہ برس میں مدارس ابتدائی کے طلبہ کی تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں میں تنزل عظیم واقع ہو رہا ہے۔ اس تنزل کے سبب پر غور کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ سبب جو کچھ بھی ہو گورنمنٹ کا یہ فرض ہے کہ اپنی طاقت سے پھر اس تنزل کے روکنے کی کوشش کرے۔ اس لئے ہز آنر نے اس منزل کی جانب بطور اول قدم کے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ جس قصبہ یا گاؤں میں مسلمان والدین کم از کم تیس طلبہ کی حاضری کی ذمہ داری

کریں تو (بلا لحاظ اس کے کہ وہاں سابق سے کوئی پرائمری اسکول ہے یا نہیں) ڈسٹرکٹ بورڈ ایک اسلامیہ اسکول جاری کریگا اور اُن میں ایک لائق مسلمان مدرس مقرر کریگا۔ یہ اسکول محض عارضی حیثیت سے جاری کیا جائیگا اور اس کا قیام ذمہ داری کرنے والوں اور مدرس کی اس کوشش پر منحصر ہوگا کہ وہ لڑکوں کی تعداد کو قائم رکھیں اور اسکو ترقی دیں۔ ابتداءً بنظر سہولت اس کا درجہ کسی ایسے پرائمری اسکول کی شاخ کی حیثیت کا ہوگا جو قریب تر واقع ہو۔ کوشش یہ ہونا چاہیے کہ جسقدر جلد ممکن ہو اسکو خود ایک پرائمری اسکول کے درجہ پر پہنچا دیا جاوے اور اسکے تمام مدرسین مسلمان ہوں۔ نصاب معمولی پڑھایا جاویگا۔ اور تعلیم کلیتہً اُردو میں ہوگی اور عمارت مدرسہ میں تعلیم مذہبی کے لئے اوقات مقررہ سے خارج مناسب آسانیاں رکھی جاویں گی۔ جس حالت میں کہ کل خرچ پبلک فنڈ سے دیا جاوے حضور سر جیمس میسٹن کی رائے میں یہ حد نہایت مناسب ہے۔ لیکن اگر مسلمان اپنی مخصوص قومی تعلیم اس حد سے زیادہ دینا چاہتے ہیں تو اس کا مناسب طریقہ یہ ہوگا کہ وہ ایک مکتب جاری کریں اور اس کو معمولی قواعد کے موافق گرانٹ ان ایڈ کا مستحق بنائیں۔ ان اسلامیہ اسکولوں میں جو فیس لگائی جائیگی وہ مابعد رزولیوشن میں مقرر کی جائیگی۔ اُمید ہے کہ ان مدارس کے اجرا سے ایک نہایت فراخ ذریعہ پیدا ہو جائیگا کہ مسلمان پبلک اپنے ہم قوموں میں صحیح تعلیم کی اشاعت میں گورنمنٹ کے ساتھ شریک ہوسکیں۔

تعطیلوں کا مسئلہ

اس ضمن میں یہ ظاہر کردینا ضروری ہے کہ عام طور پر یہ شکایت تھی کہ مسلمانوں کی تعطیلیں کم ہوتی ہیں اور ہندوؤں کی تعطیلیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ علی گڈہ کمیٹی نے بالفاظ ذیل گورنمنٹ کو اس جانب توجہ دلائی تھی۔

"ایجوکیشن کوڈ کی دفعہ نمبر ۲۲۲ میں مسلمانوں کے تیوہاروں کے متعلق تعطیلات کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں کمیٹی حسب ذیل ترمیمات اور ایزادات کئے جانے کی سفارش کرتی ہے۔

(الف) عیدالفطر کی تعطیلات بجائے دو دن کے تین دن تک بڑھا دی جائیں۔ یہ صورت اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ رویت ہلال غیر متیقن ہوتی ہے۔

(ب) عیدالضحیٰ کی تعطیلات میں دو دن سے تین دن تک کی توسیع کی جاوے۔ نہم ذی الحجہ (یوم عرفہ) مسلمانوں میں نہایت متبرک دن ہوتا ہے۔ یہ وہ دن ہے جس میں مناسک حج ادا کئے جاتے ہیں۔ اور قربانی کا حکم ۱۲ ذی الحجہ تک ہے۔ اس لئے تعطیلات کم از کم نہم، دہم اور یازدہم تک ہونا چاہییں۔

(ج) محرم کی تعطیلات میں بھی چار دن سے پانچ دن تک توسیع ہونا چاہیے۔ موجودہ حالت میں ساتویں سے دسویں تک اسکول بند رہتے ہیں۔ مسلمانوں سے یہ توقع نہیں ہوسکتی کہ وہ یوم عاشورہ (یعنی دسویں محرم) کو مکانات سے رخصت ہوکر سفر اختیار کرینگے۔ اور اس لئے مسلمان اساتذہ اور طلبہ کو گیارہویں محرم کو اسکول کی حاضری میں سخت مشکلات اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(د) ماہ صفر کے آخری چہارشنبہ کے ایک دن کی تعطیل کا اور اضافہ ہونا چاہیے۔

گورنمنٹ نے تمام تعطیلوں کے معاملات پر توجہ کرنے کی بورڈ کو صلاح دی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ "اس نظر ثانی میں یہ ممکن ہوگا کہ ہندوؤں کی تعطیلیں کسی قدر کم کردی جائیں اور مسلمانوں کی تعطیلیں کسی قدر بڑھا دی جائیں۔

اسلامی مکاتب

خاص اسلامی مدارس کے اجرا سے زیادہ احسان کا کام گورنمنٹ نے یہ کیا ہے کہ اسلامی مکاتب کا انتظام بجنسہ اسی طریق پر منظور فرمایا ہے جسکی علی گڈھ کمیٹی اور کانفرنس نے خواہش کی تھی۔ ذیل میں کمیٹی کی تحریر کانفرنس کے رزولیوشن اور گورنمنٹ کے احکام درج کیے جاتے ہیں:-

(الف) تحریر کمیٹی:-

(۱) قرآن شریف کی تعلیم کے مدرسے وہ مدارس ہیں جہاں صرف قرآن شریف کی تعلیم ہوتی ہی۔ بچوں کو قرآن شریف بلا فہم مطلب کے پڑھایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے عام عقیدے کے مطابق یہ مدارس مذہبی نکتہ خیال سے اہمیت رکھتے ہیں، لیکن دنیاوی تعلیم کے نکتہ خیال سے ان کو تعلیمی درسگاہیں نہیں سمجھا جا سکتا۔ جو بچے اس قسم کے مدارس میں پڑھتے ہیں ان کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صحیح معنوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ کمیٹی کافی وجہ نہیں دیکھتی کہ اس قسم کے مدارس کو امداد دیئے جانے کی سفارش کرے۔ البتہ کمیٹی یہ سفارش کرتی ہی کہ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کی رپورٹ میں اُن مدارس کی تعداد جن میں صرف قرآن شریف ہی کی تعلیم ہوتی ہے اور اُن طلبہ کی تعداد جو اس قسم کے مدارس میں پڑھتے ہیں، جداگانہ طور سے ظاہر کی جایا کرے، اور اُن اعداد میں جن سے پرائمری تعلیم میں مسلمانوں کی فی صد تعداد دکھلائی جاتی ہے، ان کو شامل نہ کیا جایا کرے۔ مسلمانوں کے ساتھ یہ انصاف نہیں ہی کہ قرآن مجید کی تعلیم دینے والے مدارس کے اعداد کو بھی پرائمری تعلیم کے عام اعداد میں شامل کر کے مسلمانوں کے مدارس اور طلبہ کی زیادہ فی صد تعداد دکھلائی جاوے۔

(۲) لفظ "مکتب" سے ایسے مدارس مراد لینے چاہئیں جہاں علاوہ قرآن کے مندرجہ ذیل مضامین میں سے ایک یا ایک سے زیادہ مضامین کی تعلیم ہوتی ہو:-

(الف) اُردو۔

(ب) خوشخطی۔

(ج) حساب۔

(د) فارسی۔

(۳) لفظ "مدرسہ" سے ترقی یافتہ مکتب مراد ہے۔ ان میں فارسی، عربی اور بسا اوقات دینیات بشمول منطق، فلسفہ (ذہنی اور اخلاقی) کی اعلیٰ تعلیم ہوتی ہے اور بعض حالتوں میں تاریخ جغرافیہ

جبر مقابلہ، اقلیدس اور علم ہیئت بھی سکھلائے جاتے ہیں۔ ان مدارس میں ابتدائی جماعتیں بھی جو مکتب کے نام سے موسوم ہوتی ہیں، ملحق ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کی ایک تعداد کثیر اپنی ابتدائی تعلیم مکتب میں شروع کرتی ہے اور کمیٹی کی رائے میں ابتدائی تعلیم کو مسلمانوں میں مقبول کرنیکے لئے یہ امر لازمی ولابدی ہے کہ مکاتب کی توسیع تعداد اور اصلاح کے متعلق خاص توجہ منعطف کرے۔ مکاتب کی اصلاح کے لئے کمیٹی حسب ذیل تدابیر تجویز کرتی ہے:۔

(الف) ہر ضلع میں مکتب کمیٹیاں جن میں مسلمان ممبر ہوں، قائم کی جاویں۔ ایک مسلمان ڈپٹی کلکٹر بطور سکرٹری کے کام کرے۔ مکتب کمیٹی کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ ایسے مکاتب جن میں منظور شدہ نصاب تعلیم جس حد تک ممکن ہو پڑھایا جاتا ہے۔ قصبہ کے ہر محلہ میں یا ہر اُس گاؤں میں جہاں مسلمانوں کی آبادی کافی موجود ہو قائم کی جاویں۔

(ب) فی الحال مکاتب کے معائنہ کے لئے ایک مسلمان افسر معائنہ کا جو سب ڈپٹی انسپکٹر کے ہم رتبہ ہو، ہر ڈویژن میں تقرر کیا جاوے یہ افسران معائنہ اسپیشل محمڈن انسپکٹر کی ماتحتی میں جس کا تذکرہ باب دہم کے فقرہ نمبر ۔ میں ہے کام کرینگے۔

(ج) ایک پراونشل مکتب کمیٹی (جسمیں گیارہ ممبروں سے زیادہ نہوں، ڈائرکٹر صاحب سررشتۂ تعلیم زیر صدارت اسپیشل محمڈن انسپکٹر (جن کا ذکر دفعہ (ب) میں کیا جاچکا ہے) قائم کریں اور اس کمیٹی کو نصاب تعلیم کی تمام ترتبدیلیوں اور دوسری تفصیلات انتظامی کی اطلاع دی جایا کرے۔

(د) ان مکاتب کے اساتذہ کی ٹرننگ کے متعلق صوبہ مشرقی بنگالہ کے "میانجی سکول" کے طرز پر نارمل اسکول قائم کئے جاویں جو "مولوی اسکول" کے نام سے موسوم ہوں۔

(ہ) ان مکاتب کے نصاب کا مسودہ یادداشت ہذا کے ساتھ بطور ضمیمہ کے منسلک ہے۔ یہ نصاب اس طریقہ پر مرتب کیا گیا ہے کہ ایک طالب علم درجہ ہفتم کو پاس کرکے، جو ان مکاتب کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، ایک ماڈل اسکول کے درجہ پنجم میں شامل ہو سکے اور مکتب کا پانچواں درجہ

پاس کر کے ایک ٹاؤن اسکول یا انگلش اسکول کے درجہ سوئم میں داخل ہوسکے۔

(د) ان مکاتب کو فیاضانہ امداد شرح ذیل کے اعتبار سے دی جاوے۔

(۱) جن مکتبوں میں مجوزہ نصاب تعلیم کے مطابق درجہ ہشتم تک تعلیم ہوتی ہے۔ اُن کو آٹھ آنہ فی طالب کے حساب سے امداد دی جاوے۔

(۲) جن مکتبوں میں قران شریف، اُردو اور حساب اور خوشخطی کی تعلیم ہوتی ہے اُن کو چار آنہ فی طالب علم کے حساب سے امداد پانے کا حق ہو۔

(۳) جن مکتبوں میں قران شریف، اُردو اور خوشخطی کی تعلیم ہوتی ہے اُن کو چار آنے فی طالب علم کے حساب سے امداد پانے کا حق ہو۔

(ب) رزولیوشن کانفرنس ۱۹۱۳ء

"مکتب سسٹم کو ترقی دینے کے لئے اس کانفرنس کی رائے میں حسب ذیل تجاویز پر عمل کرنا چاہیئے۔

(۱) ہر ایک صوبہ میں ایک پراونشیل کمیٹی قائم کی جاوے جس کا پریسیڈنٹ ایک مسلمان انسپکٹر مکاتب ہو

(۲) ہر ایک ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ کمیٹی قائم کی جاوے جس کا سکرٹری ایک مسلمان ڈپٹی کلکٹر ہو۔

(۳) ان مکاتب کے لئے سرکاری امداد کل مصارف کے تین چوتھائی ہونی چاہیئے۔

(۴) ان مکاتب کے لئے مدرسین بہم پہنچانے کے واسطے نارمل اسکول قائم کئے جائیں

(۵) ان مکاتب کے لئے خاص ریڈریں تالیف و تصنیف کی جائیں جو مسلمان طلبہ کے لئے موزوں ہوں"

(ج) احکام گورنمنٹ:-

"اہمیت اور کثرت کے لحاظ سے مخصوص مدارس میں مکاتب کا درجہ سب سے زیادہ ہے، اور رزولیوشن ہذا میں یہ دوسرا مسئلہ ہے جس پر غور کیا گیا ہے۔ علی گڈھ کمیٹی نے جس کے ممبر آنریبل عملی وجوہات کی بنا پر اتفاق رائے کرنے پر مجبور ہیں مدارس قرانیہ کے متعلق، جو خالص دینی تعلیم دیتے ہیں، یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ تعلیم ابتدائی کے نظام میں اُن کو داخل نہیں کرنا چاہیے لیکن مکاتب کی حالت اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ کیونکہ ان کا انحصار اگرچہ دینی تعلیم پر ہے اور بسا اوقات حساب، صرف و نحو اور جغرافیہ کی تعلیم سے لاپروائی کی جاتی ہے تاہم مذہبی تعلیم کے ساتھ کچھ نہ کچھ دنیاوی تعلیم ہوتی ہے۔ قدیم رواج اور روایات کی بنا پر تمام ممالک اسلامیہ میں ان مکاتب کو وقعت و احترام کا ایک خاص حق حاصل ہے اور اب تک مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ان کو عام تعلیم کا ایک صحیح ذریعہ تصور کرتی ہے۔ جیسا کہ مسٹر کرامت حسین کی کمیٹی نے بیان کیا ہے۔ دو وجوہ سے ان مکاتب کی ضرورت ہے۔ ایک تو اُس مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے لئے جو ان میں دی جاتی ہے، اور دوسرے اس وجہ سے کہ اُن طلبہ کے لئے یہ مکاتب ابتدائی تعلیم کا واحد ذریعہ ہیں جو بورڈ کے مدارس میں بوجہ عدم گنجائش یا مذہبی تعلیم کا انتظام نہ ہونے کے نہیں جاتے عملی طور سے یہ وہی رائے ہے جو ایجوکیشن کمیشن ۸۳ و ۱۸۸۲ء نے اختیار کر کے یہ سفارش کی تھی کہ ان مکاتب کو زیادہ مفید بنانے کے لئے ان کو فیاضانہ امداد دیجاوے، تاکہ وہ اپنے نصاب میں دنیاوی تعلیم کے مضامین شامل کر سکیں۔ اس مشورہ کی تعمیل میں جو کچھ مدد دی گئی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت کچھ بے اثر رہی؛ اور گذشتہ پنج سالہ رپورٹ تعلیمی میں ان مکاتب اور انکی مخصوص تعلیم و تربیت کے انحطاط پر افسوس کیا گیا ہے۔ اس امر کے متعلق شبہات کا اظہار کیا گیا ہے کہ آیا یہ امکان میں ہے کہ ایک خارج الوقت طرز تعلیم کا ارادی جد و جہد کے ساتھ احیا کر کے انکی فائدہ مندی کو دوبارہ قائم کیا جاوے؟ لیکن قدیم خیال کے مسلمان صاف طور سے ان مکاتب کو از سر نو سعی و کوشش سے تقریب دینے اور ابتدائی تعلیم کے نظام میں ان کو مناسب جگہ ملنے کی ضرورت کو خیال حد سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اور کمیٹی نے بھی اس دعویٰ کی تائید

کی ہے۔ حضور ہز آنر سر جیمس میسٹن محسوس فرماتے ہیں کہ گورنمنٹ کو اس کے ساتھ پوری ہمدردی کرنا چاہیئے۔ ہر دو مذکورہ بالا اسلامی کمیٹی کی عام تجاویز کی موافقت میں ہز آنر نے اس معاملہ میں مندرجہ ذیل پالیسی پر کاربند ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

(الف) ایک پراونشل مکتب کمیٹی جسمیں گیارہ سے زیادہ ممبر نہ ہونگے، ڈائرکٹر صاحب سررشتۂ تعلیم مسلمان اصحاب کی مقرر کرینگے۔ اس میں علماء اور غیر علماء دونوں شامل ہونگے اور شیعہ و سنّی ہر دو فریق کے قائمقام شریک کئے جائینگے۔ اس کمیٹی کا صدر ایک محمدن انسپکٹر مدارس یا کوئی دوسرا افسر جسکو تعلیم کا پورا تجربہ ہوا مقرر ہوگا۔ اور ڈائرکٹر صاحب سررشتۂ تعلیم ان کو نامزد کرینگے۔

(ب) پراونشل کمیٹی ایک جماعت مشورت ہوگی اور سررشتۂ تعلیم اسکی رائے نصاب تعلیم یا طریقہ انتظام کے کسی اہم تغیر کے متعلق حاصل کریگا۔ اور اس سے یہ توقع کی جائیگی کہ وہ سررشتہ اور گورنمنٹ کو ہر اُس معاملہ کے متعلق صلاح و مشورہ دے جو مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم کی توسیع یا اُن کے فوائد و حقوق پر موثر ہو۔

(ج) ایک مکتب ٹکسٹ بک کمیٹی قائم کی جائیگی جسمیں نو ممبر شامل ہونگے۔ ان میں سے چار کو پراونشل پبلک کمیٹی نامزد کریگی اور باقی کو (بشمول صدر انجمن) ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم مقرر کریں گے۔

(د) ہر ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ مکتب کمیٹی قائم ہوگی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ اس غرض کے لئے یا تو پانچ مسلمانوں کو نامزد کرے گا۔ یا یہ انتظام کرے گا کہ بورڈ کے انتخاب کنندگان کی فہرست کے مسلمان ووٹر اُن کا انتخاب کریں۔ کلکٹر ضلع ایک مسلمان افسر کو اسکی صدارت کے لئے نامزد کریگا۔ اور اگر غیر سرکاری ممبر خواہش کریں تو کسی دوسرے افسر کو بھی کمیٹی میں شامل کرے گا۔

(ہ) ڈسٹرکٹ مکتب کمیٹی کا فرض ہوگا کہ وہ موجودہ مکاتب کی تفتیش حالات کرے اور انکو ڈسٹرکٹ بورڈ اور افسران معائنہ کنندہ کے نوٹس میں لائے مکاتب قائم کرائے اور انمیں

مناسب سامان مہیا کرائے۔ مولویوں کی ٹرننگ (تعلیم طریقہ تعلیم) اوران کے انتخاب کا بندوبست کرے اور ڈسٹرکٹ بورڈ کو ہر معاملہ میں، جو مکتب کی تعلیم کے متعلق ہو صلاح ومشورہ دے۔

(و) ٹیکسٹ بک کمیٹی (جس کا تذکرہ فقرہ نمبر (ج) میں کیا گیا ہے) ریڈروں کا ایک سلسلہ بغرض ترویج مکاتب ڈائرکٹر کی منظوری سے تیار یا منتخب کریگی۔ اور ریڈریں اس طرح ترتیب دی جاوینگی کہ مڈل اسکولوں کے اردو کورس کے برابر پہونچ جاویں اور اسباق اسطرح پر مرتب کئے جاویں گے کہ شیعہ وسنیوں کی دلخراشی کا باعث نہ ہوں۔

(ز) جو مکتب گرانٹ ان ایڈ (مالی امداد) حاصل کرنے کا خواہشمند ہو اس کو دنیاوی تعلیم کے اس مقررہ نصاب کی تعلیم دینی ہوگی جس کو بمشورہ پراونشل مکتب کمیٹی ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم مقرر کرینگے۔ اردو زبان کا نصاب، نوشت وخواند اور ابتدائی حساب کی تعلیم پر مشتمل ہوگا، اور ابتدائی جغرافیہ اور فارسی زبان کی تعلیم اعلیٰ درجوں میں دی جائیگی۔

(ح) اگر کسی ایسے مکتب کے کام و کارگذاری کی، جسمیں مقررہ نصاب کی تعلیم ہوتی ہو، مخصوص محکمہ معائنہ (جس کا تذکرہ آگے آئیگا) تصدیق کرے گا تو اس صورت میں ڈسٹرکٹ بورڈ ایک گرانٹ مقرر کرے گا جو اس مکتب کے دنیوی تعلیم دینے والے مدرسین کی تنخواہوں کے تین چوتھائی سے زیادہ ہوگی۔ اور اگر وہی اساتذہ دینی اور دنیوی تعلیم دیتے ہوں تو دنیوی تعلیم کا خرچ تخمیناً اس وقت کے اوسط سے لگایا جاویگا۔ جو اس تعلیم میں صرف ہوگا۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کسی مکتب کے فنڈ میں کسی رقم کی گرانٹ منظور کرسکیگا۔ جو حسب تجویز بورڈ ان طلبہ کی نسبت سے ہوگی جو مکتب سے بورڈ کے پرائمری مدارس کے درجہائے سوم وچہارم میں داخل ہونگے۔ لیکن ضروری ہے کہ ایسے طلبانے مکتب میں دو سال سے کم مدت تک تعلیم نہ حاصل کی ہو۔

(ط) اگر اس امر کی کوئی بین و واضح ضرورت ہوگی تو گورنمنٹ مکاتب کے مدرسین کی ٹرننگ (تعلیم طرز تعلیم) کے لئے نارمل اسکول قائم کریگی داخلہ اور وظائف اور نصاب کے شرائط جب وقت آئیگا پراونشل مکتب کمیٹی کے مشورہ سے طے ہونگے۔

سنہ جمپس میسٹن صدق دل سے یقین کرتے ہیں کہ جن انتظامات کا اوپر خاکہ دیا گیا ہے وہ اس طریقہ تعلیم کو (جس پر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اعتماد او جس سے اُن کو انسیت ہے) دوبارہ ایک معین طریق پر قائم کرنے میں معاون ہوگا۔

زنانہ مدارس

زنانہ مدارس کے متعلق علی گڈہ کمیٹی نے یہ رائے دی تھی کہ ہندوستانیوں میں بالعموم اور مسلمانوں میں بالخصوص زنانہ تعلیم کے ہر دلعزیز کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پرائیویٹ کوشش کی فیاضانہ گرانٹ سے مدد کی جاوے۔ گورنمنٹ بھی اس رائے سے کلیۃً متفق ہے، اور اسی کو اس نے اپنا اصول قرار دینا چاہا ہے۔ اس لئے گورنمنٹ نے یہ تجویز کی ہے کہ ہر شہر میں ایک نمونے کا اسکول گورنمنٹ قائم کرے اور دوسرے مدارس لوگ خود قائم کریں۔ گورنمنٹ کے اسکولوں میں اگر طلبہ کی تعداد کافی ہو تو اُسے دو حصص میں تقسیم کر دیا جاوے، ایک مسلمانوں کے لئے اور دوسرا ہندؤں کے لئے۔

بورڈ کو بھی یہی ہدایت کی گئی کہ جہاں تعداد کافی ہو مسلمانوں کے لئے خاص اسکول قائم کئے جائیں۔

پردہ کا انتظام

علی گڈہ کمیٹی نے پردہ کے لئے خاص طور پر زور دیا تھا اور گورنمنٹ نے بھی اسے تسلیم کیا ہے اور مسلمانوں کی اس ضرورت کو زیادہ مختص قرار دیا ہو۔

مالی امداد کا مسئلہ

زنانہ تعلیم کے اخراجات کے لئے ضرورت ہے کہ ان مدارس کو گرانٹ زیادہ دیجائے

علی گڈھ کمیٹی نے تحریک کی تھی کہ "زنانہ تعلیم کی ترغیب کے لئے زیادہ فیاضانہ گرانٹ دیجائے یہ گرانٹ اُس گرانٹ سے (جو لڑکوں کی تعلیم کے لئے اس نوٹ کے حصہ پنجم دفعہ نمبر ۱ میں تجویز کی گئی ہے) دگنی ہونی چاہیے۔ یعنی بجائے ۶ روپیہ سے دس روپیہ تک کے بارہ روپیہ سے بیس روپیہ تک ہونا چاہئے۔" گورنمنٹ نے اس ضرورت کو تسلیم کرکے بورڈ کے قواعد میں ترمیم کا حکم دیا ہے کہ پرائیویٹ گرل اسکولوں کو پندرہ روپیہ ماہوار تک مدد دیجاوے اور ایک سے زائد مدرس کے لئے دس روپیہ ماہوار فی مدرس اور اضافہ کیا جا سکے۔

معائنہ و نگرانی

معائنہ کے متعلق گورنمنٹ نے ہر قسم کی ترقیوں کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ مسلمانوں کے نقطہ خیال سے گورنمنٹ نے جو انتظام فرمانا چاہا ہے وہ مسلمانوں کی آیندہ تعلیم کے لئے بے حد سودمند ثابت ہونے والا ہے۔ علی گڈہ کمیٹی اور کانفرنس نے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پر اس ضمن میں جو توجہ دلائی تھی اور اُس پر گورنمنٹ نے جو حکم نافذ فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے:۔

(الف) علی گڈہ کمیٹی کی رائے

"۷۔ اسپشل محمڈن انسپکٹر:۔

مسلمانوں کے تعلیمی فوائد کی نگرانی کے لئے ایک اسپشل محمڈن انسپکٹر کا تقرر، جو ڈویزنل انسپکٹر کے ہم رتبہ ہو، صوبجات ہذا کے متعلق کیا جائے۔ وہ بحیثیت پریسیڈنٹ پراونشل مکتب کمیٹی کے مکاتب کے نصاب کے مرتب کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اساتذہ کی ٹرننگ کے لئے "مولوی اسکولوں" کی تعلیم کا انتظام کریگا۔ وہ اسلامی مدارس اور اسلامی ہوسٹلوں میں مذہبی تعلیم کی بھی نگرانی کرے گا۔ وہ حسب ضرورت مسلمانوں کی مخصوص شکایات کو ڈویزنل انسپکٹر یا ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کے نوٹس میں لائیگا۔ وہ سب ڈپٹی انسپکٹران کے (جن کا تذکرہ باب پنجم

کے فقرہ نمبر ۴ میں کیا گیا ہے) دورہ کے پروگرام کو ترتیب دیگا اور ڈائری کی جانچ کر کے انکی رپورٹوں پر غور کریگا۔

"۸۔ اسسٹنٹ انسپکٹران:۔
ڈسٹرکٹ انسپکٹنگ اسٹاف کے پراونشل سروس میں آجانے کی وجہ سے اور پرائمری تعلیم کی توسیع کے ساتھ یہ ضروری ہوگیا ہے کہ اسسٹنٹ انسپکٹران کی تعداد میں اضافہ کیا جاوے جیسا کہ قبل ازیں یادداشت ہذا کے باب ہفتم میں تذکرہ کیا جاچکا ہے کیٹی کی رائے ہے کہ ہر ڈویژن میں بجائے ایک کے دو اسسٹنٹ انسپکٹر ہوں اور ایک اُن میں سے مسلمان ہو"

۹۔ ڈپٹی انسپکٹران:۔
مسلمان ڈپٹی انسپکٹروں کی تعداد نہایت قلیل ہے اور یہ نہایت ضروری ہے کہ یا تو پوری اہلیت رکھنے والے مسلمان گریجوایٹس کے براہ راست تقرر کے ذریعہ سے یا سب ڈپٹی انسپکٹروں کو خاص ترقی دیکر اُن کی تعداد میں اضافہ کیا جاوے۔

۱۰۔ سب ڈپٹی انسپکٹران:۔
صوبجات ہذا کے ۹۱ اضلاع میں مسلمان سب ڈپٹی انسپکٹران کی تعداد ۲۳۱ کی پوری جماعت میں سے صرف ۴۱ ہے۔ ان میں سے ایک تعداد تو ڈپٹی انسپکٹر کے عہدہ پر ترقی پا جائیگی اور اس لئے ضروری ہے کہ ایک مناسب تعداد سب ڈپٹی انسپکٹر کے عہدہ پر مقرر کی جاوے۔ یہ ضروری ہے کہ سب ڈپٹی انسپکٹری کے اُمیدوار یا گریجوایٹس ہوں یا بحالت انڈر گریجوایٹس کے ان کے پاس کسی ٹریننگ کالج کی سند ہو۔ کیٹی یہ بھی سفارش کرتی ہے کہ انڈر گریجوایٹس کا تقرر براہ راست سب ڈپٹی انسپکٹر کے عہدہ پر کیا جاوے اور کسی ٹریننگ درسگاہ میں ان کو چھ ماہ سے لیکر ایک سال تک ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے بھیجا جاوے۔"

(ب) کانفرنس نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۳ء میں یہ رزولیوشن پاس کیا تھا:۔

"اس صوبہ میں مسلمانوں کی تعداد انسپکٹنگ اور ٹیچنگ لائن میں بہت کم ہے، جیسا کہ حسب ذیل اعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔

صیغہ	ہند	مسلمان
انسپکٹران	۹	۱
اسسٹنٹ انسپکٹران	۸	۱
ڈپٹی انسپکٹران	۴۸	۲
سب ڈپٹی انسپکٹران	۱۳۲	۲۶
ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹران	۴۳	۵

اس کانفرنس کی رائے میں اشد ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی تعداد انسپکٹنگ اور ٹیچنگ لائن میں ۴۰ فی صدی مقرر کر دی جائے۔ اور یہ تعداد ایسے امیدواروں کے تقرر سے پوری کی جاوے جنمیں وہ قابلیت عہدہ کی موجود ہو جو اس عہدہ کے واسطے مشروط ہے، یا جو امیدوار کہ گورنمنٹ سروس میں داخل ہیں اُن کو ترقی دیکر یہ کمی پوری کی جاوے۔

(ج) گورنمنٹ نے ان معروضات پر لحاظ فرماکر جو حکم نافذ فرمایا ہے وہ یہ ہے:

"مسلمانوں کی تعلیم کی توسیع کے واسطے خاص تدابیر کی ضرورت ہوگی۔ معمولی انسپکٹنگ اسٹاف کو قوی کرنے کے لئے اس میں مسلمانوں کا قوی جزو شامل کرنے کے علاوہ معائنہ کرنے والی جماعت میں ان کے تناسب سے اور اضافہ کی ضرورت ہوگی۔

مسلمانوں کو تعلیم کی طرف رغبت دلانے کے لئے حضور لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر نے حسب ذیل خاص مراعات تجویز فرمائی ہیں:-

(الف) ایک زائد انسپکٹر مسلمانوں کی ابتدائی اور دیگر اقسام کی تعلیم کی توسیع، مختلف تدابیر میں امداد اور مشورہ دینے کے واسطے مقرر کیا جاوے۔ وہ ایک اعلیٰ قابلیت کا شخص ہو۔ اور ٹرینڈ ٹیچر کو ترجیح دینا چاہیے۔ پراونشیل مکتب کمیٹیوں، مکتب ٹیکسٹ بک کمیٹیوں

لڑکوں کے مدارس کی اردو ریڈروں کی تیار کرنے والی کمیٹیوں اور زنانہ مدارس کے لئے اُردو نصاب مرتب کرنے والی کمیٹیوں کا ممبر ہونا اس کے فرائض میں داخل ہوگا۔ تمام صوبہ میں اسلامیہ اسکول قائم کرنے میں وہ مسلمانوں کو امداد دیگا اور پرائیویٹ اسکولوں کو اس قابل بنائیگا کہ ان کو گرانٹ ان ایڈ دی جاسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کو اُن باقاعدہ جماعتوں سے تعلق رکھنا ہوگا جو مسلمانوں کی ترقی تعلیم کے لئے قائم ہیں جن سے ایک جماعت تو ابھی چند روز ہوئے کہ کہ صوبہ متحدہ میں قائم ہوئی ہے اور اسکو ان جماعتوں کی حمایت گورنمنٹ کی ان کوششوں کے متعلق حاصل کرنا ہوگا۔ جو گورنمنٹ اس جانب کر رہی ہے۔ اس بات کے بیان کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ اسپیشل انسپکٹر ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم کی ماتحتی میں کام کرے گا اور اس کے تعلقات ڈائرکٹر صاحب سے مثل دیگر انسپکٹروں کے ہونگے۔ اس کا تقرر اولاً عارضی اور مشروط ہوگا۔ اور نتایج پر اندازہ کرکے وہ مستقل کیا جاسکے گا۔

(ب) ہر ایک انسپکٹر کے ڈویژن میں ایک مسلمان ٹرنیڈ ڈپٹی انسپکٹر مقرر کیا جاوے گا اور اگر ٹرنیڈ نہو تو اسی معیار کی اُس میں قابلیت ہو اور اس کا بھی یہی فرض ہوگا کہ مسلمانوں کے مدارس (بشمول مکاتب) کا معائنہ کرے، ان کو مشورہ دے اور مقامی حضرات کی کوششوں میں معاونت کرے۔ الغرض جو کام اسپیشل انسپکٹر تمام صوبہ کے لئے کریگا وہی کام یہ ڈپٹی انسپکٹر ڈویژن میں کریگا۔ یہ ڈپٹی انسپکٹر اپنے ڈویژن کے انسپکٹر کا ماتحت ہوگا جو اُس کی تمام رپورٹوں کو اسپیشل انسپکٹر کے پاس روانہ کردیگا اور ڈپٹی انسپکٹر کی رپورٹوں سے جو حالات معلوم ہونگے اُن میں اہم معاملات پر اسپیشل انسپکٹر سے مشورہ کریگا۔ یہ آسامیاں عارضی اور مشروط ہونگی اور انکی کامیابی اور ناکامیابی دیکھکر مستقل کی جاسکینگی۔ مکاتب کے معائنہ کے لئے اسپیشل افسروں کے تقرر کے متعلق جو اعتراضات مسٹر بیگٹ کی کمیٹی نے کئے تھے حضور لفٹنٹ گورنر بہادر نے اُنسے چشم پوشی نہیں کی، لیکن موجودہ اسکیم کا دائرہ کم محدود ہے اور اگر دیہات میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کی نگرانی اور توسیع منظور ہو تو یہ امر لابدی ہے۔"

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

ان تمام حالات کے پڑھنے سے یہ عیاں ہو کہ مسلمانوں کے اصلی باعث تنزل کو (جس پر کانفرنس مدت سے برابر توجہ دلا رہی ہے) بالآخر گورنمنٹ نے محسوس کرلیا ہے اور اب یہ کام خود مسلمانوں کا ہے کہ وہ گورنمنٹ کی ان مراعات سے فائدہ اُٹھانے کی قابلیت ظاہر کریں۔ اس وقت ضرورت ہو کہ ہر ضلع اور شہر میں کانفرنس کی لوکل کمیٹیاں قائم ہوں اور اسکی شاخیں تمام قصبات میں پھیلائی جائیں۔ جہاں جہاں مسلمانوں کی کچھ آبادی ہو وہاں فوراً انتظام کیا جاوے کہ کافی تعداد طلبہ کی جمع ہو جاوے اور اس کے بعد ڈسٹرکٹ بورڈ سے درخواست کریں کہ خاص مسلمانوں کے مدرسے قائم کئے جائیں۔ اس کے سوا مکاتب جہاں جہاں ہیں انکی اصلاح کی فوراً فکر کریں اور انکا نصاب اس طرح ترتیب دیں کہ وہ مذہبی تعلیم کے سوا ابتدائی تعلیم اس حد تک دے سکیں کہ گرانٹ کے مستحق ہو جائیں۔

اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ اگر اس وقت مسلمانوں نے غفلت کی تو یہ نادر موقع اُن کے ہاتھ سے جاتا رہیگا اور جس طرح اور بہت سے مواقع ضائع کرکے اب مسلمان افسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح اس موقع کا بھی خدانہ خواستہ افسوس کرینگے۔

کانفرنس اور اس کا اسٹاف تیار ہو؛ لیکن کانفرنس کے مدد کی ضرورت ہو۔ تاکہ سیفروں کی تعداد بڑھا کر جابجا ابتدائی مدارس قائم کرنے کی فکر و تدبیر کی جاوے۔

(خاکسار)

آفتاب احمد

آنریری جائنٹ سکرٹری کانفرنس

بسلسلہ سابق

اور وہ بات یہ ہے کہ اگر بچے کے پاس زمانہ بچپن میں کسی طرح سے ایک دانہ ینبہ کا کہ جو پنساریوں
میں بکتا ہے اور طبیب لوگ اسکو کبھی مرض ہیضے میں بھی استعمال کرتے ہیں اور وہ اکثر نکونہ ہوتا
ہے بچے کے پاس رہے تو انشاء اللہ تعالیٰ بچے پر نظر بد اور جادو اور بیاس کے مرض کا اثر نہیں
ہوتا اور بچہ خوب پھولتا ہے اور موئے تغیرات کے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔

مختصر حالات مرض چیچک اور اُسکا علاج

مرض چیچک یہ وہ بیماری ہے کہ جسمیں دو تین دن بخار آنیکے بعد اس بخار کا مادّہ براہ مسامات
باہر کو درصورت کمی مادّہ بطور دھوپ کے اور درصورت زیادتی مادّہ بشکل آبلہ پھنسیوں کے طور
پر نکلا کرتا ہے لیکن دھوپ جیسی چمک کا مادّہ اور بشکل آبلہ چیچک کا مادّہ اور ہوتا ہے اور ان
دونوں قسم کا نام بھی لوگوں نے الگ الگ رکھا ہے چنانچہ پہلی قسم کو چھوٹی چیچک یا کھسرہ کہتے
ہیں اور دوسری قسم کو بڑی چیچک کہتے ہیں اور ہندی عورتوں میں اس مرض کا نام ماتا ہے
اور بظاہر اس نام کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جیسے ہر بچے کو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا ضرور ہے
اسیطرح ہر بچہ کو یہ ہونا بھی لازمی ہے اور اس مرض سے صحت یاب ہونے بعد گویا ازسرنو ماں
کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ مرض چیچک بڑا موذی مرض ہے جہاں کہیں اسکی کثرت ہوجاتی
ہے تو کثرت سے ماؤں کی گودیاں بچوں سے خالی ہوجاتی ہیں بلکہ پہلے زمانہ میں تو یہ موذی مرض
بعض بعض جگہ نام کو بھی بچے نہیں چھوڑتا تھا۔ اب صرف خال خال جگہ اسکی کثرت ہوتی ہے مگر
کثرت میں پھر وہی سین نظر آتا ہے۔ غضب یہ ہے کہ اول تو اس مرض میں نصف صحت یاب ہو

نصف راہی عدم ہو جاتے ہیں اور نصف صحت یاب ہیں ایک چوتھائی کا اندھا کانا ہو جانا بھی کچھ دشوار نہیں اس لئے بمقابلہ جملہ امراض لاحقہ اطفال اس مرض کی صحت کا پہلو بھی کچھ زیادہ مسرت افزا نہیں نظر آتا میں نہیں کہہ سکتا کہ مخلوق خدا اس موذی مرض کے ہاتھوں سے تنگ آکر اسکی مضرت سے بچنے کی تدبیروں یا علاج میں مصروف ہوئی ہوگی یا نہیں اور اگر ہوئی ہوگی تو نتیجہ کیا ہوا ہوگا۔ لیکن میرے نزدیک عمل ٹیکہ کہ جس نے اب کچھ تھوڑے دنوں سے رواج پایا ہے چاہے اسکو تدبیر حفظ ماتقدم کہا جاوے یا علاج کہا جاوے اگرچہ علاج اس کو کہنا ایک حد تک صحیح نہیں ہے کیونکہ علاج مرض سے پہلے نہیں ہوتا اور عمل ٹیکہ کا وجود مرض سے پہلے ہونا چاہئے بہت مفید معلوم ہوتا ہے کسی جسم میں سے ایکدفعہ اور کسی میں سے دو دفعہ اور کسی جسم میں سے تین دفعہ ٹیکہ ہونے سے ضرور اس مرض کی جڑ اکھڑ جاتی ہے باقی موت حیات بقبضۂ خداوندکریم ہے اس مرض کا مادہ ہر انسانی پودے میں ہوتا ہے کیونکہ اس مادّہ کی اصل وہ ہے کہ جو غذا بچے نے چار مہینے میں دن تک ماں کے پیٹ میں کھائی ہے اور باہر آکر دو ڈھائی برس تک بھی بہ تغیر صورت کھاتا رہا ہے رواج ٹیکہ سے پہلے مستورات اس مرض کی تیمارداری میں بہت احتیاطیں کیا کرتی تھیں۔ اور کچھ باتیں لایعنی بھی کرتی تھیں مگر عمل ٹیکہ سے جتنی اس مرض میں تخفیف پیدا ہوئی اتنی ہی زمانے حال کے نوجوان عورتوں میں سے اس مرض کی تیمارداری میں پردا لکم ہو گی چنانچہ ۱۹۱۳ء آخر مہینوں میں ممالک متحدہ اودھ و آگرہ کے بعض اضلاع میں اس مرض کی کثرت ہوئی تو مستورات سے مراتب تیمارداری باحسن وجوہ ادا نہو سکے اور بچوں کی تعداد بہت کم ہو گئی۔ پہلے یہ مرض اکثر موسم ربیع میں ہوا کرتا تھا لیکن اب سب موسموں میں اس کا وجود پایا جانے لگا اس واسطے میرے نزدیک اس کے متعلق احتیاطوں کا تحریر میں آنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پہلی احتیاط

بچے کے پیدا ہونے کے بعد جس وقت ٹیکہ لگانیکا وقت آجاوے تو بلا لحاظ کمی بیشی عمر کے

بچے کے ضرور ٹیکہ کرایا جاوے اور دو دو تین تین سال کے بعد تین دفعہ ٹیکہ کرانا بہت مفید ثابت
ہوا ہے. پہلی احتیاط تو بطور حفظ ماتقدم کے ہے اب رہی یہ صورت کہ یہ تدبیر حفظ ماتقدم عمل میں آئی
ہو. یا درصورت عمل میں آجانیکے بھی بچہ اس مرض میں مبتلا ہو تو کیا ہونا چاہیئے یاد رکھو کہ جب بچہ
بار بار اپنی ناک ملے اور چھینکیں بھی آویں اور بخار بھی ہوجاوے تو تمکو گمان ہونا چاہیے کہ شاید یہ بخار
چیچک کا بخار ہو، پس اب تمکو چاہیئے کہ چار دن تک اپنے کسی خیال سے اُسکو کوئی دوا یا کوئی
عرق. شربت وغیرہ کچھ مت دو اور شیرخوار کو وہی شیر اور غذا خور بخار والے دنوں میں اگر
گیہوں کی روٹی اور ساری لونگ دیجاوے تو بہتر ہے اور طبیعت نرم رکھنے کے لئے دو تین تولہ
یا کچھ زیادہ مویز منقے ہر روز کھلانا مفید ہوگا. اور جب چیچک کے دانے نکلنے لگیں تو بچے کو ایک تولہ
صبح اور ایک تولہ شام کو کھلانا دانوں کے نکلنے میں مدد کرتا ہے اور دانوں میں پانی بھرنے کے وقت
گاے کا دودھ سردی میں نیم گرم اور گرم موسم میں تازہ دینا اور چنے کی گھونگنیاں جو گڑ کے شربت میں
میں پھولی ہوں بچے کے جسم کو پھولانے اور مادوں کو خوب باہر نکالنے میں مفید ثابت ہوئی ہیں -
اور ان سب چیزوں کا وجود عورتوں میں بیہودہ طریق پر پایا جاتا ہے مثلاً گڑ کی ڈلی بارہ تولے
صبح و شام بچے کے اوپر اوتار کر کنوئیں میں ڈالی جاتی ہے اور ان دنوں میں کہ جب بچے کو دودھ
دینے کی ضرورت ہوتی ہے دودھ کو پیالیوں میں بھر کر اور بچے کے سر پر سے اوتار کر چوراہے میں
رکھدیا جاتا ہے اور چنوں کو کسی برتن میں پانی میں بھگوتی ہیں مگر افسوس یہ چیزیں بچے کو کھلاتی
نہیں ہیں - ابتدا بخار چیچک ہے. بچہ کو ہر موسم میں تازہ پانی دینا چاہیئے پانی کی جگہ کوئی عرق وغیرہ
نہیں دینا چاہیے چونکہ چیچک نکلنے اور بھرنے اور ڈھلنے کے وقت بہت بدبو ہے اس واسطے
تیمار داروں کو گھبراہٹ یا محبت میں کچھ کچھ دینا یا کرنا نہ چاہیئے عورتیں اپنے گمان فاسد میں مرض
چیچک کو ہندنی مرض خیال کر کے گوشت نہیں پکاتیں بلکہ اور نہ کچھ بھونتی بگھارتی ہیں اسکی اصلیت
یہ ہے کہ کوئی بیماری ہندو یا مسلمان یا نصارے نہیں ہوتی، عرب کے نووارد گروہوں نے جب
ہندوستان میں اپنی سکونت اختیار کی اور ہندی عورتوں کو مسلمان بنا کر اپنے گھروں میں رکھنے

لگے اور اُن سے نسل کا سلسلہ جاری ہوا اور بچوں کے چیچک نکلی تو اُن مردوں نے اس مرض کو عجیب مرض خیال کیا اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شاید عرب کے کسی حصے میں یہ مرض نہوتا ہو اس بیماری کو ہندی مرض کہکر اسکی تیمارداری عورتوں کی سپرد کردی عورتیں زمانے قدیم سے اس مرض کی احتیاط اور مناسب تدابیر سے واقف ہیں وقتاً فوقتاً کرتی رہیں لیکن جوں جوں زمانہ زیادہ گذرتا گیا تیوں تیوں وہ احتیاطیں اور تدابیر مختلف صورتیں اختیار کرتی گئیں یہاں تک کہ اب بجائے ہندی مرض کے عورتوں میں ہندنی مرض ہوگیا اور وہ احتیاطیں کہ جن کا وجود کتب طب میں پایا جاتا ہے اور بعض عورتوں میں وہ احتیاطیں اور تدابیر ادھوری موجود بھی ہیں لایعنی خیال کی جانے لگیں۔ عمل ٹیکہ سے بہتر کوئی تدبیر مرض چیچک سے نجات پانے کی نہیں ہے۔ اس سے پہلو تہی کرنا گویا اپنے اوپر اور بچے کے اوپر نہایت ظلم کرنا ہے اور مریض چیچک کو گوگل کی خوشبو بالخاصہ بہت مفید ہے جس مکان میں مریض کو رکھا جاوے اُس گھر میں گرا ضرور رکھنا چاہیے۔

دوسری احتیاط

یاد رکھو کہ مرض چیچک وبائی مرض ہے اور وبائی مرض پہلے اکثر ہر چھوٹی بڑی آبادی میں ایک جسم کو عارض ہوتا ہے اور اس جسم کے اندرونی حصے کو یہ مرض بالکل ایک زہریلا مواد بنا دیتا ہے اب جو ہوا اس جسم میں آتی ہے۔ بیرونی ہوائیں ملکر قریب قریب اُس آبادی کی غلیظ ہوا کو زہریلا بنا دیتی ہے اور روز بروز بہت ترقی پکڑتے جاتے ہیں ایسی صورت میں سب سے بہتر تدبیر تو اس آبادی کا چھوڑ دینا ہے لیکن چونکہ پہلے کسی کو خبر ہونا اور چوکس ہونا دشوار ہے اور اکثر آبادی میں جب وبا عام ہوجاتی ہے تو آگاہی ہوا کرتی ہے اور اس ہوا میں بھر کر پھر آبادی چھوڑ دینے سے بھی فائدہ نہیں ہوسکتا بہتر تدبیر ہوا کا صاف کرنا اور مکانوں کے ہوادار حصوں میں سکونت اختیار کرنا ہے اور چونکہ عورتوں اور بچوں کا جسم بہت جلد اس ہوا کا اثر قبول کرلیتا ہے بچوں اور

عورتوں کو اختلاط باہمی سے روکنا ہے اور گھروں میں گوشت مچھلی اور وہ ترکاریاں جو کھونی بگھاری جاتی ہیں نہ پکائی جاویں کیونکہ پیاز لہسن وغیرہ کا وہ دہواں کہ جو گھی اور تیل میں جلنے سے نکلتا ہے ہوا میں ملکر اُس کو زیادہ زہریلا کر دیتا ہے عورتوں میں ان باتوں کی کچھ اصلیت پائی جاتی ہے لیکن وہ بیماری نفس معاملے سے بیخبر بوجہ جہالت کے ابھی تک اسکی حقیقت سے ناواقف ہیں - میرے نزدیک باجود اس امر کے کہ عمل ٹیکہ کا بیحد نافع ہونا ثابت ہوچکا ہے - ہندوستانیوں کا اس سے گریز کرنا نہایت نامناسب فعل ہے - بہ نظر غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی نعمتوں میں سے اولاد بڑی نعمت ہے اور جس طرح ہر مال و دولت کیلئے چور اُچکّے سے حفاظت کی ضرورت ہے اسی طرح اولاد کی دولت کو اُس کے جسم سے پیدا ہونیوالی بیماریوں کے چور اچکوں سے حفاظت کی ضرورت ہے

تتمہ

مرض چیچک ویسے تو ہر حالت میں خطرناک ہے ہی مگر ایک حالت نہایت خوفناک ہے اور وہ حالت یہ ہے کہ اچھی طرح دانے چیچک کے تمام بدن پر نکل آویں لیکن اُن میں پانی نہ پڑے اور دانے سیاہ ہو جاویں اور اُس زہریلے مواد کے بدن میں رک جانے سے بچہ کو پیاس بڑھجاوے اور آواز بیٹھ جاوے اس حالت میں تیماردار کو بڑے استقلال کے ساتھ طبیبوں اور سن رسیدہ مرد اور عورتوں تجربہ کار سے دریافت کر کے ایسی غذا اور دوا دینی چاہیے کہ جس سے دانوں میں پانی پڑنا شروع ہو جاوے کیونکہ اس مرض کی حالت فوراً مہلک ہے اور راقم کے نزدیک ایسی حالت میں گاے کا دودھ گڑ سے میٹھا کیا ہوا اور گنگا کے پانی میں موتیوں کو کھسکر دینا مفید ثابت ہوا ہے - گنگا کے پانی میں ریڈیم دہات کے ذرات بکثرت ملے ہوتے ہیں اور ریڈیم بالخاصہ ایسے مواد کو اجسام کی گہرائی میں سے نکالدیتی ہے - ایک حالت اس مرض کی اور بھی مخدوش ہے اور وہ یہ کہ جب کسی آبادی میں یہ مرض موجود ہو اور کسی بچہ کو بخار آوے اور علامات موجودہ سے ثابت ہو کہ اس بچہ کو چیچک نکلیگی لیکن چوتھے دن تک ایک دو دانہ برآمد ہو کر آگے کو نکلنے میں

دیر کرے تو اس بچہ کو اس فرش پر لٹایا جاوے کہ جس پر خوب کلاں بکثرت ڈالی گئی ہو اور سرد موسم میں فوراً کمرے کو آگ سے گرم کیا جاوے اور پوری برآمدگی تک برابر کمرے کو ہر وقت گرم رکھا جاوے۔ دانوں میں پانی پڑ جانے کے بعد بچہ بہت کمزور ہو جاتا ہی اُس کو نہایت لطیف اور مقوی غذا دینی بہت ضروری ہی اُس کی تقویت سے غافل ہونا بڑا غضب ہی مریض چیچک کو ہوا اور گرم اور سرد سے ضرور بچانا چاہیئے گڑ کی خوشبو سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں اس واسطے مریض چیچک کے مکان میں کچھ مقدار گڑ کی رکھنا نہایت ضروری ہی چیچک کے مریض کے پاس اور غیر مرد یا عورت اور بچوں کو نہ جانا چاہیئے اس مریض کے گھر کی خراب ہوا کا اثر فوراً عورتوں کے کپڑوں اور جسموں پر پڑ جاتا ہی اور باہمی اختلاط سے مرض عام ہو کر وبا کہلانے لگتا ہی اور اس وقت نہ کوئی احتیاط کام آتی ہی اور نہ کچھ کرتے دھرتے بنتی ہے سینکڑوں پودے انسانی باغ کے اس موذی مرض کی خزاں کے نذر ہو جاتے ہیں اور مالی اور مالن کفِ افسوس ملتے رہ جاتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ احفظنا مِنْ کُلِّ بلاء الدُّنیا والاٰخرۃ واجعلنا من التوابین واغفر ذنوبنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین۔

ووکنگ میں عید الفطر

آفتابِ خوشی ہویدا گشت

رفت رمضان و عید پیدا گشت

غربت کی عید جو کیفیت اور جو مسرت رکھتی ہی اُسے وہی لوگ خوب جان سکتے ہیں جنہیں سفر ہیں اور سفر بھی وہ جو ہزاروں میل اور سمندر پار کا ہو۔ کبھی کبھی یا کوئی خوشی کا تہوار آ جاتا ہے۔ اس مسافر کی خصوصاً کیا حالت اور کیا کیفیت ہوگی جو ایسے ملک اور ایسی قوم میں مقیم ہو جہاں عید تو کیا عید

منانے والوں کے نام سے بھی ایک بڑی حد تک ناواقفیت ہو۔ آپ اسی سے جان سکتے ہیں کہ اس حالت میں برس کے بعد آنے والی عید ایسے ممالک میں اپنے ساتھ کیا کچھ کیفیت لاتی ہو گی اور ایک مسافر کے دل و دماغ پر اس کس مپرسی کی حالت میں جو کچھ گذرتی ہو گی اس کا اندازہ کرنا کسی دوسرے کے لئے مشکل ہے۔ اگرچہ ہم نے اسی حالت میں انگلستان میں عید منائی لیکن اسکی وہ کیفیت اور وہ سماں اور نہ تھا جو ایک اجنبی کو انگلستان ایسے اجنبی ملک میں پیش آنے کی توقع ہو سکتی ہے ہمیں لندن ہی میں رفتہ رفتہ خبر ملگئی کہ آ بکے قصبہ ووکنگ میں عید ہونے والی ہے۔ گو یہ خبر ہمارے واسطے چنداں خوش کن نہ تھی کیونکہ سابقہ حالات ہمیں کہ رہے تھے کہ یہاں کس پیمانہ پر عید ہوا کرتی ہے۔

۲۳ر اگست ۱۹۱۴ء کو عید ہوئی۔ ہم ایک روز پیشتر ہی بوریا بستر اُٹھا کر ووکنگ میں جا ٹھہرے اگرچہ انگلستان اور دیگر حصص یورپ میں چلے جانا تہذیب کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس طرح پر جانے سے مہمان اور میزبان دونوں کو جو کچھ تکلیف ہوتی ہے اسی ہندوستان کے رہنے والے جو پرانی تہذیب کے ایک حد تک دلدادہ ہیں۔ ہندوستان میں رہ کر بآسانی معلوم نہیں کر سکتے مسجد ووکنگ میں پہنچکر ہمیں یہ دیکھکر حیرانی ہوئی کہ بعض مسلمان مثل سیٹھ سلیمان، عبداللہ خاں و عبدالعزیز صاحبان بھی ہم سے پہلے مسجد ووکنگ میں جاکر ہماری طرح تہذیبی غلطی کے مرتکب ہو چکے تھے۔ خدا کا ہزار ہزار شکر کہ ہم سے غلطی ہو چکی تھی مگر متولیان مسجد ووکنگ بھی پرانی تہذیب کی غلطی سے یورپ میں آکر محفوظ نہ رہ سکے۔ ان کا حوصلہ مہمان نوازی اسیطرح فراخ رہا جس طرح ایسے تیوہاروں پر ہوا کرتا ہے۔

نماز عید الفطر

۲۳ر اگست ۱۹۱۴ء کو صبح ہی صبح لندن سے مسلمان آنے شروع ہو گئے۔ ۱۰ بجے دن تک کوئی ایک سَو آدمی کے قریب مسجد ووکنگ میں جمع ہو گیا جن میں نواب بہاولپور بالقابہ، ڈاکٹر محمد الدین صاحب مشیر، مولوی غلام حسن اتالیق نواب صاحب بہادر مسٹر ارنلڈ اور اُن کی لیڈی صاحبہ، سیٹھ سیٹھ لطیفی صاحب (والد مسٹر لطیفی ممبر سول سروس پنجاب حال حیدرآباد دکن) و پیش امام ٹرکی کونسل

و مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار و قاری سرفراز حسین صاحب بھی شامل تھے۔ باقی طالب علم اور تاجر پیشہ و سیاح لوگ تھے۔ کل تخمینہ باہر سے آنے والوں کا ۱۳۰ کے قریب ہو گا۔ ان میں انگریز نو مسلم مرد اور عورتیں بھی شامل ہیں۔ تقریباً ۱۱ بجے دن کے عبدالحی صاحب عرب نے صدائے عید دی اور مسجد کے اندر اور باہر صف بندی ہوئی مولوی صدرالدین صاحب نے جماعت کرائی جس خوبصورتی اور خوش الحانی سے مولوی صاحب نے تکبیریں کہیں وہ سماں موحدین کے لئے ایک نہایت ہی خوش کن سماں تھا۔ خطبہ بھی انھیں نے پڑھا۔ خطبہ میں فضائل اسلام کے بیان کرنے میں مولوی صاحب نے جن دلائل و براہین کو باسلوب احسن بیان کیا وہ بجائے خود ایک ایسا موثر اور جذب انداز رکھتی تھیں کہ رہ رہ کر یہ دعا لب پر آتی تھی کہ خدائے تعالیٰ قوم میں ایسے تعلیم یافتوں کی تعداد بڑھائے جو مذہبی رنگت میں لائی ہوں۔ خطبہ کے خاتمہ پر تمام لوگوں نے اٹھ کر تکبیریں کہیں۔ یہ منظر کچھ ایسا دلکش تھا جس کا لطف الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ ہر مسلمان کے چہرے سے ایک خاص قسم کی بشاشت ظاہر تھی۔ اسی اثنا میں شیخ عبدالقادر انگریز نو مسلم نے اٹھ کر نہایت خوشی کے ساتھ مولوی صدرالدین صاحب سے بغل گیر ہو کر کہا کہ "میں اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہوں"۔

ایک نومسلم فوجی لباس میں

نومسلم انگریزوں میں مسٹر نورالدین ہیرس بھی فوجی لباس میں مقتدی تھے۔ یہ وہ نوجوان انگریز نومسلم ہے یہ کلایو کے خاندان میں سے ہے۔ یہ خاندان انگلستان میں ایک مشہور و معروف خاندان ہے، کلایو کا نام ہی علو خاندان کی عظمت کا آئینہ وار ہے۔ مسٹر ہیرس اس فوج میں ہیں جس کے ساتھ لندن کے لارڈ بشپ بھی شامل ہیں۔ چونکہ عید اتوار کو تھی اس واسطے مسٹر ہیرس کو ضرورت پڑی کہ کمان افسر فوج سے اجازت لی جاوے اور رجسٹر میں نام لکھایا جاوے کہ میں کس کام کے لئے جاتا ہوں۔ مسٹر موصوف نے پوری آزادی سے افسروں کے پاس ظاہر کیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں، اور مجھے نماز عید کے واسطے ووکنگ جانا ہے۔ افسروں نے خوشی سے اجازت دی اور مسٹر ہیرس لارڈ بشپ کی

موٹر میں بیٹھ کر ووکنگ میں آئے اور فوجی لباس میں شامل عید ہوئے۔ مسٹر ہیرس کی جرأت افسروں کی کشادہ دلی، اور لارڈ بشپ کا موٹر کار دینا یہ تینوں امور درجہ بدرجہ قابل تعریف ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انگلش قوم کے اکثر ممبر کس درجہ تک وسیع خیال ہیں۔ چونکہ مسٹر ہیرس کو جلدی واپس جانا تھا۔ اس لئے منتظمین مسجد نے سب سے پہلے ان کو کھانا کھلا کر رخصت کیا۔ ختم نماز اور خطبہ کے بعد ایک انگریزی لیڈی بہ عمر ۵۳ سال مشرف باسلام ہوئی۔

مسجد ووکنگ میں ضیافت عید

فراغت نماز کے بعد نواب صاحب بہادر بھاولپور مع اسٹاف واپس تشریف لیگئے اور باقی کل مسلمان قدیم و جدید مسجد ووکنگ کے میدان میں کھانا کھانے کے لئے گئے۔ کچھ دیسی طریق سے فرش پر بیٹھ گئے اور کچھ میزوں پر۔ مسٹر آرنلڈ اور دیگر چند غیر مسلم انگریزوں نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانا کھلانے والے نومسلم اور غیر مسلم انگریز اور لیڈیاں تھیں جنھوں نے انگریزوں کے علاوہ دیسی لوگوں کو بھی کھانا کھلایا۔ جس خوشی اور جس مہربانی اور توجہ سے غیر مسلم انگریز اور لیڈیاں مہمانوں کو کھانا کھلاتی اور برتن اٹھا کر لاتی تھیں۔ اس سے پتہ لگتا تھا کہ ان کے دلوں میں اسلامی روش کی کہاں تک عظمت ہے اور انھیں کہاں تک موجودہ جماعت سے محبت اور الفت ہے۔ بڑے بڑے معزز انگریزوں اور انکی خاتونوں کا صبح سے لیکر شام تک کام کرنا میزیں اور کرسیاں اٹھانا ایک دیکھنے والے کے واسطے موجب حیرت ہے۔

فٹ بال اور دیسی ورزشیں

کھانا کھانے کے بعد دیسی اور انگریز فٹ بال اور دیگر ہندوستانی ورزشی کھیلوں میں مصروف ہو گئے اور ۳ بجے تک یہی شغل رہا۔ ایک غیر مسلم انگریز نے یہ سماں دیکھکر کہا کہ اگرچہ میں کبھی ہندوستان نہیں گیا، مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ہندوستان میں موجود ہوں۔ ۴ بجے نماز عصر ہوئی۔ تمام مسلمانوں نے مسجد میں جاکر نماز پڑھی۔ یہ کتنی بڑی مسرت کی بات ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اکثر غیر مسلم

بھی نماز میں شامل ہو گئے۔ اور بڑے عجز و نیاز سے ارکان نماز ادا کرتے رہے۔ گو وہ دعاہائے نماز سے محض ناواقف تھے، مگر نمازیوں کی کیفیت سے وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور ان سے نہ رہا گیا۔ ایک دو نے کشادہ دلی سے کہہ بھی دیا کہ گو ہم مسلمان نہیں ہیں مگر طرز عبادت کی پسندیدگی نے ہمیں شمولیت پر مجبور کر دیا ہے۔

اسلامی پروسشن اور تقریریں

ادائے نماز کے بعد کل جدید و قدیم مسلمان مل کر شہر میں گشت کو نکلے گویا یہ ایک دیسی پروسشن یا اسلامی پروسیشن تھا۔ سارے شہر میں پھر پھرا کر پھر مسجد میں واپس آئے۔ اس گشت کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اور شہر کے لوگوں نے نہایت کشادہ دلی سے اُن کا خیر مقدم کیا۔ واپسی پر معلوم ہوا کہ مسٹر خالد شیلڈرک بہت سے انگریز مردوں اور عورتوں کو مذہبی لیکچر دے رہے ہیں سب لوگ وہاں پر بیٹھ گئے مسٹر خالد نومسلم کی تقریر بہت معقول دلچسپ اور موثر تھی۔ پھر خواجہ صاحب نے یہ تقریر کی کہ ہمیشہ یہ کہا جاتا ہے کہ مذہب جنگ و جدل کا بانی ہے۔ اب جرمنی جو جنگ کر رہی ہے وہ ایک تہذیبی جنگ ہے۔ لوگ سوچ سکتے ہیں کہ جنگ و جدال کا اصل بانی کون ہے۔ مذہب یا تہذیب۔ اگرچہ سرکار انگریزی نے بجائے خود اس جنگ کے کرنے میں بہت کچھ تامل اور تدبر سے کام لیا مگر پھر بھی تہذیب جنگ کو نہ ٹلا سکی۔ اس خوبی سے اس پر تقریر ہوئی کہ اکثر غیر مسلم انگریزوں نے تائید کی۔ اسکے بعد مولوی صدرالدین صاحب نے سامعین سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر کوئی صاحب اسلام کے متعلق کوئی سوال رکھتے ہوں تو پوچھ سکتے ہیں کوئی روک ٹوک نہیں چنانچہ ایک لیڈی نے سوال کیا کہ مسیح علیہ السلام کا درجہ کیا سمجھا جاتا ہے۔ مولوی صدرالدین صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب نے اس خوبی اور وضاحت سے اس کا جواب دیا کہ سائلہ پھر نہیں بولی۔ اس کے بعد بہت سے لوگ لنڈن کو واپس ہو گئے اور بہت سے باقی رہ گئے۔ رات کے کھانے کے بعد مولوی صدرالدین صاحب و مسٹر محمد یامین صاحب بیرسٹر میرٹھی و عبداللہ صاحب و دیگر چند صاحبان نے اُن نومسلم اور غیر مسلم بھائیوں اور بہنوں کا شکریہ ادا کیا جو دن بھر

تواضع کے کام میں مشغول رہے، پھر خواجہ صاحب نے کھڑے ہوکر شکریہ ادا کیا اور اس کے ضمن میں یہ بھی کہا کہ چونکہ میں اب چند ایام کے واسطے ہندوستان جانے والا ہوں۔ اس لئے بھائیوں اور بہنوں سے رخصت ہوتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم اس نیک کام میں دن دونی رات چوگنی ترقی دے۔ اور سب بھائیوں اور بہنوں کو اتفاق سے کام کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

یہ جلسہ عید جس مسرت اور خوبی سے ووکنگ میں ہوا، سچ تو یہ ہے کہ ویسا وطنی عیدوں میں بھی نہیں ہوتا۔ اس عید میں دیسی اور انگریز مسلم اور غیر مسلم ایک ہی رشتہ کے دانے معلوم ہوتے تھے جس بے تکلفی اور جس خوش اخلاقی سے ایک دوسرے سے پیش آتا تھا وہ بیان سے باہر ہے۔ نومسلم اور غیر مسلم انگریزوں نے زبان حال سے یہ کہکر خوشی ظاہر کی کہ یہ پہلا ہی دن ہمارے واسطے ہے کہ اس قسم کی بے تکلفی سے کام لیا گیا ہے۔ دیسی لوگوں نے بھی جس خوش اخلاقی اور حسن وخوبی سے ووکنگ میں عید منائی ہے وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ یہ ثابت ہوگیا کہ مل بیٹھنے سے جنگل میں بھی منگل ہوجاتا ہے ہم خواجہ کمال الدین اور مولوی صدرالدین صاحبان کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انکی نیک نیتی روز بروز عمدہ اور شیریں ترپھل لارہی ہے۔

جو کام نمونہ کرتا ہے وہ بڑے بڑے لیکچروں سے بھی نہیں ہوتا۔ انگلستان میں رہکر ضرورت ہے کہ کچھ یہاں کے لوگوں کو بھی سکھایا جاوے، اگرچہ انگلستان اور یورپ کے لوگ خوبی طالع سے بہت سی باتوں میں ہم سے زیادہ ہیں۔ مگر ہم میں بھی بعض باتیں ایسی ہیں جو اُن میں فروغ پاسکتی ہیں۔ ہم صاف الفاظ میں کہنے کی اجازت مانگتے ہیں کہ یورپین اصحاب میں محض دکھاوے کی اخوت ہے جسمیں اصلیت کا بہت کم حصہ ہے۔ اسلام جو اخوت سکھاتا ہے اسکی یورپ میں ایک بڑی حدتک ضرورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے پیاسے اور بھوکے ہیں۔ اقطاع یورپ میں وہی مسلمان مشنری کی حیثیت میں کامیاب ہوسکتا ہے جو اپنی ذات میں اسلامی نمونہ رکھتا ہو۔ خداوند کریم مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ پیدا کرے آمین

مسجد ووکنگ کی مرمت

مسٹر آرنلڈ، مسٹر لطیفی اور مسٹر امین مسجد ووکنگ کے ٹرسٹی بھی ہیں، چونکہ ان دنوں مسجد ووکنگ کی مرمت ہو رہی ہے۔ اس لئے ان اصحاب نے کام کے ملاحظہ بعد یہ رائے ظاہر کی کہ کام کے مقابلہ میں جس خرچ کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ بہت کم ہے۔ مولوی صدر الدین صاحب نے کہا کہ اس کام کی ایک طالب علم انجنیری شیخ محبوب آلٰہی نگرانی کرتے ہیں۔ اس واسطے خرچ کم اور کام اچھا ہو رہا ہے۔ آپ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ شیخ صاحب کا نام ہمارے پاس بھیجدیا جائے، تاکہ ہم اُنھیں شکریہ کی چٹھی لکھیں۔ خدا اُن کو جزائے خیر دے۔

اخیر پر ہم عرب صاحب و منشی نور احمد صاحب اور شاف ووکنگ کی دیندارانہ خدمات کا بھی اعتراف کرتے ہوئے ان کے حق میں دعا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی سیٹھ سلیمان صاحب عبد اللہ خاں صاحب و منشی عبد العزیز صاحب کی محنت اور رات دن کی تکلیف کا شکریہ ادا کرنے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان لوگوں نے کمال خلوص سے کام کیا ہے۔ اور ساتھ ہی اسکے خدائے لایزال سے یہ بھی چاہتے ہیں کہ بحق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ووکنگ میں ہر عید اور ہر شب برات اس سے بھی زیادہ شان و شوکت اور خوشی و مسرت سے ہوتی رہے اور نومسلموں کی جماعت میں دن دگنی اور رات چوگنی افزونی ہو۔ اس عید میں یہ ایک افسوس رہا کہ لارڈ ہیڈلے اس واسطے وقت پر شامل نہ ہوسکے کہ ان کے لڑکے بیمار تھے، خداوند کریم انھیں جلد صحت بخشے۔ آمین

راقم (شامل عید)

کردستان

کردستان مابین اناطولیہ اور کوہ قاف کے واقع ہے اس کے باشندے زیادہ تر مسلمان ہیں اور یہ لوگ دیگر قوموں اور اہل مذہب سے تنفر کرتے ہیں اور مسلمانوں کے رواج کے برعکس

یہاں کی عورتیں بے نقاب پھرتی ہیں لیکن کرد اپنی عورتوں کی بڑی وقعت کرتے ہیں اور اُن کو پورے حقوق حاصل ہیں۔ سلطنت عثمانیہ کو یہ لوگ بخوشی فوجی امداد دیتے ہیں اور فوجی خدمات نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ کرد ہتھیار اور دری قالین بنانے میں بڑے مشاق ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اونی۔ سوتی اور ریشمی کپڑے بنانا بھی جانتے ہیں۔ اور اب کپڑے چمڑے کا کام بھی کرنے لگے ہیں اور ظروف سازی کی طرف بھی متوجہ ہیں۔

بعض کرد پرانی وضع کے بھالے۔ برچھے اور بھاری گرز استعمال کرتے ہیں لیکن زیادہ تر یہ لوگ اب جدید طرز کی بنی ہوئی بندوقیں استعمال کرتے ہیں۔ جن کردوں نے پیشہ زراعت اختیار کر لیا ہے اُنکی وحشیانہ صفات کم ہو گئی ہیں۔ روز بروز شائستہ ہوتے جاتے ہیں۔

دیہات میں یہ لوگ نہایت سرسبز اور شاداب مقامات پر سکونت کرتے ہیں۔ ان کے عمائدین کا لباس حسب ذیل ہوتا ہے۔

سر پر ٹوپی جس کے گرد ریشمی رومال خوبصورتی کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا ہے۔ ریشمی سفید قمیص جس کی آستینیں ایک ایک گز لانبی ہوتی ہیں۔ قمیص کے اوپر اونی صدری ہوتی ہے سفید ڈھیلا ڈھالا پاے جامہ جو ٹخنوں سے نیچا ہوتا ہے۔ پیروں میں پاے تابہ اور سفید کامدار زیرپائی پہنتے ہیں۔ گلے میں کارتوسوں کی پیٹی پڑی رہتی ہے اور ہتھیاروں پر نگینے جڑے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جبل طارق سے ایشیاے کوچک تک کے پہاڑوں پر پھیلے ہوئے ہیں اور انکی آبادی تقریباً ۳۰ لاکھ ہے۔ فارس کی پہاڑی سرحد پر یہ لوگ اپنے ہمسایوں کو بہت ستاتے ہیں اور ابھی تک پہاڑی دروں میں ہو کر لوٹ مار کیا کرتے ہیں۔ روسیوں کی فتح ترکستان سے پیشتر کرد خراسان میں اُس کی سرحدات کی ترکمانوں سے حفاظت کرنیکے لئے آباد کئے گئے تھے لیکن اُنکی بجنسہ وہی حالت تھی جیسے کہ بکریوں کی حفاظت کا کام بھیڑیوں کے سپرد کیا جاوے۔

اس معاملہ میں یہ لوگ اپنے ہم مذہبوں کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ کرد نہیں ہیں اور یہ لوگ فارس کے شیعوں سے ایسا ہی تنفر کرتے ہیں جس طرح کہ عیسائی مسلمانوں سے کرتے ہیں دجلہ کے قریب پہاڑی اضلاع میں کردوں کا ایک فرقہ یزیدی آباد ہیں۔ دیگر تمام فرقے ان کو شیطان پرست کہتے ہیں اور ان سے سخت نفرت کرتے ہیں یہ لوگ اپنے کو نہایت صلح جو اور اطاعت شعار بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترکوں نے ہم پر مظالم کرکے ہم کو بالکل خارج کر رکھا ہے۔

کردستان کے جنوبی پہاڑوں میں ایک فرقہ داودی کہلاتا ہے جو غالباً حضرت داؤد کی اولاد سے ہے۔ کردستان میں زبردست فرقہ قزلباش ہے جو کہ ایران اور ایشیائے کوچک میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بظاہر یہ لوگ اپنے تئیں مسلمان بتاتے ہیں لیکن ان کے خاص قسم کے مذہبی عقائد ہیں اور یہ لوگ اپنے مذہبی عقائد کو کسی غیر شخص پر ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے ہیں یہ لوگ اپنے کو ترکی النسل ظاہر کرتے ہیں اور شیعوں کے بہت سے عقائد ان سے مشابہ ہیں۔ قزلباشوں کو عیسائیوں سے بہت کم نفرت ہے۔

فارس کی سمت تو یہ لوگ زیادہ تر سنی المذہب ہیں لیکن ٹرکی میں عموماً ان کا مذہب قزلباش ہے۔ پہاڑی مقامات پر رہنے والے کرد اسقدر خونخوار تھے کہ دریائے فرات کے نزدیک بعض پہاڑیوں پر یہ لوگ قیام کرتے تھے۔ ترکوں نے انسے مالگذاری وصول کرنیکے واسطے ایک دستہ فوج کا روانہ کیا۔ کردوں نے پتھروں سے کچلکر اُن کو مار ڈالا اور ایک سپاہی تک بچکر واپس نہ آیا۔ لیکن جب سے کہ اُنھوں نے پہاڑوں سے سکونت ترک کرکے میدانی مقامات پر رہنا اختیار کیا ہے ان کے وحشیانہ اطوار تبدیل ہوگئے ہیں اور اب لفظ کرد صرف ان ہی شائستہ اور مہذب لوگوں پر اطلاق کرتا ہے۔

راقم

اُستاد اور شاگرد

ٹریننگ کالج کا کام

گورنمنٹ کی موجودہ پالیسی یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے ٹیچرز کی تربیت میں سعی اور ترقی کی جائے گذشتہ پانچ سال میں اس معاملہ میں بہت کچھ ترقی حاصل ہوئی ہے۔ اب چونکہ ٹریننگ کالجوں کا کام تجربہ کے ابتدائی درجے سے گذر چکا ہے اور اُس کے ایسے عملی نتائج مترتب ہوئے ہیں۔ جن کی شروع میں توقع نہ تھی اس لئے اس کو مزید ترقی دینے کی تدابیر زیرِ غور ہیں۔ ہندوستان میں اس فن کی اہمیت ذہن نشین کرانے کے لیے ضروری ہے کہ تاریخ تعلیم انگلستان کا کچھ حال بیان کر دیا جائے۔

انگلستان میں تعلیمی تحریک

اُنیسویں صدی کے شروع میں انگلستان کی سوشل زندگی میں عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا۔ صنعت و حرفت کی توسیع سے قبل لوگ زیادہ تر کاشتکاری کا پیشہ کرتے تھے یا دیہاتی دستکاریاں کرتے تھے۔ تعلیم چار امور پر مشتمل تھی۔

(۱) خصائل درست کرنا۔

(۲) تندرستی کی حفاظت کرنا۔

(۳) صنعت و حرفت کا علم حاصل۔

(۴) اپنے فرصت کے وقت کو مفید طریقہ سے استعمال کرنا۔

خصائل کی درستگی کا یہ طریقہ تھا کہ گاؤں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے باہمی تبادلہ خیالات سے اصلاح کیجاتی تھی۔ صحت بخش قدرتی حالات کے باعث اُن کو اصول حفظان صحت کی

تعلیم کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی۔ قدیم چند مہمل روایات اس کے متعلق ہوتی تھیں لیکن وہ اُن حالات کے لیئے نہایت موزوں تھیں پیشہ زیادہ تر آبائی ہوا کرتا تھا۔ باپ بیٹے کو اپنے پیشہ کی تعلیم دیتا تھا۔ چونکہ دیہات کے کاروبار میں بہت زیادہ دیر تک کام کرنا ہوتا ہے اور جسم کو بہت کچھ تکان ہو جاتا ہے اس لیئے دماغی ورزش کے لیئے موقع نہ ملتا تھا۔ یہ فرصت کا وقت ورزش کرنے یا کھیل کود میں صرف کیا جاتا تھا۔ لیکن صنعت وحرفت کی توسیع کے انقلاب نے دیہاتیوں کو دستکار پیشہ جماعت بنا دیا اور وہ بجائے دیہاتی کے شہری بن گئے اب وہ خاندانی بزرگوں کی سرپرستی اور نگرانی سے نکل گئے اور اُن کی آبائی شرافت جاتی رہی اور مختصر سی سوسائٹی میں شب و روز بسر کرنے سے جو خاص خوبیاں اُن میں پیدا ہوتی تھیں وہ خصوصیات قطعی ناپید ہو گئیں۔ دیہات کے اصول حفظان صحت۔ شہری زندگی پر آزمائے گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وبائی امراض کالرہ وغیرہ پیدا ہونے لگے۔ مختلف قسم کی مصنوعات کی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی جنکو اُن کے آبائی اور خاندانی علم پورا نہیں کر سکتے تھے۔ شہری منہمک زندگی اور جسمانی ورزشوں کے سامان بہم نہ پہنچنے کے باعث فرصت کا وقت لہو ولعب ناشائستہ حرکات میں صرف ہونے لگا اور میونسپل گورنمنٹ اس کا انسداد نہ کر سکی لیکن بفرض محال اگر ان خرابیوں کو دفع کرنے کے قوانین بھی مرتب کیئے جاتے تاہم دیہاتی جو خوبیاں مفقود ہو گئی تھیں اُن کا قائم مقام یہ قوانین ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔

سوشل خرابیوں کے لیئے اکسیر اعظم

خصائل اور اطوار کی درستگی۔ حفاظت صحت۔ صنعت وحرفت کی تعلیم اور فرصت کے اوقات کا مصرف ان سب کے لیئے تعلیم اکسیر اعظم تجویز ہوئی اُس زمانہ میں انگلستان میں دو قسم کے مدرسے تھے۔ پبلک اسکول اور گریمر اسکول جو شرفا اور حکمران جماعت

کی اولاد کو تعلیم دیتے تھے اور ان میں وہ مضامین پڑھائے جاتے تھے جن کے جاننے کی حکمران جماعت کو ضرورت تھی۔ گرامر اسکولوں میں ادبیات کے درس سے منطقی خیالات اور منطقی طرز استدلال کی تعلیم ہو جاتی تھی اور مورخانہ پہلو سے گورنمنٹ کے ایڈیل اور پالسی کی تعلیم ہوتی تھی اور فوجی خیال کو مدنظر رکھ کر جغرافیہ اور تاریخ کی تعلیم ہوتی تھی۔ نصاب تعلیم اور سوشل زندگی کے لحاظ سے یہ اسکول اعلیٰ درجہ کا نمونہ تھے جو حکمران قوم کے لیئے نہایت موزوں اور مناسب تھے علاوہ بریں چند مدارس ایسے بھی تھے جو غریب شرفا کے بچوں کو تعلیم دیتے تھے یہ زیادہ تر مصارف خیر سے قائم کیئے جاتے تھے اور یہ غریب شرفا کے بچوں کو حکمران جماعت کی چھوٹی چھوٹی آسامیاں پر کرنے کے لیئے درس دیتے تھے۔ ان درسگاہوں کے نصاب میں صرف یہ ترمیم کی گئی کہ بجائے لاطینی زبان کے انگریزی ادبیات داخل کر دی گئی۔ باقی مضامین بدستور اور اُن کا طرز تعلیم بھی بدستور قائم رکھا گیا۔ لیکن چند سال کے تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ جن نتائج کی توقع کی گئی تھی وہ حاصل نہیں ہوئے۔ ادنے اقوام میں ڈسپلن کے خیالات نہیں رہے اور ترقی کرنے کے کوئی آثار اُن میں نہیں معلوم ہوتے تھے۔ علاوہ بریں بہت کچھ پولٹیکل اور سوشل بے چینی بھی پیدا ہو گئی تھی جو زیادہ تر جہالت پر مبنی تھی۔ بعض شکایات حقیقی بھی تھیں لیکن اُن کی اصلاح غلط طریقوں سے حاصل کرنے کی کوشش ہوتی تھی اور ان شکایات کے رفع کرنے کے لیے ایجیٹیشن نہ تو مناسب قسم کا ہوتا تھا اور نہ خاص شکایتوں ہی کے متعلق ہوتا تھا۔ جن لوگوں کو بہت کم شکایات تھیں وہی بہت زیادہ شور و غل مچاتے تھے اور یہ لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور اسی زمانہ میں تعلیم صنعت و حرفت کو مطلق ترقی نہیں ہوئی تھی یہ رائے قرار پائی کہ نصاب تعلیم میں ضرور کوئی خرابی ہے اور اس لیے سائنس نصاب تعلیم میں داخل کر دی گئی لیکن اس کا نتیجہ کچھ زیادہ سودمند نہیں نکلا۔

طرز تعلیم کی ایک غلطی۔

غلطی یہ تھی جس کو کہ اب انگلستان میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جو نصاب تعلیم حکمران قوم کے افراد کے

لئے مقرر کیا گیا تھا اُسکا ان مدارس میں درس دیا گیا جو مزدوری پیشہ حضرات کے بچوں کی تعلیم کے لیے قائم کیے گئے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے پالسٹیشن پیدا ہو گئے جن کو اُن علوم اور فنون کی مکمل تعلیم نہیں ہوئی تھی جو حکمران قوم کے افراد کی تعلیم کی تکمیل کے لیئے لازمی اور ضروری تھے۔ جیسے کہ ادبیات۔ تاریخ۔ سائنس وغیرہ ہیں۔ اگرچہ یہ مضامین علوم انسانی کے مختلف حصے ہیں جس کی کہ سب آدمیوں کو تعلیم دینی چاہیئے لیکن غلطی یہ ہوئی کہ ان علوم کی تعلیم عوام کو اُس خیال اور اُس طرز پر دی گئی ہے جیسے کہ حکمران قوم کے افراد کو دی جاتی تھی۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ ادبیات کی تعلیم حکمران قوم کے افراد کی تربیت کا جزو ہے اور اُن کے لیئے لازمی ہے لیکن عوام کے لیے تفریحاً پڑھایا جا سکتا ہے اور اس لیئے حکمران قوم کے افراد کو اس کی تعلیم مع تشریح اور توضیح کے اس طور پر دی جائیگی کہ اُن کے ذہن نشین پورے طور پر ہو جائے لیکن عوام کو جب اسکی تعلیم دی جائیگی تو صرف اسقدر سمجھا دینا کافی ہوگا کہ وہ شوق کے ساتھ بطور تفریح کے پڑھیں اور پڑھنے سے اُن کو لطف حاصل ہو جائے گویا کہ کلاس روم مثل لٹریری کلب کے سمجھا جائیگا اعلے طبقے کے لڑکوں کو جغرافیہ کی تعلیم سیاحت اور پولیٹکل تقسیم کے لحاظ سے دینا ہوگی۔ لیکن عوام کے بچوں کو اس کی تعلیم صرف تجارتی لحاظ سے دینا چاہیے اسی طرح علم تاریخ کی تعلیم مختلف فرائض ملکی کے لحاظ سے ہونا چاہیے۔ کوئی شخص تو تاریخ کو محض سطحی طور پر دیکھتا ہے اور کوئی غائر نظر سے اُسکا مطالعہ کرتا ہے سطحی طور پر دیکھنے کے یہ معنی ہیں جیسے کہ ابتدائی تعلیم کے مدارس میں اُنکا درس دیا جائیگا جہاں کہ طلبہ کو اُس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور نہ اُن کی زندگی پر اُسکا اثر پڑتا ہے اور اگر کوئی ٹیچر یہ غلطی کرتا ہے کہ ان مدارس میں اس طور پر درس دیتا ہے کہ تاریخ کا اثر طلبہ کی طرز زندگی میں نمودار ہو تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پولیٹکل غداری اور بے چینی پیدا کرنے والے اشخاص پیدا کرنے میں وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ درحقیقت ان مضامین کے درس دینے کے طرز میں غلطی تھی۔

لنکاسٹر اور بیل کے اصحاب نے یونیورسٹی کورس کے قائم مقام کے طور پر اپنے نیاں ٹرننگ کالج

قائم کیئے تاکہ اُن کے بچوں کے اسکول کی تعلیم میں کسی قدر اضافہ ہوجائے اور ان میں ٹیچر بننے کی قابلیت پیدا ہوجائے بالآخر یہ امر تسلیم کرلیا گیا کہ تمام تعلیمی دقتوں کا حل ان ہی ٹرننگ کالجوں کے ذریعے سے ہوسکے گا اور اُس تاریخ سے ٹریننگ کالج کے کام کی طرف بہت کچھ زور دیے جاتے ہیں اگر ان کالجوں نے اپنے کام کو انجام دیدیا تو غلطی کا دور ہونا صرف وقت کا سوال رہجائیگا۔

ہندوستانی ٹیچر:۔

ہندوستان میں جدید تعلیم کی مخالفیں بڑے زور شور کے ساتھ اپنی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ تعلیم اخلاقی خرابیاں۔ جسمانی کمزوری اور پولٹیکل بے چینی پیدا کرنے کا باعث ثابت ہوئی ہے۔ انگلش پبلک اسکولز اور ابتدائی تعلیم کے اسکولز کے نمونے پر یہاں اسکول قائم کیئے گئے ہیں۔ اکسفورڈ اور کیمبرج کے نمونہ پر کالج کھولے گئے اور جن مضامین کی کہ وہاں تعلیم ہوتی ہے اُن کی تعلیم یہاں کے کالجوں میں اُسی طرز پر دیجاتی ہے اس تعلیم کا مقصد تو یہ ہے کہ ہاٹلشن اور گورز پیدا ہوں نہ کہ تجارت پیشہ اور اہل حرفہ تیار ہوں۔ تعلیم بلا رزیڈنشیل سسٹم کے دیجاتی ہے جس سے کہ ڈسپلن وغیرہ کی تعلیم نہیں ہوسکتی ہے جیسی کہ انگلش پبلک اسکولوں میں دی جاتی ہے اور جو نصاب تعلیم کی تکمیل کے لیے ضروری سمجھی گئی ہے اور جہاں پر کہ ورزشوں اور صحت بخش کھیلوں کا بھی انتظام ہے تاکہ دماغی محنت سے جو کمزوری پیدا ہوجائے اُس کو رفع کردے اور جو کہ کریکٹر کی درستی کے لیے بڑا زبردست ذریعہ اور طریقہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستانی ٹیچر اپنے شاگردوں کے لیئے بڑی سخت محنت اور کوشش کرتا ہے بلا تعلیمی خیالات کے تجربہ۔ بلا طرز تعلیم کی واقفیت اور بغیر ڈسپلن سے واقف ہونے کے جسکو کہ زبانی اور عملی طور پر دکھایا جائے۔ ہندوستانی ٹیچر نے اپنی سی کوشش اپنے شاگردوں کے لیئے قابل تعریف کی ہے اگر اُس کو موقعے اور وسائل حاصل ہوں تو اس سے زیادہ کرنے پر تیار ہے وہ عام طور پر بچوں کا عاشق اور اُنکا بہی خواہ ہوتا ہے

لیکن فن تعلیم سے ناواقف ہونے کے باعث وہ ایک ادنیٰ درجے کا ٹیچر اور معمولی قسم کا ڈسپلن قائم رکھنے والا ثابت ہوتا ہے یہ نقص تعلیمی پالسی اور اُن علوم کا نہیں ہے جو پڑھائے جاتے ہیں بلکہ یہ خرابی طرز تعلیم کی ہے جبتک کہ انٹرمینڈ گریجویٹ اسکولوں میں تعلیم کے لئے بھیجے جائینگے یہ نقص ہرگز دور نہ ہوگا بلکہ روز بروز زیادہ ہوتا جائیگا کیونکہ طرز تعلیم اور ڈسپلن کے اصولوں سے ناواقفیت کے باعث اُس کا طرز عمل بطور ایک منانہ کے اسکولوں میں باقی رہجائیگا طرز تعلیم کی کمزوریاں اور خرابیاں ہندوستان میں دس گُنا زیادہ ہوجاتی ہیں۔ جہاں پر بچے تعلیم کو جلد قبول کرنے اور آسانی سے سانچے میں ڈھلنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس نقص کو دور کرنے اور طرز تعلیم کو درست کرنے کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔

طریقۂ تعلیم

مثال کے طور پر ڈیوڈ ٹیرٹریننگ کالج کلکتہ کا حال بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ لیکن جس شخص کو اس کام سے جتنی دلچسپی ہے وہ خود ہی اس کو سوچ سکتا ہے کہ یہ طریقہ کس قدر موزوں ہے اس کے بیان میں معلوم ہوجائیگا کہ کس وجہ سے بعض باتیں کی جاتیں اور بعض ترک کردیجاتی ہیں اور اس کے وجوہ اور دلائل اس کام کے غیر معمولی حالتوں پر منحصر ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولاً ہم اس کے مقاصد اور بعد ازاں اس کے طریقوں کو بیان کریں۔

ٹریننگ کالج کے مقاصد

(۱) اسکول کے طلبہ کی آیندہ زندگی کے لیے مناسب تعلیم دینا۔

(۲) عملی کام کی تربیت اور تعلیم کا انتظام کرنا۔

(۳) لٹریری تعلیم کو ٹیکنیکل تعلیم سے علیحدہ کرنا۔

امر اول کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ عملی زندگی میں قدم رکھنے کے لیئے تعلیم۔ مکمل تیاری ہے عملی زندگی کی دو شکلیں ہیں (۱) حصول معاش (۲) حفظ نفس۔ حصول معاش لابدی اور اشد ضروری شئے ہی اور اس کے لیئے تیار ہونے کو اس قسم کی تعلیم درکار ہی جس سے کہ اس میں اپنی اُن قوتوں کے استعمال کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاوے جو فطرت نے اُس کو عطا کی ہیں اور جن سے وہ اپنی قوم اور ملک کے لیئے سودمند ثابت ہو۔ اُس کو ایسے پیشے کی تعلیم دینی چاہیئے جس کو وہ بخوبی انجام دے سکتا ہی اور جس کی اُس کی قوم کو حاجت ہی۔ اسکے لیئے اولاً تو بچہ کی قوتوں کو شناخت کرنا ہوگا دوسرے اُس کی مقامی ضروریات معلوم کرنا ہونگی۔

ضروریات زندگی کے حصول کے لیئے لازمی ہی کہ ضروریات زندگی کے متعلق ابتدائی علم حاصل کیا جائے۔ ہربرٹ اسپنسر نے اس کے چار حصے کیئے ہیں۔ خوراک۔ مکان۔ لباس۔ اور تندرستی کے حاصل کرنے کے سامان مہیا کرنا۔ جبکہ پہلی بار لڑکا اسکول میں داخل ہوتا ہے تو اُس کی قوتیں نامعلوم ہوتی ہیں اور ان کی قوتوں کی ورزش کی وہ ابتدا کرتا ہی اور وہ اپنے دائرہ کے اندر ضروریات زندگی کی معلومات حاصل کرنی شروع کرتا ہی لیکن جیسے جیسے کہ وہ ترقی کرتا جاتا ہی تو علم کی بعض شاخوں کی طرف بہ نسبت دیگر کے زیادہ رغبت اور قابلیت ظاہر کرتا ہی اسلیئے بتدریج خاص قابلیت پیدا کرنیکا مقام اسکول ہی ہوتا ہی اب ٹیچر کے لیئے اس امر کی ضرورت ہی کہ وہ ہر ایک طالب علم کے رجحان طبع کا پورا پورا اندازہ کرتا ہی اور جس طرف اُس کی طبیعت کا خاص رجحان اور جو اُس کے لیئے زیادہ موزوں ہو اُس کی طرف اُس کی رہنمائی کرے۔ اسکا کیا اثر ہوگا؟ یورپ میں لبا اوقات یہ واقعہ ہوتا ہی کہ طالب علم عملی زندگی میں قدم رکھنے کے آخری وقت میں اپنے لیئے کسی پیشہ کا انتخاب کرتے ہیں اس انتخاب میں وہ اکثر غلطی کرتے ہیں کیونکہ اُن کو جنرل ایجوکیشن دی گئی ہی اور اس کا کبھی موقع نہیں ملا کہ وہ رجحان طبع کو معلوم کریں۔ لیکن ٹرینڈ ٹیچر ورس دینے کے وقت اُس کو تعلیم دینے کا زیادہ خیال

نہیں کرتا ہی بلکہ طالب علم کا رجحان طبع معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہی اور زمانہ طالب علمی میں طالب علم کو بھی یہ موقع حاصل ہوتا ہی کہ وہ اپنے رجحان طبع اور اپنے کام کے دائرہ کو معلوم کرتا رہے دوسرے جب کسی شخص کو ملازم کی ضرورت ہوتی ہی تو ایسے اسکول کے طلبار میں سے اُس کو انتخاب کرنے کے لیے جس نے بے پروائی سے تعلیم دی ہی اور کسی قسم کا امتیاز طلبہ میں نہیں قائم کیا ہی اُس کو گذشتہ کئی سال کا ریکارڈ دیکھنا ہوتا ہی اور پھر انتخاب کرنا ہوتا ہی۔ موجودہ ٹرینڈ ٹیچر کا اچھا اور برا ہونا اُس کے امتیاز پر منحصر ہی۔ جو طلبہ کے رجحان طبع کو معلوم کرنے میں اسلیئے قائم کیا ہی۔ طلبہ کی قوتوں کو صرف معلوم کرلینا ہی کافی نہیں ہی۔ سوال یہ ہی کہ وہ کونسا کام ہی جس کو انجام دینے کی ضرورت ہی اور جس کو یہ لڑکا بخوبی انجام دیسکتا ہی؟ ضلع میں جن کاموں کی ضرورت ہی اُن سے اسکول کو برابر تعلق رکھنا چاہیئے اور جن کاموں کے لیئے امیدواروں کی ضرورت ہی اُن کے لیے ایسے طلبار کا انتخاب کرنا چاہیئے جو اُن کاموں کے لیے نہایت موزوں ہوں۔ اور نہایت مناسب اصول پر ان طلبار کو اُس کام کے لیئے تیار ہونے کی تعلیم دینا چاہیئے۔ اس میں ناکامیاب ہونے کی مثال یہ ہی کہ زراعت پیشہ اضلاع کے سکنڈری تعلیم کے اسکولوں میں بعض انگلش ٹیچر جنھوں نے ٹرینگ کالج میں تعلیم حاصل نہیں کی ہی اپنے طلبہ کو کلرک بننے کی تعلیم دیتے ہیں دوسری صورت ناکامی کی یہ ہی کہ ایسے زراعت پیشہ ضلع میں طلبہ کو ادبیات کی تعلیم دی جائے جس سے کہ وہ اخبار نویس بن سکے حالانکہ اُس مقام پر اخبار نویس کی کوئی حاجت نہیں ہی۔

مدرسۂ نسوان علی گڈھ کی سالانہ رپورٹ

مدرسۂ ہذا کا بجٹ اور عام ترقی و حالات کے متعلق ایک مختصر سی رپورٹ ممبران ایسوسی ایشن کی خدمت میں پیش کی جاتی ہی۔

بجٹ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ گذشتہ سال میں بھی بہ نسبت آمدنی کے خرچ کم ہوا ہے اور مبلغ سعہ ۱۱۱/۱ کی بچت ہی۔ مگر اب وہ وقت آگیا ہی کہ آمدنی سے خرچ زائد ہوگا اور اگر خدانخواستہ کوئی رقم متوقع وصول نہو یا خرچ میں بیشی کی کوئی اتفاقیہ ضرورت پیش آجائے تو ہم کو سخت دقت کا سامنا ہوگا۔

آمدنی وخرچ کی مدات کی بالتفصیل صراحت کی ضرورت نہیں ہی کیونکہ ذرائع آمدنی بہت ہی محدود ہیں گورنمنٹ سے اور چار اسلامی ریاستوں سے جو عطیات ملتے ہیں۔ بس مدرسہ کی زندگی کا دارومدار انھیں پر ہی۔

عام پبلک نے اس مدرسہ کی ترقی وبہبودی میں اب تک کوئی حصہ نہیں لیا۔ ہم اپنی گورنمنٹ عالیہ اور جناب ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال وجناب ہز ہائنس نواب صاحب بھاولپور وجناب ہز ہائنس میر صاحب خیرپور سندھ وجناب ہز ہائنس نواب صاحب ٹونک کے دل سے ممنون ہیں کہ وہ نہایت فیاضی سے اس مدرسے کی امداد فرمارہے ہیں۔ ایک زمانہ آئیگا کہ ہماری پبلک آنکھیں کھولے گی اور ادھر دیکھے گی اور اُس وقت اُن کو بھی مثل ہمارے اُن حامیوں اور معطیوں کی احسان مندی کا پورا اعتراف کرنا پڑیگا۔ جنھوں نے ابتدا سے ہماری مدد کی ہی۔

اسلامی پبلک سے ہم اور کسی بات کی درخواست نہیں کرتے صرف یہ خواہش کرتے ہیں کہ وہ مدرسے کے حالات سے واقفیت حاصل کریں اور دیکھیں کہ اس وقت اسلامی دنیا میں کہیں قوم کی بچیوں کی عمدہ تعلیم اور تربیت کا ایسا انتظام ہی یا نہیں جو انتظام فضل ایزدی سے اس مدرسے میں ہوگیا ہی۔

پردہ

جو لوگ صرف زبانی پردے کی حمایت کرنا جانتے ہیں جب کبھی تعلیم نسواں کا ذکر آتا ہی

تو فوراً پردے کی دیوار سامنے لاکر کھڑی کر دیتے ہیں کہ بتاؤ اس سے کس طور پر پار اترو گے۔
ہم نے پردہ کا ایسا انتظام کر دیا ہے کہ جو ہندوستانی مسلمانوں کو کہیں بھی میسر نہیں آسکتا۔
گھروں میں محض اجنبی مردوں سے تو ضرور پردہ ہوتا ہے مگر بہت سے غیر محرم اشخاص کے سامنے آتے ہیں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا مثلاً چچا زاد بھائی خالا زاد بھائی۔ پھوپی زاد بھائی۔ ماموں زاد بھائی اور انکے علاوہ اور بہت سے قریبی رشتہ دار ہیں وہ لڑکیوں کے سامنے اکثر آتے ہیں اور شرعی پردے کے حامیوں کو اس سے ضرور تکلیف پہونچتی ہو گی۔ مگر ہمنے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ بجز چاند اور سورج اور کوئی ہمارے بورڈنگ ہاؤس میں لڑکیوں کو نہیں دیکھ سکتا البتہ اُنکی اپنی جنس یعنی مستورات جن سے شرعی پردہ واجب نہیں ہے وہ تو مدرسہ میں جاسکتی ہیں۔

اسلامی تعلیم

مدرسہ میں قرآن پاک کی تعلیم اور نماز روزہ کی پابندی نہایت سختی سے ہو رہی ہے۔ ذیل میں ہم اپنے بورڈنگ ہاؤس کے تقسیم اوقات کا ایک نقشہ درج کرتے ہیں جس سے ممبران ایسوسی ایشن کو بچیوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق معلوم ہو جائیگا کہ ہم اپنے بورڈنگ ہاؤس میں کیا کر رہے ہیں اور قوم ہمارے حالات سے ہنوز کسقدر بے خبر ہے۔
رسوم مذہبی کے ادا کرنے میں ہمارے بورڈنگ ہاؤس کی بچیاں بہت خوشی سے حصہ لیتی ہیں۔ جب سے بورڈنگ ہاؤس کھلا ہے تین مرتبہ میلاد شریف کی محفلیں منعقد کر چکی ہیں اور ان میں سے بعض میں علیگڈہ کی دیگر معزز مسلمان خواتین بھی شامل تھیں۔

سلیقہ شعاری

ہمارے پُرانی تعلیم کے بزرگ جس چیز کو سلیقہ شعاری خیال کرتے ہیں زمانہ حال اُسپر

اکتفا کرنا نہیں چاہتا۔ ہم اپنے ملک کی ناخواندہ بڑی بوڑھی خواتین کے اعلیٰ اوصاف کے دل
سے معترف ہیں مگر اس اعتراف کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم اپنے طرز بود و باش میں یا امور خانہ داری
میں یا طریقہ پرورش اولاد میں مطلق کوئی ترقی نہ کریں پُرانے لوگ بھی اپنے گھروں کو برتن بھانڈے
کو صاف رکھنے کی کوشش کرتے مگر جدید روشنی اس صفائی کو غلاظت سے تعبیر کرتی ہے۔
اچھے سے اچھے گھروں میں جاکر دسترخوانوں مٹکوں گھڑوں پانی پینے کے کٹوروں اور گلاسوں کو
دیکھ لو اور اُس کے مقابل میں کسی مفلس سے مفلس نئی روشنی کی بی بی کے گھر کو دیکھ کر مقابلہ
کر کے نتیجہ نکال لو کہ ان دونوں میں کیا تفاوت ہے۔ سلیقہ شعاری میں علاوہ صفائی کے اور
بہت سی باتیں شامل ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری بچیاں جب تعلیم حاصل کر کے اپنے گھروں کو
جائیں تو اپنے کل خاندان کے لئے سلیقہ شعاری کا نمونہ لے کر جائیں ہم اس کی پوری کوشش
کر رہے ہیں اور خدا سے امید ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہونگے۔

تعلیم

گھروں میں رہ کر بچیاں تعلیم کبھی نہیں حاصل کر سکتیں۔ میرے مخدوم دوست خان صاحب
میر ولایت حسین صاحب کی دو بچیاں ہمارے مدرسے میں تعلیم پاتی ہیں۔ اُنکو مدرسہ میں داخل
ہوئے چار ماہ کا عرصہ ہوا تھا کہ میر صاحب نے مدرسہ کو ایک منصفانہ اعتراف سے ایک
بڑا سارٹیفکیٹ دیا تھا۔ میر صاحب کی بچیاں گھر پر پہلے سے پڑھتی تھیں مگر اُنھوں نے فرمایا کہ
نہ وہ شوق تھا نہ وہ ترقی تھی چار ماہ کے عرصہ میں بچیوں نے اسقدر ترقی کی ہے اور اُن کا شوق
اسقدر بڑھا ہے کہ جس سے مدرسہ کی اور گھر کی تعلیم میں ایک بین فرق کا اندازہ ہوگیا۔

تعداد طلبار

شہر میں جب ہمارا مدرسہ تھا اور لڑکیاں روزانہ تعلیم کی غرض سے آتی تھیں تو لڑکیوں کی

تعداد تو بہت تھی مگر حاضری نہایت غیر مستقل تھی۔ لڑکیوں کے ماں باپ اس بات کے متمنی رہتے تھے کہ روزانہ کوئی آکر ہماری خوشامد کرے تو بچیوں کو مدرسہ میں بھیجیں اُس استقلال اور برداشت کے لیے جو ہم کو عطا کیے گئے ہیں اور جو اُن گذشتہ چھ سات سال میں ہمارے مددگار رہے ہیں۔ جب ہمارا مدرسہ شہر میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہیں اب وہ مصیبت کا زمانہ گذرگیا گذشتہ تکالیف کے ذکر سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اب جب سے بورڈنگ ہاؤس جاری ہوا ہے ہم کو گونہ اطمینان ہوا ہے کہ اب جو لڑکیاں اس میں رہ کر تعلیم پائیں گی یا باہر سے روزانہ آیا کریں گی وہ مستقل طور پر کچھ عرصے کے لیئے تعلیم حاصل کریں گی اور وجہ یہ ہے کہ وہ لڑکیاں زیادہ تر ایسے خاندانوں کی ہیں جن میں تعلیم و تعلم کا چرچا ہے۔ اب اس وقت ہمارے مدرسہ میں ۲۵ لڑکیاں ہیں جن میں سے ۱۶ لڑکیاں بورڈر ہیں مگر ان ۱۶ میں چار لڑکیاں جو بھاول پور سے آئی تھیں وہ کسی تقریب کی وجہ سے واپس چلی گئی تھیں ہنوز واپس نہیں آئیں۔ اگر وہ واپس نہیں آئیں تو بورڈر صرف ۱۲ رہ جائینگی۔

بہت سے حضرات نے لکھا کہ ہم اپنی بیٹی یا بہن کو جلد سے جلد بورڈنگ ہاؤس میں داخل کردینگے مگر جب لاکر داخل کرادیں تب ہم جانیں داخل کرادیا۔ ابھی تک ہم آیندہ کی نسبت کچھ نہیں کہتے ہاں خدا کی ذات سے امید ہے کہ قوم بہت جلد اس مدرسہ کی طرف متوجہ ہو گی اور ہم کو مثل اپنے کالج کے عدم گنجائش کی وجہ سے لڑکیوں کے داخلے سے انکار کرنا پڑیگا۔

تعلیمی اسٹاف

مدرسہ کا تعلیمی انتظام مس سیکلف صاحبہ ہیڈ مسٹریس کی تشریف آوری پر بہت اعلیٰ ہو گیا ہے مس سیکلف صاحبہ رات دن مدرسہ کی ترقی اور بچیوں کی تعلیم میں منہمک رہتی ہیں۔ کل انتظام باقاعدہ کردیا ہے۔ مس سیکلف صاحبہ نے۔ ایف اے کا امتحان پاس کیا ہے۔ ٹریننگ کا سارٹیفکٹ بھی حاصل کیا ہے۔ بی اے تک تعلیم پائی ہے مگر کسی وجہ سے امتحان نہ دسکیں۔ اردو

فارسی عمدہ جانتی ہیں۔ ہم مدرسہ کی خوش قسمتی سمجھتے ہیں کہ اُن کو ایسی ہمدرد و جفاکش ہیڈ معلمہ ملی ہے۔

علاوہ ہیڈ مسٹرس صاحبہ کے دو اور معلمات عیسائی ہیں جنھوں نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا ہے وہ دونوں بھی مثل ہیڈ مسٹرس صاحبہ کے نہایت محنتی ہیں اور بچیوں کو بڑی محبت اور توجہ سے تعلیم دیتی ہیں۔

شفاعت بیگم صاحبہ اور حیدری خانم صاحبہ اور حفیظن بی صاحبہ تین مسلمان اُستانیاں ہیں جو قرآن شریف اور دینیات پڑھاتی ہیں اور شفاعت بیگم صاحبہ اور محمود النساء صاحبہ چھوٹی جماعتوں کو اردو و حساب پڑھاتی ہیں۔ عبداللہ بیگم خود بڑی جماعت کی لڑکیوں کو ہر روز اردو پڑھاتی ہیں اور نیز عام تعلیمی نگرانی اُن کے سپرد ہے۔

بورڈنگ ہوس کا اندرونی انتظام

بورڈنگ ہاؤس کے اندرونی انتظام میں غالباً ہم کو سخت دقت ہوتی اگر جناب سکندر جہاں بیگم صاحبہ خالص قومی ہمدردی سے ہماری امداد نہ کرتیں ہم کو ایک ایسی مسلمان بی بی مدد کی ضرورت تھی جو بطور منتظم بورڈنگ ہاؤس کے بچیوں کی عام تربیت کی نگرانی کرتیں۔ ہم بہت پریشان تھے کیونکہ تنخواہ دار کوئی بی بی ایسی نہیں مل سکتی تھیں جو بہمہ وجوہ اس کام کی انجام کے لیئے مناسب و موزوں ہوتیں ہم سکندر جہاں بیگم صاحبہ کے ایثار اور ہمدردی کے تہ دل سے ممنون ہیں کہ اُنھوں نے سردست ہماری ایک دقت کو رفع کردیا۔ اور خود ایک عرصہ کے لیے بورڈنگ ہاؤس میں رہنا منظور فرمایا۔ ہم اُن بچیوں کو خوش قسمت خیال کرتے ہیں جو ایسے اعلیٰ اوصاف کی باسلیقہ ہمدرد خاتون کی زیر نگرانی تربیت پائینگی۔ مردوں کو اُسنے

سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ایم اے او کالج کا کوئی ٹرسٹی غالباً یہ زحمت گوارا نہ کرتا کہ وہ آزیری طور پر بورڈنگ ہاؤس میں دن رات رہ کر پراکٹری یا ٹیوٹری کا کام کرتا مگر سکندر جہاں بیگم صاحبہ جو ایسوسی ایشن کی ممبر اور لیڈیز کانفرنس کی خزانچی ہیں اور مدرسہ کی ترقی میں جنھوں نے بہت بڑا حصہ لیا ہے اُنھوں نے ایک سچے ایثار کا نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ امید ہے آیندہ نسلیں ایسی مثالوں کو اپنے سامنے رکھ کر اُن کی تقلید کریں گی۔

ہماری آیندہ ضرورتیں

(میں)

ہم کو اس وقت بورڈنگ ہاؤس کے متعلق مکانات اور دیگر لوازمات کے لیے روپیہ کی ضرورت ہے۔ فوری ضرورت کا اندازہ ساڑھے اٹھارہ ہزار رکھا گیا ہے اور اس رقم میں سے جناب ہز آنر لفٹننٹ گورنر سر جیمس مسٹن بہادر بارہ ہزار روپیہ دینا منظور فرمایا ہے۔ باقی چھ ہزار پانسو روپیہ کے لئے قوم کے سامنے اپیل ہے۔ ممبران ایسوسی ایشن نے اس وقت تک مدرسہ کی حالت کی طرف کچھ بہت توجہ نہیں فرمائی ہے۔ اب ہم کو امید رکھنی چاہیے کہ وہ اس خفیف سی رقم کے فراہم کرنے میں ہم کو مدد دینگے۔ اس کے علاوہ ہم کو حضور عالیہ جناب سرکار سر ہائینس بیگم صاحبہ والی بھوپال کے نام نامی سے زنانہ مدرسہ کے متعلق ایک بورڈنگ ہاؤس تعمیر کرنا لازمی ہے۔ حضور عالیہ نے اپنے دست مبارک سے اس بورڈنگ ہاؤس کا بنیادی پتھر نصب فرمایا تھا۔ ہم اپنے پہلے بورڈنگ ہاؤس کی پوری تکمیل کے بعد اس بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر کا سلسلہ چھیڑینگے اور پھر کل قوم سے چندہ طلب کرینگے۔ دوسرے بورڈنگ ہاؤس کی ہمیں بہت جلد ضرورت ہے۔

اور ہماری آرزو ہے کہ قوم کی محسنہ جناب سرکار عالیہ کی تشریف آوری کی یادگار بہت جلد تیار ہو جائے - نصاب تیار ہو رہا ہے - کانفرنس کے رزولیوشن کے لحاظ سے آنریری سکرٹری شعبۂ نسواں اس کام میں منہمک ہیں - کام کے شروع کرنے میں کچھ تاخیر ضرور ہو گی - مگر اب بفضل خدا کام بہت جلد انجام کو پہونچے گا -

اصلاح النساء

پہلا باب

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نواب سلیمان قدر صاحب کے مکان "زینت محل" (واقعہ محلہ گولا گنج لکھنؤ) میں اندر باہر آج غیر معمولی چہل پہل ہے مکان کی صفائی اور سجاوٹ سے پایا جاتا ہے کہ کسی معزز مہمان کی آمد آمد ہے۔ نواب بیگم صاحبہ سامنے والے شہ نشین میں جہاں تختوں کا فرش ہو رہا ہے۔ غالیچہ پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھی ہیں۔ باندی لونڈیاں سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ ایک مغلانی نے باہر سے آکر بیگم صاحبہ سے دریافت کیا۔

مغلانی۔ چھوٹے نواب صاحب کے لینے کو تو سب گئے ہونگے۔

بیگم۔ بہت دیر سے گئے ہوئے ہیں اب تو آتے ہونگے۔ تم کہاں سو رہی تھیں۔

مغلانی۔ بیگم صاحبہ بچی کا بخار اب تک نہیں اُترا ہے اسلیئے چھوٹے مکان میں اُس کے پاس بیٹھی رہی۔ کیا سرکار بھی اسٹیشن پر گئے ہیں؟

بیگم۔ بھلا سرکار کیسے نہ جاتے پورے ۱۲ سال بعد اُن کے بھائی آرہے ہیں اُنکے لینے کو جانا بھی مشکل تھا۔

مغلانی۔ صاحبزادی صاحبہ اس وقت کہاں ہیں؟ وہ بھی یہیں آجائیں تو اچھا ہے۔ چچی چچا سے آتے ہی مل لیں گی۔

بیگم۔ شاید وہ اس خیال سے اِدھر نہیں آئیں کہ بڑے بھائی اُن سب کے ساتھ گھر میں نہ چلے آویں۔ اور میں نے بھی اسی خیال سے نہیں بلایا۔"

اتنے میں گاڑیوں کی گھڑگھڑاہٹ کی آواز آئی۔ ماماییں وغیرہ تو دروازے کی

طرف دوڑیں اور بیگم صاحبہ بھی اٹھکر ساتھ والے کمرے میں چلی گئیں جہاں سے آنے والوں کو داخل
ہونا تھا۔ چند منٹ بعد کھٹ پٹ کرتے دو چھوٹے لڑکے اور تین بیگمیں اور نواب صاحبان
داخل ہوئے۔ ۱۲ سال کے بچھڑے عزیز گرم جوشی سے ملے۔ بیگم صاحبہ متعجب نگاہوں سے
اُن سب کو دیکھ رہی تھیں کچھ تو اس لئے کہ جب اُن کے دیور دیورانی لکھنؤ سے گئے تھے
تو دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ساتھ تھیں اور اب بفضل خدا وہ لڑکیاں تو ماں کے برابر نظر آتی تھیں
اور دو چھوٹے لڑکے تو پہلے ہی دفعہ انھوں نے دیکھے۔ اور کچھ یہ بات بھی تھی کہ اُن سب کا
لباس بھی ان سے مختلف تھا۔ ملنے ملانے کے بعد سب دیکھے تو بیگم صاحبہ نے اُن آنے
والے چاروں بہن بھائیوں کو مغلانی کے ہمراہ اپنی لڑکی کے کمرے میں بھیجدیا۔ تو اُنکے
دیور چھوٹے نواب کیوان قدر صاحب نے کہا۔

کیوان قدر۔ بھائی جان میں نے تو اپنی بڑی بیٹی کو دیکھا ہی نہیں اُس کو آپ نے کہاں
چھپادیا۔ یہیں بلوالیجئے تو ہم بھی دیکھیں۔

بیگم۔ (مسکراکر) ابھی آجائیگی۔

بیگم کیوان قدر۔ تو بلوائیے نہ۔ کب سے ہم آئے ہوئے ہیں۔ اب تک لڑکی نہیں ملی۔

مغلانی۔ بیگم وہ اس وقت یہاں نہیں آسکتیں۔

کیوان قدر۔ کیوں ؟

مغلانی۔ اے ہے آپ نہیں جانتے ہماری بیگم صاحبہ کے بھائی صاحب کے گھر صاحبزادی کی
نسبت ہو چکی ہے اسلئے وہ اپنے ماموں جان سے پردہ کرتی ہیں۔

کیوان قدر۔ اچھا تو ہم ہی چلتے ہیں بتاؤ وہ کہاں ہیں ؟ ،،

یہاں تو یہی ذکر تھا۔ اچھا اب ذرا دیکھیں لڑکیوں کی طرف یہ چاروں بہن بھائی کمرے
میں داخل ہوئے دیکھا کہ نہایت پر تکلف فرش پر تکیہ کے سہارے نہایت عمدہ زرین
لباس میں ایک حسین لڑکی بیٹھی ہے جو انھیں آتا دیکھ کر کھڑی ہوگئی اور اب یہ فکر کہ کس طرح ملے

ہاتھ ملاؤں یا گلے لگوں۔ یہ ابھی اسی طرح کھڑی تھی کہ آنیوالی لڑکیوں میں سے بڑی نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ اپنی چچازاد بہن کا ہاتھ پکڑ کر نہایت محبت سے گلے لگایا۔ اور کہا۔

بنت کیوان قدر۔ پیاری بہن آپ نے ہم دونوں بہنوں کو تو کچھ کچھ پہچان ہی لیا ہوگا کیونکہ بچپن میں دیکھا تھا۔ ہاں یہ دو بچے نئے ہیں سو میں بتائے دیتی ہوں کہ یہ دونو میرے بھائی ہیں"

پھر اُن دونوں لڑکوں کا ہاتھ بہن کے ہاتھ میں دیا وہ نہایت ادب لیاقت سے ملے بچے کیا تھے پھول تھے۔ گھر والی لڑکی کی نظریں نہایت شوق و تعجب سے اُن پر پڑ رہی تھیں۔ دونوں سُرخ سُرخ نہایت خوبصورت سیاہ کپڑے اور سفید ٹوپیاں پہنے تھے

اس ملاقات کے بعد سب وہیں فرش پر بیٹھ گئیں تو گھر والی لڑکی نے کہا

حشمت آرا (لڑکی کا نام) آج کا دن کیسا اچھا تھا جس نے ہم مدت کے بچھڑے ہوؤں کو ملایا ہمیں کہاں امید تھی کہ آپ سب آئینگے۔ (مسکرا کر)

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہی
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

گوہر جبیں۔ بیشک یہ بہت مبارک دن تھا۔ دن ہی نہیں بلکہ یہ سال ہی بہت اچھا تھا جس میں ہم سب ملے ورنہ ہمیشہ وطن آنا ہی آنا کرتے رہے اور ایسے ایسے وجوہات پیش آتے رہے کہ آنا نہ ہو سکا۔ اور ۱۲ سال گذر گئے میری عمر چھ سال اور مہر جبیں (چھوٹی لڑکی) ۵ سال کی تھی۔ جب ہم برما گئے تھے۔

حشمت آرا۔ ہاں مجھے کچھ کچھ یاد ہی۔ شاید میں بھی چھ سات سال کی ہونگی۔

مہر جبیں۔ کیوں ہمشیرہ صاحبہ آپ کو کچھ کچھ یاد ہی۔ حالانکہ میں ۵ سال کی تھی پر مجھے اپنا وقت روانگی اچھی طرح یاد ہی۔

حشمت آرا۔ بیشک بہن تمھیں یاد ہوگا۔ ماشاراللہ تمھارے دل و دماغ اور ہی ہیں میں بیچاری میں کیا ہوں مجھے تو رات کی بات یاد نہیں رہتی اسی مکان کے اندر پلی اس سے زیادہ نہ کچھ دیکھا نہ سُنا نہ کچھ پڑھا نہ لکھا۔

مہرجبیں۔ واہ ہمشیرہ صاحبہ آپ ایسا نہیں خدا کے فضل سے آپ نے بہتیرا لکھا پڑھا ہوگا

حشمت آرا۔ نہ بہن میں نے کچھ بھی نہیں پڑھا۔

گوہرجبیں۔ بہن بھلا لکھتی پڑھتی کیوں نہیں ہرنان اسکول میں پڑھا ہوگا۔ گھر پڑھا ہوگا۔

حشمت آرا۔ بہن آپ جیسی لائق بہنوں کے آگے میری پڑھائی کیا چیز ہے۔ آسان اردو کی کتابیں پڑھیں تو یہ بھی کوئی پڑھنے میں پڑھنا ہے۔ ابا جان نے تو بہتیری کوشش کی۔ فارسی کیلئے معلم ملازم رکھا انگریزی کے لیے مس رکھی مگر میری بدقسمتی تھی کہ کچھ بھی نہ سیکھا۔ تعیم تو تمھاری ہی آئے دن امتحان پاس کرنے کی خبریں آتی تھیں۔

گوہرجبیں۔ دراصل آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کی؟ افسوس۔ ہم تو ہنسی سمجھتے تھے۔

حشمت آرا۔ ہنسی کیسی سچ کہتی ہوں مگر بہن اب افسوس کرکے کیا کرنا ہے مجھے کونسی نوکری کرنی تھی۔ یہی ہرنان کہ میموں کے ساتھ گٹ پٹ نہ کی نہ کی۔ او ہو یہ جھگڑا کیا نکل آیا میں تو اس قصہ میں چاء کو بھی بھول گئی۔ او گل چمن۔ چاء لاؤ۔

حشمت آرا کے یہ آخری فقرے سن کر دونوں بہنیں حیران رہ گئیں اور اُن کے دل جو نہایت بیتابی سے منتظر تھے اپنی بہن کے تعلیمی حالات سننے کے یہ الفاظ سن کر سرد پڑ گئے وہ یہ سمجھے ہوئے تھیں کہ ہمیں اعلیٰ تعلیم دی گئی ہے تو ضرور چچا نے بھی اپنی لڑکی کو اسیقدر پڑھایا ہوگا۔ مگر اُن کو اپنے ہموطنوں کے خیالات معلوم نہ تھے اس لیے وہ بہت متعجب و متاسف ہوئی۔

گوہرجبیں۔ آپنے ابھی تک چاء نہیں پی؟

حشمت آرا۔ ہاں آپ سب کے انتظار میں آج سہ پہر کا ناشتہ نہیں کیا۔

گوہر جبیں - اوہو۔ آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ اچھا منگوائیے ہم بھی کھالیں گے۔
حشمت آرا - آپ تو اس طرح کہتی ہیں جیسے ناشتہ کر چکی ہیں کیا یہ وقت نہیں آئیگا۔
گوہر جبیں - نہیں وقت کی تو کوئی بات نہیں لیکن لکھنؤ پہنچنے سے پیشتر ابا جان نے گاڑی میں چاء لے لی تھی کیونکہ بچوں نے اُسی وقت مانگی تھی دوسرے یہ خیال بھی تھا کہ گھر پہنچکر ملنے ملانے میں وقت صرف کرینگے چاء کا جھنجھٹ اُس وقت نہو"
گلچمن ناشتہ لے آئی جو نقرئی کشتیوں میں چنا ہوا تھا۔ وہیں بیچ میں رکھا گیا اور حشمت نے سب سے پہلے لڑکوں کو چاء دی۔ اُنھوں نے لینے میں تامل کیا۔
حشمت آرا - بھیا مجھ سے شرم کرتے ہیں پیالی نہیں پکڑتے۔
گوہر جبیں - بہن شرم نہیں وہ اس وقت دوبارہ چاء نہ پئینگے۔ وقت پر کھانے کے عادی ہیں چاء پی چکے ہیں اور اب گھبرائے ہوئے ہیں نہا کر کپڑے بدلیں گے تب انسان بنینگے۔
حشمت آرا - اچھا تو پہلے ان کو نہلوا دو۔
گوہر جبیں - مہربانی کر کے آپ ہماری انّا کو بلوا دیں اُس طرف ہی اور پھر غسلخانہ میں بھجوا دیں۔
حشمت آرا - گلچمن انکی انّا کو بلا لاؤ اور غسلخانہ میں گرم پانی۔ صابون وغیرہ رکھدو"
انّا آکر بچوں کو غسل کرانے لے گئی اور حشمت کے چپکے چپکا۔

دوسرا باب

بادِ خزاں کا جھونکا نہ آئے اُدھر کبھی
کیوآن تیرا باغ ہمیشہ ہرا رہے

کیوان منزل

صبح نو بجے کا وقت ہے۔ اپنی نئی عالیشان کوٹھی کے گول کمرے کے برآمدے میں کرسی پر بیگم کیوان القدر بیٹھی ایک دوسری بیگم سے باتیں کر رہی ہیں۔

بیگم کیوان القدر۔ میں تو بہت خوش ہوئی کہ آپ نے اسی وقت یہاں آنے کی تکلیف گوارا کی۔ اب تو ہم کچھ دیر تنہائی میں باتیں بھی کر سکیں گے اگر شام کو آتیں تو جلسہ کی گڑبڑ میں فرصت سے بیٹھنے کا موقع نہ ملتا۔

بیگم۔ ہاں اسی خیال سے میں صبح ہی چلی آئی۔ کہ اطمینان سے مل سکوں اور تمہارا گھر بار اچھی طرح دیکھ سکوں۔ پر بہن جلسہ تو تم نے بہت جلدی کر دیا ابھی کل تو گھر ہی کھلا ہے۔ آج جلسہ بھی ہونے لگا۔

بیگم کیوان۔ بیشک میری جلد بازی پر آپ کا خیال درست ہے۔ مگر کیا کروں ملنے والوں کے اشتیاق نے تنگ کر رکھا ہے اور اسی لئے میں بہت جلد اپنے مکان میں آئی۔ ورنہ بھائی اور بھابی جان تو یہ چاہتے تھے کہ ماہ دو ماہ اُن کے ساتھ رہوں مگر مجھے پندرھویں دن ہی اپنا گھر کھولنا پڑا۔ اگرچہ بھابی جان نے اس دو ہفتہ میں میری وجہ سے بہت سی مہمانداری برداشت کی۔ کیونکہ ہر روز ہی عزیزوں اور دوسرے ملنے والوں کا میرے لئے اُن کے ہاں جمگھٹ رہتا تھا لیکن پھر بھی بہت سے اشتیاق مند ایسے باقی ہیں جو وہاں نہ جا سکے۔ اور میرے ہی گھر آ کر مل سکتے ہیں۔ اسلئے مجکو اسقدر جلد سب کو جمع کرنا پڑا۔

بیگم۔ پر بہن مجھے تو یہ حیرانی ہے کہ اتنی جلدی جلسہ کا انتظام تم نے کیسے کر لیا ہم سے تو ابھی گھر بھی درست نہ ہو سکتا۔

بیگم کیوان القدر۔ بہن انتظام ہی کیا ہے۔ کون سی مجھے کھانے کی دعوت دینی ہے۔ یہی معمولی چائے

پامال کرنا۔ ایک دم میں ہوجائیگا۔ مکان تو باوا میوں نے ملکر پہلے ہی درست کر رکھا ہے۔ سامان آرائش و دیگر ضروریات کی چیزیں تو ہمارے آنے سے پیشتر ہی بھائی جان نے مہیا کر رکھی تھیں۔ تھوڑی بہت درستی بھی کرادی تھی۔ آرائش میں جو کمی تھی وہ میری لڑکیوں نے آتے ہی پوری کرلی۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں کرنا پڑا۔

بیگم ۔ آخر بہن ہے تم سب کے انتظام و سلیقے پر اتنی بڑی کوٹھی کا سجانا۔ ہم سے تو دو مہینے میں بھی نہ ہوسکتا جو تمھاری لڑکیوں نے دو دن میں کرلیا۔ آخر تمھارے جیٹھ کی لڑکی حشمت آرا بیگم بھی ان کے ہی برابر ہے وہ تو اپنے کمرے کی درستی بھی خود نہیں کرسکتی۔ ماماؤں پر چیختی چلاتی ہے جب کبھی کمرے کی صفائی ہوتی ہے۔

بیگم کیوان القدر ۔ یہ آپ کا حسن ظن ہے ورنہ ہم میں تو قابل تعریف بات کوئی نہیں۔ انتظام خانہ داری تو ہم مستورات کا شعار ہونا چاہیئے۔ اور جو ہم کرتے ہیں بری بھلی طرح اپنا فرض ادا کرتے ہیں یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں۔

بیگم ۔ نہیں بہن یوں تو نہ کہو یہ کسی کسی کا کام ہے۔ ہم بھلا اس قابل کہاں اور میں تو یہی کہونگی کہ یہ سب تعلیم کی برکتیں ہیں ورنہ جو حشمت آرا دی گوہر بیں و مہر جبیں مگر انھیں تم نے اچھی طرح پڑھایا لکھایا ہے جس سے اُن کی آنکھیں کھل گئی ہیں وہ ہر بات کو سمجھتی ہیں اور ہر ایک کام اپنے ہاتھ سے کرلیتی ہیں اور حشمت آرا کو پانی کا کٹورا اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر پینے میں بھی عار ہے اور وہ سینے سے کام کو بھی نواب زادی کی شان کے خلاف سمجھتی ہے۔ تمھاری لڑکیاں اسوقت کہاں ہیں مجھ سے نہیں ملیں نہ میں نے دیکھے۔

بیگم کیوان القدر ۔ میں آپ کے خیالات معلوم کرکے بہت خوش ہوئی۔ اس پندرہ روز کے قیام لکھنؤ میں تعلیم نسواں کی بابت یہاں کے لوگوں کے خیالات معلوم کرکے دل میں بہت ہی رنجیدہ تھی ایسی حالت میں آپ کے خیالات سُنکر ایک اطمینان سا ہوا مجھے بھی بہت افسوس ہے حشمت آرا کی کم علمی پر اور فکر ہے کہ اس زمانے میں اُس کی گذر

کس طرح ہو گی۔ لڑکا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو اور اس کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہو گا۔
میری لڑکیاں شاید باغیچہ میں ہیں اور لڑکے دونوں اسکول گئے۔

بیگم۔ تم نے ایسی جلدی بچوں کو مدرسہ میں داخل کر دیا۔

بیگم کیوان۔ ہاں اُن کے دن ضائع ہونے کے خیال سے فی الحال تو یہیں داخل کر دیا ہے
پھر ارادہ ہے کہ علیگڈھ بھیجدوں گی

بیگم۔ اچھا چلو لڑکیوں کے پاس چلیں دیکھیں وہ کیا کر رہی ہیں اور مجھے اپنی کوٹھی بھی ذرا اچھی طرح دکھاؤ

بیگم کیوان۔ چلیئے،،

یہ دونوں یہاں سے اُٹھیں۔ پہلے تو بیگم کیوان القدر اپنے کمرے دکھاتی رہیں پھر باغیچہ میں گئیں دیکھا کہ دونوں لڑکیاں پھولوں کی کیاریوں سے خودرو گھاس کتر رہی ہیں انھیں دیکھتے ہی کھڑی ہو کر مؤدبانہ ملیں۔

بیگم۔ اچھا تم اپنے کام میں مصروف تھیں جب ہی مجھ سے نہیں ملیں میں تو بہت دیر سے آئی ہوئی ہوں۔

گوہر جبیں۔ خالہ جان ہمیں بالکل خبر نہ تھی کہ آپ تشریف لے آئی ہیں ورنہ اسی وقت حاضر خدمت ہوتے۔ بھلا یہ بھی کوئی کام تھا۔

بیگم۔ بیٹی اللہ تمھیں خوش رکھے بتاؤ یہاں کیا کام کر رہی تھیں ؟

گوہر جبیں۔ کام تو کچھ نہیں۔ یہاں کی صفائی درستی تو میں نے کل ہی مالی کرا لی تھی مگر خالہ جان آپ جانتی ہیں کہ اپنے ہاتھ کا کام جیسا صفائی کا ہوتا ہے نوکر لوگ ہرگز نہیں کر سکتے کسی کسی کیاری اور گملے میں فضول پتے اور گھاس رہ گئے تھے وہ ہم نے اب اُکھیڑ دی

بیگم۔ آج تو تم بہت خوش ہو گی۔ بہت سی سہیلیاں۔ بہنیلیاں ملنے آئینگی۔

گوہر جبیں۔ بیشک میں بہت خوش ہوں۔ ان سب محبت شعار قدردان بہنوں کی ہم دور افتادہ غریب الوطن بعد عرصہ دراز کے وطن آئے اور آپ سب نے نہایت

محبت و شفقت سے ہمیں لیا۔ کن کن اہتماموں سے دعوتیں دیں اور اب سب نعیب خانہ پر آنے کو تیار ہیں"

یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک ملازمہ نے آکر اطلاع دی کہ چھوٹے نواب (سلیمان قدر کے بیٹے آسمان قدر) آئے ہیں" انھوں نے ہمیں بلوا لیا۔

نواب آسمان قدر حشمت آرا کا بڑا بھائی تھا جو علیگڈھ کالج میں ایم اے میں تعلیم پا رہا تھا۔ بڑے نواب کا یہی اکلوتا بیٹا تھا اسوقت آسمان قدر بادامی رنگ کے جاپانی ریشم کا سوٹ پہنے تھا اور ترکی ٹوپی۔ اس نے آکر چچی وخالہ کو سلام کیا۔ بہنوں نے کرسی دی تو چچی کی اجازت سے بیٹھ گیا وہ سب بھی بنچوں پر بیٹھ گئیں۔

بیگم کیوان۔ گھر میں سب بخیریت ہیں؟ تم بہت دیر سے آئے؟

آسمان القدر۔ جی بفضل خدا سب اچھے ہیں مجھے راستہ میں دیر لگ گئی ایک جگہ ٹھیرنا پڑا۔

گوہر حسین۔ بھائی جان بہن حشمت آرا نہ آئیں۔

آسمان القدر۔ ابھی آتی ہیں۔ لیکن تمھارے جلسے کا وقت تو شاید جا رہا ہے۔

گوہر حسین۔ جلسے سے اُن کو کیا؟ اُن کا اپنا گھر ہے پہلے ہی آنا مناسب ہے وہ تو کل ہی میرے ساتھ آتی تھیں لیکن آپ کی طبیعت خراب ہو جانے سے نہ آئیں آپ تو پھر شام کو ہو گئے تھے اور اب آ گئے وہی بیچاری رک گئیں۔

بیگم۔ حشمت آرا ابھی آجائینگی۔ افسوس نہ کرو۔ اب تم آگئی ہو یہ گھر کھل گیا ہے۔ سب آتے جاتے ہی رہیں گے اور وہ تو رہا ہی یہاں کریگی۔ کیسی خوشی کی بات ہے کہ میں اس وقت اس باغیچہ میں کن کن کو دیکھ رہی ہوں۔ پیارا بھانجا آسمان قدر بھی ہے اور دور افتادہ بہن اور بھانجیاں بھی موجود ہیں۔ اللہ اس گھر اور باغیچہ کو ہمیشہ یوں ہی ہرا بھرا رکھیو۔ میری تو یہ دعا ہے ؎

بادِ خزاں کا جھونکا نہ آئے ادھر کبھی ٭ کیوان تیرا باغ ہمیشہ ہرا رہے

تیسرا باب

کچھ حد بھی ہے برگشتگیٔ بخت کی مرے
آنے سے میرے پاس اجل کو بھی عذر ہے

شام کے چھ بجے ہونگے سورج غروب ہو چکا تھا۔ شہر سے بہت دور سنسان جنگل میں چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کے قریب ایک پرانے کٹے ہوئے درخت کی جڑ پڑی تھی جس پر سر جھکائے نہایت غمگین حالت میں کوئی شخص بیٹھا تھا۔ بہت عرصہ اس طرح گذر گیا۔ اور رات کی تاریکی اچھی طرح پھیل گئی۔ تب اُس کو سرسراہٹ سی معلوم ہوئی۔ جیسے سوکھے ہوئے پتوں پر چلنے سے آواز نکلتی ہے۔ اُس رنجیدہ شخص نے سر اٹھا کر اُس طرف دیکھا جدھر سے آواز آرہی تھی۔ اتنے میں ایک دوسرا شخص جو حیثیت سے عالی رتبہ معلوم ہوتا تھا قریب آگیا جس نے آتے ہی اس بیٹھے ہوئے شخص کو یہ کہتے ہوئے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر لیا۔

آنیوالا جنٹلمین۔ افسوس مسٹر قمر آپ کسی طرح اپنا غم غلط کرنے کی کوشش نہیں کرتے میں خیال کرتا ہوں تمہیں غم سے محبت ہو گئی ہے۔

مسٹر قمر۔ جو آپ کہیں درست ہے۔ اچھا یونہی سہی۔ آخر غم کس کا ہے۔ مجھے اس پیارے غم سے محبت ہی ہونی چاہیئے۔ آہ افسوس کوئی بھی میری حالت پر غور نہیں کرتا۔ کوئی میری مصیبتوں کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ جب آپ جیسے محبت شعار دوست کا یہ خیال ہے تو بھلا اوروں کا تو کہنا ہی کیا۔

جنٹلمین۔ پیارے قمر میں سب جانتا ہوں۔ میں کافی غور کر چکا ہوں۔ مگر پھر صبر کی ہدایت کرتا ہوں

مسٹر قمر۔ بھلا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو جانکر تباہ کرنا چاہتا ہوں۔ بیشک

میں تباہ ہوجاتا اگر میرے ساتھ چار جانیں اور وابستہ نہ ہوتیں اب تو میں کوشش کرتا ہوں
کہ کسی طرح سنبھل جاؤں اور اُن چاروں کو دنیا کی گاڑی میں جُتنے کے قابل کردوں
مگر کیا کروں کسی طرح نہیں سنبھل سکتا ایک پر ایک مصیبت پڑتی ہے۔

جنٹلمین۔ یہ درست مگر کیا اس طرح واہی تباہی جنگلوں میں پھرنے سے کچھ بن سکتا ہے۔ آپ
جو اس وقت ادھر ویرانے میں آبیٹھے۔ اس سے کیا حاصل ہوا سوائے طبیعت کی وحشت
اور پریشانی بڑھنے کے۔ اس وقت آپ کو چاہیے تھا کہ گھر میں بیٹھتے۔ جس سے وہ عزیزہ
بھی بہلتے نہیں تو کسی دوست ہاں ہی چلے جاتے۔ میں اسوقت آپ کی کوٹھی پر گیا
تو معلوم ہوا کہ حضور کہیں نکل گئے ہیں وہ ایک دوستوں کے ہاں دیکھا۔ جب وہاں بھی
نہ ملے تو ادھر کی راہ لی۔ کیونکہ اکثر آپ یہاں ہی ملا کرتے ہیں۔ ارے ظالم قبرستان
کی طرف جایا کر جس سے فاتحہ ہی کا ثواب ملے اور مُردوں کی روح بھی خوش ہو۔
اس کٹے ہوئے درخت کی جڑ میں کیا رکھا ہے؟

مسٹر قمر۔ (آبدیدہ ہوکر) مجھ سے قبریں نہیں دیکھی جاتیں اور اُس طرف چلا جاؤں آنے کو دل
نہیں کرتا۔ میں تو راتیں وہیں گذار دوں مگر کیا کروں گھر کی تنہائی کا خیال ہے۔ آہ آپ
کیا پوچھتے ہیں کہ اس جڑ میں کیا رکھا ہے میں کیا بتاؤں کہ کیا رکھا ہے۔ ہائے اب تو کچھ
بھی نہیں رکھا۔

جنٹلمین۔ اچھا چلئے گھر کو چلیں رات پڑ گئی ہے بچے فکرمند ہونگے۔

وہاں سے یہ دونوں چلے۔ کوئی ایک میل کے فاصلہ پر انکی کوٹھی تھی۔ وہاں
پہنچے تو دیکھا کہ پھاٹک پر ایک لڑکی پریشان کھڑی ہے جو اُن کو دیکھتے ہی خوش ہوکر لپٹ
گئی۔

مسٹر قمر۔ پیاری قمر تاج تم اس وقت سردی میں یہاں کیوں کھڑی ہو۔
قمر تاج۔ اباجان آپ کی انتظار ہی میں کھڑی تھی۔ آج تو آپ بہت ہی دیر سے آئے۔

چھوٹی قمر آراء بہت ضد کرتی تھی آپ کے پاس جانے کیلئے اور رونے لگی تو میں یہ کہکر یہاں آگئی کہ ابا جان کو بلا لاؤں۔

جنٹلمین۔ تاج تمھارے ابا سیر کو گئے ہوئے تھے۔ بچے رو دیں پیٹیں انھیں کیا (مسٹر قمر سے) دیکھ لو اسی لئے میں کہتا ہوں اتنی دیر میں بچے گھبرا گئے اور آپ اُس درخت کی پرستش کر رہے تھے۔

مسٹر قمر۔ آپ ایسے سخت الفاظ سے دل نہ دُکھایا کریں۔ غلطی ہوگئی معاف کریں۔

جنٹلمین۔ معاف کیا کروں ابھی تو کل پھر یہی غلطی ہوگی۔

یہی باتیں کرتے ہوئے تینوں کمرے میں آئے۔ دیکھا کہ ننھی قمری جس بیچاری کی عمر ۳ سال کی تھی نوکر کی گود میں مچل رہی ہے اور ابا ہی ابا کہتی ہے اور چھوٹا پانچ سالہ لڑکا بدرالزمان صوفے پر پڑا سو رہا ہے اور ٹانگیں فرش پر لٹک رہی ہیں۔ یہ حال دیکھ کر اُن کا دل اور بھی بے چین ہوگیا۔ بیتابی سے بیٹی کو گودی میں لیا۔ اور ان کے دوست نے ننھے بدر کو درستی سے لٹا کر کپڑا اُڑھایا۔

مسٹر قمر الزماں۔ قمر تاج تمھارا بھائی خورشید کدھر ہے۔

قمر تاج۔ ابا جان وہ اپنے پڑھنے والے کمرے میں ہے۔ شاید کچھ پڑھ رہا ہے۔

یہ سُن کر وہی جنٹلمین جن کو یہ سب بچے چچا کہتے تھے اُس کمرے میں گئے۔ دیکھا کہ وہ کرسی پر بیٹھا ہے اور میز پر کتاب کھلی ہے۔ جس پر اُس کا سر دھرا ہے۔ آنکھیں بند ہیں۔ پیر نیچے لٹک رہے ہیں ایک ہاتھ میں قلم ہے دوسرا ہاتھ کاپی پر ہے۔ اس کا یہ نقشہ دیکھ کر اس سچے ہمدرد چچا کا دل بھر آیا گود میں اٹھا کر لائے اور اپنے دوست کو اس کی حالت بتائی اور کہا۔

(باقی آیندہ)

رعایا اور گورنمنٹ

ضرورت کے وقت ہم سب ہندوستانی متفق ہو کر گورنمنٹ ہند کی نہایت مفید اور کار آمد اخلاقی مدد کیونکر کر سکتے ہیں

جیسا کہ سب اہل ملک کو معلوم ہے - یورپ میں قیام امن کی انتہائی کوشش کر چکنے کے بعد ایفائے عہد کی بنا پر سلطنت برطانیہ کو اس جنگ عظیم میں مبتلا ہونا پڑا ہے جو اس وقت یورپ میں برپا ہے جنگ کی حالت میں شریک جنگ سلطنت کو - مصارف جنگ، اتلاف جان و مال، پرورش پس ماندگان جنگ، علاج مجروحان - قیام امن و تحفظ آبرو کے لحاظ سے جن جن سے اُسکو تشویش و افکار میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اس کا صحیح اندازہ تو وہی اعلیٰ اراکین سلطنت کچھ خوب کر سکتے ہیں - جن کے کندھوں پر سلطنت کی ذمہ داریوں کا براہ راست بار پڑا ہوا ہوتا ہے، لیکن ہم سب کم از کم اس سے تو واقف ہیں کہ جس پیمانہ پر آج کل جنگ ہو رہی ہے اُس میں لاکھوں جانیں تلف ہو رہی ہیں - ہزاروں خانماں برباد ہو رہے ہیں اور روزانہ جنگی ضروریات پر سلطنت کا کروڑوں روپیہ صرف ہو رہا ہے -

اس جان و مال کے ناقابل اندازہ قربانی پر سلطنت برطانیہ کا بھی مبتلائے فکر و تشویش ہونا لازمی امر ہے گورنمنٹ ہند سلطنت برطانیہ کا جزو اعظم ہے اور قدرتی طور پر ان گوناگوں افکار میں مرکز ہے سلطنت کے شامل حال ہے - ایسے موقع پر وفادار رعایا کا فرض اولین یہ ہے کہ حکومت کی ہر قسم کی مدد سے کسی طرح کا دریغ نہ کرے - خصوصاً جس حکومت کے زیر سایہ رعایا نہایت امن و عافیت سے خوش گذران کرتی ہو اور جس کی گوناگوں خیر و برکت کا سالہا سال سے

واقعی نتیجہ ہو چکا ہو۔ خیر خواہان ملک و ملت نہایت خوشی سے دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ ضرورت کے وقت تمام اہل ہند متفق ہو کر گورنمنٹ کا ساتھ دے رہے ہیں اور جان سے، مال سے، قلم سے، اور زبان سے اپنی سلطنت کی حمایت پر تلے ہوئے ہیں۔ ہندوستانی فوجیں اپنے ملک و سلطنت کی عزت قائم رکھنے کی غرض سے اپنی راحت و آرام کو خیرباد کہہ رہے ہیں۔ ملک کے ہر ہر گوشہ میں چندہ جمع ہو رہا ہے تمام ہندوستانی پریس ہم آہنگ ہو کر سلطنت کی بہی خواہی میں مصروف ہے۔ خیر سگالان ملک ہر ہر گوشہ ملک میں سلطنت کی بہبودگی کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ غرض اپنی وفادار رعایا سے حکومت کو جو توقعات ہو سکتی ہیں وہ بوجہ احسن پوری ہو رہی ہیں، جس کا شہرہ یورپ تک پہنچ چکا ہے۔

مگر جس طرح عمدہ حکومت کی برکتیں لاانتہا ہوتی ہیں اسی طرح خیر اندیش رعایا کی طرف سے امداد کے طریقے بھی بے شمار و بے حساب ہیں۔ اخبار بین پبلک واقف ہے کہ انگلستان میں مسئلہ ہوم رول اور اہل السٹر کی مخالفت کس زور شور سے سلطنت کی ساری توجہ کو اپنی طرف مائل کیے ہوئے تھی۔ انگلستان کی سفریجسٹ عورتیں اراکین سلطنت کو پریشان کرنے کے لیے کیسے کیسے مہیب وسائل کام میں لا رہی تھیں۔ اگر حالت جنگ میں یہ اندرونی مناقشے بدستور سابق قائم رہتے تو اعیان سلطنت کو جنگ کے دوران میں اپنے فرائض کے ادا کرنے میں ناگوار مشکلات کا برابر سامنا رہتا۔ لیکن محض سلطنت کی مشکلات کو ہلکا کرنے کی غرض سے انگلستان کے یہ تمام طبقے اپنے اپنے مطالبات سے دست بردار ہو گئے، اور انھوں نے ملک و سلطنت کی خاطر اپنے محدود اغراض و مقاصد کو پس پشت ڈال دیا۔

اسی طرح اہل ہند بھی موجودہ حالات میں اپنے برتاؤ سے سلطنت کی مشکلات کو بہت کچھ ہلکا کر سکتے ہیں۔ میرا روئے سخن اس وقت اُن ہنگامے مناقشوں کی طرف ہے جو بربنائے رواجات ملکی و رسوم مذہبی ہندو مسلمان کے مابین کبھی کبھی پیش آ جایا کرتے ہیں اور حکومت کے لیے محض تفکر و تکلیف کا باعث بن جایا کرتے ہیں۔ مثلاً عید اضحیٰ کا زمانہ قریب آ پہنچا اور اُس کے بعد

محرم شروع ہوتا ہے۔ یہ دونوں موقعے اکثر بعض بعض اقطاع ملک میں ہندو مسلمانوں کی باہمی بے لطفی و بدمزگی کا باعث بن جایا کرتے ہیں جس سے نہ صرف دونوں فرقوں کے افراد میں کدورتیں پیدا ہو جاتی ہیں، بلکہ حکومت کو بعض وقت سخت الجھن میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ بمقتضائے "عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد"، اگر اس جنگ کے متعلق حکومت کی مشکلات کا لحاظ رکھکر ہندو مسلمان پہلے سے یہ ٹھان لیں کہ وہ اپنے اپنے آیندہ تہواروں کے موقعوں پر کسی قسم کا جھگڑا فساد نہ ہونے دینگے تو اس باہمی اتحاد و اتفاق سے ایک تو خود ہمارا رشتۂ یگانگت مضبوط ہوگا۔ دوسرے سلطنت کو پیش نظر مشکلات میں جو سہولیت میسر ہوگی وہ بہت پہلوؤں سے مفید اور کارآمد ہوگی۔ اول تو سلطنت کی سہولیت مد نظر رکھکر کسی طبقہ رعایا کا خاص وقت کے لیے اپنے خاص قدیمی مراسم کو اس طور پر ادا کرنا جس سے کوئی جھگڑا و فساد برپا نہ ہونے پاوے اُس سلطنت کی دلی خیر خواہی کا ثبوت ہے۔ دوسرے اسپر وقت اتحاد کا دشمنوں پر نہایت قوی اثر ہوا کرتا ہے جس سے سلطنت کی رعایا کے مختلف طبقے اور فرقے اپنے ذاتی خواہشات کو سلطنت کے اغراض پر قربان کردیتی ہوں اور لڑائی کے وقت تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھکر یکدل و یک جہت ہو کر سلطنت کا ساتھ دیسکتے ہوں کسی غیر سلطنت کا اس سلطنت کی مخالفت کرنا اپنی ہلاکت کی تلاش کرنا ہے۔ غنیم مخالف سلطنت کی فوج پر تو غلبہ پا سکتا ہے، مگر قوم کو فتح نہیں کرسکتا۔

بوجوہ بالا میں ہندوستان کے اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آیندہ عید اضحیٰ اور محرم الحرام کے موقعوں پر رسوم مذہبی کے ادا کرنے میں ایسے وسائل اختیار کریں جس سے ہماری ہمسایہ اقوام کے کسی طبقہ کو بھی کسی قسم کی شکایت کا موقع ہی نہ رہے۔ اور ایسا ہونا ہر طرح ممکن ہے۔ عید اضحیٰ اور محرم کے موقعوں پر جہاں جہاں سنین ماضیہ میں فسادات ہوئے ہیں یا آیندہ ہونے کا احتمال ہو وہاں کے سر برآوردہ مسلمان حضرات سے خصوصیت کے ساتھ التجا ہے کہ وہ اپنے اپنے مقام پر با اثر حضرات کی ابھی سے کمیٹیاں بنالیں۔ جو

عوام کو صورت حال سے آگاہ کر کے مناقشہ کی ہر ممکن صورت سے باز رکھنے کی انتہائی کوشش کریں ابھی کافی مہلت سامنے ہے۔ اور میں نے اسی مہلت کو غنیمت سمجھ کر یہ گذارش پیش کی ہے۔

سرچشمہ باید گرفتن بہ میل ما
چو پُر شد نہ شاید گذشتن بہ پیل

لہذا میں لوکل کمیٹیوں اور کانفرنس کے ممبروں کی خاصکر توجہ اس طرف مائل کرتا ہوں کہ اس کام کو اپنے ہاتھوں میں لے کر ایسا بندوبست کریں کہ اُن کے زیر اثر مقامات میں فتنہ و فساد نہ ہونے پائے اور یہ مذہبی تہوار امن و امان سے گذر جائیں۔ اسی طرح میں ہندو لیڈروں کی خدمت میں بھی عرض پرداز ہوں کہ وہ بھی حتی الامکان اُن مقامی فتنوں کے معدوم کرنے میں کسی کوشش سے دریغ نہ فرمائیں کیونکہ فساد دو فریق کے بغیر ہونا ناممکن ہے۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک فریق بھی درگذر کرے تو فتنہ مٹ سکتا ہے۔ نیز ہندو مسلمان پریس سے التجا کرتا ہوں کہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں اس سالانہ فساد کے قلع قمع کرنے میں کوشش کریں۔ اس جنگ سے گویا اہل ہند کو اپنی قسمت سدھارنے کا بہترین موقع ہاتھ آگیا ہے۔ جس جس طریقے سے ممکن ہو ہم کو اپنی خیر اندیشی ثابت کر کے اسوقت سلطنت کا پورا پورا اعتماد حاصل کرنا چاہیئے ضرورت کے وقت کی مدد کبھی بھولی نہیں جا سکتی۔ ہماری گورنمنٹ احسان فراموش نہیں۔ اگر آج ہم نے اپنے آپ کو کلی اعتماد کا اہل ثابت کر لیا تو ہم اُس اعتماد کے نہایت مفید نتائج سے ضرور بہرہ ور ہونگے، اور جو بات سالہا سال کی جدوجہد سے حاصل ہونی ممکن ہے وہ اسوقت تھوڑے سے ایثار کی بدولت میسر ہو سکتی ہے۔

ادنیٰ خادم قوم
محمد اسحٰق خاں عفی عنہ
آنریری سکرٹری ایم اے او کالج علی گڈھ

خواتین انگلستان کے پیشے

بسلسلہ گذشتہ

محرری

چند سال سے مختلف قسم کی محرری کے پیشہ کا ایک وسیع میدان عورتوں کے لیے کھل گیا ہی۔ ٹائپ رائٹنگ مشین تو گویا خاص انہی کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ایجاد ہوئی ہی کیونکہ اس مشین نے بہت سے ایسے پیشے پیدا کر دیئے ہیں جو اُن کے واسطے نہایت موزوں ہیں۔ امریکہ کے تجارتی کارخانوں میں لیڈی ٹائپسٹ اور شارٹ ہینڈ رائٹر کا ہونا لازمی امر ہو گیا ہی۔ امریکہ کی عورتوں نے اپنی اعلیٰ ذہانت کے باعث اپنی دلچسپی کے مناسب ایک راستہ پیدا کر لیا ہے اور اپنے فائدہ کے لیئے اُس کو اختیار کر لیا ہی۔ اس پیشہ میں ذکور اور اُناث کا مل کر کام کرنا اسقدر دقت طلب نہیں ہی جیسا کہ اس ملک میں محسوس کیا جاتا ہی کیونکہ امریکہ میں لیڈی کلرکس کے واسطے خاص انتظامات اور چند آسامیاں مخصوص کر دی گئی ہیں اور یہ انتظام بغیر کسی مخالفت کے عمل میں آیا ہی اگرچہ ٹائپ رائٹنگ کا پیشہ قابل اطمینان حالت میں ہی لیکن اس کے ساتھ شارٹ ہینڈ جاننا بھی ضروری امر ہی کیونکہ محض ٹائپسٹ ہونے سے کوئی عورت کسی بڑے سے بڑے ٹائپ رائٹنگ کے دفتر میں کلرک کے عہدہ سے زیادہ ترقی نہیں حاصل کر سکتی ہی اور اس حالت میں اُس کی تنخواہ چند شلنگ فی ہفتہ ہو گی چند پونڈ ہرگز نہیں ہو سکتی ہی لیکن شارٹ ہینڈ جاننے سے بہت سے سکرٹریوں کے عہدے مل سکتے ہیں اور اگر کوئی خاص قابلیت بھی موجود ہی تو معاوضہ میں معقول اضافہ ہو سکتا ہی۔ ایک بہت قیمتی ٹائپسٹ معقول معاوضہ پا سکتی ہی اگرچہ اُس کو بہت زیادہ آمدنی کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی مصنفین اور اخبار نویس اکثر اپنی تصانیف اور مضامین شارٹ ہینڈ لکھنے والے سے

لکھوا دیتے ہیں اور چند گھنٹے میں وہ مضامین نہایت معقول شکل میں اُن کو واپس مل جاتے ہیں۔ علم ڈاکٹر اہل قلم اور پبلک میں کام کرنے والے حضرات اپنے یہاں مستقل طور پر شارٹ ہونڈ ٹائپسٹ ملازم رکھتے ہیں اور یہ کام خاص طور پر عورتوں کے واسطے نہایت موزوں ہی بہر حال اس میں بھی علاوہ جسمانی مشقت کے دماغی محنت درکار ہی کیونکہ محض ضابطہ کی خانہ پری کرنے والے کام کو ہرگز زیادہ معاوضہ نہیں ملسکتا ہی۔

کلرک اور محاسب

خوردہ فروشی کی بڑی بڑی دکانوں میں عورتیں بطور کلرک اور محاسب کے ملازم رکھی جاتی ہیں اُنکی تعداد میں نہایت سرعت کے ساتھ ترقی ہونا اس امر کی دلیل ہی کہ اُن کا کام نہایت اطمینان کے قابل ہی اگرچہ ذکور کے مقابلہ میں اُن کو بہت کم معاوضہ دیا جاتا ہی اس معاملہ میں اُن میں اور مردوں میں کسقدر فرق ہی جن پر وہ سبقت لے جاتے ہیں۔ عورتوں کو اس میں ایک پونڈ فی ہفتہ تک معاوضہ ملنے کی توقع ہوتی ہی اور بعض عورتیں محرری کو محض ابتدائی ملازمت کے طور پر اختیار کرتی ہیں اور منیجر کے عہدہ تک ترقی پا جاتی ہیں اس صورت میں اُن کو نہایت معقول معاوضہ ملنے لگتا ہے۔ لورپول کے ایک مشہور جہاز راں کارخانہ نے ایک لیڈی کو مدت تک اپنے یہاں ملازم رکھا اور اُس کو جہاز رانی کے کل کام اور سامان کا منتظم بنادیا اُس کی ماتحتی میں بہت سی کلرک اور سپلائی کا کام کرنے والی عورتیں ہیں اور وہ عورتیں نہایت خوبی کے ساتھ سب کے کام کی نگرانی کرتی ہی اور بندرگاہ کے قریب ہی یہ تمام عملہ کام کرتا ہی میرا ظن غالب یہ ہی کہ وہ عورتیں جنھوں نے زیادہ تر عملی کام کرنے کی تربیت پائی ہو اور اعلیٰ قسم کی تعلیم حاصل کی ہو تو جن کاموں میں جزئیات تک میں توجہ اور غور کی ضرورت ہی اُس کے لیئے اُن کو بکثرت ملازمین دستیاب ہوسکتی ہیں۔ چونکہ عورتوں میں تجارت کے کام سے زیادہ دلچسپی نہیں ہی اسی وجہ سے وہ اس کام کے لیئے موزوں نہیں پائی

جاتی ہیں۔

سول سروس

ہر قسم کی محرری سے سول سروس کی محرری بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہی ان آسامیوں کے لیے عورتیں نہایت خواہشمند ہوتی ہیں کیونکہ کام ہلکا ہوتا ہی اور نہ صرف اس کے واسطے معمولی قابلیت درکار ہی بلکہ نہایت خوشگوار بھی ہی اگرچہ معاوضہ بہت زیادہ نہیں دیا جاتا لیکن برخلاف دیگر قسم کی محرری کے اس میں پنشن بھی ملتی ہی ڈاکخانہ کے محکمہ میں جو عورت ۴۰ سال تک ملازمت کرے اُس کو تنخواہ کی ۲/۳ پنشن ملتی ہی اور صرف دس سال ملازمت کرنے سے تنخواہ کی ۱/۶ حصہ پنشن ملجاتی ہی۔ اس محکمہ کی محرری میں ۱۵ پونڈ سے ۸۰ پونڈ سالانہ تک تنخواہ ملتی ہی کسی دوسرے صیغہ میں کسی عورت کو ایسی معقول تنخواہ بغیر خاص حالات کے ہرگز نہیں ملسکتی ہی لیکن نہایت افسوس کا مقام ہی کہ دیگر صیغہ جات کی طرح اس صیغہ میں بھی عورتیں بمقابلہ مردوں کے کم تنخواہ پر ملازمت قبول کرلیتی ہیں۔ لبسا اوقات یہ بیان کیا جاتا ہی کہ اُن کا پورے طور پر تندرست نہونا اکثر اُن کی حاضری میں مانع ہوتا ہی اور اس خیال سے بھی اُن کو ادنیٰ درجہ کا معاوضہ دیا جاتا ہی۔ محکمہ ڈاکخانہ کی تنخواہ کے باعث محرری کے لیے عورتوں کو زیادہ پسند کرتا ہی لیکن جس جگہ کہ معاوضہ کے لحاظ سے عورات اور ذکور کی یکساں حالت ہو وہاں پر عورتوں کو شاذونادر ہی مردوں پر ترجیح دی جاتی ہی گورنمنٹ کے بعض دوسرے محکموں میں بھی مرد برطرف کیے جارہے ہیں چنانچہ محکمہ جنگ کے دفاتر ریسپشن کمشنروں کے دفتروں اور نیز دیگر صیغوں میں کم تنخواہ پر عورتیں برابر ملازم رکھی جارہی ہیں۔

محکمۂ ڈاک خانہ

ملازمت کے واسطے عورتوں کے لیئے محکمۂ ڈاک خانہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے
پوسٹماسٹر جنرل کی سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہی کہ منجملہ ۱۴۳۸۶۸ مستقل ملازموں کے ۸۸۷۷
عورتیں ہیں ان میں سے ۹۰۶ عورتیں لندن، ایڈنبرگ، اور ڈبلن کے صدر دفتروں میں
کلرک ہیں ۵۰۷،۳ عورتیں محاسب ہیں اور تار کے کام پر سب پوسٹ مسٹریسز اور ڈاک وصول
کرنے والیوں کے ہیں ان اعداد سے اس محکمہ کے کل ملازموں کی تعداد نہیں معلوم ہوتی
ہے کیونکہ ان کے علاوہ ۵۴۰۰۰ اور ملازم اس محکمہ ہیں جن میں سے ۱۶۰۰۰ عورتیں ہیں
اس تخمینہ میں قدیم ملازم بھی داخل ہیں جو کام کی زیادتی کے وقت عارضی کے طور پر
چند ماہ کے لیئے ملازم رکھ لیئے جاتے ہیں اور اسی میں خادمہ بھی شامل ہیں جو ڈاکخانہ
کے متفرق اسباب اور عمارت کو باقاعدہ رکھنے اور حفاظت کرنے کا کام انجام دیتی ہیں۔

جنرل پوسٹ آفس میں کام کی حالت نہایت خوشگوار واقع ہوئی ہے کلرکوں کی
آسائش اور آرام کے کل سامان مہیا کر دیئے گئے ہیں۔ رازداری پر نہایت سختی کے ساتھ
عمل کیا جاتا ہی کلرکوں کو پبلک سے کبھی سابقہ نہیں پڑتا ہی اور کام کی نوعیت یہاں جبکہ ایکبار
سمجھ میں آگئی پھر کام کا بلا کسی وقت کے ایک اصول بندھ جاتا ہی جو اکثر ملازمین کو نہایت
خوش گوار اور دلچسپ معلوم ہوتا ہی۔ ایک ایسی لڑکی جس نے عمدہ تعلیم پائی ہو۔ لیکن
سررشتہ تعلیم کی ملازمت کے لیئے یا تو اُس کو مناسبت ہو یا خاص طور پر اس محکمہ کی
ملازمت کے لیئے اُس نے معلومات حاصل نہ کی ہو تو ایسی حالت میں وہ نہایت
آسانی کے ساتھ صیغہ ڈاک خانہ میں ملازمت حاصل کر سکتی ہی اور اگر جفاکشی کے ساتھ
باقاعدہ کام کرتی رہیگی تو بعد ملازمت اُس کو پنشن ملنے کی بھی توقع کرنی چاہیئے اس
صیغہ کی ملازمت کے لیئے امیدوار عورتیں یا تو کنواری ہوں یا بیوہ اور اس کیساتھ

نیک چلنی اور صحت کا سارٹیفکٹ پیش کرنا لازمی ہے اس کے بعد ان کو لکھنا، ہجا کرنا، حساب، انگریزی لکھنا، جغرافیہ اور تاریخ، انگلستان کا ایک امتحان پاس کرنا ہوگا۔

گوداموں کی محرری

یہ اسامیاں جنرل پوسٹ آفس سے تعلق رکھتی ہیں۔ امیدوار عورتوں کا قد ۴ فٹ ۱۰ انچ سے کم نہ ہونا چاہیئے اور ۱۵ سے ۱۸ سال تک عمر کی قید ہے۔

اور بدخط تحریروں کی نقل کرنا، خوش نویسی، ہجا کرنا، حساب کے چار ابتدائی قاعدے یعنی جمع تفریق، ضرب، تقسیم، اور یونائٹڈ کنگڈم کے جغرافیہ میں ایک امتحان پاس کرنا چاہیئے تنخواہ ۱۲ شلنگ فی ہفتہ کے حساب سے ترقی دے کر ۲۰ شلنگ فی ہفتہ تک کر دی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ اعلیٰ درجوں کی ملازمتوں پر ترقی دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

کام یہ ہے کہ اس محکمہ کے کاغذات کو علیحدہ علیحدہ ترتیب دینا ہوتا ہے۔ مثل کلرکی کے یہ کام نہایت باضابطہ ہے اور اسی کے ساتھ گراں بھی نہیں گذرتا ہے اگر کوئی لڑکی سارٹر کی ملازمت اختیار کرے تو وہ اگر پسند کرے تو وہ کلرک ہو سکتی ہے اور دو سال ملازمت کرنے کے بعد عمر کی قید بجائے ۱۸ کے ۲۵ سال کر دی جاتی ہے اور اگر ۲۵ سال کی عمر تک کلرکی کا امتحان پاس کرنے میں وہ ناکامیاب رہے تو اس کے بعد بھی وہ کئی مرتبہ پھر امتحان دے سکتی ہے

تار کا کام سیکھنے کی امیدواری

تار کا کام سیکھنے کے لیئے داخلہ کے واسطے املا، خوش خطی اور حساب کے چار ابتدائی قاعدوں میں امتحان پاس کرنا لازمی ہے اس کے بعد امیدوار کو تار کا کام سیکھنے کے لیئے ٹیلیگراف اسکول میں داخل ہونا پڑتا ہے اس کا نصاب تعلیم ختم کرنے میں ۳ ماہ صرف ہوتے ہیں اگر کوئی امیدوار اس کام سے بے اتفاقی ظاہر کرتی ہے تو وہ اسکول سے خارج کر دی

جاتی ہے۔

سار ٹیفکٹ حاصل کرنے پر اُس کو کسی تار گھر میں جو ڈاکخانہ کے متعلق ہو کام کرنا ہوتا ہے جہاں پر کہ اُس کو ابتدائی تنخواہ ۱۲ شلنگ فی ہفتہ کے حساب سے ملتی ہے اور جب تار کے آلہ پر خوبی تار دینے اور لینے کے کام سے پورے طور پر واقف ہو جاتی ہے تو اس کی تنخواہ ۳۰ پونڈ بلکہ ۱۰۰ پونڈ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس صیغہ کے افسران کو ۹۰ پونڈ سے ۱۴۰ پونڈ تک سالانہ تنخواہ ملتی ہے لندن میں داخلہ کے لیے ۱۴ سال سے ۱۸ سال تک کی اور مفصلات کے لیے ۱۴ سال سے ۲۵ سال تک کی شرط ہے۔

محاسب

یہی صرف ایک ایسا عہدہ ہے جس میں عورتوں کو پبلک سے سابقہ پڑتا ہے۔ محاسب عورت کو ٹکٹ فروخت کرنا، پوسٹ آرڈر کی قیمت ادا کرنا وغیرہ کل کام انجام دینا ہوتے ہیں جب سے کہ یہ صیغہ گورنمنٹ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اُس وقت سے اس عہدہ پر تار کا کام سیکھنے والی عورتوں میں سے اس عہدہ پر تقرر ہونے لگے ہیں۔ درجہ دوم کی محاسب عورت کو ۱۲ شلنگ سے ۳۰ شلنگ تک اور اول درجہ کی محاسب عورت کو ۳۰ سے ۴۰ شلنگ تک فی ہفتہ کے حساب سے تنخواہ دی جاتی ہے

عورتوں کے متعلق شکایتیں

ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ڈاکخانہ کی ملازمت میں عورتوں نے پورے طور پر اپنے تئیں مستحق نہیں ثابت کیا ہے۔ سر جیمس فرگسن صاحب جبکہ پوسٹ ماسٹر جنرل تھے اُس زمانہ میں اُن کو یہ سرکلر جاری کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جو عورتیں کلرکی کے کام پر مامور ہیں اُن کو پبلک سے برتاؤ کرنے میں تہذیب اور شائستگی برتنی چاہیے

اور ہماری یہاں یہ سرکار عام طور پر نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اس قسم کی شکایتیں بعض تجارتی کارخانوں کے متعلق سنی گئی ہیں کہ جو عورتیں ٹیلیفون کے کام پر تعینات ہیں وہ نہایت لاپروائی کے ساتھ اپنے کام کو انجام دیتی ہیں اور اُن کو یہ احساس نہیں ہی کہ تجارتی کام کا انحصار اُن کی دلچسپی اور خاص توجہ پر منحصر ہی۔ مجکو معلوم ہی کہ ایک بڑے ٹیلیفون آفس میں سے بہت سی عورتیں برخاست کر دی گئیں اور اُن کی بجائے مرد مقرر کر دیے گئے کیونکہ ٹیلیفون کے چندہ دہندگان میں عام طور پر ان عورتوں کے طرز عمل کے متعلق بے اعتنائی پائی جاتی تھی۔ ایک اخبار کے اڈیٹر صاحب نے مجھسے بیان کیا کہ شام کے وقت ٹیلیفون پر جب عورتوں کی بجاے مرد مامور ہوتے تھے تو مجکو بہت بڑی خوشگوار تبدیلی معلوم ہوتی تھی اگرچہ ان امور کے متعلق بہت کچھ مبالغہ کیا جا سکتا ہی مگر چونکہ عورتیں اس پیشہ میں داخل ہونے کی خواہشمند ہیں اس لیے اس قسم کی شکایتوں کا بیان کرنا ضروری ہی تاکہ آیندہ اُن کے رفع کرنے کی طرف توجہ کی جائے۔

بچپن کی موت

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہی جو بن کھلے مُرجھا گئے

مولوی نفیسہ الدین مرحوم سابق پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج کی ہر دلعزیزی اور ہمدردی کے قصے رہتی دنیا تک لوگوں کی زبانوں پر رہیں گے محلہ کی غریب عورتیں اب بھی بغیر دو آنسو ٹپکائے مولوی صاحب کا نام زبان پر نہیں لاتیں جس جگہ اُن کا تذکرہ ہوتا ہی۔ بس کچھ نہ پوچھیے ٹھنڈی سانسوں کی ہوا بندھ جاتی ہی۔ چہروں پر اُداسی چھا جاتی ہی۔

مولوی صاحب کی صاحبزادی نہایت قابل، فاضل میں عربی علم ادب میں خاص

مہارت رکھتی ہیں، زمانہ شناس اور باخبر بیگمات سے ہیں، اُن کے شوہر محکمہ چنگی کے ہیڈکلارک ہیں، یہ صاحب بھی نہایت بیدار مغز اور ہوشیار، سنجیدہ آدمی ہیں مجھ سے اور ہیڈکلارک صاحب سے بے انتہا دوستی ہے، اور بے تکلف دوستی ہے۔ ایک عرصہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ان کی بی بی عربی نہایت اچھی جانتی ہیں، اور لغات عربی پر بہت عبور ہے میں نے ہیڈکلارک صاحب سے درخواست کی کہ وہ مجھے اجازت دیں کہ میں اُن کی بیگم صاحبہ کو اپنی عربی نصاب تعلیم کی چند کتابیں سُنا دوں، اُس زمانہ میں میری حالت محض طالب علمانہ تھی۔ ہیڈکلارک صاحب میری اس بات کو سنکر خاموش ہو گئے۔ میں سمجھا کہ یہ اسکو مناسب نہیں جانتے۔ خود بھی نہ صرف خاموش ہو گیا۔ بلکہ اپنی اس بے تکلفانہ گفتگو پر نادم بھی ہوا۔

دوسرے روز میں کسی ضرورت سے دوپہر کے وقت (شاید جمعہ کا دن تھا) اُن کے مکان پر گیا۔ آواز دی، ماما اندر سے آئی اور کہنے لگی کہ میاں اندر ہی بلاتے ہیں چلیئے، میں سمجھا کہ اُن کا گھر خالی ہوگا۔ بیگم صاحبہ کہیں گئی ہونگی۔ چلا گیا۔ ڈیوڑھی سے گذر کر صحن میں گیا۔ دیکھا کہ حضرت سلامت ایک چارپائی پر دراز ہیں اور ان کی بیگم صاحبہ دالان میں بیٹھی ہوئی کچھ کام کر رہی ہیں نظر پڑتی ہے میں اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹا۔ پیچھے ہٹتے ہی ہیڈکلارک صاحب نے جھپٹ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ مجھے کھینچتے ہوئے اپنی بی بی صاحبہ کے پاس لے گئے، کہنے لگے، تمھاری کل کی بات کا جواب ہے یہ موجود ہیں۔ تم کو اپنے نصاب میں جو کچھ ان سے دریافت کرنا ہوا کرے بے تکلف آکر پوچھ لیا کرو"، میں نیچے گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔ بیگم صاحبہ نے بھی فرمایا کہ تم آیا کرو اور جو کچھ پڑھتے ہو، ہمیں بھی آکر سنا جایا کرو"

اب یہ ایک دستور ہو گیا کہ میں مدرسہ سے ۱۲ بجے اُٹھتا۔ اور اپنی اُستانی صاحبہ مکرمہ کے پاس جا پہونچتا۔ جہاں جہاں مجھے شک ہوتا اور جو جو مقام میری سمجھ میں نہیں آتا

اُن سے دریافت کرتا، وہ اس خوبی سے مجھے سمجھاتیں کہ سب مطلب گلے اتر جاتا۔

ہیڈ کلارک کی ایک لڑکی کوئی آٹھ سات برس کی ہو گی، بلا کی ذہین، نہایت شائستہ سنجیدہ، خوبصورت اُستانی صاحبہ اس کو عربی پڑھاتی تھیں، اور امریکن مشن کی ایک میم دو گھنٹہ دن چڑھے اگر کچھ انگریزی پڑھا جاتی۔ مجھ سے بے انتہا محبت کرتی تھی جس دن سبق یاد نہیں ہوتا تو ڈر کے مارے چھپی چھپی پھرتی۔ جب میں آتا اور اپنا آموختہ سنا دیتا، تو مجھ سے آکر اپنا سبق یاد کرتی ایسی ذہین لڑکی میری نظر سے نہیں گذری، اس عمر میں صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں اول سے آخر تک اُسے حفظ تھیں۔ جس عبارت کو ایک دو مرتبہ غور کرکے پڑھ لیا بس وہ ذہن پر چڑھ گئی۔ جب پوچھو زبانی سنا دیا کرتی تھی سبعہ معلقہ کے قصائد کے کثرت سے شعر اُسے یاد تھے ہاں البتہ لکھنا نہیں آتا تھا۔ تختی پر مشق کیا کرتی تھی، اور جب سے میری آمد و رفت اس گھر میں ہوئی، تو میں نے اُس کو لکھنا لکھانا شروع کیا تختی لکھکر مجھ سے اصلاح لیتی اور جس طریق سے میں لکھ دیتا اُسی کے مطابق وہ مشق کیا کرتی تھی، مجھے امید تھی کہ وہ سال بھر کے اندر نہایت خوشخط لکھنے لگے گی، مگر افسوس کہ قدرت کو منظور نہیں تھا کہ وہ سال بھر بھی زندہ رہے کچھ دنوں کے بعد اُستانی صاحبہ اپنے میکے چلی گئیں، دلی میں ان کا میکہ تھا، اور ایک عرصہ کے بعد وہاں گئیں اس لیے جلد واپس آنے کی کوئی امید نہ تھی، ہاں ہفتہ عشرہ میں اُن کا کوئی خط آجاتا اور خیر و عافیت معلوم ہو جاتی۔

رضیہ (لڑکی کا نام ہے) کا حال بھی معلوم ہوتا رہتا۔ مجھے افسوس ہوتا جب یہ معلوم ہوتا کہ دلی پہنچکر اُس نے لکھنا چھوڑ دیا۔

ایک دن نہایت دلچسپ قصہ ہوا۔ میں رضیہ کے یہاں آیا۔ اپنا سبق سنایا۔ اور جو کچھ دریافت کرنا تھا۔ پوچھ کر صحن میں ایک پلنگ پڑا تھا اُس پر جاکر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں مشن کی میم صاحبہ تشریف لے آئیں، رضیہ نے اُن کو دیکھ کر اپنی کتابیں اٹھائیں اور

دوسرے کمرے میں جہاں وہ پڑھا کرتی تھی چلی گئی۔ وہاں اُس نے سبق پڑھا اور میم صاحبہ نے اپنے مذہب اور باوقار ملک کا قصہ سنانا شروع کیا۔ میں صحن میں پڑا ہوا سن رہا تھا۔ مگر میم صاحبہ کو شان وگمان بھی نہ تھا کہ سوائے رضیہ کے کوئی اور بھی اُن کی باتیں سن رہا ہے۔

میم صاحبہ نے اپنے تہذیب معاشرت اور سلیقہ پن کے پردہ میں اُسے خداوند یسوع مسیح کی چند ہدایتیں بتائیں، اور کہا کہ دنیا میں سوائے اُمت مسیح کے اور کوئی قوم اپنی تہذیب اور معاشرت کی باحسن الوجوہ تکمیل کا دعویٰ نہیں کرسکتی، یہ سب اسی کی برکتیں ہیں کہ آج ہم دنیا کے ایک ثلث حصہ پر قابض ہیں۔ تثلیث کا مان لینا اور اُس کو اپنا نجات دہندہ سمجھنا، بس یہی ساری بُرائیوں کا کفارہ ہے "

میم صاحبہ نے اپنی گفتگو کو کچھ اس انداز سے شروع کیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ رضیہ کو یورپ کا جغرافیہ اور اُس کی اقتصادی حالت بتا رہی ہیں، مگر آخری گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ مذہب کی تعلیم کر رہی ہیں۔ اور اُن کا انداز گفتگو رضیہ کے ساتھ اس قسم کا تھا جیسے وہ رضیہ سے تسلیم کرانا چاہتی ہیں۔ رضیہ اوّل تو خاموش سنتی رہی۔ اور جب میم صاحبہ اپنا لکچر سنا چکیں تو اُس نے تیوری چڑھا کر نہایت معصومانہ انداز سے کہا۔

" میم صاحبہ پہلے آپ مجھے ایک ہی خدا کا ہونا ثابت کر دکھائیے، پھر تثلیث کی بحث کیجئے گا۔ آپ نے تو خواہ مخواہ تین خدا مان لئے ہیں یہاں تو ایک خدا کے ماننے میں بھی سینکڑوں عقلی و نقلی دلیلوں کی ضرورت ہے "

میں رضیہ کی اس بات پر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ میرا ہنسنا میم صاحبہ کو معلوم ہوگیا، اور وہ کچھ سٹ پٹا گئیں۔ رضیہ اُٹھ کر میرے پاس آکر بیٹھ گئی اور میم صاحبہ تھوڑی دیر کے بعد کمرے سے اُٹھ کر چلی گئیں۔ میں نے اُن کو بلایا، اُنسے کہا کہ وہ اس معصوم لڑکی سے اس قسم کی باتیں نہ کریں اور آئندہ احتیاط رکھیں۔ میں نے اُن کو ڈانٹا کہ اگر وہ اس قسم کی باتیں کرینگی تو اُنکا اس شہر میں ٹھہرنا دشوار ہو جائیگا۔

میم صاحبہ تو چلی گئیں مگر مجھے رضیہ سے معلوم ہوا کہ میم صاحبہ اکثر وقت اس قسم کی باتیں کرتی ہیں۔ مذہبی قصے کہانیاں سناتی ہیں۔ مذہبی گانے گاتی ہیں اور مجھسے کہتی ہیں کہ تم بھی ہمارے ساتھ گایا کرو۔

ہارمونیم میں بھجن بجاتی ہیں، تھیٹر کے گانوں کی لے میں اکثر اپنے تثلیث کے راگ الاپتی ہیں" مجھے بہت ناگوار گزرا، میں نے ہیڈ کلارک صاحب سے سارا قصہ کہا، اُنھوں نے بھی میم صاحبہ کو بہت ڈانٹا، بات آئی گئی ہوئی، مگر معلوم ہو گیا کہ یہ عورتیں اپنی ہمدردی اور مہربانی کا معاوضہ تبادلہ مذہب کی صورت میں حاصل کرتی ہیں، اُن کا گھر گھر پھر کر پڑھانا یا موزہ جرابیں گلوبند بننا لکھانا بھی علت سے خالی نہیں ہے، وہ در پردہ اپنا مقصد دلی رکھتی ہیں، اور میل جول پیدا کر کے اور ایسے ایسے قصے سنا کر اُن کو مسیحی بنا لیتی ہیں، خدا اُن عورتوں سے محفوظ رکھے،

چار پانچ مہینے کے بعد میں اپنی ایک خاص ضرورت سے دلی گیا۔ جہاں اور لوگوں سے ملاقات ہوئی وہاں رضیہ سے ملاقات کرنے کا خیال بھی ہوا۔ اُس کے مکان پر گیا۔ مولوی فقیہ الدین صاحب کے چھوٹے بھائی مولوی صلاح الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ رضیہ بیمار ہے، پیٹ میں اندر کی طرف ورم آگیا ہے۔ کمزور بے انتہا ہو گئی ہے۔ ہر وقت بخار رہتا ہے۔ اُنھوں نے مایوسانہ آواز میں کہا کہ یوں تو خدا مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ مگر بظاہر اُس کے زندہ رہنے کی کوئی آثار نہیں ہیں"

میں نے اُن سے درخواست کی کہ میں رضیہ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں، میں نے اُن کو سنا دیا کہ رضیہ کی والدہ سے بھی میرا پردہ نہیں ہے اور وہ میری اوستانی ہیں، انھوں نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور مجھے اندر لے گئے۔

میں نے گھر کے ایک شمالی کمرہ میں جا کر رضیہ کو ایک چھوٹی سی پلنگڑی پر پڑے ہوئے دیکھا۔ اُس کے بھرے بھرے گال سوکھ کر ہڈیاں نکل آئیں، آنکھیں اندر کی طرف بیٹھ گئیں۔ ہاتھ پاؤں بالکل لاغر۔ کمزور اسقدر کہ دوسرا آدمی اُس کی کروٹ بدلتا تھا۔ رنگت بالکل سفید ہو گئی تھی۔ خون کا نام تک نہیں تھا۔ میں پلنگ پر جا کر بیٹھ گیا، آواز دی اُس نے آنکھیں کھولیں مجھے دیکھا، سلام کیا میں نے بہت دعائیں دیں۔ میں نے اطمینان دلایا کہ تم گھبراؤ نہیں سخت سے سخت مریض اچھے ہو جاتے ہیں۔ تمھیں تو کوئی ایسا سخت مرض بھی نہیں ہے۔ خدا نے چاہا تو بہت جلد تندرست ہو جاؤ گی"، میرے اس کہنے پر وہ

مسکرائی اور اپنا قمیص اٹھا کر اشارہ کیا، میں نے ہاتھ سے اس کا پیٹ دبایا، نہایت سخت اور شیشے کی طرح جھلک رہا تھا۔

اتنے میں رضیہ کی والدہ بھی آگئیں، انکی صورت دیکھکر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے بمشکل ضبط کرکے صحن میں آیا صحن میں آکر میرے آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ رضیہ کی والدہ بھی بہت روئیں، مولوی صلاح الدین صاحب نے سمجھایا اور میں باہر آگیا۔

دوسرے دن پھر گیا، معلوم ہوا کہ زبان بند ہو گئی ہے۔ اور اعضا شکنی بہت ہی۔ میں نے اندر جانا چاہا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ عورتیں بہت سی آئی ہوئی ہیں، میں نے بہت منت سماجت کی کہ مجھے رضیہ کے آخری دیدار کی اور اجازت دیجئے۔ اتنا کہکر میں رونے لگا۔ مولوی صاحب اٹھکر اندر گئے، تھوڑی دیر کے بعد آئے اور میرے آنسو پونچھکر اندر لیگئے، میں نے جاکر دیکھا کہ معصوم اور بے زبان رضیہ پلنگ پر پڑی ہوئی ہی، مجھے دیکھا ہاتھ اٹھا کر ماتھے تک لیجانا چاہا مگر نہ جاسکا میں نے اس کی یہ حالت دیکھی اب مشکل تھا کہ میں ضبط سے کام لیئے جاتا جبکہ میرا دل رنج و غم سے بھرا ہوا ہی، اور میری بہت سے نوجوان عزیزوں کے داغ میرے سینہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ خود ہی غم رسیدہ ہوں، رونے لگا، اس کے پلنگ کے قریب گیا، دیکھا کہ دو ایک آنسو اس کے آنکھوں سے ڈھلکر کنپٹی تک پہنچے ہیں، میں جھکا، اس کی پیشانی کا بوسہ، آخری بوسہ لیا، اور آنسو پوچھتا ہوا باہر آگیا دیوان خانہ میں آکر بیٹھ گیا کوئی دس ہی منٹ گذرے ہونگے کہ گھر میں سے ایک کہرام عظیم اٹھا، میں سمجھ گیا کہ معصوم رضیہ جنت کو سدھاری تجہیز و تکفین سے فارغ ہونے پر میں آیا اور مولوی صاحب نے مجھسے کہا کہ میں اس کی والدہ کو فوراً یہاں سے لیجا کر ہیڈ کلرک صاحب کی خدمت میں بھیجا دوں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اب رضیہ کی والدہ کی یہ حالت ہی کہ بالکل پاگل سی ہو گئی ہیں۔ مجنون ہیں کوئی دن ناغہ نجاتا ہوگا کہ وہ رضیہ کو نہ روتی ہوں۔ "ہائے رضیہ تو بڑی خوبیوں کی رضیہ تھی"

قیصر۔ (بھوپال)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریر علیا حضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج ھند جی سی ایس آئی و جی سی آئی ای فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا

خواتین! اخبارات میں آپنے ملاحظہ کیا ہوگا کہ یورپ میں آجکل معرکہ جنگ جدل برپا ہے، تواریخ دنیا کے اُن صفحوں میں جو خون انسانی سے رنگین ہیں آج تک ایسی عظیم الشان لڑائی کی اسوقت تک نظیر نہیں ملتی جس میں اتنی سلطنتیں اس ساز وسامان کے ساتھ شریک ہوں. دائرہ جنگ اسقدر وسیع ہو اور دماغ انسانی کے اعلیٰ اختراعات نوع انسانی کے قلع قمع کرنے کے لئے اس وسیع پیمانہ پر اس بے دردی کے ساتھ استعمال کیے جائیں۔ ایسی سرزمین میں جو تہذیب شائستگی اور علوم و فنون کے ترقی کا سرچشمہ ہو اس خون وقتال کی کیفیت دیکھکر ضرور آپ کو تعجب ہوگا۔

آپ ایسی عظیم الشان لڑائی کے وجوہ پر بھی غور کرتی ہونگی کہ آخر وہ کونسے اہم امور ہیں جنکی باعث ایک طرف جرمنی اور آسٹریا کی سلطنتیں اور دوسری طرف روس، سرویہ، فرانس، بلجیم، اور ہماری سلطنت برطانیہ کی فوجیں صف آرا ہیں اس لڑائی کے وجوہ کا مختصراً تذکرہ کرونگی اور نیز یہ بیان کرونگی کہ بالآخر سلطنت برطانیہ کو جسکے ظل عاطفت میں ہم سب پشت ہا پشت سے اس عزت و آسائش کی زندگی بسر کر رہے ہیں جرمنی اور آسٹریا کی خلاف کیوں اعلان جنگ کرنا پڑا

خواتین!

ولیعہد سلطنت آسٹریا کے قتل ہونے کے بعد جب اس ملک میں کسیقدر شورش ہوئی اور شہنشاہ آسٹریا نے ریاست سرویا کو ایسی سخت شرایط تحریر کیں جو کوئی خودمختار ریاست تسلیم نہیں کر سکتی تھی اُسی وقت ارباب بصیرت پر ظاہر ہو چکا تھا کہ بادل جو گرج رہے ہیں ضرور برسینگے

اور فتنہ و فساد کا عالمگیر طوفان ضرور برپا ہوگا، یہ ظاہر تھا کہ سرویہ کے باشندے زار روس کی رعایا کے ہمقوم وہم مذہب ہیں اور دولت روسیہ کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ اسکی ہم مذہب قوم ذلیل ہو اور ان کی چھوٹی سی ریاست نیست و نابود ہو جاوے مگر خواتین دنیا کے امن میں سب سے زیادہ مخل یہ امر ہوا کہ جرمنی نے سلطنت برطانیہ کے صلح کل مشورہ کو تسلیم نہ کیا اور نہایت عجلت سے روس کے خلاف اعلان جنگ کردیا، یہ درست ہے کہ شہنشاہ آسٹریا اور قیصر جرمن کے درمیان یگانگت کا ایسا عہدنامہ ہے کہ اگر ایک سلطنت کو فوج کشی کرنے کی نوبت پیش آئے تو دوسری سلطنت کو بھی لامحالہ شریک ہونا پڑتا ہے، مگر جس طرح جرمنی نے فرانس کو شکست و پامال کرنے کی غرض سے بلجیم کے حقوق پر دست درازی کرنے کا قصد کیا وہ ہرگز ایک مہذب اور شائستہ دولت کے شایان شان نہ تھا۔

خواتین! چونکہ فرانس کی سرحد مستحکم تھی اس لئے جرمنی نے فرانس کو زیر کرنے کی سب سے آسان تجویز یہ سوچی مگر اس کا خیال نہ کیا کہ دو گذشتہ عہدناموں کے شرائط انصاف اور ایمانداری کے اصول اس بات کی ہرگز اجازت نہ دیتے تھے کہ بلجیم کے حقوق پامال ہوں۔ اُس کے حدود سے ایک غیر سلطنت کی جنگی فوجیں گزارلی جائیں اور اُسکی خودمختاری اور خودداری کو حرف غلط کی طرح محو کردیا جاوے مگر اُس سلطنت کی نظروں میں حقوق اور عہد و پیمان کی کیا وقعت ہوسکتی ہے جس کا صدر اعظم ایک عہدنامہ کو فقط "کاغذ کا ٹکڑا کہے" اور جس کے نزدیک عہد و وفا کا دفتر اوراق پریشان کی طرح منتشر کردینا ایک کھیل ہو، شاہ بلجیم نے اپنی تکلیف اور مصیبت میں ہماری سلطنت برطانیہ کے شہنشاہ معظم کی خدمت میں استدعا کی کہ اُن کی عزت و آبرو کی حفاظت کی جاے سلطنت برطانیہ جو ہمیشہ سے ضعیفوں کی حامی، کمزوروں کی مددگار، اور عہدناموں کی پابند رہی ہے جرمنی کی دست درازی کی روادار نہوئی اور بلجیم کی حفاظت اور فرانس کی امداد کی غرض سے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کردیا گیا۔

خواتین! غور کا مقام ہے کہ ایک طرف تو دست دراز، قول شکن اور ضعیف آزار سلطنت

جرمنی ہی جو تہذیب و شائستگی کو پامال کرنے پر تلی ہوئی ہے اور اس کے خلاف فرانس و بلجیم کی حمایت میں ہماری سلطنت برطانیہ ہی جس کو ایک چپہ بھر زمین بھی مطلوب نہیں، مگر اپنی قول پرستی اور پابندی عہد کا ایسا ثبوت دے رہی ہی جسکی یادگار ابدالآباد تک صفحۂ تاریخ پر قائم رہیگی۔

خواتین! آج ہم اس غرض سے یہاں جمع ہوئے ہیں کہ ہم اُن افواج برطانیہ کے ساتھ ہمدردی کا عملی ثبوت دیں جو اپنے بادشاہ اور ملک کی خاطر میدان کارزار میں سر بکف ہوکر شجاعت کے جوہر عنقریب دکھائیں گے۔ ان سپاہیوں کے ورثا، ان کے بال بچوں کی نگہداشت و پرورش اور خود مجروحین کی تیمارداری کے فرائض نہایت اہم ہیں اور ایسے موقع پر تمام ہندوستان کی جانب سے قولاً اور عملاً نمایاں ہمدردی کا ثبوت بے انتہا ضروری ہی۔ ہماری فوج کے وہ بہادر سپاہی جو میدان جنگ میں سینہ سپر ہوکر لڑنے گئے ہیں۔ ہم لوگوں سے اس بات کی ضرور توقع رکھتے ہیں کہ ہم ایسے وقت میں جو کچھ ہم سے بن پڑے اُس سے انکی اور ان کے بال بچوں کی امداد کریں۔ ہمارے سپاہیوں کی رگوں میں اُن کے اسلاف کا خون موجزن ہی اور مجکو اُمید ہے کہ آپ سب کے دلوں میں بھی ایسے وقت میں ہمدردی کا شعلہ مشتعل ہوگا۔ دنیا کی تاریخ میں یہ پہلی نظیر ہے کہ ہندوستان کی فوج یورپ جاکر ایک سلطنت کے مقابلہ میں شمشیر بکف ہوئی ہے اور ہمکو حضور ملک معظم کا تہ دل سے ممنون ہونا چاہئیے کہ اُنھوں نے ہندوستانی سرفروشان تاج برطانیہ کو بھی موقع دیا کہ اپنے جذبۂ وفاداری کا ثبوت میدان کارزار میں دیں۔

(باقی آیندہ)

اشتہار

مفت! مفت!! مفت!

سوا دو سو صفحہ کی ایک دلچسپ اخلاقی کہانیوں کی کتاب مفت ملتی ہی۔ یہ کتاب ننھے لڑکے اور لڑکیوں کے لیے ایڈیٹر شریف بی بی نے حال میں تیار کی ہی اور اس کتاب کی دو سو جلدیں از راہ قدردانی پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی نے مدرسوں میں تقسیم کرنیکے لیے خریدی ہیں۔ مگر شریف بی بی کے اُن نئے خریداروں کو یہ کتاب مفت دیجاویگی جو ماہ نومبر میں پیشگی قیمت دیکر اس بہترین زنانہ ہفتہ وار اخبار کے خریدار ہونگے اخبار کی سالانہ قیمت صرف تین روپیے ہے کتاب بارہ آنے میں ملتی ہی۔

ملنے کا پتہ { مینیجر اخبار شریف بی بی لاہور

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

نمبر (۱۱)	بابت ماہ نومبر ۱۹۱۴ء	جلد (۱۰)

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکیشن

فہرست مضامین

باہتمام عنایت خاں

مطبوعہ مطبع ریاض ہند علیگڈھ

خاتون

۱ - یہ رسالہ ۸۴ صفحہ کا علی گڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (ـہ) اور ششماہی عہ/ ہے۔

۲ - اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳ - مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ ہونگے مطلق کامیابی نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

۴ - ہمارا رسالہ اس بات کی کوشش کریگا کہ مستورات کیلئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاوے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو۔ تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵ - ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ آردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶ - اس رسالہ کی مدد کرنیکے لئے اس کو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کیلئے تیار کیا جاویگا۔

۷ - تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈھ ہونی چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاتون

"اپیل"

بخدمت ممبران ایسوسی ایشن و ناظرین "خاتون"

یوں تو خلق کا کسی نے حلق نہیں بند کیا، باتیں بنانے والے بنایا کریں، برا بھلا کہنے والوں کو خدا ہمت دے مگر انصاف و ایمان بھی اگر دنیا میں کوئی شے ہے تو اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ تعلیم نسواں کے لئے جو کچھ ہن ۱۰ سال کے قلیل عرصہ میں علی گڈہ میں ہو گیا وہ کسی دوسری جگہ نہیں ہو سکا مانا کہ علی گڈہ میں اس وقت تک "گرلز ہائی اسکول" و "کالج" نہیں تیار ہو گیا لیکن جو شاندار عمارت بورڈنگ کی وہاں بنی کسی دوسری جگہ موجود نہیں۔ معترض کہہ دیتے ہیں کہ اتنے عرصہ تک اتنا روپیہ تعلیم نسواں کے لئے علی گڈہ کو دیا گیا مگر ہوا کچھ بھی نہیں تعلیم پرائمری سے

آگے نہ بڑھ سکی وغیرہ وغیرہ لیکن اگر اعتراض کرنیوالے حضرات علی گڈھ تشریف لاکر ہمارا بورڈنگ ہاؤس ملاحظہ فرمائیں تو یقیناً وہ اپنے اعتراضات کو واپس لینگے۔

تعلیم نسواں جیسے اہم کام میں جو ذمہ داری اور انتظام کی مشکلات کو اپنے سر لے وہی جانے۔ جو اصحاب مکان کی ضرورت کو فضول بتاتے ہیں وہ اگر ہندوستانی شدید پردہ کو بھی فضول بتائیں تو اعتراض بجا ہے اگر یہ بورڈنگ ہاؤس تعمیر نہ کیا جاتا، تو کوئی اور مکان اسقدر پردہ دار لڑکیوں کے رہنے کے لئے ملجاتا؟ سب سے اوّل سب پر مقدم یہی ضرورت تھی کہ ایک اپنا قابل اطمینان پورا پردہ دار مکان تیار کرلیا جاوے پھر لڑکیاں بلائی جائیں۔

اگر قوم کھلے دل سے شروع ہی میں اسقدر روپیہ فراہم کردیتی کہ پہلے اپنا مکان بنجاتا پھر مدرسہ جاری ہوتا تو ضرور منتظم یہی کرتے۔ لیکن ایسا ہونا ہماری قوم سے ناممکن تھا۔ چنانچہ برسوں مدرسہ کرایہ کے مکان میں رہا جس سے یہ دقت رہی کہ بورڈنگ میں رکھنے کو لڑکیاں ملتی تھیں اور بوجہ نہونے قابل اطمینان مکان کے نہ لی جاسکتی تھیں۔ ضروریات وقت کو کچھ وہی سمجھ سکتے ہیں جن کے ذمہ ایسا اہم کام ہو۔ پس سکرٹری صاحب نے یہی کیا اور سب سے پہلے جسقدر بھی روپیہ میسر ہوسکا تعمیر عمارت میں لگایا۔ اب یہ آسان ہے کہ ہر حصہ ملک کی پردہ دار جوان لڑکیوں کو لیا جاسکے۔ ہائی کلاس کھولی جاوے۔ اور جلدی خدا کالج کردے۔ مگر اب بھی سب ضروریات پوری نہیں ہوسکیں۔

اس بورڈنگ ہاؤس کے مکمل کرنے میں کمیٹی نے ساڑھے اٹھارہ ہزار روپیہ کی سخت ضرورت بتائی ہے جو کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔ اس وقت اتنی سی حقیر رقم کے لئے تمام قوم کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں۔ صرف چند حضرات کی کوشش سے یہ کام ہوسکتا ہے ساڑھے اٹھارہ ہزار میں بھی بارہ ہزار ہماری مہربان گورنمنٹ سے ملیگا۔ اب تو صرف ساڑھے چھ ہزار رہ گیا جو ممبران ایسوسی ایشن وخریداران خاتون کے محدود حلقہ ہی میں سے بہت جلد فراہم ہوسکتا ہے۔ اس وقت تک ممبر خواتین (سب سے پہلے مجھ ناچیز) نے کوئی نمایاں مدد نہیں دی

مجھے شرمندگی ہوتی ہے جب یہ خیال کرتی ہوں کہ ایک عرصہ سے ممبری میں میرا نام ہے لیکن کیا کیا؟ سو روپیہ کی رقم بھی آجتک فراہم کر کے نہ بھیج سکی۔ بڑے کام تو الگ رہے۔ پھر کسی اور بہن کو کیا کہوں، اور اب بھی حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے مجھے اُمید نہیں کہ کچھ چندہ کر سکوں

ڈیرہ دون ایک چھوٹا سا مقام ہے اور یہاں کے مسلمانوں میں نہ روپیہ نہ روشن دماغی نہ تعلیم نسواں کی قدر۔ اس پر یہاں جو گرل اسکول میں نے کھولدیا ہے تو جو چند ہمدرد قوم حامی تعلیم نسواں ہیں اُنکی امداد اپنے مدرسہ میں لگ رہی ہے۔ اب انسے اور کیا توقع کی جاوے۔ اس اسکول کا چلنا بھی مشکل ہو جاتا اگر مینونسپل بورڈ سے قابل قدر امداد نہ ملتی۔ میں چاہتی ہوں کہ قابل اُستانی کے ملنے پر جلد ہی اس اسکول کو مڈل تک کر دیا جاوے۔ اور مہربانی فرماکر سرپرستان زنانہ نارمل اسکول علی گڈھ" اس ناچیز مدرسہ کو نارمل اسکول کی شاخ قرار دیکر میری ہمت و اسکول کی عزت افزائی کریں۔

اس جگہ تھوڑا سا مختصر حال اپنے "مدرسہ نسواں ڈیرہ دون" کا بھی لکھدوں۔ فروری ۱۹۱۴ء میں یہ مدرسہ جاری کیا گیا ہے۔ اس وقت کل آمدنی ماہواری مع مینونسپلٹی کے چندہ کے چونسٹھ ۶۴ روپیہ ہے۔ تین اُستانیاں فی الحال کام کرتی ہیں اُردو قران شریف لکھائی وغیرہ پر مسلمان اور انگریزی و حساب کے لئے ایک عیسائی لیڈی مقرر ہے۔ مگر ان تینوں کی تعلیم مڈل سے بھی کم ہے اسلئے ایک قابل اُستانی کی تلاش ہے۔ گذشتہ چھ ماہ میں ڈیرہ دون سے باہر منصوری وغیرہ رہی اور علیل رہی اسلئے اس درمیان میں اسکول کی ترقی کی کوئی تدبیر نہ کر سکی۔ اب انشاء اللہ مجھ سے ... جو کچھ ہو سکا کرونگی۔ مجھے ایک ایسے قابل اطمینان مکان کی سخت ضرورت ہے جس میں پردہ کا پورا انتظام ہو۔ روپیہ ریزرو فنڈ میں جمع کیا جا رہا ہے تھوڑی سی رقم بھی ہو گئی تو چھوٹا سا مکان خرید کر گذارے کے لئے مرمت کر لیجاویگی۔ ہاں تو ذکر نارمل اسکول علی گڈھ کا تھا میں نے اس ذیل میں یہ حالات یوں کہدیئے کہ میں ... چندہ میں کچھ مدد نہ کر سکوں تو معذور خیال کر کے معاف کی جاؤں۔ خود مجھ سے فی الحال جسقدر ہو سکتا ہے اپنی طرف سے

دینکو تیار ہوں۔ گو میں اس کے بھی سخت خلاف ہوں کہ بجائے ایک مرکز سے کام کے مضبوط کرنیکے جا بجا چھوٹے پیمانہ پر کچھ کیا جاوے۔ میری تو یہ آرزو ہے کہ تمام مسلمانان ہندوستان ملکر پہلے علی گڈھ کے زنانہ اسکول کو اعلی درجہ کا کالج بنالیں پھر کچھ کریں۔

لیکن ڈیڑھ سال کی سکونت دیرہ دون اور وہاں کے خیالات ضروریات پر کافی غور کرنیکے بعد مجھے بھی ضروری معلوم ہوا کہ مسلمان بچیوں کے لئے ایک اپنا مدرسہ ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ چند گھروں میں یہ دیکھکر کہ وہ بچیوں کو تعلیم دلانا چاہتی ہیں مگر بندوبست نہونے سے مجبور ہیں اور ہندو اپنے سکولوں میں مسلمان لڑکیاں داخل نہیں کرتے اور انکا اپنا مدرسہ ہی نہیں۔ بعض لڑکیاں مشن ہائی اسکول میں داخل دیکھکر بہت ہی افسوس ہوا۔ مشن اسکولوں کی مضرت رساں تعلیم سے سب واقف ہیں۔ یہ سوچکر خدا کا نام لیکر ایک چھوٹے سے مدرسہ کی بنیاد ڈالدی اور مشن اسکول سے لڑکیاں اُٹھاکر اسی میں داخل کیں۔ چونکہ اُن کو انگریزی کی ضرورت تھی ہمیں ابتدائی حالت میں انگریزی کے لئے عیسائی لیڈی مقرر کرنی پڑی۔

اگر یہ مدرسہ نہ کھولا جاتا تو بہت سی مسلمان لڑکیاں مشن اسکول جا پہنچیتں اب خدا سے دعا کرتی ہوں کہ وہ اسقدر توفیق دے کہ یہی ننھا پودا اپنے سایہ میں مسلمان بچیوں کو چھپالے اور وہ غیر جگہ جاکر تکلیف پانے سے بچیں۔

بوجوہات مندرجہ بالا میں اس وقت اس ساڑھے چھ ہزار روپیہ کا کوئی حصہ فراہم کردینے سے معذور ہوں۔ ہاں خدا جلدی وہ دن لاوے کہ میں اپنے مدرسہ دیرہ دون سے لڑکیاں نارمل کے لئے علی گڈھ بھیج سکوں۔ اس وقت میں شرمندہ ہوتے ہوئے ۵۰ روپیہ کا حقیر چندہ اپنے اور اپنی بہن شروت آرا نذر الباقی کی طرف سے پیش کرتی ہوں آیندہ اور جسقدر ممکن ہوسکا میں کوشش کرونگی۔

خاکسار

(نذر سجاد حیدر)

ٹرینگ کالج کا کام

اس امر کی تعلیم کہ کس طرح پڑہنا چاہیے

(بسلسلۂ گذشتہ)

ناظرین غالباً یہ سوال کرینگے کہ اسکول کے نصابِ تعلیم کو کس طرح ترتیب دیا جائے کہ مرقومہ بالا حالات کے لیے موزوں ثابت ہو؟ بظاہر جس طرح کہ راقم الحروف کی خواہش ہی یہ کس طرح ممکن ہی کہ اُستاد . . ہم طلبہ کو اس طور پر درس دیے گویا کہ ہر ایک طالب علم کے لیے ایک جداگانہ ماسٹر ہی، اس سوال سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ تکمیل تعلیم، انتظام، عمارات اور اساتذہ کی تعداد کا معاملہ ہی، یہ ایک اُصولی غلطی ہی جس کے مقابلہ کرنے کے ہم خواہشمند ہیں۔ اگر ایک طالب علم کیواسطے ایک درجن معلم رکھدیے جائیں جب بھی تعلیم ہر کام کے لیے موزوں نہیں ہوسکتی ہی۔ ان ایک درجن معلّموں میں سے ہر ایک یہی کوشش کریگا کہ طالب علم میں کچھ قابلیت پیدا ہوجائے۔ اور اُستاد کے دماغ کے سانچے میں اُس کا شاگرد ڈہل جائے اسکا راز طرز تعلیم میں مخفی ہی۔ جب تک کہ اُستاد یہ خیال کرتا رہیگا کہ میں اپنے شاگرد کے دماغ میں علم ٹھونس دوں اسوقت تک ہر ایک مضمون کی تعلیم دینے کے لیے ایک عالم متبحر کی ضرورت رہیگی اور ہر ایک طالب علم کے لیئے ایک جداگانہ معلم درکار ہوگا، لیکن پیشہ ور معلم کا یہ فرض منصبی ہی کہ اپنے شاگرد کو وہ یہ تعلیم دے کہ کس طرح پڑھنا چاہیئے۔ اُس کا کام یہ ہی کہ شاگرد کے روبرو ایک مسئلہ پیش کرے اور اُسکو بتائے کہ یہ مسئلہ کس طرح ذہن نشین کیا جاسکتا ہی اور باقی کام شاگرد کیواسطے چھوڑدے۔ وہ شاگرد کو شہر میں بھیج سکتا ہی یہ دیکھنے کے لیئے

کہ عملی کام کس طور پر انجام پاتا ہے۔ وہ اپنے شاگرد کو کسی کتب خانہ میں کسی مسئلہ کے متعلق کتب بینی کرنیکے واسطے بھیج سکتا ہے یا یہ بتا سکتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق فلاں شخص سے استفسار کرو۔ وہ اُس سے تجربہ کرا سکتا ہے۔ الغرض اس قسم کے ہزارہا طریقے اس امر کی تعلیم کے ہوسکتے ہیں کہ کس طرح پڑھنا چاہیئے۔ اگر کسی طالب علم کو تاریخ یا جغرافیہ یا حساب کی مکمل تعلیم دیدی جائے تب بھی وہ اسکالر نہیں ہوسکتا ہے۔ ہر سال سیکڑوں طلبا اسکول کا نصاب تعلیم ختم کر کے نکلتے ہیں لیکن جب وہ کسی یونیورسٹی میں پہونچتے ہیں تو اُن کو معلوم ہوتا ہے کہ ہمنے یہ تو سیکھا ہی نہیں کہ کس طرح پڑھنا چاہیئے کیونکہ یہ امر کہ کس طرح پڑھنا چاہئے محض رٹنے پر موقوف تھا، یہ تو ایک علم ہی جس سے اکثر انڈر گریجوائٹ طلبہ کے ٹیوٹر بھی نابلد ہوتے ہیں۔ اگر ہر ایک طالب علم کو پڑھنا سکھا دیا جاوے تو وہ اپنے ہی مذاق کے موافق اُسکو پڑھے گا۔ تمام کلاس کو ایک ہی مضمون کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن ہر ایک طالب علم اُس کو اپنے ہی مذاق کے مطابق یاد کریگا۔ کیونکہ ہر ایک طالب علم کا مذاق دوسرے سے جداگانہ ہوتا ہے لیکن اُس کو یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس کے یاد کرنے کی بہترین صورت کونسی ہی۔ دوسرے اپنی مختلف قابلیتوں اور مستقبل فرائض کے لحاظ سے اُس کے پیش نظر مقصد تعلیم جداگانہ ہوتا ہے۔

جدید طرز تعلیم کا راز

بغیر نصاب تعلیم کو تبدیل کئے ہوئے طالب علم کو آیندہ زندگی کے وسیع کام کے لئے تیار کرنا کیونکر ممکن ہی؟ اس کا جواب مرقومہ بالا فقرہ کے لفظ مذاق میں مضمر ہی۔ نصاب تعلیم فہرست مضامین کا نام نہیں ہی۔ یہ مصالحہ کی تشریح اور تفصیل ہوتی ہی۔ ہر ایک پیشے کی تعلیم کا مصالحہ تو ایک ہی ہوتا ہی ہر ایک کے لیئے لفظ کیوں، کب، کس طرح اور کس قدر استعمال ہوسکتے ہیں۔ مثلاً دریا کو نہ تو مضمون کہہ سکتے ہیں اور نہ یہ کوئی سبق ہی۔ ہزاروں اسباق میں یہ استعمال ہوسکتا ہی۔ یہ لفظ جغرافیہ تاریخ حساب اور سائنس سے بھی تعلق رکھ سکتا ہی

محض لفظ دریا ایک مہمل لفظ ہے۔ اس کے منافع ہمارے نقطہ خیال پر منحصر ہیں جس سے کہ ہم اس کا تذکرہ کریں۔ اگر ہم تجارت کا تذکرہ کرینگے تو دریا کے معنی ذریعہ، اور آمد و رفت اسباب تجارت کے ہونگے۔ بمصنوعات میں اس کے معنی ایک قوت کے ہونگے۔ سفر میں دریا موجب فرحت ہوگا۔ حفظانِ صحت میں دریا کیڑے مکوڑوں کی پیدائش کی زمین کو تباہ کرنیوالا بیان کیا جائے گا۔ اسی عملی مقصد میں جدید طرز تعلیم کا راز مخفی ہے۔ اگر ہم دماغی قوتوں کی ترقی چاہتے ہیں۔ تو مناسب موقع پر ہم کو علمی استعارات سے کام لینا ہوگا۔ غالباً یہ بات مہمل تصور کی جاویگی کہ دماغ جسم کا آلہ ہے اور اس کا فرض یہ ہے کہ جسم کے افعال کی رہنمائی کرتا رہے۔ دماغ کو یہ دیکھنا ہوگا۔ کہ عمل پر کس بات کا اثر ہوگا اور یہ یاد رکھنا ہوگا کہ کن باتوں کا اثر آیندہ زندگی کے اعمال پر پڑیگا۔ سڑک پر گذرنے والی تمام گاڑیاں اگرچہ ہم کو نظر نہیں آتی ہیں لیکن اُنکی حرکت سُنکر ہم جان لیتے ہیں کہ وہ جارہی ہیں۔ اسی طرح جن واقعات کا کہ ہماری زندگی کے اصولوں پر اثر پڑتا ہے، اُن کو ہم یاد رکھتے ہیں اگرچہ اُن میں سے ہر ایک واقعہ سے براہ راست ہمکو سابقہ نہیں پڑتا ہے جن واقعات کا کہ ہمارے عمل پر اثر پڑتا ہے ہمکو اُن ہی سے دلچسپی ہوتی ہے اور وہی ہمارے دل میں جاگزیں ہوجاتے ہیں۔ علم جس سے کہ عمل پر اثر نہو تو دماغ کے لئے اُس کا حصول باعث توہین ہے اگر دماغ معتدل قسم کا ہے تو وہ اسکو یاد نہ رکھیگا۔ اور اگر دماغ اُس کے یاد رکھنے کی کوشش کریگا تو اُس کی عملی قوت کم ہوجایگی۔ اسی اصول پر پروفیسر ڈیوٹی نے جو اس صدی کے بہترین ماہرانِ فن تعلیم سے ہیں، خیال کے عملی نصب العین کو حسب ذیل حصوں میں تقسیم کیا ہے:-

(۱) مسئلہ عمل

(۲) حصول واقعات جو اس مسئلہ پر موثر ہوں۔

(۳) تجاویز برائے امکان حل۔

(۴) منتخب شدہ حل کے متعلق عمل۔

ٹرننگ کالج میں ٹیکنکل مضامین کی تعلیم عموماً ان ہی اصولوں پر دیجاتی ہے بلکہ

درس لڑکے کو کچھ جاننا نہیں سکھاتا بلکہ کچھ کرنے کی تعلیم دیتا ہے وہ صرف اُن واقعات کو یاد کرتا ہے جنکی کسی کام کے انجام دینے میں ضرورت ہوتی ہے اور وہ اُس قابلیت کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو ان واقعات کو عملاً انجام دینے کے لئے درکار ہوتی ہے، اس لئے ہر ایک لڑکا ایک ہی سبق کو مختلف نظر سے دیکھتا ہے۔ لیکن یہ بات بخوبی ممکن ہے کیونکہ اُستاد سارے کلاس کے سامنے کھڑا ہوکر درس نہیں دیتا ہے بلکہ ہر ایک لڑکے کو خود مطالعہ کرنے میں مصروف کردیتا ہے، فی الحقیقت اسکول ایسے اصول پر چلایا جاتا ہے کہ کلاس میں ایک مسئلہ پیش کیا جاتا ہے، اُستاد تھوڑی سی معلومات بہم پہونچاتا ہے کہ اس کو کس طور پر سمجھنا اور معلوم کرنا چاہئے ضروری کتابیں اور آلات مہیا کردیئے جاتے ہیں اسکے بعد پھر اسکول ہوتا ہے اور تمام طلبہ اپنے اپنے مطالعہ اور نتایج کی رپورٹ مرتب کرکے اُستاد کے روبرو پیش کرتے ہیں۔ یہی نصیب العین ہے۔ طلبہ خود علیحدہ علیحدہ کام کرتے ہیں۔ چونکہ اُستاد کو لکچر دینے کا بہت کم کام کرنا ہوتا ہے اس لئے اُس کو خود مطالعہ اور غور وخوض کے واسطے بہت کافی وقت ملتا ہے نتیجہ یہ ہے کہ اسکول کے سیکڑوں طلبہ اپنے اپنے مذاق کے مطابق مختلف قسم کی قابلیتیں حاصل کرکے اسکول سے نکلتے ہیں۔ دنیا کو یکسانیت درکار نہیں بلکہ مختلف قسم کی ضروریات ہوتی ہیں اس لئے اس درس گاہ سے مختلف قسم کی قابلیتوں کے طلبہ تیار کردیئے جاتے ہیں جو اُس قطعہ ارض کی حقیقی مختلف ضروریات کے لئے کارآمد ثابت ہوتے ہیں

مضمون تفریح

کہا جائے گا کہ یہ طریقہ نہایت مفید ہے۔ اس کو مفید بنانے ہی کا ارادہ کیا گیا ہے اگر اسکول میں ادبیات کے مرتبہ پر ہم غور کریں تو ہمکو معلوم ہوگا کہ اس کا آئندہ زندگی میں کیا مرتبہ ہوگا جس کے لئے تیاری کا مقام اسکول ہوتا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اس کا رتبہ تفریح ہے جب کہ دن بھر کا کام ختم ہو جاتا ہے تو انسان کو آزادی نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے فرصت کے

وقت کو جس طرح چاہے صرف کرے۔ فرصت کے وقت کو صرف کرنے کے بعض طریقے کارآمد ہوتے ہیں اور بعض مضرت رساں ہوتے ہیں۔ فرصت کے وقت کو کارآمد طریقہ میں صرف کرنے سے یہ مدعا ہے کہ بحیثیت ایک باشندے کے وہ فرائض زندگی کو اعلیٰ نظر سے دیکھتا ہے اور بہتر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی دلیل کی بنا پر اسٹیٹ سکولز میں لبرل مضامین داخل کئے جاتے ہیں کیونکہ فرصت کا وقت آیندہ زندگی میں اپنے مرضی کے مطابق صرف کیا جاتا ہے اور حصول معاش کی طرح لازمی طور پر صرف کرنا نہیں ہوتا ہے اسکول میں سب مرضی اپنے مذاق طبع کے موافق کام کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ دن کو کام کے لئے ہمکو حساب سیکھنا چاہیئے۔ لیکن تفریحاً ہم انگریزی ادبیات کو نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ہمکو ذرا سابھی مذاق سخن ہے تو ادبیات سے ہم تھوڑی سی تفریح حاصل کرسکتے ہیں۔ فی الحقیقت جس طرح ٹیکنکل کورس میں طلبہ کی قابلیت کے بموجب مضامین کے انتخاب کی اجازت ہوتی ہے اسیطرح لبرل کورس میں طالبہ کے مذاق طبع کو دخل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تفریحی مضامین ہوتے ہیں اس لئے طلبہ صرف اُن ہی مضامین کو اپنے واسطے منتخب کرتے ہیں جن سے اُن کو بہت زیادہ حظ حاصل ہوتا ہے یورپ کے بہت سے سرکاری اسکولوں کے نصاب میں بہت سے لبرل مضامین مثل موسیقی ادبیات وغیرہ کے داخل ہوتے ہیں۔ اگر دنیا کے کام کے لئے طلبا ناکمل ثابت ہوتے ہیں تو اساتذہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہم ان کو لبرل اصول پر تعلیم دے رہے ہیں۔ اگر یہی حالت ہے تو غیر منفعت بخش تفریحی پیشوں کی تعداد میں بہت کمی ہونی چاہیئے۔ گانے بجانے کے کمرول اور تصاویر کے محلات کے اعداد سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن کی تعلیم دینے کے ابتدائی مدارس کو بہت کم کامیابی ہوئی ہے آخر اس ناکامی کی وجہ کیا ہے؟ یہ امر دو غلطیوں پر مبنی ہے جن کا ہم ابھی تذکرہ کرچکے ہیں۔

(۱) یہ کہ مضامین لازمی ہیں۔ لازمی ہونے سے تفریح کی روح جاتی رہتی ہے۔ سبق مثل دیگر کام کے لازمی ہوجاتا ہے جس کو ضرور ہی انجام دینا چاہیئے اور مسرت مفقود ہوجاتی

ہے تفریحی مضمون کی تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ طالب علم بطور تفریح کے کام کرنے کا عادی ہو جاوے اور آیندہ زندگی میں اپنے فرصت کے وقت میں اس کو بطور تفریح کے انجام دیتا رہے۔ یہ بات ناممکن ہے اگر زمانۂ طالب علمی میں طالب علم مثل لازمی کام کے انجام دے۔

(۲) اساتذہ طلبا کو ادبیات کی بجائے ادبیات کو پڑھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ طالب علم کو اس قدر تیزی کے ساتھ پڑھنے کی تعلیم دینا چاہیئے کہ اس کو اس کے پڑھنے سے مسرت حاصل ہو تاکہ آیندہ زندگی میں اپنے فرصت کے وقت میں بھی وہ پڑھنے سے اسی طرح مسرت حاصل کر سکے یہی طریقہ فن موسیقی اور آرٹ کی تعلیم کا ہے۔

لٹریری کلب

ٹرینڈ ٹیچر سیکنکل مضامین کی تعلیم اس کے اصول پر تعلیم دیتا ہے اس کو یہ سکھایا گیا ہے کہ لٹرل مضامین کی تعلیم آکسفورڈ کلب کے اصول پر دے۔ اپنی یونیورسٹی کے ایام کا خیال کر کے ہمکو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس قسم کے کلب کا کسقدر اثر ہوا ہے۔ باہر کے نقاد صرف یونیورسٹی کے انصاب کو دیکھتے ہیں لیکن یونیورسٹی کی زندگی کی خاص روح کو محسوس نہیں کرتے ہیں۔ یونیورسٹی کی زندگی مختلف قسم کے کلبوں میں مضمر ہے۔ اور جو کہ آکسفورڈ کالج کی سوشل زندگی کی روح رواں ہیں ان کی قوت ان کے سوشل اثر میں ہے کیونکہ ان کے ذریعہ سے مختلف کیرکیٹر اور رتبہ کے ہم مذاق طلبہ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے ان طلبہ میں رشتۂ اخوت نہایت مضبوط قائم ہو جاتا ہے۔ یونیورسٹی کی زندگی میں کسی بات کا اسقدر اثر نہیں ہوتا ہے جیسا کہ ایک کلب کے ممبروں میں رشتۂ اخوت محکم ہوتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ایک ہی دائرہ میں اور ایک ہی طرز پر علمی کام بھی انجام پاتا رہتا ہے اور ٹرینڈ ٹیچر علمی مضامین کی ان ہی اصولوں پر تعلیم دیتا ہے کلاس مثل ایک لٹریری کلب کے ہوتا ہے اور استاد کو صدر انجمن بننے

کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اگر یہ بات ناممکن ہوتی ہے تو مختلف درجے کلاس روم کے علاوہ ایک ہی کمرہ میں ہوتے ہیں۔ کتابیں پڑھی جاتی ہیں اور طلبہ اپنی ہی تصنیف سے قصے اور مضامین تیار کر کے سناتے ہیں۔ اُستاد کامیاب سکرٹری بننے کا ہنر سیکھتا ہے وہ بہت سے رسالے، اخبارات، مختلف کھیلوں کے متعلق کتابیں فراہم کرنیکا بندوبست کرتا ہے اس طور پر یہ کام نہایت دلچسپ معلوم ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح مختلف مضامین اور علوم کی تعلیم کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ ہم نے مجبوراً ابھی تک اپنے کو صرف عام اصولوں تک محدود رکھا ہے اسکے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب محض خیالی باتیں ہیں لیکن خوش قسمتی سے یہ امر خیالی سے کہیں زیادہ ہے لیکن ٹریننگ کالج ان باتوں کی محض ابتدا ہے اور ابھی صرف نئی کونپلیں ظاہر ہوئی ہیں۔ جسقدر ہو سکتا ہے اُس کا انحصار زمانہ مستقبل پر ہے۔ اس کا انحصار ہے اُس امداد پر جو دی جاوے۔ اُس بھروسہ پر جو اس پر کیا جاوے اور اُس دلچسپی پر جو اپنے کام کے ساتھ کی جاوے۔

ڈسپلن

ہر ایک ملک کے لئے خاص تعلیمی مسائل ہوتے ہیں اور بنگال بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ آجکل بعض حضرات جو ہندوستانی اسکولوں کی بہتری کے دل سے متمنی ہیں اس امر کے خواہاں ہیں کہ ڈسپلن کے معاملہ میں کسی عظیم الشان ترمیم کی ضرورت ہے۔ وہ یہ دعویٰ پیش نہیں کرتے ہیں کہ ڈسپلن مفقود ہے بلکہ اس کے برخلاف یہ کہتے ہیں کہ ڈسپلن کے متعلق عملی روح اور فوائد عامہ کی خاطر تکالیف برداشت کرنے کی روح نہیں پائی جاتی ہے

خواہش آشتی

اس روح کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں چنانچہ بہت سے پروفیسر شا کی

ہیں کہ اُن کے شاگردوں میں مستثنیٰ ہونے کا خیال پایا جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا طلبہ کو ٹرم کے شروع ہونے اور ختم ہونے کی تاریخیں معلوم نہیں ہیں۔ لائبریری کے قواعد فیس کا مقررہ وقت پر ادا کرنا اُن کو یاد نہیں وہ معافی فیس کی محدود تعداد سے اور اساتذہ کے فیصلہ سے جو امتحان کے نتائج پر وہ طلبا کو درجے سے ترقی دینے میں کرتے ہیں غیر مطمئن معلوم ہوتے ہیں۔ قواعد مقررہ میں استثنیٰ کی ہمیشہ خواہش رہتی ہے اور افسران چاروں طرف سے مجبور کئے جاتے ہیں کہ وہ قواعد کو توڑیں اور خاص نوازش منظور کریں۔ یہ کمزوریاں اسکول کی عمدہ تربیت اور ڈسپلن کی عدم موجودگی ظاہر کرتی ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باقاعدہ ضابطہ اور درس گاہ کی پوری تنظیم کرنے کی تعلیم بخوبی محسوس نہیں کی جاتی ہے اسکولوں میں یہ خیال عموماً پایا جاتا ہے۔ اور کھیلوں کے میدانوں سے بھی ہم اسی قسم کی بین مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔ یہ شکایت سننا ایک عام بات ہے کہ کرکٹ یا فٹ بال میچ میں امپائر کے فیصلہ پر بہت کچھ نکتہ چینی کی جاتی ہے اور شکست یافتہ ٹیم نہایت ادنیٰ اور معمولی قسم کی بے ضابطگیوں کے الزامات جیتنے والوں پر لگاتی ہے۔ راقم الحروف اسکولوں کے اساتذہ کا بڑا ہمدرد رہتے اکثر تو اساتذہ حتی الامکان اپنے شاگردوں کی بہتری خواہاں ہوتے ہیں اُن کو بہت سی دقتیں پیش آتی ہیں اُنکی تنخواہیں بہت قلیل ہوتی ہیں قیام ملازمت کا اُن کو بہت کم اعتبار ہوتا ہے اور بہت سے حالات ڈسپلن کے خلاف ترقی کرتے جاتے ہیں۔ یہ حالات اسکولوں اور کالجوں سے باہر واقع ہوتے ہیں جن کا اثر اُن کے خیالات اور محسوسات پر پڑتا ہے۔ اور آخر کار ان سب باتوں سے طلبا متاثر ہو جاتے ہیں۔

ٹرینڈ ٹیچر کی ضرورت

بہر حال یہ بات ممکن ہے کہ بہت سے اساتذہ ترقی کرنے کے ناقابل نہیں ہیں ہمکو پورا یقین ہے کہ اس معاملہ میں اُستاد کی شخصیت نہایت اہمیت رکھتی ہے اس شخصیت کی

تشریح کرنا ناممکن ہی کہ یہ قوت کن صفات سے پیدا ہوتی ہے۔ بہرحال اُس کو طالب علم کے ساتھ کام کرنیکی ہمدردی حاصل کرنا چاہئیے اور اس مصالحت سے پورے طور پر واقف ہونا چاہئیے جس سے اُس کو کام لینا ہے تعلیم دیتے۔ اپنا رعب قائم رکھنے اور اچھا نمونہ پیش کرنے کی قوت اُس میں موجود ہونا چاہیے۔ اُستاد کو اپنے شاگردوں پر اپنا رعب قائم رکھنے کی اشد ضرورت ہی۔ ممکن ہی کہ ہمدردی کے غلط معنی اُس کی سمجھ میں آجائیں۔ اُستاد اور شاگرد میں ہمدردانہ سلوک کا جذبہ ہونا لازمی امر ہے اور ڈسپلن کے لیے یہ امر لابدی ہی۔ لیکن طالب علم کی خصلت کا معمولی طور پر معائنہ کرنا، زبانی بہت کچھ پند و نصیحت کرنا، اُستاد کے رتبہ کے متعلق نہایت ادنیٰ قسم کی رائے قائم کرنا ہمدردی نہیں ہی۔ ایسے بھی موقع ہوتے ہیں جبکہ حکم دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اطاعت کرائی جاتی ہے اور سزا دینا ہوتی ہے۔ حق اُستادی کو محسوس کرنا چاہیے۔ اور اس حق کو کمزور کرنا طالب علم کے اخلاقی رشتہ کو کمزور کرنے میں داخل ہی اس قوت کے حاصل کرنے سے تربیت اور تجربہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ پبلک سروس کمیشن کے روبرو اکثر مبصرین فن تعلیم نے امتحانات کے متعلق اپنی شہادت میں بہت کچھ بیان کیا ہی۔ اس رائے پر تو سب متفق ہیں کہ محض امتحانات اُن حضرات کے تقرر کی کافی ضمانت نہیں ہیں جو دنیا کے عملی کام کو بہترین طور پر انجام دینے کے قابل ہیں۔ تاہم بنگال میں تازہ گریجوائٹ اور انڈر گریجوائٹ عموماً تعلیم دینے کی آسامیوں پر مامور کئے جاتے ہیں۔ دیگر اقسام کے ہر ایک پیشہ میں تیاری کا سوال نہیں ہوتا ہے۔ ہر ایک پیشہ کے لئے ٹریننگ کا ایک نصاب درکار ہوتا ہے قبل اس کے کہ امیدوار اُس میں داخل ہوں۔ کوئی وکیل، کوئی ڈاکٹر اور کوئی انجنیر۔ اس سے مستثنیٰ نہیں ہوتا ہے تاہم غیر ٹرینڈ ٹیچرز کی بنگال میں آجکل ضرورت ہی کیونکہ ٹریننگ تحریک صرف چند سال سے شروع ہوئی ہے اور ابھی تو صرف بہت تھوڑے سے ٹرینڈ ٹیچرز دستیاب ہوسکتے ہیں۔

مترجمہ
شان الٰہی

ٹریننگ کالج کیا کر رہا ہے؟

جس عملی ڈسپلن کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں اُس کے لئے اُستاد میں علاوہ رعب کے کچھ اور بھی ہونگی ضرورت ہے اُس کو اُن سب امور کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے جن کا تعلق اسکول ماسٹر کے کام سے ہوتا ہے اور ٹریننگ کالج کا مقصد ان ہی امور کی تعلیم دینا ہے۔ علمی پہلو یہ ہے کہ طالب علم لیکچرز میں شرکت کرتا ہے مباحثوں میں حصہ لیتا ہے اور تعلیمی مسائل پر ہفتہ وار مضامین تحریر کرتا ہے۔ ان ذرائع سے وہ طالب علم کے مزاج کو شناخت کر لیتا ہے کیونکہ جس شئے سے وہ واقف ہی نہیں اُسکی کیا اصلاح کر سکتا ہے اُس کو وہ اصول معلوم ہو جاتے ہیں جن پر مختلف مضامین کا طرز تعلیم مبنی ہونا چاہیئے اور اُس کو تاریخ فن تعلیم کا طریقہ معلوم ہو جاتا ہے تاکہ موجودہ فن تعلیم کے طرز کے متعلق وہ ایک عام رائے قائم کر سکے یہ سب باتیں نہایت قابل قدر ہیں لیکن عملی پہلو اس سے زیادہ اہم ہے۔ ٹریننگ کورس کا مرکز اسکول ہے۔ طالب علم نے کالج میں جو کچھ سیکھا ہے۔ اس مقام پر اُس پر عمل کرتا ہے جو کچھ وہ اسکول میں کرتا ہے وہ کالج اسٹاف کی زیر نگرانی کرتا ہے اور اسی مسلسل تعلق میں ٹریننگ کی قدر و قیمت واقع ہوتی ہے وہ موجود ہوتا ہے جبکہ کالج اسٹاف علمی سبق کی تعلیم دیتے ہیں وہ مختلف مضامین کی تعلیم دیتا ہے اور اُس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مختلف سن کے طلبہ کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا چاہیئے۔ مختلف قسم کی تعلیم دینے کا طریقہ اُس کو معلوم ہو جاتا ہے۔ اُس کو کلاس کا انتظام کرنا اور ڈسپلن قائم رکھنا معلوم ہو جاتا ہے۔ اور بہت سے طریقوں سے اُسکو اپنے پیشے کی زندگی کا تجربہ حاصل ہو جاتا ہے وہ مثالاً یہ ہیں۔ دوسرے اسکولوں اور درسگاہوں کا معائنہ کرنا اسکول کے کھیلوں میں حصہ لینا اسکول کی سوشل قدر دانی کو سمجھنا اُستاد اور طلبہ کے والدین سے ارتباط کو جاننا وغیرہ

ان طریقوں سے ٹریننگ کالج اپنے یہاں کے طالب علم کو اپنے پیشے کے متعلق وسیع نظر

قائم کرنے کا موقع دیتا ہے اور اسی کے ساتھ ڈسپلن کے مختلف معنی اُسکی سمجھ میں آجاتے ہیں
بجائے اس کے کہ ڈسپلن کو کلاس میں ترتیب قایم رکھنا قصوروں کی سزا دینا زیادہ اس امر پر متفق
ہیں کہ اس میں اس سے بہت زیادہ اور امور شامل ہیں۔ اس کا پہلو نہایت وسیع ہے رفتہ رفتہ وہ
اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ حقیقی ڈسپلن میں رجحان طبع، صحیح رہنمائی کی روح حکم اور قانون کی اطاعت
میں داخل ہیں۔ ۳۵اء بعد کلکتہ کالج بنگال کے اسکولوں کے لیے سو سے زیادہ ٹرینڈ گراجوائٹ
مہیا کردیگا، یہ لوگ انسپکٹران مدارس، ہیڈ ماسٹران اسسٹنٹ ماسٹران ہائی اسکول اور بطور ممبران
اسٹاف ٹریننگ اسکول برائے معلمین تعلیم پا رہے ہیں،

مترجمہ
شان الٰہی

اصلاح النساء

(سلسلہ گذشتہ)

جنٹلمین۔ اگر آپ اس وقت گھر ہوتے تو انکی یہ حالت ہوتی۔ سب کو ایک جگہ لیکر بیٹھتے نوکروں کو کیا پرواہ ہے کوئی کہیں پڑا کوئی کہیں۔ بڑی بہن سمجھدار ہوتی تو خبر لیتی ہی شکر ہے کہ اُس کو نیند نہیں آئی ورنہ وہ بھی یہیں کہیں پڑی ہوتی۔

مسٹر قمر۔ پھر کیا کیا جاوے آپ ہی کوئی تدبیر بتائیں اب ایک اور سخت یہ وقت پیش آئی کہ میری تبدیلی کا حکم آگیا۔

جنٹلمین (قطع کلام کرکے) ہائیں تبدیلی کا حکم؟ مجھ سے آپنے ابتک ذکر نہیں کیا۔

مسٹر قمر۔ ذکر کرتا مگر آتے ہی بچوں کو سنبھالنا پڑگیا۔ مجھے یہاں سے اسی ہفتے لکھنؤ چلا جانا ہے

حیران ہوں کیا کروں ؟ بچوں کو یہاں چھوڑوں تو کس پر ؟ لیجاؤں تو کیسے ؟ نیا چارج لینا ہوگا۔ میرا تو تمام وقت باہر صرف ہوگا۔ انکی دیکھ بھال کون کریگا ؟ عجیب مصیبت ہے۔

خانساماں ۔ حضور کھانا تیار ہے تشریف لیچلیے۔

مسٹر قمر ۔ اچھا بچوں کو اٹھاؤ۔"

خورشید زماں بھی اپنے چچا کی گودی میں ہوشیار ہوگیا تھا۔ چاروں بچوں سمیت کھانے کے کمرے میں آئے۔ بچے سوتے سے بیدار ہوئے تھے بیچارے اچھی طرح بیٹھ بھی نہ سکتے جس طرح ہوسکا باپ چچا اور نوکر نے انھیں کھانا کھلایا۔ کھانے پر پھر وہی ذکر ہوا۔

جنٹلمین ۔ بیشک یہ تبدیلی کی سخت دقت آپڑی ہے۔ آپ وطن سے اپنے عزیزوں میں سے کسی کو بلائیں۔

مسٹر قمر ۔ کس کو بلاؤں ؟ میرے قریبی عزیزوں میں تو کوئی ایسی نہیں۔ جو تنہائی میں میرے پاس آکر انکی نگرانی کرے۔ میری سخت بدقسمتی ہے کہ بچوں کی ماں نہ رہی تو میری والدہ بھی نہ رہی اگر وہ زندہ رہتیں تو مجھے صرف غم ہی ہوتا خانہ داری کی فکر نہ ہوتی۔

جنٹلمین ۔ افسوس آپ کو یک لخت سخت مشکلات کا سامنا ہوگیا۔ کارخانۂ قدرت ہے۔ بیوی کی جدائی کے ایک ہفتہ بعد ہی والدہ صاحبہ کا سایۂ شفقت بھی سر سے اُٹھ گیا۔ لیکن یہ سوچکر صبر کرنا چاہیئے کہ ایسے ایسے مصائب کے برداشت کرنے کو انسان ہی بنائے گئے ہیں۔ اب سوچیں کہ کیا کرنا چاہیئے ؟

مسٹر قمر ۔ یہی تو آپ سے دریافت کرتا ہوں۔ میرے مختل دماغ میں تو اب کوئی بات بھی نہیں آتی۔

جنٹلمین ۔ ان بچوں کی دونوں اناہیں کب تک آئینگی آپنے اُن کو کیوں بھیجدیا۔ اس وقت چھٹی دینا نہیں چاہیئے تھا۔

مسٹر قمر - تب ہی تو اسقدر دقت ہوئی کہ وہ دونوں نہ رہیں۔ اگر میں انھیں خوشی سے اجازت نہ دیتا تو وہ تب بھی چلی جاتیں۔ وہ یہاں سے تو رخصت کے نام سے نکل گئیں۔ وہاں سے دونوں نے خط لکھدیئے کہ اب ہم نہیں آسکتے اگر ایک بھی رہتی تو مجھے آرام رہتا چھوٹے بچے پھر ماں دادی کو یاد نہ کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے عزیزوں نے پسند نہیں کیا مردانہ گھر میں اُن کا رہنا۔ اب اگر نئی دایہ رکھوں تو بچے پسند نہیں کرتے۔

جنٹلمین - خرچ تو بہت ہوگا مگر اب کیا کیا جاوے آپ آگرہ سے ایک نرس منگالیں، وہ تعلیم یافتہ عورت ہوگی ہر طرح سے بچوں کو آرام ملیگا۔

مسٹر قمر - میرا بھی یہی خیال ہے مگر سردست کیا کروں؟ آیندہ کے لئے تو میں نے یہ سوچلیا ہے کہ چھوٹے لڑکی بچے کے لئے نرس آجائیگی۔ اور دونوں بڑے بچوں کو کسی اسکول میں داخل کردونگا۔ مگر فکر تو اس وقت کی ہے کہ تبدیل ہوکر جا رہا ہوں،

جنٹلمین - کاش اسوقت میں شادی شدہ ہوتا تو آرام سے اپنے پاس رکھتا۔ اب تو میرا گھر بھی اس قابل نہیں۔

مسٹر قمر - ایسا ہوتا ہی تو پھر مجھے کیا فکر تھی۔ مرحومہ ہمیشہ اپنی زندگی میں آپ کو شادی کی تاکید کرتی رہیں مگر آپنے ایک نہ مانی۔ آج آپ کی بیوی میرے بچوں کے کام آتی۔

اس گفتگو میں کھانا ختم ہوا۔ بچے سونا چاہتے تھے دونوں دوست اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کو اپنی اپنی جگہ لٹانے میں لگ گئے،

۷۸۶

چوتھا باب

گرچہ آغاز میں تھوڑی سی قباحت ہے ضرور
کام اچھا ہے وہی جس کا مآل اچھا ہے

کیوان قدر۔ وہ انجنیر صاحب جن کا ذکر میں نے کل آپ سے کیا تھا آج ہمارے سامنے والی کوٹھی میں آ گئے ہیں۔ رات کا کھانا انھیں یہیں کھلا دینا۔ ہاں انکے ساتھ چار چھوٹے چھوٹے پیارے خوبصورت بچے بھی ہیں اُن کو گھر میں بلا کر اپنے ساتھ کھانا کھلا لینا۔

بیگم کیوان قدر۔ بچے یہاں آجائینگے اور وہ خود باہر تو کیا اُنکی بیوی کو گھر جا وے گا؟

کیوان قدر۔ اُن بیچارے کی بیوی نہیں ہے میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ میں نے نووارد انجنیر کو بہت رنجیدہ دیکھا ہے۔ اُس دن سرسری ملاقات اُن سے ہوٹل میں ہوئی تھی۔ اس لئے میں سبب دریافت نہ کرسکا۔ آج جو وہ اس کوٹھی میں آئے اور بچے سب ساتھ تھے تو دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اُنکی بیگم کا انتقال ہو چکا ہے۔ ابھی ایک مہینا ہوا۔ بیچارا غریب بڑی مصیبت میں ہے۔ چار چھوٹے چھوٹے بچے اور تنہا خبرگیراں کوئی انّا وغیرہ بھی نہیں ہے میں نے کہا تھا کہ میرے یہاں بھیج دیا کرو میرے بھی بچے ہیں۔ یہ سب بہن بھائی اکٹھے کھیلا کرینگے

بیگم کیوان۔ ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں کسی اسکول میں کیوں نہیں بھیج دیتے۔

کیوان۔ کہتے ہیں اب بھیج دینگے۔ لیکن ابھی بچے بہت ہی کم عمر ہیں۔ سب سے بڑی لڑکی شاید آٹھ سال کی ہوگی۔ مجھے بہت ترس آتا ہے

بیگم کیوان۔ اچھا خدا اُن کا مددگار ہو۔ میں بھی اُن کو مدد دینے کی کوشش کرونگی۔ میرے بچے بھی پیار محبت سے اُن کے بچوں کو ایسا کر لینگے کہ وہ یہاں ہی رہا کرینگے۔ خیر یہ تو ہوا اب بتاؤ میں بھابی جان کو کیا جواب دوں؟ وہ مجھے مجبور کر رہی ہیں اسی ماہ میں شادی کر دینے پر۔ ہمیں بھی یہاں آئے پانچ مہینے گذر گئے۔ وہ کہاں تک انتظار کریں۔

کیوان۔ پھر شادی کر دینے میں آپ کو کاہے کا انتظار ہے۔ زیور کپڑا جو لڑکی کا ہے وہ ہے ہی ہم ہندوستانی فضولیات میں تو روپیہ برباد کرنے کے نہیں۔

بیگم کیوان۔ اس لئے تو میں بھی چاہتی ہوں کہ کر ہی دیا جاوے تو اچھا ہے۔ آجتک بھابی جان کی مرضی کی ایک بات بھی نہیں ہوئی۔ وہ اپنے آسمان قدر کی رسم منسوبیت بڑی دھوم دھام سے کرنا چاہتی تھیں۔ مگر انھیں فضولیات کے خیالات سے کہ بڑے گردی کا جھگڑا ہوگا ہم نے نہ کرنے دی لیکن اب تو وہ سب کچھ کرینگی۔ کہتی ہیں کہ میرا یہی ایک بچہ ہے سب کچھ ارمان نکالونگی۔

کیوان۔ یہ تو بہت بُرا ہوگا۔ میں تو ہرگز ان لغویات کو پسند نہیں کر سکتا۔ صرف عقد شرعی کرونگا۔

بیگم کیوان۔ نہیں جناب ایسا نہ ہوگا آپ کو خاموشی کے ساتھ سب کچھ منظور کرنا ہوگا۔

کیوان۔ کیسے کرنا ہوگا، چلو میں شادی ہی نہیں کرتا۔ میری لڑکی ہے میں نہیں دیتا۔

بیگم کیوان۔ توبہ توبہ ایسا خیال بھی نہ کرو۔ بڑے بھائی بجائے بجائے ہمارے والدین کے ہیں۔ اُن کے خلاف مرضی ہمیں کچھ نہیں کرنا چاہئیے۔ بیشک آپ کا دل گوارا نہیں کرتا مگر آپ کو جبر کرنا پڑیگا۔ آپ جانتے ہیں میں کسقدر ان فضولیات کے خلاف ہوں اور میری دلی تمنا تھی اور ہے کہ اپنے بچوں کی شادیاں بالکل شرعی طریق سے کروں۔ دوسروں کو ہدایت کرنی تب زیبا ہو کہ انسان خود عمل کر کے دکھاتے مگر مجبوری ہے۔ ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ اپنے ہی خلاف کام خود کرنا پڑتا ہے

کیوان - آپ کے حکم سے میں مجبور ہوں مگر مجھ سے یہ خلاف شرع و خلاف تہذیب رسومات اور ڈھول ڈھمکا دیکھا نہ جائے گا میں چندروز کے لئے باہر چلا جاؤنگا۔ آپ جب شادی سے فارغ ہو جائینگی تو بلا لینا۔

بیگم کیوان - ایسا ہو سکتا ہے کہ بغیر آپ کے میں شادی رچاؤں۔

کیوان - میرے ہونے کی کوئی ضرورت نہیں بھائی جان جو موجود ہیں وہ لڑکا اور لڑکی دونوں کے باپ ہیں۔ میں جب دوسروں کی اس قسم کی شادیوں میں شریک نہیں ہوتا تو اپنے گھر سب کچھ ہونا کیسے گوارا کروں؟

بیگم کیوان - ہمارے گھر تو کچھ نہو گا۔ میں نے بھائی جان کو اس بات پر رضامند کر لیا ہے۔ کہ ہمارے یہاں کوئی رسم نہو اور ان کا جو جی چاہے کریں۔ وہ تو ہنس نہیں اور کہتی تھیں کہ میں کس طرح گوارا کرونگی، کہ مایوں کے دن میرے بچے کے لئے چوکی۔ پنیڈی۔ اُبٹنا وغیرہ نہ آئیگا۔ بارات جائیگی تو وہاں ناچ رنگ نہو گا اور بارات والے بیاہ کی رات پڑکے سو رہینگے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر بھائی جان نے سمجھایا کہ ان بیچاروں پر اتنا ظلم نہ کرو وہ ان باتوں کے سخت مخالف ہیں اپنے گھر جو جی چاہے کر لینا۔ بہ مشکل تب کہیں راضی ہوئیں۔ سو جناب من میں پہلے ہی انتظام کر چکی ہوں۔ ہمارے یہاں کچھ نہونے پائیگا۔ شام کو بارات والے یہاں آکر کھانا کھائیں گے، اور پھر سب واپس جاکر بھائی صاحب کے ہاں ناچ رنگ میں رہینگے۔ صبح کو بعد عقد لڑکی رخصت کر دی جاویگی۔ اُس وقت سے جو اُن کا جی چاہے کریں۔

کیوان - اور لڑکی کے کپڑوں کا کیا انتظام ہوا ہے وہ بھی وہیں سے آئینگے کہیں وہ اپنی لڑکی کی طرح اتنے بڑے پائچوں کا غرارہ نہ لے آویں جس کو ملازمہ اُٹھا کر چلتی ہے میری لڑکی تو بیچاری گھبرا جائیگی۔

بیگم کیوان۔ ہاں یہ تو ضرور ہوگا لباس عروس وہیں سے آئیگا اور ہوگا بھی بہت پرانی وضع کا یعنی بہت بڑا غرارہ اور لمبی سی پشواز اور دوپٹا اور مصالحہ وغیرہ سے اسقدر بوجھل کہ سنبھالا نہ جاوے۔ مگر ان باتوں کی چنداں پروا نہ کی جاوے۔ یہ جھگڑے چند روزہ ہیں۔

کیوان ۔ واہ خوب چند روزہ ہیں میری لڑکی تو انہیں دنوں میں بیمار ہو جائیگی۔ بھابی جان سے کہدینا چاہیے کہ اگر جوڑا انھیں ہی لانا ہے تو جیسے لڑکی پہنتی ہے اسی قسم کا بیش قیمت تیار کرالیں ورنہ ہم خود پہنا دینگے۔

بیگم کیوان۔ (سنکر) خوب میں تو ایسے ایسے احکام نہیں دیسکتی جب لڑکی کا رشتہ وہاں کرنا ہے تو جو چاہیں وہ کریں۔ میرے دل کو اطمینان ہے۔ یہ باتیں چند روزہ کی ہیں۔ لڑکا ایم اے میں کامیاب ہوچکا ہے۔ ڈپٹی کلکٹری کا امیدوار ہے۔ تھوڑے عرصہ میں اس کا علیحدہ گھر بنجاوے گا گوہر وہاں رہا کریگی۔ ہر ایک امر میں بزرگوں کی خلاف مرضی بولکر کیوں اپنے آپ کو بدنام کروں اور نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ تعلیم نسواں کو بدنام کروں۔ کیونکہ سب یہی کہینگے کہ پڑھ لکھ لیا اس لئے ایسے خودسر ہوگئے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تعلیم پر حرف آئے خواہ بیجا ہی کیوں نہو۔

کیوان ۔ مگر ایسی تعلیم کس کام کی جس سے ذرا بھی حوصلہ نہ بڑھے تعلیم یافتہ ہونے سے کیا حاصل جبکہ انھیں جہالت کی زنجیروں میں جکڑی رہیں۔

بیگم کیوان۔ بیشک یہ درست لیکن دستور زمانہ و موقع و محل کا لحاظ بھی رکھنا چاہیے یا نہیں؟ اس وقت کی میری خاموشی سے اتنا تو ہوگا کہ چند رسومات میرے خلاف عمل میں آئینگی۔ میری گوہر جبیں کو تھوڑی تکلیف بھی اٹھانی پڑیگی۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زینت محل پر جو جہالت کی سیاہ چادر تنی ہوئی ہے۔ بہت جلد اٹھ جائیگی۔ یہ ہر قسم کی فضولیات صرف بھابی تک ہی پائی جائینگی اور پھر وہاں ان باتوں کا نشان

بھی نہ رہیگا، اور اُس گھر کی آیندہ نسل کی بہترین ہونیکی اُمید کی جا سکے گی، ورنہ اگر آپ کی مرضی کے مطابق میں اپنی لڑکی ندوں تو آپ دیکھلیں گے کہ خدانخواستہ تھوڑے عرصہ میں زینت محل کی یہ شان وشوکت نہ رہیگی۔ کیونکہ جس لڑکی سے آسمان قدر کی شادی کرنے کا خیال بھابی جان کو ہے۔ وہ محض جاہل وسخت بیوقوف ہے۔ بیچارے روتے جھینکتے آسمان قدر کے سر اُس کو مڑھ دیا جائیگا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں وہ اس محل کا ایسا انتظام آدکھائگی کہ بعد میں سب پچھتائینگے۔ اُس لڑکی کی مزاج کی تیزی ضدیں اور ہٹیں کچھ حشمت آرا سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔ چونکہ وہ بھابی جان کی ایک بہت عزیز سہیلی کی لڑکی ہے اس لئے وہ اُس کو لینا چاہتی ہیں۔ اور میں کسی طرح یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ ہمارا سمجھدار روشن خیال پیارا آسمان قدر اُس لڑکی کے سبب اپنی زندگی سے بیزار ہوجائے۔ اور ہماری جائداد کا ایک بڑا حصہ ایک ایسی بےسمجھ عورت کے ہاتھوں برباد ہو۔

کیوان - آپ کی اس قدر دور اندیشی سے میں آگاہ نہ تھا۔ آپنے جو کچھ کیا نہایت عقلمندی سے کیا۔ میں آپکی رائے کا پابند ہوں جو چاہیں کریں۔ ہاں یہ خدا سے دعا مانگوں کہ وہ میری لڑکی کو ان تکالیف کی برداشت کی طاقت بخشے۔ جو اُس کو نئی زندگی شروع کرنیکے ابتدائی زمانہ میں اُٹھانی پڑینگی۔

بیگم کیوان۔ ان باتوں کی پروا نہ کریں لڑکی بفضل خدا ہوشیار وعقلمند ہے۔ اچھا تو میں ۲۷ تاریخ عقد کے لئے اس ماہ کی مقرر کردوں؟

کیوان قدر۔ آپ کو اختیار ہے۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا اُسی تاریخ گوہر جبیں کی شادی نواب آسمان قدر کے ساتھ بخیر وخوبی ہوگئی۔

پانچواں باب ۵

جب آسمان قدر کی شادی سے فراغت پائی اور چوتھی چالے بھی ہو چکے تو بیگم سلیمان قدر صاحبہ کو اپنی لڑکی حشمت آرا کی شادی کی فکر ہوئی۔ اُدھر ان کے بھائی صاحب کے گھر سے بھی یہی تقاضا تھا کہ اپنے لڑکے کی شادی کر لی۔ اب ہمارے کی بھی کرنی چاہیئے۔ اُن کا لڑکا بھی آسماں قدر کے ساتھ ہی ایم اے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

آسماں قدر کی شادی کو ڈیڑھ ماہ گذر چکا ہوگا ایک دن صبح ہی بڑی بیگم نے اپنے دیور دیورانی کو مشورے کے لئے بلا بھیجا۔ اور یوں ذکر کیا۔

بڑی بیگم - تمکو معلوم ہے بھائی صاحب آصف کی شادی کی کتنی جلدی کر رہے ہیں۔ اور ہمیں بھی آخر کرنی ہی ہے۔ تم سب کی جو صلاح ہو وہی تاریخ مقرر کر دی جاوے یہ شادی میرے بچے کی شادی کی طرح تھوڑی ہی ہو گی۔ کہ کوئی بات ہوئی کوئی نہ ہوئی۔ اوریں صبر کرکے رہگئی، اسمیں تو سب رسمیں پوری ہونگی۔ ادھر بھی اور اور اُدھر بھی۔

بیگم کیوان - بھابی جان نہایت خوشی کی بات ہے۔ ہم بھی دل سے اُس دن کے آرزومند ہیں جس روز حشمت آرا کی شادی ہو، آپکے خیال میں جو تاریخ مناسب ہو مقرر کر دیں ہم بھی خوشی سے دونوں طرف حاضر رہینگے۔ اِدھر ہماری بھتیجی اور بھانجی اُدھر بھتیجا (بیگم کیوان و بیگم سلیمان آپس میں چچا زاد بہنیں تھیں)

بڑی بیگم - میرے خیال میں ماہ رجب کی ۷ا تاریخ ٹھیک ہو گی۔

بیگم کیوان - آج شاید ۲۹ یا ۳۰ جمادی الثانی ہے یہ دو ہفتے سامان میں گذر جائینگے۔

بڑی بیگم - بیوی سامان کے لئے تو کئی ہی دن ہیں۔ آخر نو دن پہلے مایوں بھی تو ہوگی

بیگم کیوان - بہت درست۔ میرے قابل جو کام ہو سپرد کر دیجئے۔

بڑی بیگم - کام کیا سپرد کر دوں۔ تمہیں اب یہاں ہی چلا آنا چاہیئے۔ آخر ز آسمان بیگم، گوہر جبین تو ہیں ہے۔ مہر جبیں اور دونوں بچوں کو ساتھ لئے آؤ تمہیں اپنی کوٹھی چھوڑ کر تکلیف تو ہوگی مگر خیر۔ تھوڑے دنوں کو برداشت کرو۔

کیوان قدر - بھابی جان بچوں کی کیا ضرورت ہے؟ مہر گھر رہیگی تو مجھے تکلیف نہ ہوگی یہ آجائینگی۔

بیگم کیوان - آپ کو ویسے بھی تکلیف نہ ہوگی نوکر جو موجود ہیں۔ بھابی جان کی یہی خوشی ہے تو بچے بھی یہیں رہینگے۔

بڑی بیگم - اللہ اللہ میاں تمہارے بچے اب دو دن کی بھی تکلیف نہیں اٹھا سکتے آخر اسی گھر کے ہیں۔ اور تمہیں تکلیف کیوں ہوگی۔ تمہیں وہاں اکیلے گھر میں رکر کرنا ہی کیا ہے۔ بھتیجی کی شادی کا انتظام ہے ذرا یہیں آرہو"

قبل اس کے کہ کیوان قدر بھابی کی بات کا جواب دیں اس خیال سے کہ شاید میاں انکار نہ کردیں بیگم کیوان نے فوراً جواب دیدیا۔

بیگم کیوان - بہت اچھا بھابی جان یہ بھی میرے ساتھ ہی رہینگے۔ یہاں تو کام بھی ہے۔ وہاں خالی بیٹھکر کیا بنانا ہے۔

بیوی کا حکم سن کر کیوان قدر خاموش رہے اور دوسرے دن مع بیوی بچوں کے بیچارے کیوان منزل سے زینت محل آ گئے۔ ان کو تو ایک کمرہ علیٰحدہ ملگیا لیکن مہر جبین حشمت آرا کے ساتھ رہیں۔ ماہ رجب مایوں کا دن تھا۔ صبح ہی سے مہمان آنے شروع ہو گئے۔ لکھنؤ کی مشہور گانی والی ڈومنیاں بھی آج ہی سے دس دن کے لئے بلالی گئیں۔ سہ پہر کے چار بجے تو نوشہ کی بہنیں روشن آرا و انجمن آرا مع چند مغلانیوں ماماؤں کے حشمت آرا کو مایوں بٹھانے کے لئے آئیں۔ (باقی آیندہ)

فرانس میں طریقہ سودی لین دین

پیرس میں پرائیویٹ سودی لین دین کرنے والے ساہوکار نہیں ہیں۔ پیرس میں سودی قرض جائداد منقولہ پر دینے والی ایک سرکاری مرکزی انجمن ہے اور اس کی ہزاروں شاخیں پیرس اور مفصلات میں ہیں۔ اس کے افسران کا تقرر گورنمنٹ کرتی ہے اور سول سروس کے اصولوں پر کلرکوں کا تقرر رکھا جاتا ہے جو منافع حاصل ہوتا ہے وہ کار ہائے خیر میں صرف کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے زر کثیر کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور یہ رقم قلیل شرح سود پر قرض لے لی جاتی ہے اور جو سودی قرضہ اس انجمن سے لینا چاہتے ہیں ان کو سودی قرضہ زیادہ شرح سود پر دیا جاتا ہے۔

سودی قرضہ دینے والے سرکاری عہدہ دار

ایک صدر دفتر ہے اور ہر ایک ضلع میں اس کی ایک ایک شاخ قائم ہے۔ ہر ایک دفتر کے متعلق ایک کمرہ ہوتا ہے جس میں قرضہ لینے والے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ دروازہ کھلتا ہے اور ایک افسر آکر ان لوگوں کو بلانا شروع کرتا ہے۔ ایک ایک آدمی اس کمرہ سے دفتر میں جاتا ہے جس چیز پر قرض لینا چاہتا ہے اس کو پیش کرتا ہے اور اس کے عوض میں پیتل کا ایک ٹکٹ اسکو دیدیا جاتا ہے اس کے بعد دفتر کا ایک ملازم نمبروار طلب کرنا شروع کرتا ہے اور جس جس نمبر کا ٹکٹ لوگوں کے پاس ہوتا ہے وہ لوگ آگے کو بڑھتے ہیں، وہ شخص کہتا ہے، ا فرانک دیئے جاسکتے ہیں۔ پھر صراف جو وہاں بیٹھے ہوتے ہیں اشیا کی قیمت بتاتے ہیں اب قرضہ لینے والے کو اختیار ہے کہ خواہ قرضہ لے یا اپنی چیز واپس لے۔ یہ صراف نقرئی اور طلائی اشیا کی قیمت ان کے وزن کے لحاظ سے ۴/۵ حصہ اور دیگر تمام چیزوں کے دام اصلی قیمت کا ۱/۲ حصہ لگاتے

ہیں جو نیلام میں بک سکتی ہے۔ دفتر کے ہال میں ۲ کلرک بیٹھتے ہیں اور ٹکٹ تیار کرتے ہیں بعض حالتوں میں اگر مقدار قرضہ ۱فرانک سے زیادہ ہو تو قرض لینے والے کو اپنی شناخت کے لئے گواہ لانیکی ضرورت ہوتی ہے۔ غیر ملکی شخص کے لئے محض اُس کا پروانہ راہداری کافی ہوتا ہے۔ ۵فرانک کے چھوٹے چھوٹے قرضوں پر سود نہیں لیا جاتا اگر وہ ۳ماہ کے اندر ادا کر دیئے جائیں۔ چھوٹی رقمیں قرض لینے والے حضرات اگر کسی عارضی مصیبت میں مبتلا ہوں تو اُنسے مطالبہ نہیں کیا جاتا اور نہ سود لیا جاتا ہے۔

سودی قرضہ کا ٹکٹ

ٹکٹ کی پشت پر تمام شرائط درج ہوتی ہیں۔ اس لئے کوئی غلطی نہیں ہوسکتی اگر قرض لینے والا ناخواندہ ہو تو شرائط پڑھکر سُنا دی جاتی ہیں۔ مدت واپسی قرضہ ایک سال ہوتی ہے ۳ فیصدی سالانہ کے حساب سے سود اور ۳ فی صدی سالانہ کے حساب سے مصارف دفتر وغیرہ لئے جاتے ہیں۔ اور تنخواہ کے اصول پر ہر مہینے میں دو مرتبہ سود لگایا جاتا ہے۔ بڑی رقوم پر ایک فی صدی مقررہ محصول اور لگایا جاتا ہے اگر ایک سال کے اندر فک الرہن نہ کرایا جاوے تو سود ادا کر کے قرض لینے کے تیرھویں مہینے میں آئندہ ایک سال کے واسطے پھر وہی شے رہن کی جاسکتی ہے لیکن اگر کوئی مقروض یہ عرض کرے کہ میں نہ تو فک الرہن کرا سکتا ہوں اور نہ سود ادا کرسکتا ہوں، میری چیز فروخت کر دی جاوے اور سرکاری مطالبہ لیکر جو رقم فاضل بچے وہ مجھکو دیدی جاوے اگر سود نہ ادا ہونیکے باعث وہ چیز فروخت کیگئی ہے تو رقم فاضل ۳ سال تک امانتاً جمع رکھی جاویگی اور اس کے بعد کسی کار خیر میں دیدی جاتی ہے۔ سودی لین دین کا یہ رواج کئی صدیوں سے فرانس میں رائج ہے اور یہ طریقہ بیحد کامیاب ثابت ہوا ہے"

رسالہ ایڈووکیٹ جنرل آف انڈیا نے گورنمنٹ ہند کو نہایت پر زور الفاظ میں مرقومہ

بالا گورنمنٹ فرانس کے طرز عمل پر توجہ دلائی ہے کہ غریب حاجتمندوں کی کار برآری کے لئے ہندوستان میں بھی اسی قسم کا کوئی بندوبست ضرور کرنا چاہیئے تو مثل فرانس کے یہاں بھی یہ بیحد مفید اور کارآمد ثابت ہوگا۔ اور غریب لوگ ظالم ساہوکاروں کے دست تظلم سے نجات پاجائینگے۔ جن کے سودی چکر سے نکلنا سخت دشوار ہوتا ہے اور ایک مرتبہ قرض لیکر مدت العمر سود سے نجات نہیں ملتی ہے۔

شان آلہی

تجارتی تعلیم

ہندوستان میں عمدہ تجارتی تعلیم کی ضرورت نہایت وضاحت کے ساتھ گزشتہ مالی دقتوں سے جو پنجاب اور بمبئی میں پیدا ہوئی ہیں پورے طور پر محسوس ہوگئی ہے۔ بہت سے بنکوں کو اپنے کاروبار میں جو ناکامیاں ہوئی ہیں وہ ڈائرکٹران، منیجران اور حصہ داروں کی تعلیم تجارت سے نابلد ہونے کے باعث ہوئیں جس سے کہ وہ بنک کے کام سے واقفیت نہ رکھتے تھے ان بنکوں کی ناکامی نے بقول مسٹر داور ہمکو پورا سبق دیدیا ہے کہ تجارتی تعلیم نہایت ضروری چیز ہے۔ تجارتی تعلیم سے جو تعصب تھا وہ رفتہ رفتہ مثل غرب کے شرق سے بھی دور ہوتا جاتا ہے۔ عالمانہ پیشوں اور فوجی کمیشن کے لیکچر کو جو تعلیم یافتہ شرفا کا ورثہ سمجھے جاتے تھے دولتمند تاجروں نے شکست کردیا ہے اور ان تمام سوشل حلقوں میں جن کے دروازے اُن کے لئے پیشتر بند تھے اپنی قابلیت کے زور سے داخل ہوگئے ہیں۔ ہندوستان میں بھی یہ تبدیلی ظاہر ہونے لگی ہے اگرچہ اس کی رفتار ترقی بہت سست ہے لیکن اس رفتار کو بیحد تیز کرنے کی

ضرورت ہے۔ انگلستان کے نوجوان طلبہ کو جو تنفر تجارتی علوم کے پڑھنے سے تھا وہ امتحان مقابلہ سے بالکل دور ہوگیا۔ مگر بہر حال اپنے تیز رو رقیبوں سے مقابلہ ہونیکے باعث انگریزی تاجروں نے تجارت کے متعلق تمام علوم کی تعلیم کا اپنی اولاد کے لئے بندوبست کر لیا ہے۔ ۱۵ سال کا زمانہ گذرا کہ لندن کے ایوان تجارت نے ایک خاص کمیٹی مقرر کرنیکی پیش قدمی کی تاکہ یہہ کمیٹی تعلیم تجارت کی ایک ایسی اسکیم تیار کرے جو تاجروں کی نئی پود کے لئے موزوں ثابت ہو۔ یہ اُسی کمیٹی کی سفارش کا نتیجہ ہے کہ تمام دنیا میں لندن کے ایوان تجارت کی جانب سے امتحانات ہوتے ہیں۔ اس اسکیم کو ایسی اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل ہوئی ہے کہ ابھی حال میں ہمکو یہ اطلاع ملی ہے کہ اب لندن کے ایوان تجارت نے ان امتحانات کو ششماہی کر دیا ہے

تجارتی تعلیم کے متعلق عام واقفیت کے امتحانات کے علاوہ اس تعلیم کے مختلف شعبوں میں مثلاً پبلک اکاونٹنٹ سکرٹری کمپنی سرمایہ مشترک، انتظامات بنک وغیرہ کے لئے خاص امتیاز حاصل کرنیکی اور اسکیں قرار دی گئی ہیں۔ برمنگھم، منچسٹر اور لیڈز کی یونیورسیٹیوں نے اپنے یہاں شعبہ تعلیم تجارت کو اپنے یہاں داخل کر لیا ہے۔ اور بمبئی یونیورسٹی نے بھی اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔

عام طور پر یہ شکایت پائی جاتی ہے کہ ہندوستانی طلبہ جنھوں نے آرٹس کی ڈگریاں حاصل کرنے کی تعلیم پائی ہے وہ بطیب خاطر تجارتی علوم کی تعلیم کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ یہ قصور نوجوانوں کا نہیں ہے بلکہ یہ ایک قدرتی نتیجہ ہے چونکہ اُن کی لبرل تعلیم نے اُن کے قوائے دماغی کو دوسری سمت میں ترقی دی ہے اس لئے لٹریری جانب متوجہ ہونا ایک لابدی نتیجہ ہے لیکن برخلاف اس کے اگر میٹرکولیشن یا اسکول فائنل کے امتحان کے بعد وہ تجارتی تعلیم کے کالجوں میں داخل کر دیئے جاتے تو تجارتی تعلیم سے اُن کو دلچسپی پیدا ہو جاتی اور نتیجہ اس سے بالکل مختلف برآمد ہوتا۔ اس لئے یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ وہ ہندوستانی والدین جو اپنے بچوں کو تجارت کے کاروبار میں لگانا چاہتے ہیں اُن کو یہ بات دیکھنے کی ضرورت ہے

کہ اُن کے لڑکوں کو خاص تجارت کی تعلیم دی جاوے، خاص کر تاجروں کے واسطے جو اپنی اولاد کو اپنا ہی پیشہ سکھانا چاہتے ہیں اشد ضروری ہے کہ اپنی اولاد کو تجارتی تعلیم دلوائیں تاکہ وہ مستعدی سے تجارت کے کام میں لگ جائیں اور اُن کے تجارتی کاروبار کو ترقی دینے اور وسعت دینے میں معاون ثابت ہوں۔

شان الٰہی

نجمؔا کی افسوسناک موت

نجمؔا اُس لڑکی کا نام ہے جسکی ماں نے میری سب سے چھوٹی بہن کو دودھ پلایا ہے۔ گھر بھر میں مجھسے بہت محبت کرتی تھی جس روز میں بمبئی آنے کے خیال سے گھر سے نکلا۔ تو وہ دروازہ پر کھیل رہی تھی، بہ مشکل کھڑی ہوئی اور میرے پیروں سے لپٹ گئی، میں نے اُسے بدشواری الگ کیا اور یہ کہکر چل پڑا کہ، نجمؔا اب ڈیڑھ دو مہینے کے بعد تم سے آکر ملیں گے تمہارے لئے گڑیاں لائیں گے،، جبتک میں اُس کی نگاہ سے اوجھل نہ ہوگیا، وہ کھڑی رہی۔

کل گھر سے خط آیا، معلوم ہوا کہ، نجمؔا، دو روز طاعون میں مبتلا رہکر جنت کو سدہاری، اسکو پڑھکر جو میری حالت ہوئی عرض نہیں کرسکتا، کل تمام دن اور آج کی رات اُسی کے دہیان میں بسر ہوئی، میں اپنے چند نوجوان دوستوں کی اچانک موت کے داغ اپنے سینہ میں لیکر یہاں آیا تھا، یہاں آکر اُن میں ایک اور داغ کا اضافہ ہوا۔

بہت مفید ہے اے مرگ! بے رُخی تیری — نظر پڑے نہیں بچوں پہ تو کبھی تیری
پھنسی یہ جال میں کس کے بتا تو اے نجمؔا — قضا سے ہوگئی کس طرح دوستی تیری
ابھی سے ٹھان لی جنت میں سیر کرنے کی — ابھی تو ڈہائی برس کی تھی زندگی تیری

نظر نہ آئے گا گو چاند سا ترا چہرہ ۔۔ مگر نہ بھولیں گی باتیں مجھے کبھی تیری
ترے مزار پہ چھایا ہے، تیرا بھولا پن ۔۔ تری تلاش میں پھرتی ہے کمسنی تیری

نہاں نہ صرف ہو ماں باپ کی نگاہوں سے
نکل گئی ہو بہت دور میری آہوں سے

ابھی تو منہ سے ترے دودھ کی تھی بو آتی ۔۔ ابھی تو سیدھی طرح تھی نہ گفتگو آتی
مسرتوں کے وہ دن کاش پھر پلٹ آئیں ۔۔ پکارتا میں تجھے، اور ہنس کے تو آتی
نہ جانے دیتا کہیں تجھ کو عمر بھر کے لئے ۔۔ پھر ایک بار جو تو میرے روبرو آتی
میں ڈھونڈھ کر تری ننھی سی روح لے آتا ۔۔ جو دو گھڑی کے لئے تاب جستجو آتی
تجھے بھی دیکھتے علم و ہنر کے قدر شناس ۔۔ اگر قضا نہ تجھے قسمتِ عدو آتی

غضب کیا جو کیا ماں کی گود کو خالی
تمہیں تو ایک تھیں جنت میں کھیلنے والی؟

دلوں میں یاد تری لب پہ ہے فغاں باقی ۔۔ ترا نشاں نہیں پر ہیں نشانیاں باقی
فسانہ بن گئی تصویر زندگی تیری ۔۔ جو تو نہیں، تو ہیں تیری کہانیاں باقی
کہاں چلی ہے تو نجما کی روح کو لے کر ۔۔ ابھی تو میں بھی ہوں اے مرگ ناگہاں باقی
بڑا غضب تو یہ ہے، باغ یوں اجڑ جائے ۔۔ بڑا ستم ہے کہ رہ جائے باغباں باقی
بڑی خوشی سے میں گڑیاں تری لئے لایا ۔۔ ابھی خریدنی تھیں تیری چوڑیاں باقی

نمک کی پٹیاں باندھوں گا زخمِ فرقت پر
چڑھانے آؤں گا گڑیاں میں تیری تربت پر

راقم
قیصر (بھوپالی) الحمرا سینوٹیو گراف ہاؤس بمبئی

زرعی تعلیم

گذشتہ ایام میں بورڈ آف اگریکلچر کا سالانہ اجلاس بمقام کوئمٹور منعقد ہوا اور اُسمیں گورنمنٹ کی کارروائی جو توسیع تعلیم فن زراعت کے واسطے کی جاتی ہے بیان کی گئی اور آیندہ جس اصول پر کام کیا جائے گا اُس کے متعلق اس جلسہ میں نہایت اہم رزولیوشنوں پر بحث کیگئی اور پاس کئے گئے۔ مسٹر میکنا نے فرمایا کہ بورڈ آف اگریکلچر نے پراونشل زرعی تعلیم کے کالجوں کے متعلق جو ابتدائی نصاب تعلیم مقرر کیا ہے اور ۱۹۰۸ء میں جس کی ترمیم ہوئی تھی وہ اُن کے لئے موزوں نہیں ثابت ہوا۔ جن کے لئے وہ مقرر کیا گیا ہے۔ یں اگرچہ اس شعبہ تعلیم میں پاس فی صدی طلبہ کا اوسط اعلیٰ درجہ کا ہے لیکن اس کا میں ہونا اور جدید نصاب کی خواہش اسی امر سے نہیں ہے کہ طلبہ نے ایک ڈگری حاصل کرنے کا اس کو ایک ذریعہ بنالیا ہے۔ کالج گریجوائیس جو کہ اس صیغہ کے ادنیٰ عہدوں پر مامور ہیں۔ اُنمیں سے بجز چند کے اس صیغہ میں رہنا گوارہ نہیں کرتے ہیں۔ مدراس میں یہ بات خاص طور پر بیان کی جاتی ہے کہ زرعی تعلیم کے گریجوائیس میں ذہانت، تحقیقات کا مادّہ اور آزاد خیالی مفقود ہے۔ اسی طرح پنجاب میں رٹا تو بہت کچھ جاتا ہے لیکن عملی استعمال کا پتہ نہیں۔ نصاب تعلیم پر بہت سے حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں بہت سے کورس داخل ہیں جن میں سے ہر ایک اگرچہ مکمل صورت میں لیکن ایک ہی مقررہ وقت میں اُن سب کی تعلیم بغیر طلبہ کی استعداد کا اندازہ کئے ہوئے کہ فلاں کورس کو سمجھنے کی اُن میں لیاقت بھی ہے یا نہیں یا اس پر وہ عمل بھی کر سکتے ہیں دی جا سکتی ہے۔ اس میں یہ دقت پیش آتی ہے کہ ہندوستانی کاشتکاری پیشے فرقہ بہت کم خواندہ ہوتا ہے۔ یہ معلوم کرنا بھی خالی از دلچسپی نہو گا کہ طلبہ کس عمر اور کس

حدتک اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ مدراس میں تعلیمی حالت بہ نسبت دیگر صوبوں کے نہایت عمدہ ہے اس پر بھی وہاں کی کیفیت ہی کہ دہ لاکہ لڑکے اسکولوں کی ابتدائی جماعتوں میں داخل ہوتے اُمیں سے زیادہ سے زیادہ نصف تعداد اگلے درجوں تک پہونچتی ہے ممکن ہے کہ توسیع تعلیم سے کچھ زمانہ بعد اس حالت میں تبدیلی ہوجاوے لیکن موجودہ صورت میں عوام الناس تک یہ تعلیم جب پہونچ سکتی ہے کہ کاشتکاروں کو اُن کے کھیتوں پر اس تعلیم کا بندوبست ہو۔ یہ معلوم کرنا موجب مسرت ہی کہ اکثر صوبوں میں زمیندار اور کاشتکار کسی نہ کسی قسم کی زرعی تعلیم کے بہت خواہشمند ہیں۔ اس کے بعد مسٹر میکینا نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ کس وجہ سے کوئمبٹور کالج اور دیگر صوبوں کے زرعی کالجوں میں مستحق لوگ داخل ہونے پر رضامند اور آمادہ نہیں ہوئے۔ اور اس کا علاج بجاے جڑ کے چوٹی سے شروع کیا جاتا ہے۔ یہ بات مان لی گئی ہے کہ تحقیقات نے مسالحہ تعلیم کے لئے فراہم کردیا ہے اور عام طور پر تعلیمی حالت ایسی ہے کہ زرعی تعلیم ہر صوبہ کے لئے موزوں ثابت ہوگی۔

بعض صوبوں میں انگریزی تعلیم کا معیار بہ نسبت دیگر صوبوں کے زیادہ مفید ہے۔ بعض صوبوں میں زراعت کے متعلق سالہا سال سے تحقیقاتیں ہورہی ہیں اور بعض میں صرف چند روز سے شروع ہوئی ہیں۔ ابتدا سے ہر صوبہ کے لئے یکساں تعلیم پر زور نہیں دیا جاویگا۔ بلکہ ہر صوبہ کو اختیار ہوگا کہ اپنے یہاں ایسے اصولوں پر تعلیمی پالیسی قائم کریں جس سے کہ اس تعلیم کے پانے والے مستحق طلبہ فائدہ اُٹھاسکیں اور اُنکو اس تعلیم کے حاصل کرنیکی ترغیب اور تحریص پیدا ہو۔ اگر تمام صوبوں کو یہ پابندی کرنا پڑیگی کہ وہ بلا لحاظ صوبہ کی حالت کے تعلیم اور تحقیقات کے متعلق کس حد تک کام کریں تو یہ نصب العین ناممکن الحصول ہوگا لیکن اگر اُن کو یہ اجازت دیدی گئی کہ مقامی حالات کے لحاظ سے نصاب تعلیم مقرر کریں تو مجھکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ بہ نسبت پیشتر کیونکر اُنکی تعلیمی حالت کی بنا مضبوط اور قابل اطمینان نہوگی۔

کمیٹی کی رپورٹ

تعلیم کے متعلق کمیٹی کی رپورٹ ڈپٹی ڈائرکٹران محکمہ زراعت کی تجاویز پر مبنی تھی جنھوں نے بہت سے جلسوں میں اُن مسائل پر غور کیا تھا جو کاشتہ کاروں کی تعلیم کے متعلق اُن میں پیش ہوئے تھے ڈپٹی ڈائرکٹران کی یہ رائے تھی کہ موجودہ زرعی تعلیم کو کاشتکار زیادہ تر ناقص تصور کرتے ہیں، اس تعلیم سے اُن کی قوت مشاہدہ اور قوتِ استدلال کو پورے طور پر نشو ونما نہیں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کاشتکار پورے طور پر اس محکمہ کی کارروائی کی قدر نہیں کرسکتے ہیں بجز اس صورت کے کہ اگر اس تعلیم کا دینا دیہات میں اُن کے کھیتوں پر دینا ممکن ہو جاوے۔ ڈپٹی ڈائرکٹران کی یہ بھی رائے تھی کہ ابتدائی تعلیم عام قسم کی ہونی چاہیئے اور محکمہ زراعت کے دائرہ کے اندر نہیں ہوتی ہے لیکن بورڈ کو یہ خواہش ظاہر کرنی چاہیئے کہ محکمہ زراعت سررشتۂ تعلیمات سے مشورہ کرکے دیہاتیوں کے حالات کے موافق مسئلہ تعلیم کو موزوں بنائے۔ بہت کچھ بحث ومباحثہ کے بعد حسب ذیل رزولیوشن پاس ہوئے:-

(۱) بورڈ کوئمبٹور کے دو سال کے نصاب تعلیم پر اظہار پسندیدگی کرتا ہے اور یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ غالباً دیگر صوبجات کے لئے بھی یہ موزوں ثابت ہوگا۔

(۲) جو عام معیار تعلیم میٹرکیولیشن یا یونیورسٹی انٹرنس کے امتحان کا ہے اُس سے کافی قابلیت طلبا میں پیدا نہیں ہوتی کہ زرعی تعلیم کے کالجوں کی اعلیٰ تعلیم سے وہ مستفید ہوسکیں۔ اسلئے اُن کالجوں میں داخلہ کے واسطے میٹرکیولیشن سے زائد عام قابلیت کی شرط لگادی جاوے۔

(۳) بورڈ کا خیال ہے کہ محکمہ زراعت اور سررشتۂ تعلیم دیہاتیوں کی ضروریات کے انجام دینے میں اُن کی تعلیم کے بارہ میں نہایت اہمیت دیں اور باہمی مشورہ سے رائے قائم کریں اور ڈپٹی ڈائرکٹران کی سب کمیٹی کی اس رائے سے اتفاق کرکے سفارش کرتا ہے

کہ اہم مسائل میں سررشتۂ تعلیم محکمہ زراعت سے مشورہ کرے اور بورڈ کی کمیٹی ۱۹۱ کی رپورٹ میں جو اصول قرار دیئے گئے ہیں اُن پر عمل کرے۔

ان کے علاوہ ایک نہایت دلچسپ رزولیوشن یہ پاس ہوا کہ لوکل گورنمنٹوں سے استدعا کی جاوے کہ اسکول قائم کرنے کے لئے کمیٹی کے ورنیکیولر اگریکلچرل اسکولوں کو ماڈل قرار دیا جاوے۔

شان الٰہی

صحت و تندرستی

"تندرستی ہزار نعمت ہے" ایک نہایت مشہور و معروف مقولہ ہے۔ لیکن کتنے ہیں جو اس مقولہ پر غور کرنے اور حفظان صحت کے اصولوں کی پابندی کر کے تندرستی کی بیش بہا نعمت کو حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ بالخصوص ہماری مستورات تو ان اصولوں کو اس بے دردی سے پائمال کرتی ہیں کہ بیان سے باہر ہے۔ بعض حالتوں میں تو وہ مجبور ہیں اور اس کے ذمہ دار مرد ہیں۔ پردہ کی انتہا سے زیادہ سخت قیود اس میں حارج ہیں۔ تنگ و تاریک مکانوں میں جہاں صاف ہوا کا گذر نہو۔ دہوپ مدتوں رُخ نہ کرے ان کو مقید رکہنا میرے خیال میں انسانیت سے بھی بعید ہے۔ میرا اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ پردہ کو ایک سرے سے ترک کر دیا جاوے نہیں ہرگز نہیں بلکہ میں اُس معصوم اور بے زبان گروہ کے لئے رحم کا خواہاں ہوں۔ کیا یہ قابل افسوس امر نہیں ہے کہ مرد ظاہری ٹیپ ٹاپ نمائش میں تو ہزاروں روپیہ برباد کریں اور اس گروہ کے لئے جو مہد سے لحد تک انکی بہتری میں کوشاں ہے وہ کچھ بھی خرچ نہ کریں۔ مردوں کو چاہیے کہ جہاں وہ سیر و تفریح۔ پارٹی۔ کلب اور جلسوں میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے ہیں وہاں اپنی مستورات کی دردناک حالت سے متاثر ہو کر ان کے لئے نمائش و تکلف کے سامان نہ سہی انکی

زندگی کے نہایت ضروری سامان صاف ہوا کا تو انتظام کریں۔ مکانات پختہ نہ سہی کچے تعمیر کریں لیکن اس میں صاف کے لئے روشندان اور کھڑکیاں ہوں۔

ایک تندرست اور بیمار میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک تندرست آدمی میں بہ نسبت ایک بیمار کے زیادہ کام کرنے کی قوت ہوتی ہے۔ اس کے قویٰ شگفتہ ہوتے ہیں۔ زندگی کی حقیقی خوشیاں اسے نصیب ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے ایک مریض آدمی خود اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے لئے ایک قسم کا بار ہوتا ہے۔

تندرستی ہماری جسمانی خوبصورتی کا ایک ضروری اور لازمی جزو ہے۔ پس عورتوں کو جن کی تمام تر کوشش جسمانی خوبصورتی کے لئے صرف ہوتی ہے۔ تندرستی کا خاص طور پر خیال کرنا چاہیئے۔ تندرستی ایک زیور ہے جو تمام زیورات سے بالاتر ہے۔

اقتصادی لحاظ سے تندرستی نہایت مفید ثابت ہوئی ہے۔ ایک مریض کی آمدنی کا بڑا حصہ علاج معالجہ میں صرف ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے ایک تندرست شخص اس روپیہ کو آرام آسائش کے سامانوں میں صرف کر سکتا ہے۔

ایک فلاسفر کا قول ہے کہ "صحیح دماغ صحیح جسم میں رہتا ہے"، جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے جسمانی صحت کا اثر ہمارے قویٰ عقلیہ پر پڑتا ہے۔ شارع نے روحانی تہذیب و تربیت کے لئے جسمانی صحت کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ نماز میں رکوع و سجود وغیرہ صرف اس لئے رکھے ہیں کیونکہ اس حالت میں خدا کی یاد کرنے سے ہمارے روحانی قویٰ پر نہایت گہرا اثر پڑتا ہے اس جملہ کے احکامات میں صحت و تندرستی کے قوانین کا لحاظ کیا گیا ہے۔ جسمانی صحت کا اثر نہ صرف ہمارے قوائے عقلیہ اور روحانیہ پر پڑتا ہے بلکہ ہمارے اخلاق کی تربیت بہت کچھ اس پر منحصر ہوتی ہے۔ بچوں کی اوائل زندگی میں بچوں کے اخلاق و عادات کی تربیت نہایت سرعت سے ہوتی ہے۔ ان میں اچھے بُرے اثرات قبول کرنے کا مادہ موجود ہوتا ہے لہٰذا اس وقت کی بیماری ہمارے اخلاق پر بہت اثر کرتی ہے۔ جو بچے اوائل زندگی میں بیمار رہتے ہیں وہ

اکثر ضدی بدمزاج ہوجاتے ہیں ان کی طبیعت بہت کمزور ہوجاتی ہے۔معمولی حوادثات زمانہ کا ان کے اوپر بہت کچھ اثر ہوتا ہے۔غصہ ان کی طینت میں سرایت کرجاتا ہے۔حوصلہ پست ہوجاتے ہیں۔اور وہ آیندہ ترقی کرنے سے معذور ہوجاتے ہیں۔ہماری قوم پر فی زمانہ جو مردنی سی چھائی ہوتی ہے اس کے اسباب اگر تلاش کئے جاویں تو ہماری ابتدائی عمر میں جسمانی صحت کی کافی نگرانی نہ کرنے میں ملیں گے۔انگریزوں کے بچوّں کو اپنے بچوں سے مقابلہ کرنے میں یہ فرق بین نظر آنے لگتا ہے رنج و خوشی سے کوئی گھر خالی نہیں ہے لیکن کیا اس کو غلط ثابت کیا جاسکتا ہے کہ خوشی کے موقعوں پر دونوں قوموں کی حالت میں ایک نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کے بچوں کی ابتدائی عمر میں کافی طور پر غور و پرداخت کی جاتی ہے۔ان کی صحت کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کے قویٰ شگفتہ ہوتے ہیں۔وہ بڑی سے بڑی مصیبت کو نہایت خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ان کے حوصلہ بلند ہوتے ہیں۔

مردم شماری کی رپورٹیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر بچے ابتدائی عمر میں ہندوستان میں ضائع ہوتے ہیں اتنے کسی اور ملک میں نہیں ہوتے اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہوسکتی ہے کہ ہماری مستورات صحت کے اصولوں سے قطعی طور پر ناواقف ہوتی ہیں۔

افسوس ہے کہ مستورات کے فائدہ کے لئے اس وقت جسقدر رسالہ جاری ہیں ان میں اس اہم اور ضروری مسئلہ پر بہت کم بلکہ کچھ نہیں لکھا جاتا حالانکہ یہ مسئلہ مستورات کی تعلیم کا ایک ضروری جز ہے۔میرا ارادہ ہے کہ حفظان صحت کے متعلق ہر مہینہ ایک مضمون لکھتا رہوں اُمید ہے کہ ہماری بہنیں انسے خاص توجہ سے پڑھا کرینگی۔فقط

راقم

وحید احمد طالب علم کالج۔علیگڈھ

عورتوں کے متعلق یورپین عیسائیوں کے خیالات

(۱) سینیڈ "عورت ہمارے رنج و راحت کی سب سے عمدہ شریک ہے"

(۲) کوپر "جہاں کہیں عورت جاتی ہے وہاں برکت نازل ہوتی ہے"

(۳) بائرن "گو عورت کی طبیعت میں اُمید کا مادہ ہے مگر صبر و تحمل کی قوت اس میں اس سے کم نہیں"

(۴) بار بولڈ "عورت مصیبت کے بار کو ہلکا اور فکر کے دور کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے"

(۵) سیوج "عورت عقل کی طرح سنجیدہ اور عدالت کی طرح پیاری ہے"

(۶) کریب "عورت گنہگاروں کی تکلیف پر آنسو بہاتی ہے"

(۷) سنر ہینس "عورت نرمی سے اپنی تکلیف کو برداشت کرتی ہے اور دوسرے کے رنج کو ہلکا کرتی ہے"

(۸) گرہیم "عورت مصیبت زدہ کے اشک شور کو اپنے دامن سے پونچھتی ہے"

(۹) بجے ٹرن "عورتیں برکت دینے کے لئے پیدا کی گئی ہیں"

(۱۰) چاسر "عورت مجسم سچائی اور ہمہ تن صبر و ثبات ہے"

(۱۱) ملٹن "عورت پاک ربانی۔ نیک۔ ہزل عزیز اور شیریں وجود ہے"

(۱۲) جیمان سن "عورت میں ساری صفات اور ہر قسم کی رحمدلی پائی جاتی ہے"

(۱۳) ینگ "عورتیں ہماری آنکھوں کو نور بخشنے کے لئے پیدا کی گئی ہیں"

(۱۴) پیٹرسن "عورت ایک بڑی دولت اور ایک خوبصورت اور دل خوش کن وجود ہے"

(۱۵) زنڈکٹ: "مرد قوی سے بنایا گیا ہے لیکن عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے"

(۱۶) ملٹن: "عورت کی زندگی کا سب سے بڑا اور ضروری کام محبت ہے"

(۱۷) منٹگمری: "دنیا میں عورت حکومت کرتی ہے بہ حیثیت مادر۔ دختر۔ زوجہ وہی مردوں پر حاکم ہے"

(۱۸) اسٹوری: "عورت کے دل میں کچھ ایسی خوبی ہے جو زبان سے بیان نہیں ہوسکتی"

(۱۹) ڈبلو ہکسن: "عورت میں کچھ ایسی شرافت ہے جس کو ایک کمینی طبیعت کا آدمی نہیں سمجھ سکتا"

(۲۰) ٹینی سن: "عورت گلاب کی کلی ہے جس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے کانٹے ہوتے ہیں"

(۲۱) ڈریڈن: "عورت بہ اعتبار پیدائش کے مقدس ہے۔ خدا نے اسکو خود اپنے ہاتھ سے بنایا ہے"

(۲۲) ڈینیونٹر: "پدمنی کی طرح عورت صاف و پاک اور بے داغ ہے"

(۲۳) شکسپیر: "مرد کی تمام دولت عورت کے قدموں پر نثار ہے۔"

راقم

"الف"

قوانین حفظِ صحت

حفظ صحت کا علم سائنس کی ایک نہایت ضروری اور مفید شاخ ہے جس کا جاننا ہر ایک آدمی کے لئے ازبس ضروری ہے۔ قوانین حفظ صحت کا علم صرف حیات انفرادی کے قیام میں ہوتا ہے۔ بلکہ حیات شخصی کی مانند حیاتِ اجتماعی کی بقا بھی ایک بڑی حد تک ان قوانین سے مشروط ہے۔ حفظ صحت کے قوانین کا علم ایک حد تک ہر ایک آدمی کو ہوتا ہے اور اس لئے بعض آدمی یہ خیال کرتے ہیں کہ ایسے قوانین کے لئے محنت کے ساتھ مطالعہ کرنے یا ان کے متعلق تحقیقات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ یہ خیال دراصل ان قوانین کی اہمیت کو کم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ امر بداہتہً ثابت ہے کہ قدرت اپنے قوانین کی خلاف ورزی ہرگز گوارا نہیں کرتی۔ قانون تعزیراتِ ہند کی خلاف ورزی کرنے کے بعد دھوکا فریب یا جج کی غلطی سے کوئی مجرم سزا سے بچ جائے تو بچ جائے لیکن قدرت کے قوانین اٹل ہیں۔ قدرت کبھی سزا دینے سے نہیں ٹلتی۔ ہر ایک انحراف کی سزا یقینی طور پر مل جاتی ہے فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ارتکاب جرم یعنی خلاف ورزی قانون قدرت اور سزا میں اتنا لمبا وقفہ حائل نظر آتا ہے کہ دونوں آپس میں بے جوڑ معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ یاد رکھئے کہ بطئی الاثر زہر کی طرح قدرت کے قوانین کی ہر ایک خلاف ورزی اپنا اثر ضرور کرتی ہے اور عام طور پر تو قدرت کی تادیب ایسے صریح اور نمایاں پیرایہ میں ہوتی ہے کہ اس میں غلط فہمی کا امکان ہی نہیں ہوتا

حفظ صحت کے موٹے موٹے اصول ہر کہ ومہ جانتا ہے لیکن ہم تذکر کے طور پر چند ضروری نکات ناظرات خاتون کی تفنن طبع کے لئے بیان کرتے ہیں۔ عوام الناس کے نزدیک سب سے پہلی ضرورت خور ونوش ہے اور سب جانتے ہیں کہ قوت صرف کرنے سے بدن میں جو کمی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا بدل خوراک سے ہوتا ہے اور خوراک کی علت غائی بدل ماتحلل ہے لیکن عارضی لذات کے لئے ہم سب حاجت سے زیادہ اور بعض اوقات

غیر ضروری ماکولات کھانے سے دریغ نہیں کرتے۔ خوراک کا سارا فلسفہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ان دو عربی ابیات میں بند ہے ؎

تَقَلَّلْ اِنْ اَکَلْتَ وَبَعْدَ اَکْلٍ
تَجَنَّبْ فَالشِّفَاءُ لَفِی الْجِزَامِ

(جب کھاؤ تو تھوڑا کھاؤ اور کھانے کے بعد پرہیز سے کام لو۔ حقیقی صحت کا راز پرہیز میں مضمر ہے) ؎

فَعَارٌ ثُمَّ عَارٌ ثُمَّ عَارٌ
شِفَاءُ الْمَرْءِ عَنْ اَکْلِ الطَّعَامِ

(زیادہ کھانے سے انسان کا بیمار پڑنا پرلے درجہ کی شرمناک بات ہے)

یورپ میں ایک فرقہ ہو گذرا ہے جس نے ان کے بانی کے نام سے ایپی کیورینیز کہتے ہیں۔ اپنے بانی کے ایک صحیح اصول کی غلط فہمی سے یہ بلا نوش پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور چونکہ کھانے کی لذت دائمی نہیں ہے اس لئے کھا چکنے کے بعد کفِ حسرت ملنے کی بجائے وہ دوبارہ اسی لذت کے حصول کی یہ تجویز کرتے ہیں کہ زبردستی قے کرتے ہیں اور اسطرح معدہ خالی کرنے کے بعد پھر کھاتے ہیں قے کرتے ہیں اور پھر کھاتے ہیں وعلیٰ ہذا القیاس ان کی شان میں کسی نے کہا ہے کہ "یہ قے کرنے کے لئے کھاتے ہیں اور کھانے کی خاطر قے کرتے ہیں" پس جس طرح سعدیؒ علیہ الرحمۃ نے کہا ہے ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

اسلئے کھانے کو قوت لایموت سے تعبیر کرنا چاہیئے اور کھانا کی غرض بقائے حیات سمجھنی چاہیئے نہ کہ اس کے برعکس زندگی کا قیام کھانے پینے کے لئے متصور کیا جاوے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک کا ایک سچا واقعہ کیسا سبق آموز

ہے واقعہ کا لب لباب یہ ہے کہ ایک حکیم حاذق رسالت مآب کی خدمت میں آپ کی اور آپ کے
اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے علاج معالجہ کے لئے کامل ایک برس رہا لیکن اس
عرصہ میں ایک صحابی بھی بیمار نہ پڑا۔ ایک سال بیکار رہ کر حکیم نے آنحضرتؐ سے دست بستہ
عرض کی کہ اس کا مزید قیام فضول ہے کیونکہ آپؐ کو اور آپ کے اصحاب کو اس کی مطلقاً
ضرورت نہیں پڑتی۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ کھانے کے لئے صرف اس وقت ہاتھ
بڑھاتے ہیں جب بھوک ان پر غالب آتی ہے۔ اور ابھی اشتہا باقی ہوتی ہے کہ خوان سے ہاتھ
کھینچ لیتے ہیں؎۱

غذا کے متعلق اعتدال کے فوائد پر زیادہ زور دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ہر ایک
صاحب عقل اس نکتہ کو بخوبی سمجھتا ہے کہ زیادتی غذا فائدہ کی بجائے نقصان پہنچاتی ہے۔
علاوہ ازیں یہ امور کہ غذا مقوی اور صالح ہونی چاہیئے دن میں دو دفعہ کھانا کھانے کی بجائے
کم ازکم تین چار مرتبہ تھوڑی تھوڑی کرکے کھانی چاہیئے اور یہ کہ پرہیز علاج سے بہتر ہوتا ہے۔
عام فہم باتیں ہیں اور کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہیں۔

ہم نے اوپر ذکر کیا کہ عوام الناس کے نزدیک خوراک سب سے ضروری چیز ممد حیات ہے
لیکن حکما کے نزدیک پاک اور صاف ہوا؎۲ خوراک سے کہیں زیادہ ضروری چیز ہے۔ خوراک
کے متعلق تو خود ایک معمولی عقل کے آدمی کو اتنی تمیز ہوتی ہے باسی گلی سڑی یا کچی چیزیں
نہیں کھاتا۔ کمی بیشی کا احساس معدہ بخوبی کرا دیتا ہے لیکن ہوا کے متعلق تھوڑی سی بصیرت
کی ضرورت ہے۔ بہت سے آدمی گندی ہوا کھانے اور صاف ہوا سے متمتع نہ ہونے کے باعث
زرد رو اور کسلمند رہتے ہیں لیکن ان کا خیال کبھی اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ یہ سستی
اور پریشانی ہمارے خود کردہ گناہوں کے لئے قدرت کی طرف سے ایک تازیانہ تادیب ہے۔

؎۱ سعدی علیہ الرحمۃ نے حدیث پاک کے اسی مضمون کو ایک فارسی شعر میں یوں ادا کیا ہے اتنا کم نہ کھاؤ کہ اس سے جان پر آ بنے اور نہ اتنا زیادہ کھاؤ کہ منہ سے نکلنا شروع ہو جاوے ؎۲ انسان خوراک کے بغیر ایک مدت تک زندہ رہ سکتا ہے لیکن ہوا دو تین منٹ نہ ملے تو فوراً مر جاتا ہے۔

دیہات کے لوگ شہریوں سے نسبتاً توانا اور تندرست ہوتے ہیں علاوہ اور اسباب طبعی کے تازہ ہوا میں ہر وقت سانس لینا ان کی صحت کے اچھا ہونے کا ایک سبب اساسی ہے۔ ہوا کے گندہ ہونے کے بہت سے اسباب ہیں مختصراً حیوانات کا سانس لینا چیزوں کا جلنا گلنا سڑنا اور ہوا کی باقاعدہ آمد و رفت کا نہ ہو سکنا۔ کثافت کے اصلی سبب ہیں۔ شہروں میں یہ تمام اسباب بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں۔ اسی لئے شہروں کی ہوا مضافات اور دیہات سے زیادہ گندی ہوتی ہے ہوا کی کثافت کو ایک گیس (کاربانک ایسڈ گیس) کی موجودگی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ گیس تنفس اور چیزوں کے جلنے گلنے سڑنے وغیرہ سے بہ مقدار کثیر پیدا ہوتی ہے خالص ہوا میں بھی اس گیس کی ایک قلیل مقدار ہمیشہ موجود رہتی ہے لیکن جب یہ اپنی اصلی مقدار سے بڑھ جاتی ہے تو ہوا سانس لینے کے قابل نہیں رہتی، دورانِ خون جسم میں سست پڑ جاتا ہے اور خون کی صفائی کا عمل ایک حد تک مسدود ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ گیس کیا ہے؟ انسانی جسم کی نشو و نما روکنے کے لئے ایک بطی الاثر زہر ہے جو کہ خاموشی کے ساتھ لیکن لگاتار طور پر قوائے انسانی کو مضمحل اور مردہ بناتا رہتا ہے۔

تمدن کے ساتھ آدمیوں کا ایک جگہ شہر بسا کر رہنا لازمی ہے۔ لہذا شہری زندگی سے گریز نہیں ہو سکتا۔ سوال صرف یہ ہے کہ شہروں میں رہ کر کس طرح ممکن ہے کہ انسان اس موذی کثافت کے زہریلے اثر سے بچا رہے۔ شہروں کی ہوا کو صاف کرنے کے لئے سب سے زیادہ کارگر تجویز گھروں میں درختوں اور پودوں کی روئیدگی ہے۔

جس طرح تنفس اور جلنے سڑنے کے لئے گندی ہوا کا پیدا ہونا لابدی امر ہے اسی طرح نباتات کی نشو و نما کے لئے درختوں کا اس گندی ہوا کو اپنے بے شمار پتوں وغیرہ کے ذریعہ تنفس کے ذریعہ صاف کرنا ضروری ہے۔ ہم صاف ہوا دم کے ذریعہ سے اندر کھینچتے ہیں اور دم کے ساتھ گندی ہوا باہر نکالتے ہیں پودے وغیرہ اس کے برعکس گندی[1] ہوا دم کے ذریعہ

[1] یہاں دو تین اشارات قابل غور ہیں۔ وہی چیز جو حیوانات کے لئے مضر صحت ہی نباتات کے لئے

جذب کرتے ہیں اور صاف ہوا باہر نکالتے ہیں۔ چھوٹے پیمانہ پر شہروں کی صفائی اس تجویز کو عملاً
وائی ویریار ( ) کی مدد سے صحیح ثابت کر سکتے ہیں
یہ ایک شیشے کا بند برتن ہوتا ہے جسمیں تھوڑا سا پانی بھرا ہوتا ہے اسمیں رنگا رنگ کی مچھلیاں
تیرتی ہیں اور تھوڑے سے آبی پودے بھی ہوتے ہیں۔ چونکہ برتن میں ہوا کے نفوذ کا امکان
نہیں ہے اس لئے بظاہر یہ بات حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ بند ہوا کے باوجود نہ مچھلیاں
مرتی ہیں اور نہ پودے گلتے سڑتے ہیں۔ دونوں برابر بڑھتے جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ایک
کی ضرورت کو دوسرا پورا کر دیتا ہے اور دوسرے کی ضرورت کو پہلا اور اس طرح سے وہ تھوڑی
سی ہوا جو کہ وائی ویریا میں بند ہوتی ہے دونوں کی نشو و نما کے لئے کافی رہتی ہے۔
علاوہ اس تجویز کی دیگر تجاویز مثلاً آبادی کا گنجان نہ ہونا مکانات کا سر بفلک نہ ہونا
گلیوں اور شاہراہوں کا کشادہ اور سیدھا ہونا وغیرہ وغیرہ افراد کی طاقت سے باہر ہیں اور
صرف میونسپلٹیاں ان تدابیر کو شہروں کے آباد ہونے سے پیشتر عمل میں لا سکتی ہیں۔

(باقی آیندہ)

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۲) مفید اور جاں بخش ہے۔ دوسرے یاد رکھنا چاہیئے کہ نباتات میں بھی حیوانات کی طرح جان
اور بیرونی اثرات کا احساس ہوتا ہے پودے بھی سانس لیتے ہیں اور حیوانات کی طرح عمر طبعی پاکر مرجاتے ہیں۔ فرق صرف
روح کا ہے جسکے متعلق خود انسان کی حالت میں بھی ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے۔ اس امر کی توضیح کہ نباتات میں قوت مدافعت
اور احساس ہے ایک بنگالی پروفیسر ڈاکٹر بوس نے اپنے حیرت انگیز تجربات سے عملی طور پر ثابت کر دکھایا ہے کہ پودوں
میں بھی ایک نظام اعصابی ہوتا ہے جس پر نباتاتی زہروں اور معدنیات وغیرہ کا ویسا ہی اثر پڑتا ہے جیسا انسان یا
دیگر حیوانات کی حالت میں پڑتا ہے۔ مموسا پار ( ) ایک قسم کا پودا ہوتا ہے جس کے پتے
ہاتھ لگانے یا چھونے سے سکڑ جاتے ہیں یہ پودا گوشت خور ہے۔ اور اسکی خاصیت حکمت سے خالی نہیں جب کوئی کیڑا یا پتنگا
کسی کام کے لئے اسکے پتہ پر بیٹھتا ہے تو فوراً پتہ بند ہو جاتا ہے اور کیڑا دم گھٹ کر اندر مرجاتا ہے تیسرے نباتات کے
تنفس کا یہ عمل کہ ہمارے لئے گندی ہوا کو صاف کریں صرف سورج کی روشنی میں ہوتا ہے۔ بلکہ اندھیرے میں پودے
کاربنک ایسڈ گیس جذب کرنیکی بجائے باہر نکالتے ہیں اسلئے توہم پرست جاہل لوگوں کا عقیدہ ہے کہ پودوں کے بیچ میں رات کے
وقت نہیں سونا چاہیے بھوت پریت چمٹ جاتے ہیں صحیح لیکن بھوت پریت کاربانک ایسڈ گیس کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔

تقریر علیا حضرت ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال

(بسلسلہ سابق)

خواتین! آپ خوب جانتی ہیں کہ سلطنت برطانیہ کے سایۂ عاطفت میں ہمکو کسقدر آرام و آسائش میسر ہے ہمارے بزرگوں کے کارنامے اور قصے ہماری زبانوں پر ہیں اور آپنے کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ جگوا کی لڑائی میں دروازۂ بدہوارہ کے قریب بھوپال کی عورتوں نے غنیم پر اتنی اینٹ اور پتھر برسائے تھے کہ جگوا کی فوج کو پسپا ہونا پڑا، ہماری رگوں میں بھی آخر وہی خون ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہوگا کہ ہمارے ملک کے سپاہی تو اپنے خانماں سے علٰحدہ ہوکر سات سمندر پار میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائیں اور ہم اُنکے والی وارثوں کے لئے یا زخمیوں کی تیمارداری کیلئے یا ان مصیبتوں کے دور کرنیکے لئے جو لڑائی کے تلاطم میں پیدا ہوں کسی قسم کی امداد کے بھی باعث نہوں ایسے وقت میں ہمارے ہم قوم سپاہی ہماری عزت کا باعث ہیں اور جب وہ اپنے خون کا دریا بہا کر ہماری اور ہمارے ملک کی ناموری کر رہے ہیں تو صاحبان یہ کیونکر ممکن ہی کہ ہم عالی حوصلگی اور فراخدلی کے ساتھ اُس چندے میں جس کا اپیل حضور ویسرائے بہادر نے شائع کیا ہے شریک نہوں ہمارے ملک کی فوج اس وقت اپنا فرض بجالا رہی ہے اور ہمکو بھی لازم ہے کہ ہم بھی اپنا فرض بجالائیں۔ بقول سعدی شیرازی ؒ ؎

ایں ہمہ بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

۴۸۶

ریویو

کتاب خواتین

جس کا اس سے پہلے خاتون میں وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ اب بترتیب و نظر ثانی حافظ محمد اسلم جیراجپوری چھپکر شائع ہوگئی۔ اسکی چھپائی لکھائی بالکل خاتون کی طرح ہے۔ اور کاغذ بھی یہی ہے حجم ۲۴۸ صفحے قیمت فی جلد۔ عہ

اس کتاب میں ان تمام اسلامی خواتین کے حالات یکجا کر دیئے گئے ہیں جو بتفریق رسالہ خاتون میں دس برس تک چھپتے رہے ہیں۔ ۳۳ خواتین کی سوانحمریاں ہیں جنکی فہرست حسب ذیل ہے:-

نمبر شمار	مضمون	راقم
۱	حضرت خدیجہ ام المومنین رض	حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری
۲	حضرت فاطمہ رض	"
۳	حضرت عائشہ رض	"
۴	حضرت صفیہ رض	"

نمبر شمار	مضمون	راقم
۵	حضرت اسماءؓ	حافظ محمد اسلم جیراجپوری
۶	حضرت ام عمارؓ	"
۷	حضرت ام سلمہؓ	"
۸	حضرت خنساءؓ	"
۹	حضرت خولہؓ	"
۱۰	حضرت رابعہؒ	"
۱۱	حضرت سیدہ نفیسہؒ	"
۱۲	زبیدہ خاتون	"
۱۳	ترکان خاتون	"
۱۴	شجرۃ الدر	"
۱۵	رضیہ بیگم	محمد صبیح صاحب آثر
۱۶	چاند بی بی	عابد حسین خاں صاحب
۱۷	گلبدن بیگم	وحید احمد صاحب
۱۸	نورجہاں بیگم	"
۱۹	جودہ بائی	بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ
۲۰	ممتاز محل	نفیس دلہن صاحبہ
۲۱	جہاں آرا بیگم	مولوی محبوب الرحمٰن صاحب
۲۲	روشن آرا۔	"
۲۳	زیب النساء	"

اشتہار
سیاحتِ سلطانی
ہر ہائی نس علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کا سفرنامہ یورپ جسمیں دربار تاجپوشی حضور ملک معظم کی کیفیت
اور ممالک یورپ کی و نیز بعض اسلامی ممالک مثلاً قسطنطنیہ و مصر وغیرہ کی حالت جہاں جہاں
ہر ہائی نس تشریف لیگئیں نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیگئی ہے اسکی مصنفہ ہر ہائی نس علیا
حضرت کی چھوٹی دلھن شاہ بانو صاحبہ بیگم نواب زادہ حاجی حمید اللہ خاں صاحب جو اس سفر میں
علیا حضرت کے ہمراہ تھیں، اور جنہوں نے ازراہ ہمدردی [illegible]ں تعلیمی ترقی کی حمایت کے اسکا
حق تصنیف مع مصارف طبع علی گڈھ کے زنانہ مدرسہ کو عطا فرمادیا ہے۔
لکھائی چھپائی نہایت عمدہ کاغذ نفیس ولایتی اور کتاب مجلد ہے قیمت عہ
ملنے کا پتہ۔ دفتر خاتون علی گڈھ
خیالاتِ عزیز
مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم کے علمی، ادبی، تاریخی، اور سیاسی مضامین کا مجموعہ حجم ... صفحہ قیمت عدر
ملنے کا پتہ۔ دفتر خاتون علی گڈھ
علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ
یہ اخبار علی گڈھ کالج کا ارگن ہے، کالج کے حالات اور قومی معاملات پر اسمیں اعلیٰ درجہ کے مضامین نکلتے ہیں۔ قیمت ۔ ۔ ۔ للعہ سالانہ
ملنے کا پتہ۔ منیجر صاحب انسٹیٹیوٹ گزٹ علی گڈھ